کتاب شہادت جلد 2 صفحہ 501 تا 741
کتاب
شہادت
اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔
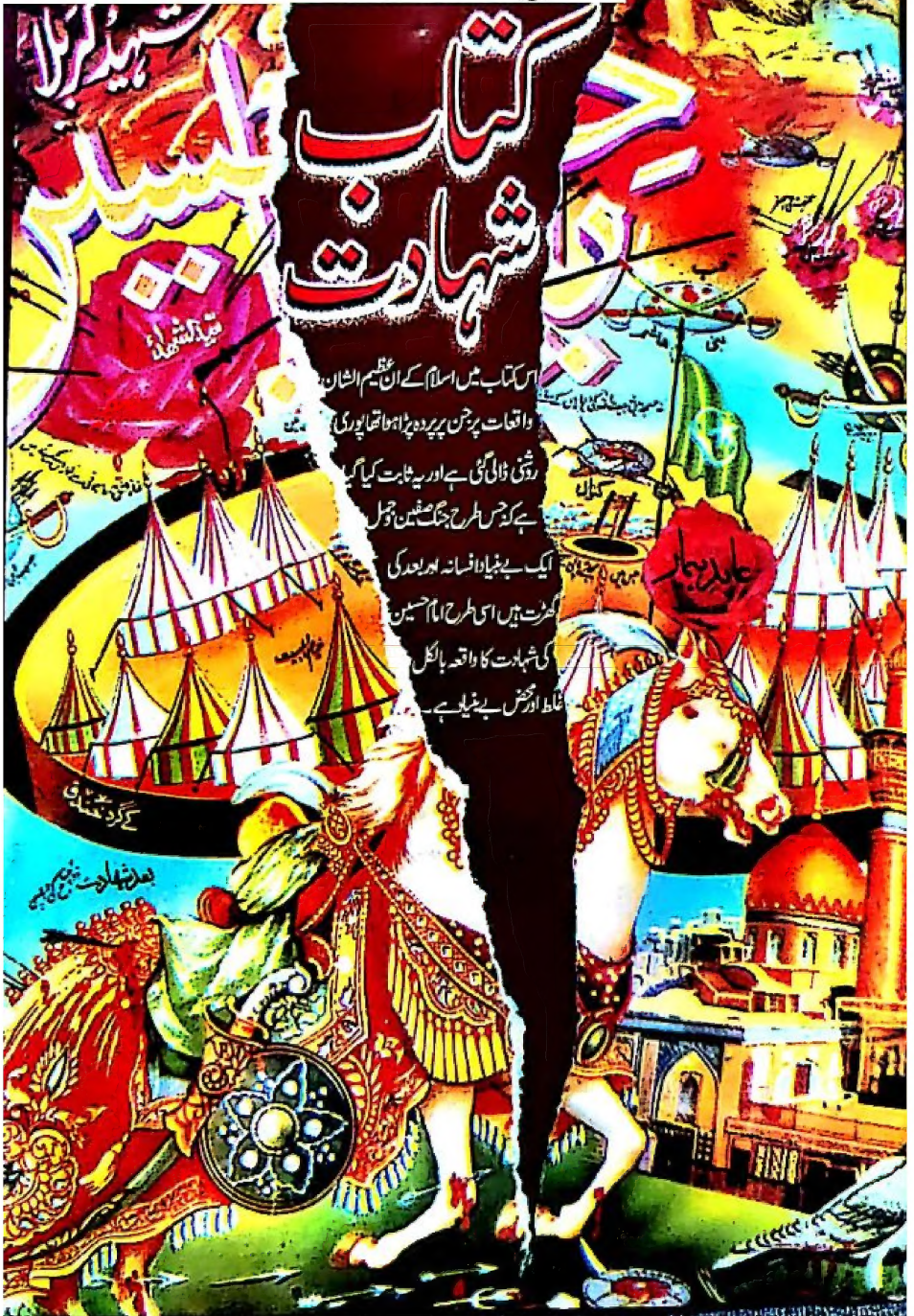
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷، ۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

اس مقدمہ میں بڑی دلچسپ بحث اس امر کی ہے کہ آیا حضرت علیؓ کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ جن آیتوں سے شیعی علماء نے حضرت علیؓ کی امامت پر استدلال کیا ہے اُن کی تفسیر اس محققانہ اس پیرایہ میں کی گئی ہے کہ تمام باطل خیالات خاک میں مل گئے۔

دوسرا مقدمہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

فہرست

عرض ناشر

علوم اسلامی میں اس وقت سب سے زیادہ مظلوم موضوع غالباً تاریخ کا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی دشمنی، کینہ، حسد اور بغض کی بنا پر اس موضوع کو پوری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ منافقین و مجرمین نے اپنے نفاق و جرم کی پردہ پوشی کرنے کی خاطر طرح طرح کے جھوٹے اور بے بنیاد واقعات اور روایات سے تاریخ اسلام کو داغدار کر دیا ہے۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی کیونکہ دین کے محافظ اور شریعت کے نگہبان ادارے بھی اس کے ساتھ بے اعتنائی برتنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قصہ سازوں، مفاد پرستوں اور روایت فروشوں کو اس بات کی مکمل آزادی مل گئی جو مرضی چاہیں کریں۔ کوئی ان کو روکنے والا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلام کے متعلق کتب ضد و نقیض سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ آج امتِ مسلمہ کے ہر فرقہ کے پاس اسلام کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے۔ رفتہ رفتہ ان غلط تواریخ کی غلط روایات کو عقیدہ کا مقام دے دیا گیا ہے۔ تاریخ میں نقل کیے گئے بعض واقعات خصوصاً واقعہ کربلا یا ان کے مصادر اتنی اہمیت کے حامل نہ ہونے کے باوجود دین کے ستون و بنیاد کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اِن کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار تو کجا استفسار کرنے کو بھی نا قابل معافی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ واقعات کربلا کے متعلق تاریخ سے ناواقف لوگوں نے اپنی بسر اوقات کے لیے جن کہانیوں اور افسانوں کو ملا جلا کر پیش کیا ہے ان میں اکثر و بیشتر تو ایسے ہیں جو بے سند کتابوں میں بھی نہیں ملتے اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جعل کے دروازے تو کھلے ہوئے ہیں۔ اور نقد و تصحیح کے دروازے بند کر کے قفل لگا دیئے گئے ہیں۔ آج اگر کوئی فرد کسی مخلص باصفا بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، علماء تک کو ان روایات کا جعل دلائل محکم سے ثابت بھی کر دیتا ہے۔ تو بھی تمام حقائق تسلیم کر لینے کے بعد ان روایات کے دفاع کی گنجائش باقی نہ رہنے کے باوجود بہت ہی پر اثر لہجے میں کہتے ہیں اگر ان سب روایات کو چھوڑ دیا جائے تو پھر ہمارے پاس باقی کیا بچے گا۔؟ گویا ان کی نظروں میں یہ ہی جعلی روایات سب کچھ ہیں اور بس! اسکی مثال کچھ اس طرح ہے کہ ایک گروہ کسی کے گھر میں زبردستی داخل ہو کر اس گھر میں سے صاحب گھر اور اسکے اصحاب کو تو باہر نکال دیں اور خود اس گھر پر قبضہ کر کے اس گھر کی ساخت اور تعمیر سے متعلق ان کے کارناموں کا ذکر شروع کر دیں یا اس صاحب گھر کو اسکی تعمیر کے سلسلے میں کن کن مشکلات کا سامنے کرنا پڑا ہے بڑی مدح سرائی بھی کر لے تو بھی کوئی انصاف پسند شخص اس پر بھی اِس گروہ کو اس اہل بیت کا دشمن ہی

کہے گا۔ ذرا سوچئے ایسے غاصبوں کے متعلق۔ دنیا کا ہر انصاف پسند انسان تسلیم کرے گا کہ اپنی پسند کا دین اختیار کرنے کا حق ہر انسان کو ہے۔ مگر دوسرے کے دین کا جھوٹا مدعی بن کر اپنے گمراہ کن عقائد اس دین میں داخل کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ اگر آج ہم مسلمان ہوتے ہوئے عیسائی یا ہندو ہونے کا بھی دعویٰ کر دیں اور عیسائیت و ہندومت کا نام لے کر ان کے مذہب کا حلیہ بگاڑنا شروع کر دیں۔ تو وہ ہم کو اپنے مذہب کا دشمن قرار دے کر ہم پر ٹوٹ نہیں پڑیں گے؟۔ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ شیعہ صدیوں سے اسلام میں نقب لگا رہے ہیں۔ ان کا مقصد بظاہر مسلمان بن کر اسلام کو مٹانے کے سوا کچھ نہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ صورت حال اور دوسری طرف جید وممتاز علماء، دین کا درد رکھنے والے اور مقتدر حضرات ان خرافات یعنی جھوٹی روایات کے خلاف آواز اٹھانے کو بھی مصلحت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں لکھنے اور کہنے والوں کو ناپسند دیدہ افراد قرار دے کر مختلف القابات سے نوازتے ہیں اور باقاعدہ تنبیہہ کرتے ہیں۔ اب آپ خود سوچئے ایک طرف تو ایسے چیلنج کا سامنا ہے اور دوسری طرف یہ علماء حضرات ہیں کہ من گھڑت روایات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے لبوں پر بھی مہر سکوت ثبت کرنا چاہتے ہیں۔ حق کی تائید کے لیے ضروری نہیں کہ ایسے خیالات کے علماء کے بغیر فکری شعور قائم ہی نہیں رہ سکتا اس کی فکر نہ کریں آپ کی آواز کو دبا دیا جائے گا۔ حق کی آواز بلند کرنے کے خواہش مند دنیا کے کسی بھی خطے میں ہیں حق کی خاطر اپنی کوششوں کو جاری رکھیں اس بات کا تعلق صرف میری ذات سے نہیں بلکہ امت کے ہر اُس فرد سے ہے جو حق کی آواز بلند کرنے کی خواہش میں فکر مند ہے۔

مذہب کو کسی طرف سے چیلنج کا جب سامنا ہوتا ہے تو دین ومذہب کی قید سے آزاد انسان بھی اسکے دفاع کا فکر کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے دینی امور میں اہل سنت سے زیادہ بے حس اور بے حمیت کوئی جماعت دنیا میں نہیں ہے۔ جب خود ان ہی حضرات کے ہاتھوں روایات کے ذریعے سے حقائق پر ضربیں لگتیں ہیں تو اس وقت صورت حال اور بھی شدید ہو جاتی اور ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

قارئین کرام! سید الشہداءؓ کا لقب شیعہ روایات کے مطابق خود حق تعالیٰ نے اور سنی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا دنیا کا ہر انصاف پسند شخص اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اب سید الشہداءؓ کا لقب حضرت حسین پر چسپاں کرنا صریحاً اللہ اور رسول اللہ کی مخالفت ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور فتوحات کا دور تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ اسی فتوحات کو روکنے کے لئے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی

شہادت کو بے وقعت کرنے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کی خاطر واقعہ کربلا سو سال بعد گھڑا گیا۔ اور اس واقعہ کو گھڑنے والے کیلئے شیعی راویان نے بھی کذاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہم سنیوں کا عقیدہ ہے کہ یقیناً حضرت حسین شہید ہوئے مگر اس طرح نہیں ہوئے جسطرح آج اپنے بیگانے روایات کا انبار لگا کر یہ سب لغویات کو اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس شہادت کو جو عظمت واقتدار آج دیا جارہا ہے۔ جس کے سامنے اور صحابہ کرام کے متفصل ومنصوص شہادتیں بالکل بے وقعت ہوئی جاتی ہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہئے۔ خاص کر فتح مکہ سے پہلے کے جہادات اور شہادتیں تو ضرور ایسی ایسی کئی شہادتوں سے بہت زیادہ فضیلت والی ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی کچھ کم مظلومانہ نہیں ہے یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دشمنان اسلام یہود اور صلیبی طاقتیں ہی ان ماتمی حضرات کے ساتھ مکمل تعاون اور اتحاد کئے بیٹھے ہیں۔ امریکہ نے حال ہی میں بیس ملین، ڈالر کی خطیر رقم شیعوں میں صرف تعزیہ داری کے لئے دیئے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے شیعہ مشہور عالم کی کتاب ''افق گفتگو'' اب آپ ذرا انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا خود ہی کہئے۔ صحیح معنوں میں اگر کوئی بھی فرد ان ماتمی حضرات کے عزائم کی نقاب کشائی کرتا ہے تو اپنوں ہی میں سے مذمتیں اور اختلافات کو ہوا دے کر فسادات کا بازار گرم کرنے کے الزامات کی بھرمار کردی جاتی ہے، اصل مسئلے کو پس پشت ڈال کر صرف چند مفادات کی خاطر ان ماتمی حضرات کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے خاص انداز میں مدد فراہم کی جاتی ہے۔ اسی غیر تسلی بخش صورت حال کا نتیجہ ہے کہ اس وقت پاک وہند میں پانی مہنگا اور مسلمانوں کا خون ارزاں ہے۔ دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو کم از کم شہید تو کہتے ہیں۔ لیکن خود اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں اگر کوئی کسی سازش کی تحت ذبح ہوجائے تو اُسے مذہب کی طرف سے سزا قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد انسان متحیر ہوکر سوچنے لگتا ہے کہ ایسی تنگ حالت میں کیا کیا جائے۔ ایسے وقت میں انسان کے دل پر ہمیشہ دوطرح کے خیال گزرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہئے پہلے خیال کا یہ نتیجہ ہوا کہ کچھ نہ ہوسکا۔ اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے ہیں۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۲۷ سپارہ ۲۵) اور وہ ایسا رب ہے کہ جب لوگ ناامید ہوجاتے ہیں۔ تو مینہ برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔

آج سٹیج اور منابر پر مذہبی بھانڈوں اور اکثر جہلا کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ یا تو اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھتے ہی نہیں یا پھر ایسا نہیں ہے پڑھے لکھے ہیں۔ تو سامعین کی خوشنودی کو اللہ تبارک تعالیٰ کی

رضا پر ترجیح دیتے ہیں حد تو یہ ہے فرضی قصے، غلط روایتوں کو خلاف واقعہ ہونے کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اپنے خطبات میں بیان کرتے ہیں اور سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ فکر و تحلیل کی ان میں کمی نہیں چاہیں تو اپنی گفتار سے پوری دنیا میں بسنے والوں کو صحیح فکر کا پیغام دے سکتے ہیں۔ نہ تھوڑے نہیں ہیں دھاڑے کا دھاڑا ہے۔ ہر جگہ، ہر موڑ، ہر نکڑ اور ہر بازار میں جھنڈے گاڑے بیٹھے ہیں۔ مذہبی مالیات پر بھی ان کی مکمل گرفت ہے۔ اور ہر قسم کی مراعات ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ یاد رکھئے بھیک منگے کبھی مزاحمت نہیں کر سکتے۔! اگر ان سب مذہبی معاملات کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کچھ انصاف سے کام لیں گے۔ خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں ہم تمام دانشور علماء اور امت مسلمہ کے ہر باشعور فرد سے درخواست کرتے ہیں کہ تحقیقی روش کو صرف احکام فقہ تک محدود نہ کیجیے، تاریخ اسلام میں تمام تر واقعات کو افسانہ سازوں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔ اس پر تحقیق کرنے والوں کو اجازت دیں تاکہ کھلے مباحثوں اور مذاکروں کا انعقاد کر سکیں۔ تحقیقی مقالہ جات، استفسارات اور جوابات پر مشتمل باوقار مجلّات کا اجراء کیا جائے تاکہ علمی بنیادوں پر نئی تحقیقات اور تجاویز سامنے آ سکیں ہم اس کتاب کو شائع کر کے کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں۔ تاریخ کا ایک رخ یہ بھی ہے جسکو صدیوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ہم تو مولف کو ذاتی طور پر جانتے تک نہیں۔ تاریخ کے طالب علموں کے لئے اس میں جانچنے اور جاننے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہمارا یہ پیغام کسی بھی ممکنہ صورت میں جہاں تک ہو سکے پہنچا دیجئے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف تاریخ کی اس تحقیق کو آشکار کرنا ہے۔ آج میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اپنے ہی اختیار کردہ اس مقصد کا سست رو خادم ہوں۔ کسی فرقہ کے جھوٹے سچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود نہیں اور نہ ہی کسی بھی فرقہ کے خلاف ہمارے کچھ عزائم ہیں۔ یہ بات تہذیب و متانت کے خلاف ہے کہ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں اس کتاب شہادت کو دوبارہ جمع کرنے میں یا کسی صورت میں میری مدد فرمائی میں ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فقط کم ترین

غازی حسین العباس مہدی

دہلی

۱۰ محرم ۱۴۲۵ ہجری

اقتباس:

مرزا حیرت اور ان کی کتابِ شہادت

(مفتی محمد طاہر مکّی کی کتاب سقوط دہلی کے بعد برصغیر کے نامور مؤرخین سے ماخوذ)

سقوطِ دہلی کے بعد برصغیر کے سب سے اہم اور نامور مورخ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں سر سیّد مرحوم تھے اور ان کا تحقیقی ذوق اور مشہورِ عام روایات سے مرغوب نہ ہونے کا مزاج ان کے معاصر اور بعد میں آنے والے تقریباً تمام مورخین نے حسبِ استطاعت اپنانے کی کوشش کی ان ہی میں ایک مؤرخ ومصنف مرزا حیرت دہلوی تھے۔

امراؤ مرزا عرف مرزا حیرت دہلوی یکم جنوری ۱۸۶۸ء کو یعنی سقوط دہلی کے گیارہ سال بعد مرزا محمد ابراھیم بیگ کے ہاں پیدا ہوئے۔ دلّی کے مشہور عربک سکول میں تعلیم پائی. تاریخ اور وقائع نگاری کی طرف خاص رغبت تھی۔ کرزن گزٹ جاری کیا جو ہفتہ وار رسالہ تھا۔ اس میں ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے پہلا مقدمہ چھپنا شروع ہوا (ہر ہفتے آٹھ صفحے) اور ۸ جولائی ۱۹۱۳ء کو چوتھا مقدمہ چھپ کر مکمل ہوا اس کے بعد ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء سے کتاب شہادت (ہر ہفتے آٹھ صفحے) چھپنی شروع ہوئی جو بعد میں مقدمہ کتاب شہادت اوّل دوم سوم چہارم اور کتاب شہادت حصہ اوّل کی مجلدات کی شکل میں کئی بار شائع ہوئی کتاب شہادت حصہ دوم شائع ہونا شروع ہوئی ہی تھی کہ مخالفین نے مرزا کے پریس کو آگ لگا دی جس سے مطبوعہ کتب کا بہت سا ذخیرہ اور یہ چھٹی جلد مکمل طور پر ضائع ہوگئی اور شہادت حسینؑ کے متعلق ان کی تحقیق پورے طور پر سامنے نہ آسکی. اگر کتاب شہادت جلائے جانے کا یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو غالباً یہ کتاب آٹھ یا نو مجلّدات پر مشتمل ہوتی کیونکہ چھٹی جلد بھی (جس کی طباعت کے موقعہ پر مرزا حیرت کے پریس کو آگ لگائی گئی) حضرت علی کے باقی حالات پر مشتمل تھی جس میں دلائل سے جمل وصفین کی جنگوں کے مرقوع کا انکار کیا گیا تھا. غالباً ساتویں جلد میں یہ بحث مکمّل ہوتی آٹھویں جلد میں حضرت حسنؓ اور نویں جلد میں حضرت حسینؓ کے حالات پیش کئے جاتے. مرزا صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کی جن کتابوں کا ہمیں علم ہوسکا وہ درج ذیل ہیں۔

تالیفاتِ مرزا حیرت

کتب مذہبی:

علوم قرآن: ۔ اردو ترجمہ قرآن کریم۔ انگریزی ترجمہ قرآن۔ مقدمہ تفسیر الفرقان۔ الہام ووحی۔

علوم حدیث: ۔ اردو ترجمہ بخاری شریف تین جلد۔ اردو ترجمہ مشکوۃ شریف چار جلد۔ ترجمہ دارمی شریف۔ تعارف فن اسماء الرجال

سیرت: ۔ دنیا کا آخری پیغمبر (قرآن کی روشنی میں سیرت طیبہ) سیرت محمدی۔ سیرۃ الرسول چھ جلد۔

سوانح صحابہ: ۔ خلافت شیخین۔ حیات حضرت عائشہؓ صدیقہ۔ حیات حضرت فاطمہؓ۔ سوانح عمری حضرت علیؓ۔ کتاب شہادت پانچ جلد۔ تازیانہ شہادت۔

سوانح بزرگان دین: ۔ سوانح حضرت لقمان۔ سوانح امام ابوحنیفہ۔ حیات مجاہد اعظم (صلاح الدین ایوبی)۔ تاریخ چراغ دہلی۔ سوانح بوعلی شاہ قلندر۔ حیات طیبہ (سوانح شاہ اسماعیل شہید)

غیر مذہبی سوانح: ۔ ترجمہ تزک بابری۔ سوانح نور جہاں بیگم۔ حیات حمیدیہ (سلطان عبد الحمید خان) تین جلد۔ ترجمہ تزک امیر عبد الرحمٰن خان۔ سوانح ابوالحسن بیوقوف۔ عمرو عیار۔ علی بابا چالیس چور جعفر کذاب۔ جعفر زٹلی۔ سوانح شیطان ۲ جلد

تاریخ: ۔ خلافت عثمانی۔ تاریخ عالم (امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک) ایک ہزار صفحات۔ تاریخ ہند ۲ جلد۔ ترجمہ تاریخ الحکماء۔ تاریخ حریت۔ بغاوت نامہ ۱۸۵۷ء

ادبیات: ۔ ترجمہ الف لیلہ۔ ترجمہ حاجی بابا اصفہانی (ایرانی سفرنامہ)۔ مشاطئہ بغداد (خلافت عباسی کی تباہی میں دشمن عورتوں کا کردار)۔ سیرِ گل فروشاں۔ ڈرامہ انصاف۔ مضامین حیرت۔ انشائے حیرت۔ وغیرہ۔

ملاّ واحدی اور مرزا حیرت: ۔ دلّی کی مشہور ادبی شخصیت مُلاّ واحدی نے اپنے زمانے کی دلّی کے مشاہیر کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

مرزا حیرت بڑے طرّار انسان تھے۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اُنھوں نے ٹھیک طریقہ سے پڑھ لکھ لیا ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیا ہوتا تو ہندوستان بھر میں اُن کا جواب نہ تھا۔ مرزا حیرت نے اپنے اخبار کرزن گزٹ میں اجمل خان پارٹی کے خلاف تابڑ توڑ مضامین شائع کیے مگر حکیم اجمل خان کا اقبال یاور تھا۔ جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ اُن کے ہر مخالف

نے منہ کی کھائی. اور مخالفت تو اولیا انبیاء کی ہوتی رہی ہے. مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سیّدنا حضرت امام حسینؓ کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا اور انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی. کمال یہ تھا جس زمانہ میں انکارشہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے. اُسی زمانہ میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کرتے تھے. اور ایسی تقریریں کرتے تھے. کہ سننے والوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں. مرازا حیرت کا دفتر آخر میں تو میرے بالکل نزدیک کلاں محل میں آ گیا تھا. انکار شہادت کی تصنیف اور بیان شہادت کے زمانہ میں دفتر جامعہ مسجد کے شمالی دروازہ کے سامنے پائے والوں کے پاس شیش محل میں تھا. شیش محل عظیم الشان مکان ہے. سارا مکان اور اُس کا صحن سُننے والوں سے بھر جاتا تھا. اور خلقت باہر سڑک پر کھڑی رہتی تھی. کہ شاید کوئی بھنک کان میں پڑ جائے. میکروفون (لاؤڈ سپیکر) اُس وقت نہیں تھے ورنہ شاید راستے رک جاتے. مرازا حیرت جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے. حالانکہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید قسم کی پائی تھی نہ قدیم قسم کی. لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اُسے مولوی نذیر احمد کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا فارسی میں شعر کہنے کے مدعی تھے. ہر کس و ناکس صرف دیکھ کر مرعوب ہو جاتا تھا. اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حُسنِ مردانہ عطا فرمایا تھا. ایک لطیفہ یاد آ گیا سرِعبدالقادر نے سُنایا تھا. اُس زمانہ میں. جبکہ مرزا حیرت کا عروج تھا اور عبدالقادر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن تھے. آل انڈیا محڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا مدّراس کی طرف کہیں سالانہ اجلاس تھا. شیخ عبدالقادر اور ان کے احباب میر غلام بھیک نیرّگ. مسٹر عبدالعزیز (فلک پیا) اور شیخ خوشی محمدؐ گورنر کشمیر وغیرہ اجلاس کی شرکت کرنے لاہور سے روانہ ہوئے میر نیرنگ کے سوا سب انگریزی لباس میں تھے. مدراس قریب آیا تو تین چار سیٹھ وضع کے مسلمان اِن کے ڈبے میں آ کر بیٹھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے انھوں نے شیخ عبدالقادر اور اُن کے احباب سے باتیں شروع کی پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں. اِنہوں نے بتا دیا. پوچھا. کہاں سے آ رہے ہیں انہوں نے کہا لاہور سے. بس لاہور کا نام سننا تھا کہ سیٹھ صاحبان کھڑے ہو گئے. اور ان لوگوں کے ہاتھ چومنے لگے. یہ حیران کہ ہمارے ہاتھ کیوں چومے جا رہے ہیں. پوچھا. بھائیو! کیا ماجرا ہے. ہمیں کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو. بولے آپ لاہور سے جو آ رہے ہیں. پوچھا. لاہور سے آ رہے ہیں تو کیا ہوا. بولے. لاہور دلّی کے نزدیک ہے. اور دلّی میں مرازحیرت جیسا بزرگ موجود ہیں۔

(میرے زمانے کی دلّی از ملا واحدی صفحہ نمبر ۲۵۵ تا ۲۵۷ شائع کردہ. گلذا مجمن کتاب گھر نمبر ۳ صدر کوآپریٹو مارکیٹ وکٹوریہ روڈ کراچی نقش ثانی اضافہ شدہ)

مرازحیرت اور ندوہ:۔ مرزا حیرت صاحب کو تحریک شاہ اسماعیل شہید اور تحریک ندوۃ العلماء سے بڑی

دل چسپی تھی .شاہ صاحب کے متعلق ان کی سوانح حیات طیبہ کے نام سے بڑی مشہور ہے .ندوہ کے متعلق جب قدامت پسندوں نے خصوصا مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب اوران کے حلقہ نے جارحانہ مہم جوئی شروع کی ۔اور بقول خودان کے ندوہ کی مخالفت میں دوسو سے زیادہ رسائل اور پوسٹرز شائع کئے گئے تو ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی نے ان کے جواب اور ندوہ کے حق میں ایک رسالہ لکھا۔جس کے متعلق موجودہ ناظم ندوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کی سوانح پر لکھی گئی کتاب (سیرت مولانا محمد علی مونگیری) کے چوتھے باپ میں بڑی تعریف کی گئی ہے اوراس کے کئی اقتباسات نقل کئے گئے ہیں مئولف سیرت محمد علی مونگیری لکھتے ہیں!

ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی (مصنف سیرتِ محمدؐیہ وحیات طیّبہ و حیات اعظم) نے ''مقاصد ندوۃ العلماء اوراس کی مخالفت'' کے نام سے ۳۱ صفحہ کا ایک رسالہ تصنیف کیا اوراس میں بہت طاقتوراور موثر طریقہ پر ندوہ کی پوری وکالت کی .تاریخ اور موجودہ حالات اور وقت کی تقاضوں کی روشنی میں ندوہ کی اہمیت وضرورت واضح کی اور مسلمانوں کواس تفرقہ انگزی پر غیرت دلا ئی ۔ایک جگہ لکھتے ہیں!

دینی علوم سے بے بہرہ ہوگئے ان کی مسجدیں وخانقاہیں ویران پڑی ہیں چاروں طرف دھو اں دھار اعتراضات آریہ وعیسائی کررہے ہیں ۔مگر کوئی خبر نہیں ۔اور خبر کہاں سے ہو .اسلام کی تردید سے فرصت ملے تو وہ دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوں ۔اگر مسلمان علماء کی کل تصانیف جمع کی جائیں گی .تو فی صدی پانچ تو کسی اور قصوں کی نکلیں گی بچانوے اسلام اور مسلمانوں کی تردیداور تکفیر میں نکلیں گی۔

مرزا حیرت کے اس بیان کی تائید کرتے ہوئے سیرت محمد علی مونگیری کے مئولف اس سے پہلے بھی ان کے کئے اقتباسات پیش کر چکے ہیں .مثلا اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۱ پر لکھتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ملّت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے .اس کی قوت کو کمزور کرنے اور دشمن کواندر گھسنے کا مو قع جتنا ان داخلی اختلافات نے دیا ہے اُتنا خارجی حملوں نے نہیں .مذہبی تفریق اور تعصب اس درجہ پہنچ گیا تھا کہ اس کی نظیر شاید ہندوستان کی تاریخ میں .نہ اس سے پہلے صدیوں میں ملے گی .اور نہ اس کے بعد کے زمانہ میں .مناظروں تکفیر وتفسیق' دشنام طرازی وافتراپردازی سے آگے بڑھ کر بات مقدمہ با

زی اور فوج داری تک جا پہنچی تھی۔ اور ایک دو نہیں خاصی تعداد میں ایسے مقدمے غیر مسلم حکام کے سامنے پیش ہونے لگے جن پر غیر مسلموں کو ہنسنے کا موقع ملتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ صرف انگریزوں اور ہندوؤں کو بلکہ خود مسلمانوں کو اپنے دین اور ثقافت سے یک گونہ بدگمانی پیدا ہو رہی تھی۔ اُن کے سامنے ایک طرف انگریزوں کا اتحاد، عیسائیوں کی ہم آہنگی اور سرگرمی تھی۔ دوسری طرف جماعتی تعصب کے یہ افسوس ناک مظاہر تھے جن کے تصور سے ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ مرزا حیرت دہلی نے دو سگے بھائیوں کی لڑائی کا افسوسناک اور چشم دید واقعہ قلم بند کیا ہے۔ جس کو پڑھ کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔

''میں نے یہ خونی منظر اپنی آنکھ سے دیکھا ہے میں نے سگے بھائیوں کو لڑتے ہوئے خود ملاحظہ کیا ہے۔ میں نے یہ جگر کاشق کرنے والا فکڑا بڑے بھائی کی زبانی جب اس نے چھوٹے بھائی کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے خود سنا ہے۔ افسوس ہم مسلمان ہی نہ پیدا ہوتے تو یہ دردناک حادثہ نہ ہوتا جب چھوٹا بھائی گرا ہے اور ایک ہولناک چیخ ماری ہے تو بڑے بھائی کا دل بھر آیا۔ اور خون برادری زور زور سے اس کی رگوں میں جوش مارنے لگا۔ ہاتھ سے لکڑی پھینک دی دوڑ کر اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگا اور مذکورہ بالا فقرہ کہہ کر ان مولویوں کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے لگا جنھوں نے لڑوایا تھا اور۔ یہاں تک نوبت پہنچا دی تھی۔ اس جھگڑے میں صرف پنجابی تھے۔ (پنجاب کے آدمیوں سے مراد نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے مراد ہے جو دلی میں مشہور رہیں)''

انہی پنجابیوں کے متعلق مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ:۔

''یہ وہ لوگ تھے جو یتیم خانوں اور تعلیم گاہوں کے قیام میں پیش پیش رہتے تھے اور ہر اجتماعی اور مفید منصوبہ میں بڑھ چڑھ کر مالی امداد دینے کے لئے تیار رہتے تھے، اور اسلام کے نام پر بڑے بڑے کام اور قربانی کے لئے سب سے آگے نظر آتے تھے۔''

لیکن ان لوگوں کی اس صلاحیت اور قوت کا جو میدان بدقسمتی سے علماء نے ان کے لیے پسند کیا اس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ چنانچہ یہی قوم دیکھتے دیکھتے باء سھم بینھُم شدید کی زندہ تصویر بن گئی۔ اور مختلف صفات اور صلاحیتوں کے افراد جو ایک لڑی میں پیوست تھے باہم دست وگریبان اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے۔ اور ان کو دین و مذہب اور شرافت و انسانیت کا بھی

پاس نہ رہا مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ (مقاصد ندوۃ العلماء) سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجہر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں. ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین۔ زور سے کہا جائے ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے اس پر سخت لڑائی ہوئی. متعدد آدمی زخمی ہوئے پھر مقدمہ چلا اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا دونو پارٹیوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعدوات پیدا ہوگئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی اسی طرح میرٹھ میں مقلدین و غیر مقلدین کی کشمکش اتنی بڑھ گئی کہ ہائیکورٹ تک مقدمہ پہنچا مرزا حیرت اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''چیف جٹس نے جٹس محمود کو (جب انھوں نے چیف جٹس کے فیصلہ پہ نکتہ چینی کی) مقدمہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا مسٹر محمود نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ ایسا سمویا ہوا تھا کہ اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہو جاتے تو پھر آگے کوئی جھگڑا نہ ہوتا، مگر نہیں، نئے نئے مقدمے پیدا ہو گئے اور وہ نئی نئی شاخیں نکلیں کہ باہم گہری مخالفت کی بُنیاد قائم ہوگئی جس کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔''

اس کے علاوہ وہ علی گڑھ کا مشہور مقدمہ زہر خورانی اس افسوسناک صورت حال کی ایک اور مثال ہے مولانا لطف اللہ صاحب کو زہر دیا گیا لیکن وہ تکلیفیں اٹھانے کے باوجود بچ گئے لاٹھیاں چلیں مقدمہ بازی ہوئی اور وہ سب کچھ ہوا جو مسلمانوں کا سر شرم سے جھکا دینے کے لیے کافی اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بدنما داغ ہے۔ بقول مرزا حیرت کے کہ:۔

اگر یہ تمام کیفیت مفصل طور پر لکھی جائے اور مستقل کتابی صورت میں اس ماتمی حالت کو لایا جائے تو یہ وہ تاریخ ہو جو صدہا برس تک ہماری آئندہ مہذب نسلوں کو خصوصاً اور غیر قوموں کو عموماً ہم پر اور موجودہ اسلام پر خندہ زنی کا موقع دے گی۔

(سیرت محمد علی مونگری صفحہ ۱۷۵ مئولفہ سیّد محمد حسنی پاکستان میں عکسی ایڈیشن مجلس نشریات السلام کراچی)

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ :۔ سقوط دہلی کے بعد اور، انگریزوں کے مکمل قبضہ کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہوئی. اس میں مسلم مفکرین کو اپنے مآخذ کی طرف دوبارہ توجہ دینے کی ضرورت پیش آئی. یوں کہنے کو تو ہر مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو خواہ وہ اہلسنت کے حنفی. شافعی. مالکی. حنبلی. ظاہری. اہل حدیث یا اہل قرآن ہوں خواہ اہل سنت سے باہر کے زیدی شیعہ. جعفری اثناء عشری شیعہ. بوہری.

اسماعیلی شیعہ آغا خانی اسماعیلی شیعہ. دروزی، نُصیری شیعہ. یا مہدوی شیعہ وغیرہ ہوں. سب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہمارا سب سے پہلا اور سب سے اونچا مآخذ اور فائنل اتھارٹی ہے. لیکن یہ بات بس تحریر اور قول کی حد تک ہے عملاً زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں قرآن کریم کو معیار حق کوئی فرقہ بھی نہیں مانتا ہر ایک اپنے اپنے اکابر اور بزرگوں کی تحقیقات کو فائنل سمجھتا ہے. قرآن کریم کا اول تو ترجمہ کے ساتھ کوئی مطالعہ نہیں کرتا اگر کرلے تو اسے بھی اپنے اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھتا ہے. یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں مختلف اکابر کی تحقیقات کا قرآن کریم کی روشنی میں تقابلی جائزہ لے کر آخری اتھارٹی قرآن کریم کو قرار دے نہ کہ اکابر کو، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس مزاج کو اپنائے مسلم نشاۃ ثانیہ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا.

مصورِ پاکستان مفکر مشرق علامہ محمد اقبال اپنے خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلام کے الا جتہادی فی الاسلام والے خطبہ میں فرماتے ہیں.

''آج جو مسئلہ ترکوں کو درپیش ہے کل دوسرے بلاد اسلامیہ کو پیش آنے والا ہے اور اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشو نما اور ارتقاء کی گنجائش ہے؟ لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا. گو ذاتی طور پر مجھے یقین ہے. کہ اس کا جواب اثبات میں ہی دیا جاسکتا ہے. بشرطیکہ. ہم اس مسئلہ میں وہی روح برقرار رکھیں جس کا اظہار کبھی حضرت عمرؓ کی ذات میں ہوا تھا وہ امت کے اولین دل و دماغ ہیں جو ہر معاملے میں آزادئ رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے اور جن کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی حالت نزع میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کافی ہے.'' (تشکیل جدید الٰہیات اسلام ترجمہ سیّد نذیر نیازی صفحہ ۲۵۱)

مرزا حیرت بھی علامہ محمد اقبال کے ہم خیال ہیں. مرزا صاحب کو قرآن کریم اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بڑی دل چسپی تھی. اس لیے قرآن فہمی عام کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کا اردو اور انگریزی ترجمہ. سیرت پر کئی کتب خصوصاً قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ سیرت پر کتابچہ. بخاری و مشکوٰۃ وغیرہ کے ترجمے شائع کیے. آیات بینات کے مصنف نواب محسن الملک.

مولوی مہدی علی خان جو خاندانی طور پر شیعہ تھے. مگر جدید مطالعہ اور سرسیّد کے زیر اثر قرآن کریم کے قریب آئے. اور اپنا خاندانی مذہب چھوڑ کر قرآن کے دامن میں پناہ لی اور اسی کی روشنی میں آیات بینات لکھی. ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرزا حیرت نے بھی قرآن کریم کی روشنی میں کتاب شہا دت لکھنا شروع کی تھی اپنی اس کتاب کی ابتدا ہی میں انھوں نے یہ بات بتادی ہے کہ ہمارا معیار اور نصب العین وہی نعرہ فاروقی حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ (بخاری مسلم) ہے. جو حضرت عمر فاروق اعظم نے محمد الرسول اللہ کے آخروقت میں بلند کیا تھا. اور جس کی تمام صحابہ اور خود محمد الرسول اللہ ﷺ نے عملاً تائید فرمائی تھی ورنہ اگر یہ نعرہ غلط ہوتا تو کوئی صحابی اٹھ کر اس کی تردید کرسکتا تھا. بلکہ اگر خود محمد الرسول اللہ اُسے درست نہ سمجھتے تو حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیتے. اور اس کی تردید کردیتے۔ مرزا حیرت اپنے اس اصول کے متعلق کتاب شہادت کے پہلے مقدمہ کے شروع ہی میں تفصیل سے لکھتے ہوئے بتاتے ہیں۔

اے چاند وسورج اور کروڑ ہا ستاروں کو فضا میں ایک مرکز پر قائم رکھنے والے اللہ تیرے احسانات کو ہم کہاں تک گنوائیں تو نے روحانی اور جسمانی دونوں نعمتیں ہمیں بخشی ہیں۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

ان نعمتوں میں ایک نعمت بہت بڑی تو نے ہمیں اپنی کتاب دی جو متقیوں کی ہدایت کرتی ہے اور اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ کتاب فرقانِ حمید یعنی قرآن کریم ہے جسمیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے. وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (سورہ بقرہ:۲۳)'' یعنی قرآن کریم جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں ہمارے کلام ہونے میں شک ہے تو اسکی آزمائش کی سہل ترکیب یہ ہے کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ جس کے ہر جملہ میں معرفت اور حکمت کے صدہا راز پوشیدہ اور ظاہر ہیں مگر ایسا نہیں کرسکتے پھر کیوں اپنا راستہ جہنم میں کرتے ہو۔'' غلط روایتوں کی کتابوں کو چھوڑ دو جن میں سوائے فضول اور گمراہ کرنے والی کہانیوں کے کچھ بھی نہیں رکھا اور قرآن مجید کو مضبوطی سے دانتوں میں پکڑ لو جسکی نسبت خالق ارض وسما ہدایت کرتا ہے. خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ . (سورۃ الاعراف:۱۷۱) اور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں (یعنی قرآن کریم) زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس

میں لکھا ہوا ہے شاید تمہیں ڈر ہو اور پھر تم محبوب کبریا اور اسکے راشدین صحابہ کو بُرا کہنے سے محفوظ رہو اور ان کی سچی بزرگی تمھارے دل پر پوری نقش ہو جائے۔ مسلمان ہو کر قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے والے بدنصیب گروہ تو اِدھر اُدھر کی ناپاک کہانیوں کی کتابیں تو اچھی طرح دیکھتا ہے مگر قرآن کریم کو تو نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے. دیکھ خدا تعالیٰ تیری نسبت کیا حکم کرتا ہے. نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (سورۃ بقرہ:۱۰۱) کتاب پانے والوں میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنے پس پشت ڈال دی گویا کہ انہیں معلوم نہیں قرآن مجید کا پڑھنا اسے یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ سب تم نے بالائے طاق رکھ دیا کیا اسی منہ سے تم سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہیں اپنی نجات کی امید ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَلَا تَتَّخِذُوٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا. اور اللہ کی کتاب کو ہنسی میں نہ اُڑاؤ اور اسے مذاق نہ ٹھہراؤ دیکھنا تمہارے لئے یہ کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ کم بختو جانے دو اور دیرینہ خباثت کو دلوں سے نکال دو. اور وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا. (سورۃ آل عمران:۱۰۳) مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب ملکر اور پھوٹ مت ڈالو. پھر خداوند تعالیٰ ارشاد کرتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا . فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا. اے لوگو تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس سند پہنچ چکی ہے. اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری سو جو یقین لائے اللہ پر اور اسکو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اللہ رحمت میں اور فضل میں اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ سے پہنچائے گا. یہ دیکھ کے کلیجہ شق ہو جاتا ہے کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے سے تمہارے تن بدن میں مرچیں لگ جاتی ہیں اور تم جل بھن جاتے ہو اور پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝ خداوند تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے. قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ ، سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور بیان کرتی ہوئی کتاب آئی ہے جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے اور جو کوئی سلامتی کے راستہ پر اسکی رضامندی کا طالب ہو کے چلتا ہے وہ اسے اپنے حکم سے تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ چلاتا ہے مگر وہ گروہ جب اس سے یہ کہا

جائے کہ ہمارے لئے کتاب اللہ بس ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ اسے بے ایمانی کی تاریکی سے روشنی میں نکلنا نصیب ہو وہ ابداً آباد اسی تاریکی میں پڑا رہے گا۔ مجتہدوں کے خرافات اور نالائق باتوں کو جس گروہ نے اپنا دستورُ العمل بنالیا اور قرآن مجید کو چھوڑ دیا ان کے راہ راست پر آنے کی کیونکر امید ہوسکتی ہے۔ اسکا فیصلہ اے رب کریم تو نے کیا صاف الفاظ میں فرمایا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (الانعام:۱۵۳) اور بیشک میری یہ راہ ہے سیدھی سو اسپر چلو اور مت چلو کئی راہیں. پھر یہ راہیں تمہیں اسکی راہ سے متفرق کردینگی. یہ تمہیں خوب جتا دیا ہے۔ شاید تم بچتے رہو۔ خدائے تعالیٰ کی کتاب ترک کرنے سے بجائے خدا پرستی کے تعزیئے پرستی، ضریح پرستی، دُلدل پرستی حسینؓ پرستی، علیؓ پرستی، میراں پرستی، سدو پرستی، قبر پرستی تم نے اختیار کرلی. بھلا متفرق راہوں سے منزل مقصود یعنی خداوند تعالیٰ کی مرضی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ رب العزت سلوک کرے گا۔ اس کا بیان خود اس نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ. (سورۃ الانعام:۱۵۷) جو ہماری آیتوں سے کترا کے چلے گئے ہیں. ہم انہیں بغیر سزا دیئے نہیں رہنے کے وہ سزا یا عذاب طرح دینے کا دیا جائیگا. اور بہت ہی بُری طرح کا عذاب ہوگا. وہ امام یا مجتہد یا قبلہ وکعبہ جنہوں نے خدا پرستی کی جگہ علیؓ پرستی اور حسینؓ پرستی وغیرہ دنیا میں قائم کی کیونکر. اس شدید عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ انہیں تو ان کے اعمال کی خوب سزا مل رہی ہے۔ مگر اسوقت تمھارے لئے خداوند تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کا زمانہ ہے کاش تم سمجھو اور نصیحت حاصل کرو۔ وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. چلو اس پر جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اور اسکے سوا ہرگز ہرگز ان اماموں کے پیچھے نہ چلو جو اپنی طرح تمہیں بھی جہنم کا وارث بنا دینگے. ان صریح باتوں پر تو بہت کم دھیان رکھتے ہو. تمہارے اماموں نے تمہیں بالکل کہیں کا نہیں رکھا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور تمہیں بھی گمراہ کیا بس ان کی پیروی چھوڑ دو اور خدا کی روشن کتاب کو اپنی حقیقی نجات کی کنجی سمجھ کے اپنے اماموں اور مجتہدوں کی شاعرانہ تراش کو سنڈاس میں پھینک دو. تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے افترا کیا ہے. حضرت علیؓ جو مثل اور بندوں کے ایک عاجز بندے خدا کے تھے. کو فضیلت

دے کر خدا کے ساتھ ملا دیا ہے اور ہر وقت انہیں خدا سے سرگوشی کرنے والا بیان کیا ہے. کہیں علیؓ کیوجہ سے حضرت آدم کو معتوب بنایا کہیں نوح وسلیمان، داؤد، یعقوب علیہم السلام کو خدا کا نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا دست نگر بتایا ہے. کہیں خدا پر افتراء باندھا ہے کہ اس نے حضرت علی کو جنوانے کے لئے آسمان سے بہت سے فرشتے، حوریں اور جبریل کو بھیج دیا تھا. کہیں ذات باری کے نور سے حضرت علیؓ کے نور کو پیدا کیا ہے. کہیں علیؓ (☆) کو مثل خدا کے دائم اور حی وقائم بتایا ہے۔

☆ جن باتوں کا ہم نے یہاں اشارہ کیا ہے کہ کیا کیا باری تعالیٰ پر افتراء کئے گئے اس کا مفصل ذکر آگے چل کے معجزات وفضائل علی ابن ابی طالبؓ اور حسینؓ وغیرہ میں مع حوالہ کتب آئے گا۔

اسی طرح حضرت امام حسین کے معاملہ میں تم نے خدا پر افترا باندھا ہے. کہیں یہ لکھا ہے کہ خدا نے جبریل بھیج کے بی بی فاطمہؓ کی چکی پسوائی. غرض اس قسم کی افترا پردازیاں تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے جو فیصلہ خداوندی کے مطابق جہنم کے سچے وارث ہیں خداوند تعالیٰ کی ذات پر کی ہیں. کہ کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ نے بھی ایسے افترا اپنے خالق پر نہ باندھے ہونگے. تمہیں معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے متعلق اپنی کتاب مبین میں کیا فیصلہ کیا ہے. چنانچہ وہ فرماتا ہے. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ پھر اس سے ظالم کون ہے جو افتراء کرے اللہ پر یا جھٹلائے اسکے حکم کو وہ لوگ عذاب کا وہی حصہ پائیں گے جو کتاب میں یعنی قرآن مجید میں لکھا جاچکا ہے. وہ بدنصیب گروہ ہے جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کا جانی دشمن ہوگیا. اور ابتک اس والا شان قائل کی ذات اقدس واطہر میں بدزبانی کر کے اپنے مجتہدوں اور اماموں سے زیادہ اپنے کو جہنم کا وارث قرار دے رہا ہے. مگر خدا تعالیٰ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کی بڑی کھلے الفاظ میں تائید کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ. جن لوگوں نے ہماری کتاب سے تمسک کیا اور نماز قائم کی ہم ایسی نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے اس سے زیادہ صریح الفاظ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کیلئے اور کیا ہوسکتے ہیں مگر جن لوگوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کو جھٹلایا اور اس سے ناک بھوں چڑھائی ان کو اس صورت سے عذاب دیا جائے گا. کہ وہ مطلق نہیں سمجھنے کے کہ یہ عذاب کیونکر اور کس طرح نازل ہورہا ہے. مثلاً خداوند تعالیٰ نے اس گمراہ گروہ کی صورتیں مسخ کردیں ہیں کہ

اگر ایک شخص سو آدمیوں میں کھڑا ہوا ہو تو علیحدہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی عذاب ایسا ہے کہ انہیں اسکی مطلق خبر نہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الاعراف:۱۸۲) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں ایسا سہج سہج پکڑینگے کہ انہیں ہماری گرفت کی مطلق خبر نہیں ہونے کی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں اور جو ابھی تک اس حکم یا وعید خداوندی سے غافل ہیں. وہ آئندہ اتنی بات ضرور سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش نہیں ہے. تیرا فرمان اے رب العرش بالکل سچ ہے اور کوئی بات تو نے ہماری ہدایت کے متعلق باقی نہیں چھوڑی کہ ہمیں علیؓ پرستی اور حسین پرستی کی اُس لئے ضرورت ہو تو خود فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اپنے محبوب سے خطاب فرماتا ہے. اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیان کرنے والی ہر چیز کی اور ہدایت کی اور رحمت اور حکم برادروں کے لئے خوشخبری۔ جب لکل شئ کے الفاظ صاف طور پر موجود ہیں پھر کیوں نہیں جھوٹی روایتوں کی کتابوں کو جلا دیا جاتا کیونکہ ان کتابوں کے مصنفوں نے خدا پرستی کو بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لئے مسالہ جمع کیا ہے. وہ ایسا متعفن. غلیظ اور ناپاک ہے کہ اگر اسے پیش کر دیا جائے تو لوگ تھوتھو کرنے لگیں اور حکومت کا قانون ضرور ان فحش باتوں پر باز پرس کرے. تزکیہ نفس اور پاکیزگی کیلئے تو قرآن مجید بس ہے تمام مخلوق اور کائنات کا ذرہ ذرہ بآواز بلند یہ پکارتا ہے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ بڑی ہے تیری شان اے رب کریم. تیرا جلال تمام عالموں پر محیط ہو آمین.

کسی کی مصیبتیں بیان کرنے سے کبھی نجات نہیں مل سکتی. بدنصیب اور شور بخت مجتہدوں نے یہ فتوی دے دیا ہے کہ کسی کی فرضی مصیبتوں پر رونا جنت کی کنجی ہے. قرآن مجید سے یہ لوگ ایسا بھاگتے ہیں جیسا لاحول سے شیطان کافور ہوتا ہے. قرآن مجید کی وقعت اپنے مریدوں میں کم کرنے کے لئے وہ جھوٹی باتیں انہوں نے تراشی ہیں کہ دیکھ کے ایک خدا پرست شخص کے آنسو نکل آتے ہیں. جیسا کہ امام جعفر یا باقر والی اونٹ کی ہڈی ہے. (☆)

☆ اس ہڈی والی روایت کا مفصل بیان اپنی جگہ آئے گا۔

کافی کلینی والے نے ان میں سے ایک شخص کی زبانی اپنے مرید کو یہ کہلوا دیا تھا کہ تمہارے قرآن سے اس ہڈی پر تین حصے زیادہ عبارت لکھی ہوئی ہے. اور اس میں کل وہ باتیں ہیں جو بنی آدم کو قیامت تک

پیش آنے والی ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ قرآن مجید اس ہڈی کی تحریر کے آگے ایک بے وقعت چیز ہے یہی لوگ ہیں کہ جب ان کے آگے خدا کا کلام پڑھا جاتا ہے تو پیٹھ موڑ کے چلتے ہوتے ہیں. اور انہیں اونٹ کی ہڈی کے مقابلہ میں سخت برا لگتا ہے.

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (الاسراء:۴۵-۴۶)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے آپ کے قرآن پڑھتے وقت ہم ان میں اور آپ میں ایک پردہ ڈال دیتے ہیں اور انکے دلوں پر اوٹ قائم کر دیتے ہیں تا کہ سمجھنے کی توفیق ہی نہ ہو اور ان کے کان ثقیل کر دیتے ہیں. پھر ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ادھر قرآن پڑھا گیا اور ادھر وہ بدک کے بھاگے جب حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہنے والے کے جانی دشمن ہیں پھر وہ کب گوارا کرینگے کہ ان کے آگے کتاب اللہ پڑھی جائے اور انہیں اسکے سننے کی برداشت ہو. قرآن مجید کا صریح معجزہ یہ ہے کہ اس سے روحانی شفا حاصل ہو، اور تمام باطنی امراض جاتے رہیں. مگر ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے روحانی امراض کو محسوس کر لیا ہے اور اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ خدا کا کلام ہمیں روحانی بیماریوں سے چنگا کر دیگا. مگر جنکا۔ ایمان اس پر نہیں ہے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا. جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا. (الاسراء:۸۲) ایمان والوں کی رحمت ہے اور قرآن مجید روحانی امراض کا علاج ہے مگر ظالموں کو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا. بلکہ ان کا روحانی نقصان ترقی کرتا رہتا ہے. جو کتاب آسمان سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہو اور ایک مبشر اور نذیر کی مبارک زبان سے عامہ خلائق کے آگے پڑھی گئی ہو اسکی نسبت یہ کہنا بلکہ اس پر ایمان رکھنا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کیا اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور روحانی برتری نہیں ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. (الاسراء:۱۰۵) اور ہم نے یہ قرآن سچ کے ساتھ اتارا اور اے محمد ابن عبداللہ تجھے سچ کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کے بھیجا. ابدی محرومی میں پڑ جائیں وہ لوگ جو قرآن مجید کو جو حق کے ساتھ اتارا گیا ہے اپنا دستور العمل نہ بنائیں خداوند تعالیٰ اپنے دیدار کے شرف سے انہیں ہمیشہ محروم رکھے۔

مگر جس نیک اور روشن ضمیر گروہ نے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کو اپنا وظیفہ بنالیا ہے. جن میں سے لاکھوں آدمیوں نے اس آسمانی کتاب کے نقوش کو اپنے دل پر لکھ لیا ہے اور جو ہر وقت قرآن مجید ہی کی روشن آیتوں کا وِرد رکھتے ہیں. اور جو پاکباز گروہ رمضان المبارک کے مہینہ میں شب کو روزہ کھول کے اور نماز مغرب کے بعد نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قرآن مجید پڑھنے کھڑا ہو جاتا ہے اور ان میں رقیق القلب قرآن سنتے وقت روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں وہی خداوند تعالیٰ کے پاک اور فرمانبردار بندے ہیں. خداوند تعالیٰ انہیں راستباز لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا. وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا. (الاسراء:۱۰۷تا۱۰۹)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی زبان میں اس نافرمان مخلوق کے آگے جو حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہنے سے جل جاتی ہے یہ فرماتا ہے. تم مانو یا نہ مانو مگر جنہیں علم معرفت ملا ہے ان کے آگے جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب اور بیشک ہمارے رب کا وعدہ شدنی ہے اور وہ زاری اور خلوص سے نہایت خشوع کے ساتھ اپنے رب کا جلال دیکھتے ہوئے پیشانیاں ٹھوڑیوں کے بل زمین پر ٹکا دیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو کے نہایت اخلاص. نہایت فروتنی اور انتہا درجہ عاجزی سے بفرط محبت و ادب نجات کے حقیقی وارث ہیں. باقی کتاب اللہ کے نہ سننے والے اور حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ پر منہ بنانیوالے مقہور بارگاہ صمدی ہیں.

وہ بدنصیب جو خداوند تعالیٰ کی آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں دنیا میں بھی خسارہ سے رہیں گے اور آخرت میں اندھے گنے جائیں گے. انہیں سعادت دارین حاصل ہی نہیں ہونیکی. کتاب خدا کے آگے قصے کہانیوں کو ترجیح دینا اور ہر وقت ان ہی کا ورد رکھنا اشرف المخلوقات کے لئے زہر ہلاہل ہے. پھر طرۃ یہ کہ ان واہی تباہی کتابوں سے خداوند تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنا کیسی خیرہ چشمی اور سوءِ ادبی ہے. اے احسان فراموش ظالم انسان تزکیہ نفس اور ابدی نجات کے لئے قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تو پیش کرسکتا ہے. جس سے روحانی نجات کا راستہ ملے۔ نہیں ہرگز نہیں. تو یقین جان اگر تو نے خدا کو چھوڑ دیا تو نہ یہاں تیری فلاح ہوگی اور نہ تجھے وہ حقیقی بصارت دی جائے گی جس سے تو اپنے

خالق کا جلال دیکھ سکے. تیرے خالق نے تیرے لئے اپنی پاک کتاب میں خود اسکا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا. قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا و كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی. (طٰهٰ :۱۲۴تا۱۲۶)اور جس نے ہماری یاد سے منہ پھیرا اس کو ہم تنگی کی گزران میں مبتلا کر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا اٹھائیں گے وہ بدنصیب فریاد کرے گا کہ اے میرے رب میں تو زندگی میں اندھا نہ تھا تو نے آج مجھے اندھا کیوں کر دیا. بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوگا کہ تو نے ہماری آیتوں کو یعنی ہماری کتاب کو زندگی میں بھلا دیا تھا اُسکا بدلہ یہ ہے کہ اب ہم تیری طرف سے اپنی رحمت کی نظریں پھیر لیتے ہیں اور تجھے بھلا دیتے ہیں.اور اسی طرح ہمارا یہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰی. (طٰهٰ :۱۲۷) کہ جو شخص حد سے تجاوز کر گیا اور اپنے رب کی کتاب اور اسکی روشن آیتوں پر ایمان نہ لایا تو اسے آخرت کا عذاب وہ چکھایا جائے گا جو انتہا درجہ سخت اور دیرپا ہے.

تم آخر اپنے خالق کے ارشاد کو کہاں تک ٹالتے رہو گے اخیر ایک دن اس نازیبا حرکت سے تمہیں پچھتانا پڑے گا.تمہارے ہی لئے تو یہ کتاب اتاری گئی اور تمہارے ہی لئے اسمیں ہدایت بھری ہوئی ہے.جس کی شہادت خود یہ کتاب دے رہی ہے. لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء:۱۰) ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے اور اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں ہے.کہ تم اس بات کو سوچو کہ تمہارے خالق کی طرف سے تم پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے مگر تم ایسے نادان ہو کہ اسے نہیں سمجھتے. بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ. بلکہ غضب یہ کرتے ہو کہ ایسے رحیم کریم حقیقی محسن کے ذکر سے اعراض کر جاتے ہو وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ. (الانبیاء:۵۰) اور یہ ایک برکت کی نصیحت ہے جو ہم نے اتاری.اے بدنصیبو کیا تم اسکو نہیں مانتے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ یہ قرآن مجید کھلی کھلی اور صاف صاف نصیحتوں سے مملو ہم نے اتارا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ ہی جسکو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے.اور عقل پیدا کر دیتا ہے.اپنی ڈھٹائی اور ہٹ سے تم نے یہ روز بد اپنے لئے خود خرید لیا ہے کہ اپنے شریرالنفس اماموں کی کتابوں پر گرویدہ ہو کے تم نے کلامِ

خدا چھوڑ دیا۔اسی لئے گمراہی کی تیرہ و تار گھٹا نے تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تمہیں پھر بھلا کیونکر اسکی توفیق ہوسکتی ہے کہ تم اُس ان دیکھے اکیلے رب کی کتاب پر ایمان لاؤ اس پر عمل کرو اور خالص اسی کو اپنا دستور العمل بناؤ۔اس ہولناک دن سے ڈرو جب فوج فوج اپنے خالق کے سامنے جمع کئے جاؤ گے اور اس وقت دریافت کیا جائے گا کیوں تم نے قرآن مجید پر عمل نہیں کیا۔اور کیوں تم نے ہماری کتاب کی آیتوں کو جھٹلایا اُس وقت نہ میاں مجتہد کام دینگے اور نہ امام اور نہ کوئی قصہ نویس اور نہ خدا کے عاجز بندے علیؓ، حسنؓ، حسینؓ خالق ارض وسما فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ. (النمل:۸۳) اور جس دن گھیر کے بلائینگے ہم ہر فرقہ میں سے ایک جماعت کو جو ہماری باتیں جھٹلاتی تھی۔

حَتّٰى إِذَا جَآءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ. (النمل:۸۴-۸۵) جب یہ سب لوگ حاضر ہو جائینگے تو دریافت کیا جائے گا کہ تم نے میری باتوں کو کیوں جھٹلایا کیا قرآن مجید کی کھلی کھلی نصیحتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئی تھیں۔بولو تم نے اپنی جانوں پر کیسا غضب ڈھایا سوائے تمہاری شرارت کے اور کیا سمجھا جاسکتا ہے اُس وقت یہ لوگ سرنگوں ہونگے اور حرف زدن کا یارا اُن میں نہ ہوگا خجالت سے گردن نیچی کئے کھڑے رہیں گے۔اور پھر دائمی محرومی کے گھر بھیج دئے جائیں گے۔

ان انقطاعی فیصلوں اور وعیدوں کے بعد خداوند ارض وسما نے اپنے حبیب کی زبانی آخر یہ کہلوادیا۔وَّ أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (النمل:۹۱-۹۲) مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں حکم بردار بنا رہوں اور تمہیں قرآن سنادوں قرآن سُن کے جس نے ہدایت پالی تو اپنا ہی کچھ بھلا کیا اور جو بیکار رہا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا ہوں تم جانو تمہارا کام جو حکم مجھے ہوا تھا کہ خدا کا کلام تمہیں سنادوں میں نے پورا کر دیا اب ایمان لانا نہ لانا تمہارا فعل ہے"۔(کتاب شہادت کا پہلا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۷ تا ۲۵)

تعارف کتاب شہادت:۔ مرزا حیرت کے اس اصول کا مطالعہ کرنے کے بعد مناسب ہے کہ ہم ان کی کتاب شہادت کی ہر جلد کے مندرجات کا مختصر تذکرہ کر دیں۔

پہلا مقدمہ: حمد و نعت اور اپنے اصول حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کو بیان کرنے کے بعد اس پہلے مقدمہ میں خلفائے راشدین. حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروق اعظمؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے.

دوسرا مقدمہ:

کتابِ شہادت کے دوسرے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ حضرت علیؓ کی شیعہ امامت قرآن کریم سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ جن آیتوں کا مطلب اپنی مصنوعی روایات کا ضمیمہ لگا کر تو ڑمروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کوششوں کی کیا حقیقت ہے آخر میں حضرتِ علیؓ کی شخصیت وسوانح کے متعلق اپنے نقطہ نظر کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

''ہم حضرت علیؓ کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار، راستباز مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے. آپ کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور آپ مثل دیگر حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں جھوٹے ہیں اسی طرح دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے آپکو نبی سے ملا دیا ہے وہ بھی دروغ گو ہیں۔ رسول اللہ نے کبھی آپ کو امام نہیں بنایا نہ آپ نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھے رسول اللہ امام بنا گئے ہیں۔ یہ بھی خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی آپ امام نہیں بنائے گئے۔ کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی اس قدر کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپکا مطیع ہو کے نہیں رہا. دوسری کمی یہ تھی کہ آپ نے اپنے نالائق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے سونپ دیئے تھے. چونکہ انتظامی مادہ آپ میں بہت کم تھا آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے. آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کی بھرتی کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت علی کے رونے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے عیش اُڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں۔ اب تم اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کرونگا نہ کسی کی حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا۔ زاہد تھے عابد تھے. متقی تھے. سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ خدا تعالیٰ نے

آپ کو نہیں بخشا تھا. آپ بالکل مجبور تھے اچھا دماغ کیونکر پیدا کر سکتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ تو ایک طرف، انتظامی قابلیت میں تو حضرت معاویہؓ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی. کیونکہ حضرت معاویہؓ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی کل رعایا آپ سے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے اس کی تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ مجھ سے کئی کئی سپاہی لے لیں تو میں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا. ہر مقام پر جو اُنھوں نے اپنے فوجی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے. اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی قابلیت آپ میں نہ تھی. یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. اس زمانہ میں سچی سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے تعصب میں اندھا دھند جو چاہتے ہیں اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلام ہیں اور فی الحقیقت کسی کی ناک بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ ہمارے دل میں حضرت علیؓ کی اُتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صادق مسلمان کی ہو سکتی ہے، ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزّت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کمزوریوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں. وہ شیر دل تھے. جان باز تھے. حضور انور رسول خدا کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لئے ان کا دماغ قدرت کی طرف سے موزوں نہیں بنایا گیا تھا. وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا مادّہ اُن میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا. چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علیؓ نہج البلاغۃ میں کرتے ہیں کہ "بہ نسبت خلیفہ ہونے کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔" مطلب یہ ہے کہ اپنی قابلیت کا احساس خود حضرت علیؓ کو بھی تھا. اور آپ چونکہ راست باز تھے اس لئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے۔

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے۔ جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے پڑھنے والا بالا اضطرار اسکی داد دے گا کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے. ہاں یہ مجھے دعویٰ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور تمام شیعی دنیا مل کے بھی کسی ایک بات کی معقول تردید نہیں کر سکتی. انشاء اللہ (کتاب شہادت کا دوسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۲۲۳ تا ۲۲۴)

تیسرا مقدمہ:

کتابِ شہادت کے تیسرے مقدمہ میں حضرت علیؓ کے متعلق اُن مبالغہ آمیز اوصاف کی تحقیق کی گئی. جو حضرت علیؓ کو تمام انبیاء سے بڑھ کر اور رسول اکرم ﷺ کے ہمسر قرار دینے کے لیے گھڑے گئے ہیں. اور جن کے ذریعے حضرت علیؓ کو تمام صحابہ حتیٰ کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے زیادہ افضل اور مستحق خلافت قرار دینے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے اسی تیسرے مقدمہ میں ایک جگہ صفحہ نمبر ۱۹۴ پر جمل وصفین کے متعلق لکھتے ہیں۔

خود حضرت علیؓ ہی نے اِن لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اِس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوش دلی کا باعث ہوتی. خوارج سے جو جنگ علیؓ لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنہوں نے بارہا کیا ہے. جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں۔

یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین سُنی وشیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کریں گے. یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر علی ومعاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص بنویہ اور ادِلہ شرعیہ کا وہ فتویٰ دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کریں گے اور نہ شیعہ۔ نہ اُنہیں گوارا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے روایتی احترام کو مٹا کے اُنہیں ان جنگوں کے بعد ان کی اصلی صورت میں دکھایا جائے۔ (کتاب شہادت کا تیسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۹۴)

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مرزا حیرت اپنی تحقیقات کو بڑی خود اعتمادی سے پیش کرتے ہیں اسی تیسرے مقدمہ کے آخر میں اپنی محنتوں کے متعلق تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے. اس کی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں.

جنہیں صحیح روایتوں کا پورا علم ہے اور جو درائیت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں. اور جنہوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن. اور صحابہ کے آثار اور معاشرت میں غور کیا ہے. یقیناً اس کا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا مل کے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی. ہم نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پر ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بناء نہیں ہوگی. بلکہ ہر واقعہ کا ایسا بدیہی ثبوت دیا جائے گا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے. الحمد اللہ کہ اس میں کامیابی ہوئی. کسی کی مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف ثابت کر سکے. اسکا توڑنا تو کجا.! عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے. سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے تحفہ وغیرہ کا جیسا اُنہوں نے جواب دیا ہے مگر اِس کے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے. اسکی بیّن دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی. بدیہی بات کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے. ہر بات آنکھوں سے دکھادی پھر بھلا اِسکی تکذیب ہوش مند کیونکر کر سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنے اِس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا انہیں سچے سچے واقعات معلوم ہو گئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا. وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں. غرض اصلی اور سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہو گئے. اِس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے. وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائے گا. ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے۔ پرانے تعصبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے دور ہونے لگے ہیں اگر حق پوچھیئے تو شیعہ سنی دونوں کے لیے کتاب شہادت نے آبِ حیات کا کام کیا ہے. شروع شروع میں لوگ اس کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُن کی یہ بیزاری خواب وخیال ہوگئی ہے اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے خوش ہوتے ہیں. الحمد اللہ (کتاب شہادت تیسرا مقدمہ صفحہ ۲۱۶)

چوتھا مقدمہ:

کتاب شہادت کے چوتھے مقدمہ میں سنی شیعہ الٰہیات کے مسائل کا تقابلی مطالعہ قرآن کریم اور عقل عامہ (CommonSense) کی روشنی میں کیا گیا ہے اس مقدمہ کا ابتدائی نصف حصہ تاریخی سے زیادہ علم کلام کے فنی مباحث پر مشتمل ہے. دوسرے نصف حصہ میں اہل سنت پر کئے

گئے اعتراضات کا جواب ہے۔

کتاب شہادت کی پہلی جلد:

سابقہ چار مقدمات کے بعد جس میں سے ہر مقدمہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک ایک جلد کی صورت میں ہے یہ کتاب حضرت علیؓ کی سوانح کے متعلق ہے اس کے آخر میں اگلی جلد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت لکھتے ہیں.

''یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہو گیا۔ حضرت علیؓ کے واقعات زندگی کے بیان میں یہ پہلی جلد ختم ہوئی ہے. دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہوگا. آپ کے سیاسی. اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جائے گی. نہج البلاغہ اور ایک دیوان پر جس کی نسبت آپ سے دی جاتی ہے پوری بحث ہوگی. آپ کی شہادت کی من وعن ساری کیفیت بیان کی جائے گی آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پوری حقیقت کھولی جائے گی. غرض یہ دوسری جلد زیادہ دلکش ہوگی انشاء اللہ. اس کے بعد اصلی حالات سارے بیان کر دیئے جائیں گے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اس پہلی جلد میں جہاں تک انکشاف حالات ہوا ہے یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے کہ وہ حالات جن سے علماء بھی نا آشنا تھے عامہ خلائق کے سامنے آ گئے. دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہو گیا۔ (کتاب شہادت جلد پہلی صفحہ ۵۲۶ تا ۵۲۷)

وفات:

مرزا حیرت صاحب نے ساٹھ برس کی عمر پائی اور ۱۹۲۸ء کے اوائل میں وفات پا گئے چھ بچے اور ایک بچی یادگار چھوڑے. ناصر الملک بی اے ولی عہد چترال جو دہلی میں فوجی تعلیم کی غرض سے آئے ہوئے تھے بنفس نفیس اظہار ہمدردی کے لئے دفتر میں تشریف لائے اور اپنی دو رباعیاں پیش کیں۔

(۱)

حیرت بنوشت قصہٴ شاہِ شہید

حیرت نہ سپرد راہ جز راہِ شہید

مُردن بہ رہ علم شہادت باشد
گوئیم زحیرت ، حق آگاہ شہید

(۲)

چہ خوش گفت است دانائے کہ موت از زندگانی بہ
صفائی می دہد دل را . الم از شاد مانی بہ
خصوصاً حق شنا ساں را بہ مردن رغبتے باشد
کہ از رویائے بے اصلی، حیاتِ جاودانی بہ

ولی عہد چترال پرنس ناصر الملک کی ان دو رباعیات کے بعد حضرت امجد لاہوری کے چند قطعات بھی ملاحظہ ہوں۔

عالِم کی ہے موت اِک عالَم کی فنا
اور زندگی اس کی ہے اِک عالَم کی بقا
گو موت کی دوا انہیں ہے امجدؔ
ہے علم مگر جہل کے عالَم کی دوا

۲

اک شائق علم وزبان حیرت تھے
اور عالم خوش بیان حیرت تھے
تاریخ پہ تھا عبور ایسا امجدؔ
گویا کہ زبان داستان حیرت تھے

۳

دہلی کی زباں کے تھے وہ شیدا
تحریر سے ہے یہ رنگ ہویدا
لکھتے تھے کہ وہ سلیس اُردو امجدؔ
حیرت کے اس کمال پر ہر اک تھا شیدا

آخر میں مرزا حیرت کی ایک نظم پیش خدمت ہے جس سے انہوں نے ''ایک سچے عاشق زار مسلم کا قرآن کریم سے خطاب'' کے تحت اپنے تاثرات نظم کئے ہیں. تمہیدی سطور میں ہے لکھتے ہیں کہ اس نظم کا مقصد شاعری کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک سچے مسلم کی دلی وجد انگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے۔

عظمتِ قرآن کریم پر ایک عاشق صادق مسلم کا اظہار

(نتیجہء افکار حضرت علامہ مرزا حیرت دہلوی)

اے قولِ پاک یزداں اے معجز نمایاں — اے نقش لوح محفوظ اے جان و روح انساں
ہر لفظ میں ہے تیرے اک شان کبریائی — ہر قول میں ہیں تیرے سو معجزے درخشاں
تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی — تیری ہے وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں
سر چشمہء ہدایت کہنا تجھے بجا ہے — اے اصل دین و ایماں اے پُر جلال فرقاں
اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں — کہنہ کی جن کی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں
دل سے فدا ہیں تجھ پر دین خدا کے پیرو — ہے تو ہی فخر اُن کا ہیں تجھ پہ ہی وہ نازاں
طرزِ بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے — ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہی فرماں
پتہ ہے کس کا اِتنا کھولے زباں جو تجھ پر — زہرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آکر
جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ — تیرا پیارا مولد بیت خدا ہے پہلا
کرتا ہے فخر تجھ پر تنہا نہ اک عرب ہی — نازاں نہیں ہے تجھ پر صرف ایک خاکِ بطحا
اب ہندو چین و ماچیں کرتے ہیں ناز تجھ پر — ہے شام و روم تجھ پر پھولا نہیں سماتا
تیرا ہے فیض جاری مشرق ہی میں نہ تنہا — مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا
جتنا کہ تو ہے مشکل آسان بھی ہے ایسا — فاضل جہاں ہے ششدر، امّی وہاں ہے گویا
عقبیٰ کا صاف رستہ ہم کو بتا دیا ہے — سچ پوچھئے تو یہ ہے تجھ سے خدا کو پایا
تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھ کو آئے — تیرا جلال اب بھی ہے روز شب چمکتا
ہوگی نجات اُن کو دنیا کے کب خطر سے — ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے
برحق ہے تیرا دعویٰ سچی ہے تیری حجت — لونڈی ہے تیری گھر کی ادنیٰ سی اک فصاحت

سب جن و انس مل کے دل سے اگر یہ چاہیں / لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سورت
ممکن نہیں ہے ممکن ہر گز نہیں ہے ممکن / ہو نا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت
مُردوں کو ہاں جلانا آسان ہے بلاشک / مع جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ قجّت
نا ممکنات عالم ممکن ہے اور آساں / لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سورت
تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا / پھر کیونکہ چل سکے گی آگے ترے طلاقت
دنیا کے کل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجھ کو / اور جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت
جو ہیں ہئے کے پھوٹے اور عقل کے ہیں دشمن / ان پر تیرے دلائل اب تک نہیں مُبرہن
ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری / کرتے ہیں خود محمد تیری بڑی بزرگی
حاصل شرف ہوا ہے کل انبیاء کو تجھ سے / عصمت کی ان کی تو نے دی آن کر گواہی
ادنیٰ گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں / عظمت ہے تیری غالب، ہے رعب تیرا ساری
اندھے کا تو دِیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے / حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی
میداں میں جنگجو کا تو ہے سے دل بڑھا تا / ہے ہاتھ میں تیرے ہی بالکل ظفر کی کنجی
دنیا کے سرکشوں نے مانا ترا ہے لوہا / مغرب کے آج دل پر پوری ہے دھاک بیٹھی
مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تو نے / تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی
کیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے / حافظ ترا ہے باری اور اُسکے کل فرشتے

(مرزا حیرت کے سوانحی حالات کے لیے ہمارے پیش نظر ان کی بہوا مین خاتون بیگم عثمانیہ مرزا عثمان غنی صاحب محل تبامیاں بھوپال کی شائع کردہ کتاب ''دنیا کا آخری پیغمبر'' مؤلفہ مرزا حیرت کا دوسرا ایڈیشن ہے. جس میں اخبار دُرّہ عمرؓ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کے حوالے سے یہ معلومات دی گئی ہیں. مرزا حیرت کی نظم بھی اسی کتابچہ سے لی گئی ہے.)

تبصرہ:۔ نواب محسن الملک اور مرزا حیرت دونوں ہم عصر تھے، ان سے ذرا پہلے اسلام اور تاریخ اسلام پر لکھنے والی ایک اور مشہور شخصیت مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی تھی. ان میں سے نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی تو خاندانی شیعہ تھے، سرسید کے گہرے دوست اور معتقد تھے. مرزا

حیرت کا غالباً ننھیال شیعہ تھا، تربیت شیعہ ماحول کے زیر اثر پائی. مگر ان تینوں حضرات کا تحقیقی ذوق اپنے خاندانی مذہب پر قانع نہ رہ سکا. ان میں سے نواب محسن الملک کی کتاب ''آیات بینات'' (تین حصے) ہر جگہ مشہور ہیں. اس کا فارسی اور عربی خلاصہ بھی ہو چکا ہے. مولوی چراغ علی اور مرزا حیرت کی کتابوں نے اتنی شہرت نہیں پائی. اگر چہ ان کی محنتیں بھی رائیگاں نہیں گئیں اور ان کے اثرات کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں مرزا حیرت کی کتاب ''کتابِ شہادت'' کے اثرات تقسیم برصغیر کے بعد شائع ہونے والی محمود احمد عباسی کی کتاب (خلافت معاویہؓ و یزید) تک میں پائے جاتے ہیں. مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی سب سے اہم انگریزی کتاب کا ترجمہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' کے نام سے دو حصوں میں کیا ہے اور اس کے شروع میں مؤلف کے حالات بھی پیش کیے ہیں۔ مسلم برصغیر کی تمدنی تاریخ کے مؤلف شیخ محمد اکرم (سی ایس پی) نے ''موج کوثر'' میں اس کی بڑی تعریف کی۔ بہر حال ان حضرات نے اپنی استطاعت کے مطابق مروجہ مذہب اور مروجہ تاریخ کا قرآن کریم کی روشنی میں جب مطالعہ شروع کیا، تو انہیں بہت سے مسائل و معاملات اور بعض مشہور واقعات و حادثات، حقیقت کے خلاف نظر آئے. اب تک تو یہ ہوتا تھا کہ لوگ بجائے قرآن کریم کی روشنی میں روایات کو دیکھنے کے، روایات کی روشنی میں قرآن کریم کا مطالعہ کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض لوگ تو اپنی فرقہ پرستانہ روایت کے تحت قرآنی بیانات ہی کا انکار کر دیتے تھے. (نعوذ باللہ من ذلک) مثلاً

۱۔ قرآن کریم نے رسول اللہ کی ایک سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کی صراحت کی ہے (وَبَنَاتِکَ ۳۳/۵۹) مگر بعض لوگ یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی حقیقی بیٹی صرف ایک حضرت فاطمہ تھیں. باقی تین بیٹیاں حقیقی نہیں سوتیلی تھیں. حالانکہ یہ بات خود ان لوگوں کی سب سے مستند کتاب ''اصول کافی'' کی روایات کے بھی خلاف ہے اور قرآن کریم کے ارشاد کے بھی خلاف ہے کیوں کہ سوتیلی بیٹی کے لئے قرآن کریم میں (رَبَائِبُ ۴/۲۳) کا لفظ آرہا ہے. جب کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کیلئے قرآن کریم نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا. بلکہ بَنَاتْ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو حقیقی بیٹیوں کے لئے آتا ہے، اور اُسے بھی جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے. جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ کی سوتیلی نہیں بلکہ حقیقی بیٹیاں تھیں اور تعداد میں کئی تھیں، ایک نہیں تھی۔ اس قرآن کریم کی صراحت کے

ساتھ سنی شیعہ خارجی تمام فرقوں کی متفقہ روایات میں بھی قرآن کریم کے اس ارشاد کے عین مطابق رسول اللہ کی چار حقیقی بیٹیوں کا ذکر ہے مگر فرقہ پرستانہ مزاج کے تحت متواتر روایات حتیٰ کہ قرآن کریم کی صریح بات کا بھی انکار کر دیا گیا۔

مثال نمبر2 قرآن کریم نے کئی جگہ حضرت ابراہیم کے والد آذر کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً (وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ آزَرَ ۶/۵) اور ہر جگہ انہیں ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے۔ مگر بعض روایات پرست حضرات کہتے ہیں کہ آذر والد نہیں تھے چچا تھے کیونکہ بقول اُن کے بعض روایات میں ان کے والد کا نام تارح آیا ہے اور ویسے بھی ایک پیغمبر کے والد کا مشرک ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس خواہش کی خاطر یہ لوگ تیسرے درجہ کی مشکوک روایات کو تو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کریم کی صراحت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ چچا کے لئے خود قرآن کریم نے بھی وہی مشہور لفظ (عَمٌ) کا استعمال کیا گیا ہے۔ جو عربی میں رائج تھا۔ اگر آذر حضرت ابراہیم کے چچا (عَمّہٗ) ہوتے تو قرآن کریم کے کسی ایک جگہ تو آذر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا کہ (وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِعَمِّهٖ آزر) لیکن قرآن کریم نے کسی ایک جگہ بھی آذر کو چچا نہیں کہا بلکہ لابہ ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے۔ جس بات کو ایک جگہ نہیں کئی جگہ قرآن کریم نے ارشاد فرمائے۔ اس کے باوجود کوئی شخص نہ مانے تو نرم سے نرم الفاظ میں بھی اسے کیا کہیں؟

یہ دو مثالیں سمجھنے سمجھانے کیلئے کافی ہیں ورنہ اس قسم کی دسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ قرآن کچھ فرما رہا ہے اور فرقہ پرست، روایت پرست اور اکابر پرست حضرات کچھ کہہ رہے ہیں۔ مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی روایت پرستانہ یا فرقہ پرستانہ رویہ پر کوئی تعجب کا اظہار بھی نہیں کرتا، البتہ بعض ایسے تاریخی معاملات کی تحقیق کر کے ان کا انکار کیا جائے۔ جن سے قرآن کریم پر کوئی حرف نہیں آتا۔ نہ ان کے متعلق معاصر تاریخیں پائی جاتی ہیں۔ کہ انہیں اصول تاریخ کے خلاف قرار دیا جائے تو لوگ ایسی تحقیق کو بڑی تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیئے تھا مگر قرآن کریم کے معاملہ میں حساس نہ ہونے کی وجہ سے صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے اور اپنی اس کوتاہی کا احساس بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

غور فرمائیے! اگر کوئی مورخ و محقق رسول اللہ کے چچا حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان جائیداد کی وجہ سے لڑائی ہونے اور ایک دوسرے کو گالی دینے کے واقعہ کا انکار کرے (جو بخاری و مسلم میں موجود ہے) یا حضرت حسنؓ کے خلافتِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبول کرنے کے موقعہ پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ آپ کی آپس کی لڑائی ہونے کا انکار کرے یا جنگ جمل و صفین وغیرہ کا انکار کرتا ہے تو اس سے قرآن کریم کی کیا خلاف ورزی ہوتی ہے؟ زبانی روایات کے علاوہ اس زمانہ کی کون سی مستند معاصر تاریخ پائی جاتی ہے جس کی خلاف ورزی ہوتی ہو؟ نہ یہ متفقہ متواتر واقعات ہیں جن کو ماننا لازمی ہو. شروع زمانہ سے اب تک بہت سے اہل علم بلکہ پوری پوری جماعتیں ان کی منکر رہی ہیں. مثلاً جمل و صفین کے متعلق۔

۱. علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اپنی کتاب ''تلخیص الجبیر'' میں لکھتے ہیں. قد حکی عیاض عن هشام و عباد انهما انکرا وقعة الجمل اصلاً ورأسا (یعنی قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ہشام اور عباد نے واقعہ جمل کا سرے سے انکار کیا ہے.

۲. علم کلام کی مشہور کتاب شرح مواقف (مقصدِ سابع) میں ہے کہ اما الفتن و الحروب الواقعة بین الصحابة فالهشامية انکروا وقوعها یعنی صحابہ کرام کے درمیان جو فتنے اور جنگیں ہوئیں، معتزلہ کے فرقہ ہشامیہ نے ان کے وقوع کا سرے سے انکار کیا. یہ تو دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دانشوروں اور اہل علم کا ذکر ہے.

متاخرین میں سرسید کے دست راست مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) نے اپنی کتاب تعلیقات میں جو پادری عماد الدین کی کتاب تواریخ محمدی کے جواب میں لکھی تھی اور جس کا ایک حصہ سیرت نبوی پر انگریزی میں ''محمد دی ٹرو پرافٹ'' کے نام سے شائع ہوا تھا. ان تمام واقعات کا انکار کیا ہے. (حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ہاں رسول اللہ کے ابراہیم نامی صاحبزادے کی ولادت سے متعلق روایات کو بھی انہوں نے غلط قرار دیا ہے). ان کے بعد مرزا حیرت نے کتاب شہادت لکھنی شروع کی. بعد میں خواجہ عباد اللہ اختر نے بھی اپنی کتاب خلافتِ اسلامیہ (مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور) میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں. اپنے بعض دوسرے مضامین میں خواجہ صاحب نے اویس قرنی اور سلمان فارسی کے متعلق لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کا وجود صوفی اور عجمی حضرات کے نہاں خانہ تخیل کی پیداوار ہے. ورنہ ان دونوں کا حقیقی وجود نہیں تھا. ان مؤرخین و مؤلفین کے علاوہ

اہل قرآن حضرات کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ جنگ جمل و صفین کا کوئی وجود نہیں. ان کے ماہانہ رسالہ بلاغ القرآن کا تحفظ ناموسِ صحابہ نمبر ملاحظہ ہو. (N-110 سمن آباد لاہور.)

شیعہ نقطہ نظر:۔ رہا معاملہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا تو اس کے متعلق ایک نقطہ نظر تو شیعہ حضرات کا ہے جن کے نزدیک حضرت حسینؓ کا قاتل بظاہر اس وقت کا خلیفہ یزید اور اس کا کوفہ کا گورنر ابن زیاد تھے لیکن تفصیل سے دیکھئے تو ان کے نزدیک اصل قاتل سُنی اور ان کے وہ بزرگ صحابہ ہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی. اور کسی صحابی نے بھی حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ گہرائی سے دیکھئے تو ان کے نزدیک حسینؓ کے قتل کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن بقول ان کے علی کا حق غصب کر کے حضرت ابو بکرؓ نے خلافت پر قبضہ کر لیا تھا. پھر عمرؓ اور عثمانؓ نے یہ قبضہ جاری رکھا. بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ معاویہؓ و یزید خلیفہ ہو گئے اور قتل حسین کا حادثہ پیش آیا۔ شیعوں کے ہاں ایک شعر بہت مشہور ہے. جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

کہ کُشتہ شد حسین اندر سقیفہ

یعنی جب حسین تو دراصل اسی وقت قتل کر دیئے گئے جب سقیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کو صحابہ کی اکثریت نے خلیفہ منتخب کر لیا تھا. (نہ ابو بکرؓ خلیفہ منتخب ہوتے نہ معاویہ کو خلیفہ بننے کا موقعہ ملتا نہ ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوتا نہ حسین قتل ہوتے) اس سب کچھ کے باوجود ہوش مند شیعہ مؤرخین کو بھی بادل نخواستہ سہی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شہادت حسینؓ کی روایت ایسی عجیب وغریب اور متضاد ہیں کہ دنیا کے سامنے انہیں ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے. حضرت حسینؓ پر لکھنے والے موجودہ دور کے سب سے بڑے شیعہ مؤرخ شاکر حسین امروہوی اپنی کتاب ''مجاہد اعظم'' میں اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ کربلا کے حوالہ سے بے تحاشا جھوٹ گھڑا گیا وہ لکھتے ہیں:

''صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں. واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی. رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا. ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی (دوسروں سے سن کر) لکھے ہیں لہٰذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے''

''مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں. اکثر واقعات مثلاً اہلبیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوجِ مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینہء مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوبِ سم اسپاں کیا جانا، سَرَادِقَاتِ اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ. نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں، حالانکہ ان میں بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں. (مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین امروہوی ۱۷۸).

کربلائی قصوں کے قدیم ترین راوی ابو مخنف لوط ہیں جو حادثہ کربلا کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئے ۱۵۷ھ یا ۱۷۱ھ میں یعنی شہادت حسینؓ کے کم از کم سو سال بعد وفات پائی. ان کے متعلق تمام ائمہ حدیث متفق اللفظ ہیں کہ یہ کذاب (بہت جھوٹے) اور شیعی محترق یعنی کٹر شیعہ تھے. ان کے بہت عرصہ بعد مشہور مورخ ابن جریر طبری، جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی. نے کربلا کے واقعات اِنہیں ابو مخنف کی روایت سے قال ابو مخنف کہہ کہہ کر درج کئے ہیں پھر لطف یہ کہ ان ابو مخنف کے نام سے بھی مختلف روایتیں موجود ہیں جو بقول شاکر حسین امروہوی صاحب ''ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی (سنے سنائے) واقعات کو قلم بند کر دیا ہے'' (مجاہد اعظم صفحہ نمبر ۱۷۸)

اس الجھی ہوئی اور پیچ در پیچ صورت حال میں حقیقت تک پہنچنا جس قدر مشکل کام ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں.

دوسرا نقطہ نظر: ۔ شیعہ نقطہ نظر کے بالکل برعکس ان اہل علم اور دانشور حضرات کا نقطہ نظر ہے جو حضرت حسینؓ کی کربلا میں شہادت کے قائل ہی نہیں ہیں موجودہ دور میں ان کے سب سے نمایاں ترجمان مرزا حیرت دہلوی اور ڈاکٹر شبیر احمد ☆ (۱) فلوریڈا (امریکہ) میں ہیں.

☆ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب برگ حشیش ہے. جس میں قادیانی حضرات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے. اس کتاب کا دیباچہ روزنامہ نوائے وقت لاہور کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی کی قلم سے ہے۔ اسی کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کی کئی اور کتابوں کا تذکرہ ہے. جس سے چند کے نام یہ ہیں. ا۔ میں کرپچن

کیوں نہیں ہوں۔(اسلام میری نظر میں)۲۔ نبی کامل ﷺ ۳۔انتخاب احادیث رسول (جو قرآن کریم کے مطابق ہیں.)۴. ہندو رام راج کے خواب.۵.اسلام فاروی جونیئر.۶.کرشی سے آمنہ تک.۷.مسیح ومہدی کب آرہے ہیں؟(رجال کی حقیقت) ۸.کربلا کی حقیقت. ۹.اسلام کے مجرم.۱۰.اکیسویں صدی کس کی ہے؟ ۱۱.ہمارے قائداعظم (سوانح عمری) (ڈاکٹر صاحب کا امریکہ کا پتہ ہم نے اسی کتاب سے نوٹ کیا ہے)۱۲۔خراجِ عقیدت حضورِ سرور کائنات ﷺ کارڈیل کے لیکچرار کا ترجمہ) اس کتاب کے آخر میں ڈاکٹر جاوید اقبال (علامہ اقبال کے صاحب زادے) کا یہ ارشاد درج ہے۔

''حالیہ برسوں میں ڈاکٹر شبیر احمد عالم اسلام کے روشن خیال سکالر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ بہت سے صاحبان نظر، انہیں اردو زبان کا بہترین ادیب ومصنف قرار دے رہے ہیں. میری رائے میں وہ عصرِ حاضر میں علامہ اقبال کے بہترین ترجمان ہیں. آپ ڈاکٹر شبیر احمد کی کوئی اردو یا انگریزی کتاب پڑھنے کے بعد ان خیالات سے غالباً متفق ہوں گے (ڈاکٹر جاوید اقبال)''

اسی صفحے پر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ہلال امتیاز کے تاثرات ان الفاظ میں درج ہیں.''ڈاکٹر شبیر احمد اپنی پر لطف اور شگفتہ تحریروں میں تاریخ اور سماجیات کے گہرے مطالعہ کو بہت خوبصورتی سے کام میں لاتے ہیں. بلاشبہ وہ اردو ادب کے لاثانی تخلیق کار ہیں.'' پاکستان میں اس آخری کتاب (خراج عقیدت کا پتہ یہ ہے)طٰہٰ پبلیکیشنز 22 حبیب بنک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور.

ڈاکٹر صاحب کی کتاب انگریزی اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں. ان کا پتہ یہ ہے۔

6440 NW 53 ST, LauderHillLauderHill, FL 33319 U.S.A.

فون: 2115 -746 (954)-8798 - 747 (954)

مرزا حیرت کے تفصیلی دلائل تو ان کی کتاب شہادت کی ان جلدوں سے معلوم ہوئے ہیں جو کرزن پریس دہلی میں چھپ رہی تھیں مگر دہشت گردوں نے ان کے کتب خانہ اور پریس کو آگ لگادی۔ جس کی وجہ سے ان کی کتاب شہادت کی مطبوعہ پانچ مجلدات کا بہت بڑا حصہ جل کر تباہ ہوگیا. جس کی وجہ سے یہ کتاب بازار میں عام طور سے دستیاب نہیں ہے. اس سے بھی بڑھ کر یہ نقصان ہوا کہ باقی مجلدات چھپ ہی نہ سکیں اور ایک تاریخی تحقیق ضائع ہوگئی۔

بہر حال مختصراً اُن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حضرت حسینؓ نے گورنر کوفہ اور اس کے نمائندہ کو جو تین

شرطیں پیش کی تھیں اور جو سنی شیعہ دونوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہیں وہ یہ تھیں.

۱. جہاں سے (یعنی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے) میں آ رہا ہوں. مجھے وہاں واپس جانے دو.

۲. مجھے دمشق یزید کے پاس جانے دیا جائے. تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں. وہ میرا چچازاد بھائی ہے، وہ جو چاہے میرے متعلق فیصلہ کرے.

۳. مجھے اسلامی سلطنت کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دیا جائے. جہاں کفار سے جہاد ہو رہا ہو. تا کہ میں وہاں کفار سے جہاد کرتا ہوا شہادت پا جاؤں.

مرزا حیرت کی تحقیق کے مطابق اس آخری شرط پر مصالحت ہوگئی تھی اور بقول ان کے نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی. کیونکہ اس طرح حضرت حسینؓ کا وقار بھی محفوظ رہتا اور گورنر کوفہ بھی حضرت حسینؓ کے قتل سے بچ جاتا. اور کوفی شیعوں کی سازشیں بھی ختم ہو جاتیں. لہٰذا یہ مصالحت ہوئی اور اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی سرحد پر قسطنطنیہ تشریف لے گئے. اور یورپی مسیح کفار سے لڑتے ہوئے قسطنطنیہ کے قریب 20 صفر کو شہادت پائی. اس لئے امام ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں حضرت حسینؓ کی شہادت دس محرم والی مشہور عام روایت کے علاوہ ایک دوسری روایت 20 صفر کو یوم شہادت کی بتائی ہے.

لاہور کے مشہور اہل قلم مولانا پیر غلام دستگیر نامی اپنی کتاب ''امیر معاویہؓ'' میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے مرزا حیرت دہلوی نے کہا کہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے دوران میں نے قسطنطنیہ کے قریب حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ جو ''مقام حسینؓ'' کے نام مشہور ہے خود دیکھی ہے۔

تیسرا نقطہ نظر:۔ ان دو نقطہ نظر ہائے نظر کے علاوہ تیسرا نقطہ نظر عظیم سنی اکثریت کا ہے. جو حضرت عبداللہ بن عمر (بخاری شریف) سے لے کر امام غزالی تک ان کے تمام اکابر کا رہا ہے. اور سنی شیعہ دونوں کی روایات بھی اس نقطہ نظر کی تائید میں ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک درحقیقت حضرت حسینؓ اور ان کے گھرانے کے قاتل کوفی شیعہ ہیں. جس طرح کوفی شیعوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے دھوکہ دے کر اور حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت طلحہ و حضرت زبیر کو شہید کیا اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی توہین کی، اسی طرح کوفی شیعوں نے حضرت حسینؓ کو پہلے تو خطوط لکھ لکھ کر اور اپنے نمائندے بھیج کر کوفہ آنے کے لئے تیار کیا. اور جب وہ ان پر اعتماد کر کے تیار ہو گئے تو ان کے ساتھ غداری کر کے

کوفہ کے گورنر ابن زیاد سے مل گئے پہلے حضرت حسینؓ کے نمائندے مسلم بن عقیل کو شہید کیا، پھر ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر آ گئے. حضرت حسینؓ نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اگر تمہیں میرا ساتھ نہیں دینا تھا تو تم نے مجھے خطوط لکھ لکھ کر کیوں بلایا؟ مگر ان بدبختوں نے حضرت حسینؓ کو بھی جھٹلا دیا اور کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ حضرت حسینؓ اور حکومت کے درمیان مصالحت کی جو بات چل رہی تھی اسے ناکام کرنے کے لئے کوفی شیعوں کے ایک اہم فرد شمر نے حضرت حسین پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا. سب کو معلوم ہے کہ یہ شمر شیعان علی میں سے تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھا. رشتہ میں حضرت علیؓ کا سالہ اور حضرت حسین کے برادران جعفر و عباس وغیرہ کا ماموں تھا. (جلاء العیون) اہل سنت کے اس نقطہ نظر کو موجودہ زمانے میں خود شیعہ کتابوں سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنے رسالہ النجم میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا، جسے مولانا کے ایک معتقد مولانا عبدالشکور مرزا پوری نے النجم کے فائلوں سے مرتب کر کے "شیعہ کتابوں کی رو سے ''قاتلان حسینؓ'' نامی ضخیم کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ خود امام اہل سنت حضرت مولانا لکھنوی نے بھی ''قاتلان حسینؓ کی خانہ تلاشی'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ مولانا لکھنویؒ کی یہ کتاب اور مرزا پوری صاحب کی مرتب کردہ پہلی کتاب (جسے اب بعض لوگوں نے ''شہادت حسینؓ'' کے عنوان سے بھی شائع کر دیا ہے۔ کا غور سے مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر یہ حقیقت مکمل واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی کوفی شیعہ حضرت حسینؓ کے اسی طرح قاتل ہیں جس طرح ان کوفیوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے حضرت طلحہ و حضرت زبیر کا قتل سبائیوں اور مالک اشتر وغیرہ نے حضرت علی کے لشکر میں شامل ہو کر اور مصالحت ہو جانے کے باوجود دھوکہ سے جنگ چھیڑ کر کیا تھا. اور حضرت حسینؓ کا قتل ان کے شیعوں نے ان کے ساتھ غداری کر کے اور ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کیا. جمل اور کربلا دونوں جگہ ان بزرگوں کو شہید کرنے سے سبائیوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل کر تباہ و برباد کر دیا جائے. انہیں معلوم تھا کہ ان کی ان حرکتوں سے حکومت وقت بھی بدنام ہوگی اور مختلف قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر وہ اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی اپنی آرزو بھی پوری کر سکیں گے. افسوس یہ گروہ اپنی اس خوفناک آرزو کو پورا کرنے میں کامیاب رہا. جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ

وحضرت زبیر اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت کو کامیاب نہیں ہونے دیا. اور کربلا میں حضرت حسین اور حکومتِ وقت کے درمیان مصالحت نہیں ہونے دی. کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ کوفی شیعوں نے کس طرح غداری کی اور انہیں خطوط لکھ لکھ کر بلانے کے باوجود، حکومت کی فوج میں شامل ہو کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر کس طرح آئے اس کی تفصیل شیعوں کی کتابوں کے حوالہ سے ان دونوں کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں. اور کربلا سے پہلے سبائیوں نے اور کوفیوں کے بزرگ مالک اشتر وغیرہ نے جنگ جمل کے موقع پر حکومت (حضرت علیؓ) کی فوج میں شامل ہو کر حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہو جانے کے باوجود کس طرح جنگ کی آگ بھڑکائی اور طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو شہید کیا اس کی مختصر تفصیل سب سے قدیم اور مشہور مورخ و مفسر امام ابن جریر طبری کی زبانی سنئے وہ اپنی کتاب تاریخ طبری میں لکھتے ہیں۔

کہ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہو گئی تو سبائیوں (شیعوں) کے علاوہ ہر شخص شاداں و فرحاں تھا. اس موقعہ پر سبائی (شیعہ) سرغنہ مشورے کے لئے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے. ان میں ابن السودا یعنی ابن سبا اور مالک اشتر خاص طور پر قابل ذکر ہیں. انہوں نے آپس میں بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ قصاص لینے پر دونوں فریقوں میں مصالحت ہو رہی ہے. حضرت علیؓ اس بات پر طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ متفق ہو گئے ہیں. اب تک دونوں فریق جدا جدا تھے لیکن دونوں فریقوں کے اتحاد کے بعد ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی. مالکِ اشتر بولا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنھم کا ارادہ تو معلوم ہے مگر علیؓ کے دل کا حال نہیں کھلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں. خدا کی قسم ان سب فریقین کی رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے اور ان کی صلح یقیناً ہمارے خون پر ہوگی. (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان نزول امیر المومنین ذی قار)

دیر تک مشورے ہوتے رہے اور لوگوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی ان میں مالک اشتر کی رائے قابل ذکر ہے جس نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہئے تا کہ ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے اور مسلمانوں میں نئے سرے سے افراتفری پیدا ہو جائے. یہ مالک اشتر شیعان علیؓ کا بہت بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے. مگر اس کی اس تجویز سے معلوم ہوتا ہے ان شیعان علیؓ کو درحقیقت حضرت علیؓ سے کوئی عقیدت یا ہمدردی نہیں تھی اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کر کے خونریزی کرانے کے

لئے یہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آخر میں ابن سوداء یعنی ابن سبا کی رائے پر اتفاق ہوگیا. اس کی تقریر درج ذیل ہے:

فقام ابن السوداء فقال یا قوم ان عزکم فی خلطة الناس فصا العوھم و اذا التقی الناس عدا فانشبو القتال و لا تفرغوھم للنظر فاذا. من انتم معه لا یجده بد امن ان یمتنع ویشغل الله علیا والطلحة والزبیر و من رای رابھم عما ھو تکرھونه وابصروالرائی وتفرقوا علیه الناس لایشعرون.

ابن سوداء (ابن سبا) نے کہا کہ میری جماعت والو! تمہاری کامیابی لوگوں میں گھلے ملے رہنے میں ہے اس لئے ان سے نبھاتے رہو، اور کل جب دونوں لشکر کے لوگ آپس میں ملیں تو جنگ شروع کردو اور انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے ساتھ تم گھلے ملے ہوئے ہو (یعنی حضرت علیؓ کا لشکر) وہ بھی جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے اور اللہ تعالی طلحہؓ اور زبیرؓ کی توجہ اس بات کی طرف سے ہٹا دے گا جسے تم ناپسند کرتے ہو، یعنی ان کے درمیان مصالحت کامیاب نہ ہو، سب نے اس مشورے کو پسند کیا اور یہ سازش کر کے سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ اور دوسرے ان کے اس منصوبے سے بالکل بے خبر رہے. (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ عنوان بالا)

جب دونوں فریقین میں صلح ہوگئی دونوں لشکر مطمئن ہو گئے اور جنگ کا خیال ہی دلوں سے جاتا رہا تب بھی ابن سبا اور اسکے متعین مالک اشتر وغیرہ قاتلین عثمانؓ اس فکر میں رہے کہ کس طرح ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کرادی جائے.

وجعلوا یتشاورون لیلتھم کلھا حتی اجتمعوا علی انشاب الحرب فی السر وبذلک خشیة ان یفطن بما حاولو، من ابشر فغد و امع انغلس وما یشعربه جیرانھم انسلوا الی ذلک الا مر انسلا لا وعلیھم ظلمة.

یہ سبائی سرغنے رات بھر مشورے کرتے رہے تھے یہاں تک کہ جنگ چھڑوا دینے کے مقصد پر سب کا اتفاق ہوگیا. اس منصوبہ کے بارے میں انہوں نے بہت راز داری سے کام لیا تھا. کہ کہیں کوئی ان کے شر سے واقف نہ ہوجائے چنانچہ یہ لوگ رات میں حملہ کے لئے اس طرح اٹھے کہ ان کے قرب و جوار کے لوگوں کو بھی کوئی خبر نہیں ہوئی. اور منہ اندھیرے اپنے اس منصوبے پر عمل کرتے

ہوئے انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ زبیرؓ کے لشکر پر حملہ کر کے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ (طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان امر القتال)

دونوں فریق جو سو رہے تھے اس حملے کے ہنگامے سے جاگے، ہر ایک نے یہی سمجھا کہ فریق ثانی نے غداری کر کے حملہ کر دیا ہے اس لئے دشمن کے پلان کے عین مطابق ہر فریق اپنے دفاع کے لئے جنگ میں شریک ہو گیا، اس طرح حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کو شہید کر کے اور دونوں فریقوں میں دشمنی اور انتقام کی آگ بھڑکا کر مالک اشتر اور اس کے ساتھی شیعوں نے اپنی آرزو پوری کر لی. کوفی شیعوں نے یہی طرز عمل حضرت حسینؓ کو شہید کرتے ہوئے اختیار کیا. اور آج بھی ان کا رویہ یہی ہے. وہ بظاہر اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن در پردہ سنی مسلمانوں کو باہم لڑوا کر اپنی چودھراہٹ قائم رکھتے ہیں۔

نتیجہ: ہم نے تینوں نقطہ ہائے نظر کے قائلین کے دلائل آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں. ذاتی طور پر ہم جمہور اہل سنت کے نقطہ نظر کو صحیح سمجھتے ہیں. لیکن جمل وصفین وکربلا میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے جو منکر ہیں ہم ان کی تحقیقات کو بھی دہشت گردی کے ذریعے جلانے یا انہیں قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں. ان کا نقطہ نظر قرآن کریم کی مخالفت کرنے والے ان فرقہ پرستوں اور روایت پرستوں کے نقطہ نظر سے (جن کی دو مثالیں) ہم پہلے پیش کر چکے ہیں. بہر حال بہتر ہے. تاریخی تحقیقات پر (اگر وہ قرآن کریم کے خلاف نہیں ہیں) کھلے مباحثہ اور مکالمہ کی ضرورت ہے۔ فکر ونظر میں اسی سے توانائی اور استحکام آتا ہے اور علم اسی طرح ترقی کرتا ہے.

قانون کی حدود میں رہ کر اگر شیعوں کو کام کرنے اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا حق ہے تو اہل قرآن یا معتزلہ یا خارجیوں کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو؟ اصولوں کے تحت حریتِ فکر کا حق اگر ایک شہری کو حاصل ہو تو دوسرے شہری سے اس کا یہ حق کس طرح چھینا جا سکتا ہے؟ دلیل کا جواب دلیل سے ہونا چاہیے نہ کہ قاتلانہ حملہ کر کے یا کتابوں کو جلا کر یا توڑ پھوڑ کر کے یا کتاب کو بین کرا کے اور اپنی ہنگامہ پسندی اور فرقہ پرستی اور دہشت گردی کا مظاہرہ کر کے؟

افسوس موجودہ دور کے ایرانی ہیرو خمینی صاحب اپنے اس اعلان سے کہ سلمان رشدی جہاں ملے واجب القتل ہے. (حالانکہ وہ ان کے ملک کا شہری بھی نہیں تھا) خود تو ہیرو بن گئے مگر ان

کے اس قسم کے جذباتی طرز عمل نے برداشت کے ماحول کو مزید نقصان پہنچانے اور ساری دنیا میں اسلام کو دہشت گرد مذہب کے طور بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ خمینی کے انتقال کے بعد ایرانی حکومت کے سربراہ نے اگرچہ قتل کا یہ اعلان تو واپس لے لیا اور اس طرح خمینی کی غلطی مان لی مگر نا عاقبت اندیشانہ رویہ سے ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی جو بدنامی ہوئی اس کا مداوا کیسے ہوگا؟
افسوس اس جذباتی اور برداشت نہ کرنے والے مزاج کی وجہ سے خمینی انقلاب کے بعد ایران کے تمام پڑوسی ممالک میں (پاکستان سمیت) قتل و دہشت گردی ایک خوفناک لہر اٹھی ہوئی ہے۔ جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ورنہ اس سے پہلے کم از کم پاکستان میں سنی شیعہ سمیت خارجی اہل قرآن وغیرہ تمام فرقے بڑے امن وسکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب بھی جب تک ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے کا مزاج پیدا کرنے کی کوششیں نہیں کی جائیں گی، سکون کی فضا واپس نہیں آسکے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کیا حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہے

یہ ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اور شیعی اور سنی اختلافات کی جڑ ہے اور جتنی باتیں بنائی جاتی ہیں وہ سب فروعات میں داخل ہیں اگر اس مسئلہ کا تصفیہ عالمانہ طور پر باقاعدہ ہوگیا تو پھر محض تخیل اور قیاسات اور حواشی رہ جائیں گے جن کا تصفیہ بہت آسان ہے۔

شیعی مذہب کا دارومدار بالکلیہ اسی تخیل پر ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید سے حضرت علی کی امامت ثابت ہوتی ہے اور اپنے ثبوت میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پیش کرتے ہیں اور اپنے قیاسی استدلال کی بنا انہیں آیتوں پر سمجھتے ہیں لہٰذا ہم اس عظیم الشان مسئلہ پر محققانہ مؤرخانہ اور عالمانہ نظر ڈالیں گے ایسی بالتفصیل بحث کرینگے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہوجائے اور پھر ایسا فیصلہ کریں گے جس میں دم زدن کا یارا نہوگا اور کسی ہندی یا ایرانی بڑے سے بڑے مجتہد کی مجال نہ ہوگی کہ ہمارے فیصلہ پر آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکے۔ اب ملاحظہ ہو شیعی علما سب سے پہلی یہ آیت قرآن مجید کی پیش کرتے ہیں۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (المائدہ:۵۵) یعنی (اے مسلمانو! تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اُس کا رسول اور وہ مسلمان جو خشوع کیساتھ) نماز پڑھا کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں۔ شیعی علما کا بیان ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے بقول شیعی علماء کے ثعلبی نے ابوذر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دونوں کانوں سے سُنا ہے اگر نہ سنا ہو تو یہ دونوں بہرے ہوجائیں اور اپنی ان دونوں آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے اگر نہ دیکھا ہو تو یہ دونوں اندھے ہوجائیں آپ فرماتے تھے کہ علی سب نیکوں سے آگے چلنے والے اور سب کفار کو قتل کرنے والے ہیں پس جس نے علی کی مدد کی وہ منصور ہے اور جس نے انکا ساتھ چھوڑا وہ ذلیل ہے (پھر کہتے ہیں) ایک روز میں نے رسول ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی تھی اسی اثنا میں ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا تو اُسے کسی نے کچھ نہ دیا اُس نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر یہ التجا کی اللہ تعالیٰ تو گواہ رہے کہ میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا لیکن مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ علی اُس وقت رکوع میں تھے آپ نے اپنی اُس چھنگلیا کی

طرف جسمیں آپ انگوٹھی پہنے ہوئے تھے اُس فقیر کو اشارہ کیا فقیر نے آ کر وہ انگوٹھی آپ کی چھنگلیا میں سے اُتار لی یہ واقعہ خود نبی ﷺ کے سامنے کا ہے. جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور یہ فرمایا. آے اللہ موسیٰ نے تجھ سے یہ سوال کیا تھا۔ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ o وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ o وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ o وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ o هٰرُوْنَ اَخِي o اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ o وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ (سورۃ طٰہٰ:۲۵ تا ۳۲) یعنی اے میرے پروردگار میرے سینہ کو میرے لیے کشادہ کر دے. میرا کام میرے لیے آسان کر دے. میری زبان سے لکنت رفع کر دے. تا کہ وہ لوگ میری بات کو سمجھ لیں اور میرے لئے میرے لوگوں میں سے وزیر بنا دے (یعنی) میرے بھائی ہارون کو اسکے ذریعہ سے میری قوت کو مضبوط کر دے اور اُسے میرے کام میں شریک کر دے. موسیٰ کی اس دعا کے جواب میں تو نے اُن پر یہ آیت نازل فرمائی. سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَا. (سورۃ القصص:۳۵) پس اے میرے معبود میں تیرا نبی محمد اور تیرا برگزیدہ بندہ ہوں میں بھی. یہ التجا کرتا ہوں کہ میرے سینہ کو میرے لیے کشادہ کر دے. میرے کام میرے لیے آسان کر دے اور میری لئے میرے گھر کے لوگوں میں سے علی کو میرا وزیر بنا دے اور اسکے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے (بقول شیعی علما) ابوذر کہتے ہیں ابھی حضرت نے اپنی یہ دعا ختم نہ کی تھی کہ حضرت پر اللہ کی طرف سے جبریل نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد پڑھو حضور نے ارشاد کیا کیا پڑھوں جبریل نے کہا یہ پڑھو اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (المائدہ:۵۵) پھر شیعی علما کہتے ہیں کہ فقیہ ابن المغازی واسطی شافعی نے نقل کیا کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی چونکہ ولی تصرف کرنے والے کو کہتے ہیں لہذا اس آیت حضرت علی کے ولی یعنی متصرف ہونے کو ثابت کیا گیا ہے جیسا اللہ نے اُنہیں اپنے اور اپنے رسول کے لیے ثابت کیا ہے فقط شیعی علماء کا بیان ختم ہو گیا۔

جواب: اس کا جواب کسی طرح سے ہے ایک تو یہ کہ جو کچھ شیعی علما بیان کرتے ہیں اسمیں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو قطعی الدلالتہ ایک طرف ظن بھی پیدا کر سکے بلکہ شیعی علما کا سارا بیان بالکل غلط محض لغو اور بے دھوکے کی ٹٹی ہے اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی فرض کر لیں کہ اس بیان سے گمان پیدا ہو سکتا ہے تو پھر شیعی علما نے جو اس کا نام برہان رکھا ہے بالکل برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہوتا ہے.

کیونکہ قرآن مجید میں برہان کا لفظ اُس پر بولا جاتا ہے جس سے علم الیقین کا فائدہ حاصل نہ کہ اُس سے گمان ہونے کا فائدہ پیدا کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ قول ہے وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ:۱۱۱) اور فرمایا ہے. اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (سورۃ النمل:۶۴)

ان آیتوں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صادق پر برہان ہونی ضروری ہے. شیعی علماء نے جس قدر حجتیں ذکر کی ہیں اُن کی بنا کذب محض پر ہے کوئی رجحت وہ ایسی بیان نکر سکے جس کے تمام مقدمے سچے ہوں. یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ سچے مقدمے جھوٹی بات پر کبھی قائم نہیں ہوسکتے. ایسی چیزوں کو شیعی علما کا برہان کہنا سخت باطل ہے. یہ بات زیادہ غور طلب ہے کہ قرآن مجید کی صدہا تفسیریں علماء نے کی ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کسی مفسر کے قول پر بلا سند بھروسہ کرلیا جائے خواہ اُس کا تعلق کسی فریق سے کیوں نہ ہو. عموماً جہلا کو بہکانے کے لیے بعض ہوشیار آدمی کسی مفسر کا نام لے دیتے ہیں کہ فلاں تفسیر میں یہ لکھا ہوا ہے کبھی یہ محض بہتان ہی ہوتا ہے اور حقیقت میں اُس مفسر کا قول نہیں ہوتا اور اگر فی الواقع اُسی مفسر کا قول ہو تو وہ جب تک معتبر روایتوں سے ثابت نہ ہو محض مفسر کے قیاس یا رائے پر کبھی تکیہ نہیں کیا جاسکتا. اگر کسی کے قول کی صداقت کا پتہ نہ لگے اور بہت سے مفسرین کے ایسے اقوال مل جائیں جنھوں نے اسکے خلاف بُرہانوں سے اپنا دعوے ثابت کیا ہوا اور پھر دوسرا فریق اسی طرح سے اپنے دعوے کے ثبوت میں بُرہان نہیں پیش کردے ایسی حالت میں طرفین کی برہانوں میں تعارض ہوکے تناقض پیدا ہوجائیگا حالانکہ یہ مسلم بات ہے کہ برہانیں آپس میں متناقض نہیں ہوا کرتیں یا مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ جھوٹی برہانیں کبھی تناقض سے خالی نہیں ہوتیں. مگر سچی بُرہانیں اس عیب سے پاک ہوتی ہیں ہم جن بُرہانیں کبھی تناقض سے خالی نہیں ہوتیں. مگر سچی بُرہانیں اِس عیب سے پاک ہوتی ہیں. ہم جن بُرہانوں سے کام لینگے اُن میں کبھی تناقض نہیں ہونے کا انشاء اللہ اُن سے ثابت ہوجائیگا کہ شیعی علماء کی برہانیں کیسی جھوٹی اور غلط ہیں اور انکا صریحی غلط ہونا آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا جائے گا. یادرکھو جو برہانیں حضور انور، قرآن مجید اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلالت کرتی

ہیں وہ شیعی علماء کی برہانوں کے بالکل متناقض ہیں کیونکہ اُن کی برہانوں کے لوازم پر جب ایک بالغ نظر غور کرے گا تو اُسے ایمان قرآن اور رسول تینوں میں قادح اور خلاف پائیگا. شیعی علماء متقدمین میں جنہوں نے نہایت عجیب وغریب طریقہ سے اِس مذہب کو ایجاد کیا ہے اِس بات پر مجبور ہوئے کہ ایسی حدیثیں ایجاد کرلیں کہ جو اُن کے مدعا کی موید ہوں چاہے دین اسلام پر اُن سے اعتراض اور طعن ہی وارد ہوتا ہو جب اُنہوں نے ایسی حدیثوں کو ایجاد کیا اور وہ ساختہ پرداختہ حدیثیں عامہ خلایق کے آگے پیش ہوئیں تو اس میں سے جو جاہل مطلق اور خواہش نفسانی کے تابع تھے اُنہوں نے آنکھیں بند کر کے اُن گھڑی ہوئی حدیثوں کو تسلیم کرلیا مگر اُن کی حقیقت پر ذرا غور نہ کیا. بعض ایسے تھے جو کچھ سمجھ رکھتے تھے اُنہوں نے کچھ غور کیا تو اُنہیں یہ عقیدہ کھُل گیا کہ یاروں کی گپ شپ ہے اصلیت سے اسے کچھ تعلق نہیں اب ان جھوٹی حدیثوں کی اشاعت سے اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے حملہ کرنے والے وہ لوگ تھے جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے یا تو اس وجہ سے اُنہوں نے حملہ کیا کہ پہلے ہی سے اُن کا عقیدہ ٹھیک نہ تھا. یا ممکن ہے کہ اُنہوں نے ان حدیثوں میں سے بعض کو صحیح سمجھ لیا ہو. غرض زندقہ کا دروازہ ان جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ سے کھول دیا گیا اور لوگ اُس میں داخل ہونے لگے. یہ وہ زندیق ہیں جو خود شیعوں میں سے پیدا ہوگئے. مثلاً اسماعیلیہ اور نصیریہ انہیں شیعی مذہب کی شاخیں سمجھنا چاہیے. یہ زہریلے گروہ جن کا الحاد اور زندقہ حد سے تجاوز کر چکا تھا۔ محض ان جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے پیدا ہوئے. ان ازلی بدنصیبوں کی گمراہی کی اصل وجہ یہی ہوئی کہ اُنہوں نے شیعی علماء متقدین کی ان جھوٹی باتوں کی تصدیق کرلی جو اُنہوں نے قرآن اور حدیث کی تفسیر میں ذکر کی ہیں۔ ایک زندہ دل اور باںداق شخص یہ صورت معائنہ کر کے فوراً کہہ اُٹھے گا کہ رفض کفر اور الحاد کا سب سے بڑا دروازہ اور اُس کی سب سے بڑی دہلیز ہے قرآن مجید کی جو آیت اوپر لکھی گئی ہے اور جس سے شیعی علما حضرت علی کی امامت ثابت کرتے ہیں خاص اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے اس میں نہ کوئی لفظ ایسا ہے نہ کوئی کنایہ اشارہ ایسا ہے جس سے وہم بھی اس بات کا ہو سکے کہ یہ آیت حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی ہے ہاں جس روایت سے کہ اسے سہارا دیا گیا ہے اس پر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ وہ سچائی کا مادہ اپنے میں کہاں تک رکھتی ہے. سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اس روایت کی صحت چاہتے ہیں بڑی کوششوں کے بعد بھی اسکی صحت نہ تلاش کر سکے. اس روایتکو محض ثعلبی

کی تفسیر کی طرف منسوب کر دینا یا اس پر ایسے لوگوں کا اجماع نقل کرنا جو منقولات سے واقف نہ حجت نہیں ہوسکتا. اس پر کل علماء کا اتفاق ہے مسلمان علما ایسی حدیثوں سے نہ کوئی حکم ثابت کرتے ہیں نہ کسی کی فضیلت نہ اور کوئی بات غالباً شیعی علماء بھی اس سے انکار نہیں کرنے کے تو اب یہ اتفاق دونوں فریق کے محض ایسی حدیث جس پر اُن لوگوں کا اجماع نہ ہو جو اس فن میں معرفت رکھتے ہیں حجت نہیں ہوسکتی. پھر اُس سے حجت لانا آپ سے آپ باطل ہو جائے گا. جو روایتیں شیعی علما نے نقل کی ہیں اور اُنہیں ابو نعیم، ثعلبی، نقاش یا ابن المغازی وغیرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے وہ حجت میں پیش نہیں ہوسکتیں کیونکہ اُنہیں حجت میں پیش کرنا باطل محض ہے. اب اجماع کی حقیقت سنیئے جیسا کہ شیعی علماء نے دعوی کیا ہے کہ مسبوق الذکر آیۃ پر کل علماء کا اجماع ہے کی یہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے. یہ دعوے کل جھوٹے دعوؤں کا سرتاج ہے کیونکہ اس کے خلاف تمام علمائے کے بانقل کا اس پر اجماع ہے کہ خاص حضرت علی کے حق میں یہ ہرگز نازل نہیں ہوئی یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتی کہ نماز میں حضرت علی نے اپنی انگوٹھی فقیر کو دی. کل محدثین کا اس انگوٹھی کی کہانی کے غلط ہونے پر اجماع ہے انگھوٹی کا قصہ درحقیت چانڈو خانہ کی گپ اور قہوہ خانہ کی داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا. اب رہے میاں ثعلبی جن کی تفسیر میں یہ روایت ہے اور جنہیں شیعی علماء نے پیش کیا ہے اُنکی نسبت سنیئے تمام محدث متفق اللفظ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ثعلبی اس بات کا عادی ہے کہ بہت سی موضوع حدیثیں نقل کر دے اور اس عادات کا غلو اُسے یہاں تک ہو گیا ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں اُسی سورۃ کی فضیلت میں ابو امامہ سے ایک حدیث نقل کر دیتا ہے علما نے اِس بات ثعلبی کا نام حاطب اللیل رکھا ہے. حاطب اللیل اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھیری رات میں لکڑیاں چُنے اور لکڑیوں کے ساتھ جو چیز ناپ شناپ اُسکے ہاتھ کے نیچے آئے وہ اُسے لکڑیاں سمجھ کے اپنی چادر میں باندھ لے تاریکی میں اسے خبر نہیں ہوتی کہ میں لکڑیاں چُن رہا ہوں یا کوئی اور چیز بھی حال اُسکے شاگرد واحدی کا ہے وہ حضرت بھی بالکل اپنے استاد کے قدم بقدم چلے ہیں. ان کے علاوہ قرآن مجید کے اور مفسروں کی تفسیروں میں صحیح اور ضعیف دونوں طرح کی حدیثیں ملتی ہیں. امام بغوری حدیث میں پوری معرفت رکھتے تھے اسی لیے اُنہوں نے اپنی تفسیر میں اُن موضوع حدیثوں میں سے جو ثعلبی نے روایت کی ہیں کوئی حدیث نقل نہیں کی اور نہ بدعتیوں کی تفسیریوں کو مس کیا یہی وجہ ہے کہ بغوی تفسیر سے چھوٹی اور

مختصر ہے ثعلبی ذاتی طور پر دیندار اور نیک شخص تھا لیکن اُسے حدیثوں میں صحیح اور سقیم ہونے کی بالکل پہچان نہیں تھی۔ اُسکے ایسے صدہا اقوال موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسے سنت اور بدعت کی بھی تمیز نہیں تھی۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے مفسرین جیسے محمد بن جریر طبری بن محلہ ابن ابی حاتم، ابن المنذ رعبدالرحمٰن بن ابراہیم دحیم موضوع حدیثوں کو کبھی ذکر نہیں کرتے چہ جائے کہ اُن سے بھی بڑی عالم مثلاً امام احمد حنبل، اسحاق بن راہویہ کبھی ایسی موضوعات کے پاس کیوں کر جاتے تشیع کی طرف صاف پایا جاتا ہے عبدالرازق نے جنتی حدیثیں حضرت علیؓ کے فضائل میں روایت کی ہیں۔ وہ ضعیف تو ضرور ہیں لیکن صریح جھوٹ اور موضوع نہیں ہیں۔ علمائے محدثین اس پر متفق ہیں کہ اُس حدیث سے استدلال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے جسے ثعلبی۔ نقاش واحدی جیسے لوگوں میں سے کوئی آدمی روایت کرتا ہو۔ ان کے ساتھ اور بھی مفسرین ہیں کیونکہ ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ یہ اپنے قیاس کو قوی بنانیکے لئے نہ ضعیف حدیث کو چھوڑتے ہیں نہ موضوع کو جب ہمیں یہ بات تحقیق ہوجائے کہ محض جھوٹ ہے تو ہم پھر کس طرح کسی کا نام سُن کر اُس پر تکیہ کرلیں کتنی دلیری اور بے باکی ہے کہ شیعی علماء یہ کہہ رہی ہے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" کاش یہ اجماع شیعی علماء نہ نقل کرتے اور وہی لوگ نقل کرتے کہ جو ایسے امور میں اجماع کرنے کو جانتے ہیں کیونکہ ان اُمور میں اجماع نقل کرنا سوائے اہل علم المنقو ولات کے اور کسی کا مقبول نہیں ہوگا اسکو اچھی طرح سمجھ لو کہ خواہ متکلمین میں سے ہو یا مفسرین اور مورخین میں سے ہو غرض کوئی بھی ہو بلا سند محض نقل کا دعوے کرنے سے اس پر کسی طرح بھی اعتماد نہیں ہوسکتا۔ پھر اجماع کا دعوے تو اس سے بہت دُور ہے اس پر بھلا کیونکر اعتماد ہوسکتا ہے۔ دو وجہیں تو آپ نے اور پرسُن لیں اب تیسری وجہ سنئے وہ مفسرین جن کی کتابوں سے شیعی علماء نے اپنے تخیل کی سند پیش کی ہے اُن ہی علماء نے اس آیت کی تفسری میں یہ نقل کرتا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے پھر عبدالملک سے منقول ہے وہ کہتے ہیں میں نے اس آیت کی بابت ابوجعفر سے پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں میں نے کہا لوگ تو فقط حضرت علی کو کہتے ہیں فرمایا علی بھی تو مسلمانوں ہی میں ہیں۔ ایسا ہی ضحاک سے منقول ہے۔ پھر ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے باپ سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ اس آیت کے بارے میں ابن عباس یہ

فرماتے تھے جو شخص ایمان لے آیا بس اللہ اور اللہ کا رسول اور سب مسلمان اسکے ولی ہو گئے. پھر کہتے ہیں کہ ہم سے ابو سعید اشج نے بیان کیا اُنہوں نے محاربی سے اُنہوں نے عبدالملک بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے اس آیت کی بابت ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں میں نے کہا کیا یہ علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی فرمایا علی کی کوئی خصوصیت نہیں علی بھی مسلمانوں میں سے ہیں پھر سدی سے بھی ایسا ہی منقول ہے. چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم شیعی علماء مطالبہ کرتے ہیں کہ اس اجماع کو جس کا وہ دعوی کر رہے ہیں صحیح سند کے ساتھ ثابت کر دیں جو استاد ثعلبی کی اُنہوں نے پیش کی ہیں وہ ضعیف ہیں اس میں بہت سے راوی متہم ہیں. باقی ابن المغازی واسطی کا تو کچھ کہنا ہی نہیں. یہ ضعیف روایتوں کے بیان کرنے والوں کا سرتاج ہے. نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کی بھرمال کر دیتا ہے اس کی کتاب اس بات کی شاہد ہے. حدیث کے فن میں جسے کچھ بھی واقفیت ہوگی وہ اس بات کو سمجھ لیگا کہ ابن المغازی واسطی جھوٹ بولنے میں کم لوگوں کو اپنا مساوی رکھتا ہے. محض ناممکن ہے اور بالکل ناممکن ہے کہ شیعی علماء اس اجماع کی کوئی سند پیش کر سکیں لہذا اُن کے اجما کا دعوی بھی بالکل غلط ثابت ہوا اور منہ کے بل زمین پر آ پڑا. پانچویں وجہ سوال یہ ہے کہ آیت سے یہ مراد ہے کہ زکوۃ رکوع کی حالت میں دی جائے جیسا کہ شیعی علماء کا قول ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی انگوٹھی نماز میں فقیر کو دیدی تھی اگر ہم اسے تسلیم کرلیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ایسی خیرات مولاۃ میں شرط ہو اور یہ کہ سوائے اکیلے حضرت علی کے اور کوئی مسلمان ولی نہ ہو. پس اس صورت میں حسن علیہ السلام حسین علیہ السلام اور تمام بنی ہاشم میں کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا. مگر یہ بات کل مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے. چھٹی وجہ آیت میں اللہ کا قول الذین جمع کا صیغہ ہے یہ اکیلے حضرت علیؓ پر ہرگز صادق نہیں آ سکتا. ساتویں وجہ. اچھی طرح جان لیجے کہ انسان کی تعریف اللہ انہیں افعال پر کی ہے جو اُسکی نظر میں محمود اور پسندیدہ ہیں اور وہ افعال یا واجب ہیں یا مستحب اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صدقہ دینا، آزاد کرنا، ہدیہ دینا، ہبہ کرنا، اجارہ کرنا، نکاح کرنا وغیرہ اس قسم کی باتیں نماز میں نہ مستحب ہیں نہ واجب بلکہ مسلمانوں میں سے اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں ایسے افعال کرنے نماز کو باطل کر دیتے ہیں اگر چہ ان کے کرنے والے نے کوئی لفظ منہ سے نہ نکالا ہو بلکہ ایسے اشارہ سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے جو کسی سے کسی کام کے لیے کیا جائے. سنیئے علماء کا ایک

گروہ اس بات کا قائل ہے کہ چونکہ یہ افعال خلاف شریعت ہیں (یعنی نماز میں ایسی جگہ حرکات کرنا) اس لیے ایسی حالت میں جو چیز کسی کو دیجائے وہ کسی کی ملک کبھی قرار نہیں پا سکتی. ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طرح خیرات کرنا مستحب ہوتا تو حضور انور رسول اللہ ﷺ ضرور ایسا کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت فرماتے حالانکہ کسی صحابی نے ایسا نہیں کیا صرف انگوٹھی کی ایک کہانی جو حضرت علی کے ساتھ نسبت دی گئی ہے صدہا برس سے گشت لگا رہی ہے اس کے سوا اور کوئی کہانی اس قسم کی خیرات کے متعلق حضرت علی کی نسبت شیعی کتب میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی. اب غور کرو جب یہ فعل نہ واجب میں داخل ہے نہ اس کا شمار مستحب میں ہے تو نماز میں ایسا صدقہ کرنا اعمال صالحہ میں سے نہیں ہوا. اس کے علاوہ وہ دی ہوئی چیز فقیر کی ملک بھی نہیں بن سکتی اس کے بعد بھی اگر وہ فقیر اس چیم میں جو اُسکی ملک نہیں تصرف کرے تو وہ بدنصیب اس تصرف بیجا سے نہ دین کا رہا نہ دنیا کا رہا تو پھر ایسی خیرات کو سلام ہے کہ کمبخت خیرات لینے والا برباد ہو جائے آٹھویں وجہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ فعل نماز میں جائز ہے تو پھر رکوع کی خصوصیت کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ رکوع سے قیام اور قعود میں ایسا کرنا اولی اور افضل ہوگا. تعجب ہے کہ ایک ناسمجھ بچہ بھی یہ سیم نہیں کرنے کا کر دلی وہی لوگ ہیں جو رکوع میں صدقہ دیتے ہوں حالانکہ شیعی علماء اسی جان پر جان دئے دیتے ہیں. اگر کسی شخص نے رکوع میں صدقہ نہ دیا اور قیام یا قعود کی حالت میں میں صدقہ دے دیا تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس موالاۃ کا مستحق نہ ہوگا؟ اب اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ اس فعل سے خدا کا تو مقصود یہ تھا کہ علی کی تعریف کیجائے تو اس کا جواب یہ ہی کہ علیؓ کے وہ اوصاف جن سے اُن کی تعریف کی جاتی ہے کیا کم ہیں کہ ایک کہانی گھڑ کے اس پر اُن کی تعریف کا مدار رکھا گیا۔ یہ کہانی محض بے اصل ہے اور سوائے چند گھڑنے والوں کے اور کسی نے اپنے کانوں سے اس کہانی کو نہیں سُنا نہ وہ مسلمانوں کی معتبر کتابوں میں سے کسی کتاب میں ہے نہ صحاح میں ہی نہ سنن میں نہ جوامع میں. نہ معجزات میں اصل یہ ہے کہ یہاں ان دو امور میں سے ایک امر ضرور لازم آتا ہے یعنی اگر اس سے مقصور کسی وصف پر تعریف کرنی ہے تو یہ بھی باطل ہے اور اگر اس سے فقط تعریف ہے مقصود ہے تو یہ بھی باطل ہے نویں وجہ شیعی علماء کے قول کے مطابق اللہ کا وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (المائدہ:۵۵) فرمانا یہ چاہتا ہے کہ وہ شخص رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرنے والا ہو یعنی زکوۃ اسکے

ذمہ لازم ہو حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی اس حیثیت کے آدمی نہ تھے کہ اُن پر زکوۃ واجب ہوتی کیونکہ وہ اس وقت نہایت تنگ دست اور بہت مفلس تھے. یہ بھی سُن لو کہ چاندی کی زکوۃ اُسی آدمی پر واجب ہوتی ہے جو پورے ایک سال تک مقدار نصاب کا مالک رہا ہو. مگر حضرت علی ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھے. دسویں وجہ زکوۃ میں ایک انگوٹھی دیدینا اکثر فقہا کے نزدیک کافی نہیں ہوسکتا۔ جب تک زکوۃ زیور میں ہونی فرض نہ مان لیجائے بعض کی صرف یہ رائے ہے کہ زکوۃ میں زیور بھی دے سکتے ہیں مگر اس زکاتی زیور کی قیمت ضرور پہلے مقرر کر لی جائے. مگر نماز میں قیمت مقرر کرنی مشکل ہے. گیارھویں وجہ یہ آیت بمنزلہ اُس آیت کے ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ:۴۳) اس میں یہ واو یا حالیہ ہے یا عطف کا ہے مگر اکثر عطف ہی کا ہوتا ہے اور ایسے خطاب میں یہی معروف بھی ہے شیعی علماء کا مطلب اس وقت بن سکتا ہے جب یہ داو حالیہ ہو. مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں شیعی علما کے پاس اس داو کے خاص حالیہ ہونے کی کچھ دلیل نہیں جب کوئی دلیل نہ ہوئی. تو یہ حجت آپ سے آپ باطل ہوگی بارھویں وجہ اہل تفسیر کے نزدیک حلف سے لیکے حلف تک یہ معلوم اور مشہور ہے کہ یہ آیت کفار کا ہاتھ دینے سے منع کرنے اور مسلمانوں کا ساتھ دینے کا حکم ہونیکی بابت نازل ہوئی ہے کیونکہ بعض منافقین جیسے عبد اللہ بن ابی وغیرہ یہودیوں کا ساتھ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم پریشانیوں اور مصیبتوں سے ڈرتے ہیں. اس پر ایک مسلمان یعنی عبادہ بن صامت نے یہ کہا میں تو اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ساتھ دیتا ہوں اور ان کفار سے اور ان کا ساتھ دینے سے صاف انکار کرتا ہوں یہی وجہ ہوئی کہ جب اُنکے پاس بنی قینقاع کا قافلہ آیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں عموماً مسلمانوں کے موالاۃ کے واجب ہونے کو بیان کر دیا اور عموماً کفار کی موالاۃ سے منع کر دیا اسکے علاوہ صد صحابہ اور تابعین کے اقوال پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ یہ آیت عام ہے. تیرھویں وجہ اس کے عام ہونے پر سیاق کلام بھی ولالت کرتا ہے. ہاں غور و تدبر کرنے کی بے شک ضرورت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. (المائدہ:۵۱) یعنی اے ایمان والوں یہود و انصارے کو دوست نہ بناؤ وہ (باہم) ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو بے شک وہ ان ہی میں

ہوگا...... (اور) اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ پھر فرمایا فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ. (المائدہ:۵۲،۵۳) یعنی پس (اے نبی) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (انفاق) ہے ان ہی کو تم دیکھو گے کہ ان کی محبت کرنے میں جلدی کرتے ہیں (اور) اُسکی وجہ یہ) کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کوئی مصیبت ہمیں (نہ) پہنچ جائے پس عنقریب اللہ فتح لائے گا یا اور کوئی (خوشی کی) بات اپنی طرف سے (ظاہر فرمائے گا) پس یہ لوگ اس (برے خیال) پر جسے انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے پشیمان ہوں گے اور مسلمان (تعجب سے) کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی سخت (سخت) قسمیں کھائی تھیں. (اس امر پر) کہ وہ بے شک تمہارے ساتھ ہیں اُنکے تمام اعمال ضوئے ہوجائیں گے. اور یہ (سخت) نقصان اُٹھائیں گے یہ ان لوگوں کی تعریف ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جو کفار کا ساتھ دیتے ہیں اور اُن سے دوستی رکھتے ہیں جیسے منافقین پھر فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (المائدہ:۵۴) یعنی اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو ظہور میں لائے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں مسلمانوں سے تواضع کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا داتا ہے۔ اس آیت میں مرتدوں کا بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ وہ اللہ کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ پھر فرمایا اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ. (المائدہ:۵۵،۵۶) یعنی اے مسلمانو! تمہارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ مسلمان جو خشوع سے نماز پڑھا کرتے اور زکوۃ دیا

کرتے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگا اور بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب رہتا ہے. ان آیتوں میں اُن لوگوں کا حال ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے خواہ وہ منافق ہوں یا اس سے مرتد ہو گئے ہوں اور پھر طرز بیان جمع کے لفظ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے سب کو شامل ہونے پر یقین کو واجب کرتا ہے کوئی شخص کسی طرح بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ آیت ان سب مومنین کے حق میں ہے جن میں یہ مذکورہ صفات ہوں اسمیں کسی ایک معین شخص کی تخصیص ہرگز نہیں ہے نہ ابوبکر و عمر کی نہ عثمان و علی کی نہ اور کسی کی ہاں یہ بات یہ بات ہم مانتے ہیں کہ یہ لوگ ساری امت سے زیادہ اس میں داخل ہونیکا حق رکھتے ہیں. چودھویں وجہ شیعی علماء نے جو حدیث پیش کی ہے اسکے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے کیونکہ حضرت علی سب نیکوں کے پشیر وہرگز نہیں ہیں بلکہ اس امت کے پیشتر و حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں نہ حضرت علی سارے کفار کو قتل کرنے والے ہیں. ہاں اُنہوں نے اگر بعض کفار کو قتل کیا بھی تو اس میں اُنکی خصوصیت کیا ہے اوروں نے ان سے بھی زیادہ کفار کی گردن ماری ہے. ایسا ہی یہ کہنا کہ جس نے علی کی مدد کی وہ منصور ہے اور جسنے انہیں چھوڑ دیا وہ ذلیل ہے. نہ صرف لغو اور بیہودہ ہے بلکہ واقع اور انفس الامر کے بالکل خلاف ہے. تمام شیعی علماء کا یہ دعوی کہ عثمان کے قتل ہونے تک علی کو ساری امت نے چھوڑے رکھا اور یہ بات روم روشن کی طرح سب کو معلوم ہے اور آنکھوں سے دکھائی دے رہی ہے کہ خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں امت مرحومہ جیسی فتح یاب رہی اس کے بعد اس مرحوم امت کو حضرت علی کے زمانہ میں ایسی فتح مندی نصیب نہیں ہوئی. اب سمجھو تو سہی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر کیسا بہتان اُٹھایا گیا ہے کہ آپ کی طرف ایسے کذب صریح کو نسبت دی گئی ہے اب سنیئے جب عثمان شہید ہو گئے تو مسلمانوں کے تین حصہ ہو گئے ایک حصہ تو وہ تھا جسنے حضرت علی کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہوئے اُن کے دشمنوں سے قتال کیا دوسرا مسلمانوں کا وہ حصہ تھا جس نے حضرت علیؓ سے قتال کیا تیسرا وہ حصہ تھا جو نہ ادھر تھا نہ اُدھر تھا یعنی نہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا نہ اُن کے دشمنوں کے ساتھ نہیں ہوئی نہ کبھی کفار پر غالب آئی جب امیر معاویہ کے ہاتھ میں حکومت کی باگیں آئیں تو علی کے ساتھ والوں پر اُن کی ہمیشہ فتح مندی رہی حتی کہ انہیں کی حکومت ہوگئی اس کے بعد غیر اسلامی سلطنوں سے جب امیر معاویہ کی لڑائی ہوئی تو ان پر بھی امیر معاویہ ہی غالب رہے اور بہت

سے شہر اُن کے قبضہ میں آ گئے ہاں حضرت علی کا منصور و فاتح ہونا خوارج کی چند بے سری جماعتوں پر محدود رہا اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں خصوصاً اُن صحابہ کے مقابلہ میں جنہوں نے کفار اور مرتدوں سے قتال کیا جن کے منصور ہونے کا چانہ بہت ہی بڑا تھا۔ اب سنیئے انگوٹھی صدقہ دینے پر جو دعا حضور انور رسول اللہ ﷺ کی شیعی علما نے نقل کی ہے وہ بھی صریح کذب ہے کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ صحابہ عین ضرورت کے وقت راہ خدا میں اس قدر مال خرچ کرتے تھے کہ جو فائدہ اور مقدار میں ایک فقیر کو انگوٹھی دینے سے بدر جہا زوہ ہوتا تھا صحیح میں حضور انور رسول اللہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا **مانفعنی مال کمال ابی بکر ان امن الناس علی فی صحبتہ وذات یدہ ابو بکر ولو کنت فتخذا من اھل الارض خلیلاً لا تخذت ابا بکر خلیل** یعنی جیسا کہ ابوبکر کے مال نے مجھے فائدہ دیا ہے ایسا اور کسی کے مال نے مجھے فائدہ نہیں دیا بیشک میرا ساتھ دینے میں اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ مجھ پر ابوبکر کا احسان ہے اور اگر میں زمین پر رہنے والوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر ہی کو دوست بناتا غزوہ عسرہ میں عثمان غنی نے ایک ہزار اونٹ راہ خدا میں دے دیئے تھے اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش ہوئے تھے کہ آپ کی مبارک زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا کہ آج کے دن کے بعد عثمان کا کچھ کرنا انہیں ضرر نہ دے گا. اِس سے کون کم عقل سے کم عقل شخص بھی انکار کرسکتا ہے کہ دین اسلام کے بڑھانے میں خرچ کرنا خصوصاً اس وقت کہ جب اسلام اپنی شیر خواری کی حالت میں تھا ایک محتاج کو صدقہ دینے سے بدر جہا بڑھا ہوا نہیں ہے اِس لئے حضور انور نے یہ فرمایا تھا۔ **لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احد کم مثل احد ذھبا مابلغ مدااحد ھم ولا تصیفہ** یعنی میرے صحابہ کو کبھی بُرا نہ کہنا قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو یہ اُن کے ایک مد بلکہ نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا. یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور پہلے بھی کسی بحث میں ہم درج کر چکے ہیں. پھر دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے **لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلُوْا اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی** .(الحدید:۱۰) یعنی اے مسلمانو تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا ہے اس کا مرتبہ نسبت اس شخص کے جس نے فتح مکہ کے بعد ان کاموں کو کیا ہے

بہت بڑھا ہوا یعنی اعتبار مرتبہ کے وہی لوگ بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان میں ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے دین خدا کی اشاعت میں نہایت فیاضی سے خرچ کرنا اور اُسکے مقابل میں محض ایک سائل کے سوال کا پورا کرنا جو کچھ امتیاز رکھتا ہے وہ ایک سمجھدار بچہ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اب دیکھئے اور سمجھے اور غور کیجئے کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایسے ایسے اہم کاموں میں خرچ کرنا پر کبھی ایسی دعا نہیں کی تو پھر ایک فقیر کو ایک انگوٹھی دے دینے کی وجہ سے ایسی دعا کیونکر کر سکتے تھے. کیونکہ فقیر کے سوال میں صدق اور کذب دونوں ہیں اسکے سوال کا پورا کر دینا بہت ہی ایک معمولی بات ہے جو روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے. اسکے علاوہ ہجرت اور نصرت ہونے کے بعد خاص مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ یہ کیونکر دعا کر سکتے تھے. واجعل لی وزیر امن اهلی علیا اشد به ظهری حالانکہ اسوقت تو اللہ نے نہ صرف مسلمانوں کی مدد سے بلکہ اپنی مدد سے آپ کو اعزاز بخشا تھا جیسا کہ فرمایا ہے هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اور پھر فرمایا اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (التوبہ:۴۰) پس جب کفار نے حضور کو وطن سے بے وطن کر دیا اس وقت اللہ نے آپ کی مدد کی تو آپ کے ساتھ صرف ابوبکر تھے اور تیسرا اللہ تھا اسی طرح جب بدر کے دن حضور کے لیے خیمہ قائم کیا گیا اس میں بھی سوائے ابوبکر کے اور کوئی صحابی آپ کے ساتھ نہ تھا. اس سے انکار نہیں ہوسکتا اور یہ ہم مانتے ہیں کہ حضور انور کی مدد کرنے میں ہر ایک صحابی کی کوشش لائق شکر اور قابل جزا ہے مگر آپ کی مدد کرنے میں حضرت علیؓ کی کوئی خصوصیت نہیں آپ کی تمام مبارک زندگی میں کوئی بھی ایسا موقع نہیں ملتا جہاں حضور انور رسول اللہ ﷺ کو صرف اکیلے حضرت علی ہی کی ضرورت ہوئی ہو نہ ہاتھ کی نہ زبان کی جو لوگ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی کی دعوت اسلام کا طفیل تھا نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں کل بنی اسرائیل ہارون سے بہت محبت رکھتے تھے. اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ سے بہت ڈرتے تھے حالانکہ شیعی اللفظ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی سے سب مسلمان بغض رکھتے تھے اور اسی بغض کی وجہ سے اُنہوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی پھر بھلا عقل کیونکر باور کرسکتا ہے کہ موسیٰ کو جس طرح ہارون کی ضرورت تھی اسی طرح حضور انور کو علی کی ضرورت ہو. اور ملاحظہ فرمایئے

ابوبکر صدیق وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کے ہاتھ پر عشرہ مبشرہ میں سے پانچ یا چھ آدمی مسلمان ہوئے تھے یعنی عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوعبیدہ اسکے مقابلہ میں کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت علی اور حضرت عثمان وغیرہ کے ہاتھ پر بھی سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے کوئی مسلمان ہوا ہو. ابوبکر صدیق کے علاوہ مصعب بن عمیر کو لو جنہیں حضور انور نے مدینہ منورہ بھیجا تھا. اور اُن کے ہاتھ پر بڑے بڑے روساء انصار مسلمان ہو گئے جیسے سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر وغیرہ صدیق اکبر کی برابری فی الحقیقت کوئی صحابی نہیں کر سکتا جب حضور انور رسول اللہ ﷺ حج کرنے جاتے تو صدیق اکبر آپ کے ضرور ہمراہ ہوتے اور حضور انور کے ساتھ مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے میں بے انتہا جدوجہد کرتے اسی لئے صحیح حدیث میں یہ آیا ہے حضور انور فرماتے ہیں یو کنت متخذا من اهل الارض خليلا لا تخذت ابابكر خليلا یہ التجا کی تھی کہ ہارون کو میرا اس معاملہ میں مددگار بنائیو مگر برخلاف اسکے جب محمد عربی رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ نے تن تنہا اسلام کا وعظ فرمایا بالفاظ دیگر رسالت کی تبلیغ کی اور اس معاملہ میں آپ کسی کی بھی امداد کے خواستگار نہیں ہوئے تمام روئے زمین کے باشندے اس پر متفق ہیں کہ آپ کی اس تبلیغ رسالت پر سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ چار آدمی ہیں مردوں میں ابوبکر صدیق عورتوں میں خدیجہ اکبر ہیں بچوں میں علی اور غلاموں میں زید اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تمام لوگوں کو اس دعوت میں سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے اول ابوبکر ہیں پھر خدیجہ کیونکہ مرد آزاد و بالغ ابوبکر ہی تھے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے. قریشوں میں آپ کی بہت بڑی عزت تھی اور آپ ہی تھے جنہوں نے اپنی جان اور مال سے سب سے زیادہ حضور پر احسان کیا اس پر بھی حضور نے کبھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا نہیں مانگی کہ میری قوت کو فلاں شخص کی رو سے مضبوط کر دے نہ کبھی آپ ابوبکر سے متمنی ہوئے نہ کسی اور سے بلکہ آپ کا غیر معمولی توکل آپ کا عجیب وغریب صبر اور آپ کی بے ہمت اطاعت آپکو اپنے ارادہ پر قائم کئے ہوئے تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا۔ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (المدثر: ۲ تا ۷) فرمایا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسکے خلاف جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی تھی کہ ایک خاص آدمی کیساتھ میری قوت کو مضبوط کر دے تو اُسنے بے شک اور لاریب رسول اللہ تعالیٰ ﷺ پر

بہت بڑا بہتان اُٹھایا اور آپ کی کسرشان کی ہم ایسے شخص کو نہ صرف ازلی بدنصیب بلکہ روحانی نجات ابدی سے محروم سمجھتے ہیں۔

شیعی علماء کی دوسری برہان: شیعی علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ (المآئدہ:۶۷) اے رسول جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے تم (ان لوگوں تک) پہنچادو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (شیعی علماء کہتے ہیں کہ) یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور جمہور میں سے حافظ ابونعیم نے سند کے ساتھ عطیہ سے راویت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی پھر شیعی علماء کہتے ہیں تفسیر ثعلبی میں یہ لکھا ہے کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد جو کچھ تمہارے طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے علی کی فضیلت میں نازل کیا گیا ہے تو اُسے تم لوگوں تک پہنچادو. جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلاَ فَعَلِیٌ مَوْلاَ یعنی جسکا میں مولا آقا ہوں اُس کا علی بھی مولا ہے شیعی علماء اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی ﷺ ابوبکر و عمر اور باقی سب صحابہ کے بالا جماع مولے ہیں پس ان سب کا علی بھی مولا ہیں اور جب یہ مولے ہوگئے تو پھر ان کے امام برحق ہونے میں کیا کلام رہا تفسیر ثعلبی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جب نبی ﷺ غدیر خم میں تھے تو آپ نے لوگوں کو پکارا اور آپ کی پکار پر سب جمع ہوگئے اس وقت آپ نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا من کنت مولا فعلی مولا جوں ہی یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلے اس کی شہرت ہوگئی حارث بن نعمان فہری نے بھی یہ بات سُنی تو وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کے. رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ ہوئے جب ابطح میں آئے تو اونٹنی سے اُترے تو اونٹنی کی دونوں گھٹنے باندھ دئے اور خود رسول اللہ خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ بہت سے صحابہ کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے حارث نے عرض کیا اے محمد تم نے اللہ کی طرف سے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں اور اس بات کی بھی شہادت دیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں آپ کا یہ فرمانا ہم نے دل و جان قبول کرلیا پھر آپ نے ہمیں پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا تو ہم نے یہ

بھی تسلیم کرلیا پھر زکوۃ کا حکم ہوا تو ہم نے یہ بھی قبول کرلیا پھر ہمیں ایک مہینہ کے روزے رکھنے حکم دیا تو ہم نے یہ بھی اپنے سر آنکھوں پر رکھ لیا پھر ہمیں بیت اللہ کے حج کرنے کا حکم دیا اس پر بھی ہم نے سر تسلیم خم کرلیا آپ نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ اپنے چچا کے بیٹے کو اسقدر بڑھایا کہ ہم سے افضل ٹھیرادیا اور اسکی عظمت میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ یہ کہدیا کہ **من کنت مولا فعلی مولا** .اب یہ تو فرمایئے کہ یہ آپ کی طرف سے ہی یا اللہ کی طرف سے ہی شیعی علماء کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا ہے اس اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ اللہ ہے کا حکم ہے. حارث یہ سنتے ہی اپنی اونٹنی کی طرف یہ کہتا ہوا چلدیا اے خداوند عالم اگر تیری طرف سے یہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہمیں کوئی برسائے گئے ایک پتھر اُسکے سر پڑا اور پیٹ میں ہوکر نکل گیا اور وہ ہیں مرا کا مرارہ گیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ. (المعارج:۱تا۳) یہ روایت نقاش بھی اپنی تفسیر میں علماء جمہور سے نقل کی ہے. فقط۔

جواب: شیعی علماء کا یہ سارا بیان سراسر غلط اوّل درجہ کا جھوٹ اور بناوٹی اور انتہاء درجہ پر از بہتان ہے جسکی تفصیل آگے آئے گی. اور پھر اس آیت کریم کو یہ سمجھنا کہ یہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے. اور نہایت بے باکی سے یہ دعوی کرنا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے یہ واقعات پر ایک ایسی ڈاکہ زنی ہے جسکی نظیر نہیں مل سکتی حلیہ میں یہ خلفائے کے فضائل میں جو کچھ ابونعیم نے روایت کیا ہے اور اُس کے علاوہ نقاش ثعلبی اور واحدی نے جو کچھ اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہی کہ ان کی تفسیروں نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے یقیناً اور بلاشک موضوعات میں سے ہے اور ہم اسی دلاول سے اس طرح ثابت کریں گے ہر شخص جو کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے اس بات کو مانے گا کہ قطعی یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور یقیناً اس حدیث سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی اظہر واقدس ذات پر بہتان عظیم باندھا گیا ہے. اسے بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ منقولات میں سچی روایتیں بھی ہوتی ہیں اور جھوٹی بھی مگر سچی اور جھوٹی روایت کو پرکھنے کے لیے سوائے علم حدیث کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا. جیسا کہ عرب کی نحو اور غیر عرب کی نحو میں فرق معلوم کرنے کے لیے ہم نحاۃ یعنی نحویوں کو ذریعہ بنایا اسی طرح اشعار کے متعلق شاعروں سے دریافت کیا جاتا ہے اور طب کے متعلق طبیبوں سے غرض یہ ہے کہ ہر علم

کے لیے خاص ایک جماعت ہوتی ہے جو اس علم کی اہل ہوتی ہے اور اسکی معرفت رکھتی ہے۔ اسی طرح جب کسی حدیث کے ماہر امام مالک شعبہ سفیان۔ یحی ابن سعید عبد الرحمٰن بن مہدی ابن المبارک وکیع شافعی، احمد، اسحاق بن راھویہ، ابو عبیدہ، ابن معین، ابن المدینی، بخری مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، ابوحاتم، نسائی، عجلی، ابواحمد بن عدی، ابوحامد البستی، وارقطنی اوران جیسے اور بہت سے علماء ہیں جن کا اس وقت شمار نہیں ہوسکتا اگرچہ ان میں جرح اور تعدیل کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں فضلنا بعضھم علی بعض اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا ہے۔ حدیثوں کے نقل کرنے میں ان علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں لیکن خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی جیسے ابن سعد کے طبقات کی تاریخیں امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ حدیث کی کتابوں کچھ تو بطور مسانید کے تصنیف کی گئی ہیں اوران میں وہی حدیثیں بیان ہوئی ہیں جنہیں راویوں نے حضور انور سے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام احمد، ابوداؤد الموصلی، ابوبکر بزار بصری۔ وغیرہ کی مندیں ہیں اور کچھ کتابیں بطور ابواب کے تصنیف کی گئی ہیں۔ بعض نے صرف صحیح حدیثوں کا انتخاب کیا ہے مثلاً بخاری مسلم وغیرہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث کا علم مذہبی علوم میں سب سے بڑھا ہوا ہے اوراس میں کچھ بھی شک نہیں کہ شیعی علما اس علم میں ایک حد تک بالکل کورے ہیں۔ خوارج کا علم حدیث شیعی علماء سے کہیں زیادہ ہے وہ کبھی جان بوجھ کے جھوٹ نہیں بولتے اپنے خیال میں جب تک وہ ایک بات کو سچ نہ سمجھ لیں گے کبھی منہ سے نہ نکالیں گے رہے معتزلہ اُن میں جھوٹے سچے دونوں ہوتے ہیں مگر اُن کی توجہ حدیث کی طرف نہیں ہے اب رہے بدعتی یہ لوگ اپنے اس طریقہ پر چلتے ہیں جسے اُنہوں نے خود ہی ایجاد کیا ہے اور وہ حدیث کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اپنے اصول کے آگے بعض اوقات قرآن مجید کی آیت کی بھی پروانہیں کرتے۔ شیعی علماء کو اوّل تو حدیث میں معرفت اتنی کم ہے کہ بالکل صفر کی طرح ہے اسکے علاوہ اُن کی بے توجہی یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ نہ اسناد میں نظر کرتے ہیں اور نہ اور نہ شرعیہ اور عقلیہ میں کہ آیا یہ اسکے موافق ہیں یا مخالف اسی وجہ سے ان میں صحیح متصل اسناد کہیں نہیں ملتیں بلکہ اسناد کا سلسلہ ان ہی کے تشخص پر جا کر ختم ہوجاتا ہے اسلیے اُنکی روایت میں سراسر جھوٹ اور بہتان بھرا ہوا ہوتا ہے جس گروہ میں اسناد کا سلسلہ ہی نہ ہو کیونکر اپنی نقل کردہ روایت کو صحیح صابت کرسکتا ہے۔ یادرکھو اسناد کا ہونا امت مرحومہ کے خصائص میں داخل ہے اور اسی میں اسلام کی بہت بڑی

خصوصیت ہے مگر شیعی علما بالکل اِس طرف آج تک متوجہ نہیں ہوئے کیونکہ وہ ان ہی حدیثوں کو سچا سمجھتے ہیں جو اُن کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جو اُن کی خواہش کے خلاف ہے اُن کے نزدیک بس یہی وجہ اس روایت کے غلط ہونے کی ہے سچ ہے عبدالرحمان بن مہدی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہی جو کہتا ہے کہ اہل علم موافق اور مخالف حدیثوں کو نقل کرتے اور لکھتے ہیں مگر اہل ہوا انھیں کو نقل کرتے اور لکھتے ہیں جو ان کے موافق ہوں اب شیعی علماء سے ہمارا یہ سوال ہے کہ جب وہ بار بار ابونعیم ،ثعلبی اور نقاش کو پیش کرتے ہیں تو آیا وہ ان کی کل روایتوں کا مانتے ہیں یا سب ہی سے انکار کرتے ہیں یا ان کی جو روایتیں اپنے موافق ہیں اُن ہی کو مانتے ہیں اور جو موافق نہیں ہیں اُنہیں نہیں مانتے اور اگر ان علماء کی سب روایتوں کو مانتے ہیں تو ان کی بہت سی ایسی روایتیں بھی ہیں جو نہ صرف حضرت علی بلکہ ابوبکر صدیق ،عمر فاروق اور عثمان غنی کے فضائل میں ہیں اور وہ آپ کے مفروضہ مذہبی اصول کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ ابونعیم نے حلیہ کے شروع میں صحابہ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جنکا بڑا حصہ ابوبکر ،عمر اور عثمان کے ناقب میں ہی جن میں بعض صحیح ہیں بعض ضعیف ہیں بعض منکر ہیں .ابونعیم وغیرہ آنکھ بندکر کے صحیح وضعیف کل روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور صحیح وغیرہ صحیح کی مطلق تمیز نہیں کرتے ان کی مثال بالکل اُس مفسر کی سی ہے جو اندھا دھند اپنی تفسیر میں لوگوں کے اقوال نقل کیا کرتا ہے یہ اس فقیہ کی سی ہے جو فقہ میں مختلف اقوال ذکر کر دیتا ہے یا اُس مصنف کی سے ہے جو اور لوگوں کی دلیلیں بیان کرتا ہے اگر چہ اُن میں سے اکثر امور کے صحیح ہونے کا خود معتقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ کہہ کے اپنا پہلو بچا لیتا ہے کہ ہم نے تو دوسروں کے قول اوقات وغیرہ میں بہت سی تصنیفات ہیں جن میں ان کے مصنفین نے بکثرت حدیثیں ضعیف بلکہ باتفاق اہل علم کے موضوع نقل کر دی ہیں .جیسا کہ رجب کے روزوں اور فضائل عاشورہ وغیرہ میں ایسی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں خدا جانتا ہے اور اس میں ہرگز شک نہیں کہ یہ سب حدیثیں حضور انور اللہ ﷺ پر بہتان عظیم ہیں اور آپ پر نہایت بے دردی اور بے باکی سے جھوٹ باندھا گیا ہے. حرب کرمانی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ یہ حدیث کہ جو شخص اپنے گھر والوں پر عاشورہ کے دن فراخی دے تو اللہ تعالی تمام سال اس پر فراخی رکھے گا آیا ٹھیک ہے یا نہیں فرمایا نہیں نہیں اسکی کوئی اصل نہیں ہے .اسی طرح تواریخ کے مصنفین جیسے ابن عساکر کی تاریخ دمشق ہے جب یہ خلفائے اربعہ یا اور کسی کی فضیلت کا کوئی باب باندھتے ہیں تو الم

غلم سب روایتیں نقل کر دیتے ہیں حضرت علی اور امیر معاویہ کی فضیلت میں جو روایتیں انہوں نے بیان کی ہیں محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ جھوٹ ہیں. اب شیعی علما ان سب حدیثوں کو تسلیم کریں جو ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں تو ان میں حدیثوں کی ایک بڑی تعداد ایسی دے گی جو شیعہ مذہب کے بالکل خلاف ہوگی اور اگر شیعی علما ان کل حدیثوں کے رد کرتے ہیں تو ان میں سے بعض کا بطور دلیل کے پیش کرنا قطعی باطل ہو جائے گا. اور اگر شیعی علما اس کا یہ جواب دیں کہ جو حدیثیں ہمارے مطلب کی ہیں انہیں تو ہم مانتے ہیں جو مطلب کی نہیں ہیں اُنہیں مانتے تو ان کا یہ تخیل بھی بالکل ہوگا ایسی مذہب حدیث سے مذہب کی صحت میں حجت لانا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر موافق حدیث کی صحت تم نے معلوم کر لی ہے تو وہ وجہ بیان کرو جو اسکی صحت پر دلالت کرے حالانکہ یہ محال ہے اور اگر اس حدیث کو محض اس وجہ سے صحیح سمجھ لیا ہے کہ وہ ہمارے مذہب کے موافق ہے تو یاد رکھو کہ مذہب سے حدیث کو صحیح ثابت کرنا ممتنع ہے کیونکہ جس وقت مذہب کا صحیح ہونا حدیث کے صحیح ہونے پر موقوف ہوگا اور حدیث کا صحیح ہونا مذہب کے صحیح ہونے پر موقوف ہوگا تو اس سے دور ممتنع لازم آئے گا. دوسری وجہ اس نفس حدیث میں ایک ایسا امر ہے جو کئی وجوہ سے اسکے جھوٹ ہونے پر صاف دلالت کرتا ہے یعنی اس کا یہ مضمون ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غدیر خم میں تھے تو آپ نے لوگوں کو آواز دی آپ کی آواز پر سب لوگ جمع ہو گئے پھر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا میں مولی ہوں اس کا علی بھی مولی ہے الی آخرہ ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اور بالکل جھوٹ ہے اور دنیا میں کل شیعی علماء مل کے بھی سے سچا ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ غدیر خم میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا. حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت حضور غدیر خم میں ٹھیرے تھے اور اسے شیعی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں اور وہ اسے روز عید سمجھتے ہیں اور یہ ماہ ذالحجہ کی اٹھارہویں تاریخ کا وقوعہ ہے اس کے بعد حضور انور پھر مکہ معظمہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ حجۃ الوداع کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اسکے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر صرف تین مہینے آپ حیات رہے اور ربیع الاول کے شروع میں آپ کی وفات ہوگئی. اب اس سفید جھوٹ کی کیفیت سنئے کہ کس طرح بے باکی سے حارث کا قصہ گھڑا گیا کہ وہ حضور کی حدیث میں ابطح میں آیا ابطح مکہ میں ہے اور حضرت علمائے شیعی کو یہ بھی خبر نہیں کہ غدیر خم کا قصہ کب ہوا تھا کیونکہ یہ سورۃ سائل سائل باتفاق تمام اہل علم کے

مکی ہے جو ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں نازل ہو چکی تھی پھر بھلا یہ غدیر خم کے بعد کیونکر نازل ہوتی پھر اللہ تعالی کا یہ کلام پاک ملاحظہ ہو وَاِذْقَالُو اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ (الانفال:۳۲) سورۂ انفال میں ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کی یہ سورۃ غدیر خم سے بہت برسوں پہلے جنگ بدر میں ناز ہو چکی تھی اور کل مفسر اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ ہجرت سے پہلے مشرکین یعنی ابوجہل وغیرہ نے حضور انور سے یہ کہا تھا۔ وَاِذْقَالُو اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃٍ مِّنَ السَّمَآءِ (انفال:۳۲) گویا اللہ تعالی نے اپنے برگزیدہ نبی کو یاد دلایا ہے جو مشرکین کہا کرتے تھے کہ اے محمد تم ان کے قول کو یاد کرو یہ پہلے اس طرح کہا کرتے تھے اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَۃِ اور وَاِذْغَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ. ان آیتوں میں بھی اللہ تعالی اپنے نبی کو گزشتہ امور کے یاد کرنے کا حکم دیتا ہے. اس سے معلوم ہو گیا کہ پتھر برسنے کی خواہش کرنا اور حضور انور سے عرض کرنا سورۃ کے نازل ہونے سے کہیں پہلے تھا. یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جب مشرکین نے عذاب وغیرہ کی درخواست کی تو اُسکے جواب میں اللہ تعالی نے یہ بیان کیا کہ محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے تم پر ہم عذاب نازل نہ کرینگے. چنانچہ فرمایا وَاِذْقَالُو اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَوِئْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. پھر فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال:۳۲،۳۳) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب اہل مکہ نے یہ کہا تو ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے. ان روشن اور بدیہی برہانوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حارث پر پتھر برسنے کی کہانی کیسی بے جوڑ اور لغو ہے. اس کا ذکر نہ کہیں مسند میں ہے نہ صحیح میں نہ فضائل میں نہ تفسیر میں اور نہ سیر وغیرہ میں سوائے شیعی دستاویزات کے جو منکر اسناد سے روایت کرتے ہیں. اچھا اور ایک تماشا کی بات ملاحظہ فرمائے شیعی علما اس بات کے قائل ہیں کہ حارث اسلام کے پانچوں رکن تسلیم کرتا تھا اس صورت میں اسکے مسلمان ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے. مسلمان پر تو حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کبھی عذاب نازل نہیں ہوا کسی کتاب میں اسکا ذکر نہیں ملتا. پھر حارث پر باوجود مسلمان ہونے کے پتھروں کی بارش کیسی. دوسرے یہ کہ صحابہ میں ہم نے کسی کتاب میں حراث کا نام نہیں دیکھا خدا معلوم شیعی علما نے اسے کہاں سے پیدا کرلی. ایسے بکثرت مصنف گزرے ہیں جنہوں نے صرف

صحابہ کے ناموں میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور ضعیف سے ضعیف حدیث جو کسی صحابی کے نام سے اُنہیں ملی وہ اُنہوں نے اپنی کتاب میں صحابی کے نام کے ساتھ درج کردی مثلاً ابن عبداللہ کی کتاب الاستیعاب ہی کہ ضعیف سے ضعیف حدیثیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں. اسی طرح ابن مندہ ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابوموسیٰ وغیرہ کی کتابیں ہیں. ان کتابوں میں بھی کہیں حارث کا پتہ نہیں لگتا اس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ روایت میں ہیں اس کا ذکر نہیں ہے. تیسرے شیعی علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے حالانکہ جو آیت پیش کی گئی ہے اس میں حضرت علی کا کہیں کسی لفظ سے کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ میں کونسا لفظ ہے جو حضرت علی پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اُسے تم لوگوں تک پہنچادو جو کچھ عام ہی اور ہر چیز نازل ہوئی اس میں شامل ہے. اس سے کیونکر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی کی امامت پر کی طرف اشارہ ہے. اب اگر یہ کہو کہ یہ نقل سے ثابت ہوتا ہی تو پھر یہ کیوں دعویٰ کرتے ہو کہ قرآن مجید حضرت علی کی امامت کی شہادت دیتا ہے اس سے یہ بہتر ہے کہ حضرت علی کی امامت نقل ہے کے دائرہ میں رہنے دی جائے قرآن مجید کا عموم پر دلالت کرنا اس ادعا کی تردید کرتا ہے کہ علم کی امامت پہنچانے کا حکم حضور انور رسول اللہ ﷺ ہوا تھا چوتھی وجہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے حالات اور آپ کے صحابہ کے تعلقات سے جو شخص واقف ہے وہ اس کہانی کی بہت زور سے تردید کرے گا. صحابہ کا تعشق مسلم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر صحابی اپنے نجات دہندہ کے ایک ایک لفظ کو بمنزلہ ایک زبردست قانون کے سمجھتا تھا حضور کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب آپ ہدایتیں فرما چکتے تو آخیر میں حاضرین سے بہ اصرار یہ فرماتے تھے کہ جو کچھ تم نے سنا ہے ان لوگوں سے جو یہاں موجود نہیں ہیں کہہ دینا اور انہیں تاکید کردینا کہ وہ اپنے ملنے والوں میں میرے احکام پہنچادیں یاد رکھو اگر اللہ تعالیٰ نبی کو یہ حکم دیتا کہ تم علی کی امامت کا اعلان کر دو تو رسول اللہ ﷺ اس پیغام کو چھپا کے کس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور نے کبھی ایسا کیا تو ہم اسے ہرگز مسلمان نہیں سمجھنے کے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ قول موجود ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد ﷺ نے وحی کی کوئی بات چھپالی تو وہ یقیناً جھوٹ ہے. تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کی امامت کے بارے میں حضور انور رسول اللہ نے کبھی کچھ تبلیغ نہیں کی

اہل علم کے پاس اسکی بہت سی دلیلیں ہیں جن سے وہ اس امر کی یقینی طور پر ثابت کر چکے ہیں. خیال تو کرو کہ اگر اس کی کچھ بھی اصل ہوتی تو یہ بات آندھی اور مینہ کی طرح تمام اسلامی دنیا پر چھا جاتی جبکہ لوگوں نے حضرت علی کی فرضی فضیلت کرنے کے لیے سینکڑوں جھوٹی حدیثیں بنالیں پھر بھلا اس حق بات کو وہ کیسے چھپا سکتے ہیں اتنی بڑی بات کہ ہزاروں صحابہ میں حضور انور یہ اعلان دیں کہ علیؓ میرے بعد میرا وصی اور جانشین ہوگا اور وہی امام برحق ہے اور ایک صحابی بھی ایسے زبردست حکم کو نہ سنے اور اس کا بعد ازاں کچھ بھی چرچا نہ ہو اور خلفائے ثلاثہ بلکہ خود حضرت علی کی خلافت میں ایک شخص بھی یہ آواز بلند نہ کرے کہ خدا کے حکم سے رسول اللہ نے علی کو امام بنا دیا ہے پھر علی کو امام یا جانشین کیوں نہیں مقرر کیا جاتا نہ حضرت علی خود ہوں ہاں کریں ورنہ اس آیت کا شانِ نزول لوگوں کو یاد دلا دیں نہ غدیر خم کا واقعہ کسی کے آگے دوہرائیں اب دیکھو اور واقعات پر نظر کرو کہ جب حضور انور کا وصال باری تعالی یہ ہوا یعنی آپ نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لئے رخصت کیا تو بعض انصار نے یہ چاہا کہ ایک امام ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے لوگوں نے اس کا انکار کیا اور یہ کہا کہ امامت یعنی خلافت تو قریش ہی میں رہے گی ایسی متفرق احادیث موجود ہیں جن میں بہت سے صحابہ نے حضور انور سے یہ روایت کی ہے کہ الامامۃ فی قریش یہ بات زیادہ غور طلب ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی نہ اس موقع پر نہ کسی اور دوسرے موقع شپر ایسی کوئی حدیث روایت کی جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی اور دیکھو جس وقت صدیق اکبر ایسی کوئی حدیث روایت کی جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی اور دیکھو جس وقت صدیق اکبر سے مسلمان بیعت کر رہے تھے اکثر بنی عبد مناف امیہ اور بنی ہاشم وغیرہ کا میلان حضرت علی کی طرف تھا وہ سب ان کی ولایت کو پسند کرتے تھے باوجود اس میلان کے کسی نے بھی اس نص کا ذکر نہیں کیا نہ حضرت عثمان کے زمانہ میں اس نص کا ذکر آیا خود حضرت علی بھی اخیر تک بالکل خاموش رہے. اور دیکھئے وہ علما بالحدیث دانستہ جو حضرت علی کی ولایت کے قاول ہیں وہ سب متفق اللفظ ہیں کہ خلیفہ ہونے میں علی کا درجہ عثمان غنی کے بعد تھا جیسا کہ ائمہ میں سے امام احمد حنبل وغیرہ کا قول ہے علی کا زمانہ تو فتنے کا اور امت میں اختلاف ہونے کا تھا ان کے زمانہ میں نہ بامت کا اُن پر اتفاق ہوا نہ اور کسی پر ہوا بعض فرقے یعنی کرامیہ کا یہ قول ہے کہ علی بھی امام تھے اور امیر معاویہ بھی امام تھے اور اس فرقے کے اصول کے مطابق ایک ہی وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں ہے اسی طرح یہ

لوگ ابن زبیر اور یزید کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ اس وقت بھی ایک شخص پر مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے مگر اُنہوں نے بھی حضرت علی کی امامت پر اسی حدیث سے حجت کی ہے جو سُنن میں ہے کہ نبوت کی خلافت تیس برس رہے گی پھر سلطنت ہو جائیگی بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف بھی کہا ہے لیکن امام احمد وغیرہ اسے ثابت مانتے ہیں پس نصوص میں حضرت علی کی امامت پر انکا معتمد علیہ یہی ہے اور اگر کوئی اور سند یا مُرسل حدیث انہیں اسکے موافق ملجاتی تو وہ اُس سے بڑے خوش ہوتے اب خیال تو کرو کہ جس نص کا شیعی دنیا دعوی کرتی ہے اہل علم میں سے کسی نے بھی اسے حضورانور کا قول بیان نہیں کیا نہ متقدمین میں سے نہ متاخرین میں سے اسی واسطے اس نقل کے جھوٹ ہونے کو محدثین یقینی اور بدہی طور پر جانتے ہیں جیسا کہ اسکے سوا نہیں اور چھوٹی روایتوں کا علم ہے اور سب باتوں کو جانے دو اس پر غور کرو کہ اگر یہ نص حضرت علی کے شیعہ معلوم ہوتی تو عادت معروفہ یہ چاہتی ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہ ضرور کہتا جب علی خلافت پر رسول اللہ کی یہ نص موجود ہی تو کیوں نہیں معاویہ پر علی کو مقدم رکھا جاتا۔ ابو موسی کے مسلمان اور دیندار ہونے میں کسی کو بھی کلام اگر ان ہی اگر ان ہیں معلوم ہوتا کہ حضورانور رسول اللہ ﷺ کی خلافت کو منصوص کر چکے ہیں تو حضرت علی کے معزول کرنے کو کبھی جائز نہ سمجھتے اور بغرض محال وہ معزول کر بھی دیتے تو اور لوگ اُنکی اس تجویم کا صاف انکار کر دیتے اور کہہ دیتے کہ تم ایسے شخص کو کیوں معزول کرتے ہو جسی خلافت پر حضورانور نص کر چکے ہیں اس کا ذکر ان لوگوں نے کبھی نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے حجت بھی کی تو اس حدیث سے کہ عمار کو باغی لوگ قتل کرینگے یہ حدیث خبر واحد کا مرتبہ رکھتی ہے یا ممکن ہے کہ اس کے دو یا تین راوی ہوں مگر یہ متواتر تو کسی طرح بھی نہیں ہے اور یہ نص جس پر اوپر سے بحث چلی آتی ہے اسکے قائلین کے نزدیک متواتر ہے پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ خبر واحد سے تو شیعہ علی نے لوگوں کے سامنے حجت کرنا اختیار کر لیا مگر اس نص سے جسے وہ متواتر کا مرتبہ دے چکے تھے انہوں نے اپنا دعوے پیش نہیں کیا۔ اور ہوں ہاں کچھ نہیں۔ شیعی علماء کی تیسری برہان کل شیعی مجتہد اور علماء متفق اللفظ قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (المائدہ:۳) یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

(بقول شیعی علماء) ابونعیم نے ابوسعید خدری سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ہم سب لوگوں کو غدیر خم میں طلب کیا اور وہاں ایک درخت کے نیچے سے کانٹے وغیرہ صاف کر دینے کا ہمیں حکم دیا اور جب یہ سب ہو گیا تو حضور انور کھڑے ہوئے اور علی کو اپنے پاس بلا لیا پھر ان کے دونوں بازو پکڑ کے اتنا اونچا اُٹھایا کہ لوگوں نے نبی ﷺ کی دونوں بغلیں تک دیکھ لیں اور ابھی لوگ وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اُس پر نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ نے دین کو کامل کرنے اپنی نعمت کو پوری کرنے میری رسالت پر راضی ہونے اور میرے بعد علی کی ولایت ہونے کے ساتھ مجھ پر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے پھر فرمایا (بقول شیعی علماء) مَنْ كُنْتُ مَوْلَا فَعَلِيُّ مَوْلَا. اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله.

جواب: اس کا جواب چند طرح سے ہے اول یہ کہ استدلال کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت بیان کرنی لازمی ہے محض ابونعیم کی روایت کی طرف اسے منسوب کر دینا باتفاق تمام علماو کے خواہ سنی ہوں یا شیعہ اسکی صحت کے لیے مفید نہیں ہوسکتا ابونعیم نے تو اکثر ایسی حدیثیں بھی روایت کر دی ہیں جنکے ضعیف اور موضوع ہونے پر سنی اور شیعہ دنوں کا اتفاق ہے ابونعیم اگر چہ حافظ. ثقہ، کثیر الحدیث اور واسع الروایت تھا لیکن اسنے اور محدثین کے موافق اناپ شاپ جتنی اسے حدیثیں انہیں نقل کر دیں مثل اسکے اور لوگ بھی اسبات کے عادی ہیں کہ ایک باب کی جتنی حدیثیں انہیں ملیں وہ بے کم وکاست انہیں نقل کر دیں اگر چہ حجت کے قابل ان کی جس روای کا جھوٹا ہونا انہیں معلوم ہو جاتا ہے وہ اسکی روایت ہرگز نہیں لیتے جیسے امام مالک شعبہ. یحیی بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی امام احمد بن حنبل یہ لوگ ایسے شخص سے کبھی رایت نہیں کرتے جو ان کے نزدیک ثقہ نہ ہو اور نہ یہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں جسکے راوی کا کذاب ہونا انہیں معلوم ہو جاتا ہے مگر تو بھی کبھی کبھی ان کی جمع کردہ روایتوں میں ایسی روایت ہے مکم آتی ہے کہ اس کا راوی علانیہ اس میں غلطی کر دیتا ہے. امام احمد اور اسحٰق وغیرہ کبھی ایسی حدیثں بھی روایت کر دیتے ہیں جو خود ان کے نزدیک بھی ضعیف ہوئی ہیں اس وجہ سے کہ ان کے راوی کم حافظہ وغیرہ ہونے کے ساتھ بدنام ہوتے ہیں اکا خیال ہے کہ ان حدیثوں کو معتبر سمجھائے اور اُن سے استشہاد کیا کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی حدیث کی کوئی ایسی سند بھی نکل آتی ہے جو اُسکے محفوظ ہونے کی شاہد ہوتی ہے کبھی اس کا راوی در پردہ کذاب ہوتا ہے اور اپنی خوش قسمتی سے کذب

میں مشہور نہیں ہوتا اور کبھی وہ سچی حدیثیں بھی روایت کر دیتا ہے غرض یہ لازم نہیں ہے کہ فاسق جس حدیث کو روایت کرے وہ جھوٹ ہی ہو بلکہ فاسق جس حدیث کو روایت کرے اسکی جانچ پرتال کر لیجاوے یہی حکم خداوند تعالیٰ کا بھی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لاوے تو اسے جانچ لیا کرو غرض ایسی روایت کے درج کرنے کا یہ مقصود ہے کہ اسکی تمام سندوں کو دیکھا جائے کہ وہ اسکے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں یا سچ ہونے پر مگر مشکل یہ ہے کہ اکثر مصنفوں کو اسکی پوری پوری تمیز نہیں ہوتی اور وہ اُسکے جانچ کرنے میں بالکل عاجز ہیں مگر اہل علم کے آگے جب کوئی روایت پیش ہوتی ہے تو ہواُسکے راویوں اور اسکی اسناد میں غور کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتے ہیں. دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث جو شیعی علماو نے ابونعیم کے نام کے ساتھ روایت کی ہے اور جو اوپر درج ہو چکی ہے بالکل جھوٹ اور موضوع ہے جو علما موضوعات سے واقف ہیں ان کا اس حدیث کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے تمام محدثین اسے خوب جانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث کی اُن کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جنکی طرف اہل علم رجوع کرتے اور معتبر سمجھتے ہیں تیسری وجہ صحاح مسانید اور تفسیر تینوں جگہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ آیت حضور انور پر اس وقت نازل ہوئی تھی کہ آپ عرفات میں قیام پذیر تھے ایک دن ایک یہودی نے فاروق اعظم سے یہ کہا کہ آپ کی کتاب (یعنی قرآن مجید میں) ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے یعنی عید کی سی خوشی کرتے فاروق اعظم نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے یہودی نے کہا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ فاروق اعظم نے فرمایا کہ جس دن اور جس جگہ یہ آیت نازل ہوئی تھی مجھے خوب یاد ہے عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی تھی اور حضور انور اس وقت عرفات میں ٹھیرے ہوئے تھے مسلمانوں کی تمام کتابوں میں یہ بات منقول ہے صحاح میں مسانید میں جوامع میں، سیر میں اور تفسیری وغیرہ میں اور یہ دن جب یہ آیت نازل ہوئی عذیر خم کے دن سے نو دن پہلے تھا کیونکہ آیۃ جمعہ کے روز ذی الحجہ کو نازل ہوئی عذیر خم کا واقعہ اٹھاہوئیں ذی الحجہ کو ہوا ہی جیسا کہ دوسری برہان کے جواب میں ہم بیان کر چکے ہیں ان تمام واقعات مشاہدا اور حجتوں کو سنکے کون کم عقل سے کم عقل شخص بھی یہ کہے گا یہ آیت عذیر خم کے دن نازل ہوئی تھی. چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں نہ حضرت علی کا کچھ ذکر ہے اور نہ اُن کی امامت کے لیے کوئی دلیل ہے بلکہ جو کچھ اس آیۃ کا مضمون ہے بالکل صاف ہے

کہ اللہ نے دین کے کامل کرنے مسلمانوں پر اپنی نعمت پوری کر دینے اور دین اِسلام سے اپنے راضی ہونے کو بیان فرمایا ہے نادان سے نادان شخص بھی اس روشن آیت سے اشارتاً یا کنایتاً بھی حضرت علیؓ کی امامت کی طرف خیال نہیں کر سکتا اب رہا یہ کہ کسی جھوٹی روایت سے اس آیۂ شریفہ میں زبردستی اپنے مدعٗا کا اظہار کرانا ایک ایسا لغو اور مہمل استدلال ہے جسکی وقعت سچ مچ ایک جاہل کی صدا وے بے ہنگام سے زیادہ نہیں ہوسکتی. پانچویں وجہ جو حدیث پیں کی گئی ہے اور جس پر ہم گزشتہ صفحات میں کافی طور پر بحث کر چکے ہیں اسکے یہ الفاظ **اَللّٰھم وال ومن والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خدلہ** باتفاق تمام محدثین کے کذب صریح اور بہتان عظیم ہیں باقی یہ مشہور جملہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اسکے بارے میں علماء کے دو قول ہیں جس کا بیان ہم موقع پر کرینگے. چھٹی وجہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی دعا کا مقبول ہونا یقینی امر ہے کوئی مسلمان کسی فرقے کا شاید ایسا نہ ہو جسکا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور وہ مقبول نہ ہوئی مگر شیعی علماء کے اعتقاد کے بموجب وہ دعا جو حضور انور نے حضرت علی کے لئے کی تھی بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچی. مردود اور جھوٹی روایتوں کے تسلیم کرنے کا آخری یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ حضور انور کو معاذ اللہ غیر مستجاب الدعوات ماننا پڑتا ہے مثلاً آپ نے جو حضرت علی کی نسبت دعا کی وہ قبول نہیں ہوئی کیونکہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو صحابہ اور مسلمانوں کی تین جماعتیں ہوگئیں ایک جماعت تو وہ تھی جس نے حضرت علی کے ساتھ ہو کے قتال کیا دوسری جماعت وہ تھی جس نے حضرت علی سے مقابلہ کیا. تیسری جماعت وہ تھی جس نے نہ انہیں مدد دی نہ ان کا مقابلہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر بھی کر آئے ہیں. یہ لوگ جو نیوٹرل تھے یعنی نہ حضرت علی کے ساتھ تھے نہ اِن کے مخالف وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے ابن حزم نے لکھا کہ عمار بن یاسر کو ابوالعادیہ نے قتل کر دیا تھا اور یہ ابوالعادیہ ان سابقین میں سے ہے جو مشہور درخت کے نیچے بعیت کر چکے ہیں اور ان سب کے لئے یہ حکم ہو چکا ہے **لا یدخل النار منھم احد** یعنی ان میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا (یہ بات صحیحین سے ثابت ہو چکی ہے) صحیح مسلم وغیرہ میں جابر سے مروی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا **لا یدخل النار احد ھابع تحت الشجرۃ** یعنی ان میں سے جو درخت کے نیچے بعیت کر چکے ہیں کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا. حاطب بن بلتعہ کا واقعہ ہم پہلے اپنی کتاب میں ذکر کر چکے ہیں کہ جب اُنکے غلام نے

حضور سے عرض کیا کہ حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا تو حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے جب وہ جنگ بدر اور حدیبیہ دونوں میں حاضر ہو چکا ہے پھر بھلا کیونکر دوزخ میں جاسکتا ہے یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ یہ وہی حاطب ہے جس نے حضور انور کی مخبری مشرکین مکہ سے کی تھی غلام اپنے آقا حاطب سے سخت ناراض تھا اسی لیے اس نے حضور سے جل کے یہ کہا تھا کہ حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا. درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے نہ صرف حضرت علی بلکہ طلحہ اور زبیر سے بھی قتال کیا ہے ان ہی لوگوں میں عمار کا بھی قاتل ہے. درخت کے نیچے بیعت کرتے والوں کی تعداد چودہ سو تھی انہیں کے ہاتھوں پر خداوند تعالی نے خیبر کو فتح کیا تھا جیسا کہ سورۂ فتح میں اسکا وعدہ فرمایا تھا حضور نے خیبر کے غنیمت کے اٹھارہ سو حصے کر کے ان سب میں تقسیم کر دئے تھے اس فوج میں دوسو سوار اور بارہ سو پیدل تھے ہر سوار کو حضور نے تین حصے دیئے دو اسکے گھوڑے کے اور ایک اس کا حساب سے چھ سو حصے ہو گئے تھے اور باقی بارہ سو حصے پیادوں کو دئے گئے تھے یہ تقسیم صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اکثر اہل علم مثلاً امام مالک امام شافعی اور امام احمد وغیرہ اسی کے قائل ہیں بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ سوار کے حضور نے صرف دو ہی حصے لگا رہے تھے امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں بعض کا قول ہی بلاشک یہ بات ہم مانتے ہیں کہ سابقین اولین میں سے حضرت علی کے ساتھ بہت سے لوگوں نے ہو کر قتال کیا جیسے سہل بن حنیف اور عمار بن یاسر مگر جن لوگوں نے حضرت علی کا ساتھ نہیں دیا وہ ان کے ساتھ دینے والوں سے بدرجہا افضل تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص حضرت علی کے ساتھ ہو کے نہیں لڑے تھے اور یہ سب بات مسلم اور ثابت شدہ ہے کہ سوائے حضرت علی کے وہ ان کے کل ساتھیوں سے افضل تھے. اور اسی طرح انصار میں سے محمد بن مسلمہ حضرت علی کے ساتھیوں پر فضیلت رکھتے تھے جنکی نسب حضور انور کا یہ قول موجود ہے. **ان الفتنه لا تضره** یعنی فتنہ انہیں ضرر نہ دیگا اسی وجہ سے انہوں نے یکسوئی اختیار کر لی تھی اور اپنا زمانہ نہ نشینی میں گزار دیا اس حدیث سے خود حضرت علی نے بھی استدلال کیا ہے اور صاف طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ واقعی یہ قتال فسادی قتال تھا اور نہ اسے جہاد کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ مستحب امر میں سے تھا. اب یہ بات دیکھنی ہے کہ اگر امیر معاویہ اور حضرت علی کی لڑائیاں صحیح تسلیم کی لیجاویں تو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ حضرت علی کا لشکر فتح یاب نہیں ہوا بلکہ معاویہ کی فوجوں نے کئی دفعہ فتح پائی انکا نام بلند ہوا اور انہوں نے بڑے بڑے

نصرانی ممالک کو بھی فتح کیا شامی سپاہ کا غلغلہ اور نیک نامی تمام دنیا میں مسلم تھی صحیح حدیث میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا لا نزال طائفة من امتی ظاھرین علے الحق تضرھم من الفھم ولا من خذلھم حتی تقوم الساعة ۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے تک میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہیگی مخالف اسے ضرر نہ دے سکے گا اور نہ وہ شخص اس کا ساتھ چھوڑ دے اسے کوئی ضرر پہنچا سکے گا۔ اس پر معاذ بن جبل نے کہا اس حدیث شریف میں جس طائفے کا ذکر ہے وہ شامی گروہ ہے پھر دیکھو مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور انور نے فرمایا لا یزال اھل العرب ظاہرین حتی تقوم الساعۃ امام احمد وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اہل عرب سے مراد اہل شام ہیں شامیوں کا پہلا لشکر وہی تھا جس نے امیر معاویہ کی سرگردگی میں قتال کیا وہ کبھی رسوا نہیں ہوا اور اسکی کسی قسم کی رسوائی حضرت علی کے ساتھ قتال کرنے میں بھی نہیں ہوئی پھر شیعی نقطہ خیال سے نبی ﷺ کی یہ دعا کس طرح ہوسکتی ہے کہ اُسے رسوا کر جو علی کو رسوا کرے اور اُسکی مدد کر جو علی کی مدد کرے اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی کو مدد دی تھی خداوند تعالی نے کیوں نہ اُن کی مدد کی اور جن لوگوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا تھا وہ کیوں نہیں رسوا اور ذلیل وخوار ہوئے بس یہ امور ہیں جن سے شیعی علماء کی پیش کردہ حدیث صریح جھوٹی قرار پائی ہے۔

شیعی علماء کی چوتھی برہان: (بقول شیعی علماء) قرآن مجید کی آگے آنے والی آیت سے حضرت علیؓ کی امامت ثابت ہوتی ہے اور وہ آیت یہ ہے وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى مَاضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى. (النجم:۱) یعنی قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے کہ تمہارے صاحب (یعنی محمد ﷺ) نہ گمراہ ہیں نہ کرو (بقول شیعی علماء) فقیہ ابن علی مغازی شافعی نے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں اور بنی ہاشم کے چند نوجوان لڑکے نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک ستارہ ٹوٹا تو آنحضرت نے فرمایا جسکے مکان پر یہ ستارہ رک جاے میرے بعد وہی میرا وہی میرا وصی ہے وہ ہاشمی نوجوان سب کھڑے ہو کے دیکھنے لگے تو وہ ستارہ علیؓ کے مکان پر پہنچ کے رک گیا یہ دیکھ کے ہاشمی نوجوان کہنے لگے یارسول اللہ یہ ستارہ تو علی کی محبت میں ڈوگ گیا. اُسی وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی گئی ہے۔

جواب: اس بہتان عظیم کا جواب کئی طرح سے ہے جو زیادہ غور سے سُننے کے قابل ہے. اول نفس آیت کے مضمون کو پیش کردہ روایت کے مضمون سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے روایت کا گھڑنے والا حقیقت میں ایسا بیوقوف تھا کہ اس نے تمام قراون اور ممکنات سے چشم پوشی کر کے آنکھ بند کر کے جو چاہا لکھ مارا اور یہ خیال نہ کیا کہ اس قسم کی جانڈو خانہ کی باتیں کسی صورت سے بھی دائرہ امکان میں نہیں آسکتیں یہ تو ظاہر ہے کہ شب کا وقت ہوگا کیونکہ رات ہی کو ستارے ٹوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی قرینے سے پایا جاتا ہے کہ حضور انور غالباً میں تشریف رکھتے تھے اور قرینہ اس کا بھی شاہد ہے کہ یہ واقعہ مکہ کا ہو. کتنے غضب کی بات ہے جبکہ مکہ کی آبادی اس وقت جبکہ حضور انور وہاں تشریف رکھتے تھے اسی بے ترتیب تھی کہ بیت حرام یا مسکن نبوی کے بیٹھنے والے کھڑے ہو کے کسی صورت سے بھی کسی کے مکان کا بھی تشخص نہیں کر سکتے تھے اسکے علاوہ مسکن نبی ایسے بلند قطعے پر نہیں بنا ہوا تھا جہاں سے شہر کی تمام آبادی کا نظارہ بخوبی نظر آئے پھر کس طرح ممکن ہے کہ چند نوجوان اٹھیں اور اُنہیں اندھیرے میں یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ مکان حضرت علی کا ہے اور اسی پر ستارہ ٹوٹا. شیعی علماء اس کا ثبوت دینگے کہ حضرت علی کے مکان پر کوئی بڑا جھنڈا الہلہاتا تھا یا کوئی بجلی کا ہنڈا کسی ستون پر اس طرح آویزاں تھا کہ باقی مکانات میں وہ ممتاز معلوم دیتا تھا جس سے نوجوان یہ سمجھ گے کہ یہ ستارہ حضرت علی کے مکان پر گرا ہے اسکے علاوہ وہ یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ جس وقت ستارہ ٹوٹ کے گرتا ہے تو لوگوں کو دکھاوی تو یہ دیتا ہے کہ وہ فلاں مقام پر گرا مگر یہ صرف جس وقت ستارہ ٹوٹ کے گرتا ہے تو لوگوں کو دکھائی تو یہ دیتا ہے کہ وہ فلاں مقام پر گرا مگر یہ صرف نظری دھوکا ہے وہ اس حد نظر سے جو اس کے گرنے کی قائم کی گئی ہے اس سے ہمیشہ کئی میل ہٹا ہوا ہوتا ہے اتنا بڑا اولوالعزم اور علی شان نبی اور سچ مچ ایک بڑا جلیل القدر حکیم کس طرح ایسی دور از کار باتیں نوجوانوں میں بیٹھ کے کرے گا کہ فلانا ستارہ ٹوٹ رہا ہے جسکے مکان پر گرے وہی میرا وصی ہی عقل کسی طرح بھی باور نہیں کرتی کہ ایسا عظیم الشان مصلح اس قسم کی کیک باتیں کرے اگر فی الحقیقت سہنشاہ عرب وعجم کو اپنا وصی اور خلیفہ حضرت علیؓ کو مقرر کرنا تھا تو آپ صاف طور پر فرما سکتے تھے کہ چاہے ان کے مکان پر ستارہ گرے یا نہ گرے میں نے علی کو اپنا خلیفہ اور وصی بنایا امامت اور خلافت کا منصب اعلان با قاعدہ امت میں نہ کیا جاوے. یہ کام واقعی سب سے بڑا اور سب سے اہم تھا کیا اسکی تکمیل اور سرانجام اس صورت سے ہوسکتا تھا کہ چند

نوجوان لڑکے حضور کی خدمت میں حاضر ہیں کہ اتنے میں ستارہ ٹوٹا اس پر حضور نے یہ ارشاد کیا کہ جسکے مکان پر یہ گرے گا وہی میرا وصی ہوگا۔ ان بچوں نے سنا ستارہ گرتا ہوا دیکھا اور خاموش اپنے گھر چلے گئے نہ انہوں نے اپنے والدین سے ذکر کیا کہ آج علیؓ وصی قرار پائے ہیں۔ نہ حضرت علیؓ نے اس بات کو سنا کہ میں ستارہ ٹوٹنے سے وصی قرار پایا ہوں نہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے نہ اُسکی تصدیق کی نہ مکہ میں کچھ غل مچا کہ آج علی وصی قرار پائے ہیں ان باتوں پر روائتیں گھڑنے والے نے ذرا بھی توجہ نہیں کی اور جب آیت اور اس گھڑی ہوئی روایت کا مضمون ملایا جاوے گا تو بعد المشرقین معلوم ہوگا۔ وہاں تو خداوند تعالیٰ دینا کے مقابلہ میں اپنے محترم نبی پر ہے کجروی اور گمراہی کا الزام اُٹھاتا ہے اور یہاں حضرت علی کو وصی قرار دینے کا ایک عجیب کھٹکھٹا بنایا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ہٹ دھرمی اور جہالت انسان کو نہ صرف دنیا میں ذلیل وخوار کرتی ہے بلکہ خداوند تعالیٰ کی عالی بارگاہ سے بھی سرکش اور بغاوت کے جرم میں نکال دیا جاتا ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ بلا علم کے کوئی بات کسی نص اور اجماع دونوں سے قطعی حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ (الاسراء:۳۶) یعنی ایسی چیز کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰناً وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (الاعراف:۳۳) یعنی کہد و میری پروردگار نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں اور گناہ کو ناا ور ناحق سرکشی کو بھی حرام فرمایا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جسکی اللہ نے کوئی سند نہیں اُتاری اور یہ کہ تم اللہ پر اقرار کر کے وہ بات کہو جس تم نہیں جانتے پھر خالق مطلق فرماتا ہے۔ هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ (ال عمران:۶۶) یعنی دیکھو تمہیں وہ ہو جسمیں تمہیں کچھ علم تھا اس میں تو تم جھگڑ ہی چکے اور جسکی تمہیں خبر نہیں اس میں تم کیوں جھگڑتے ہو۔ پھر فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ کَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (المؤمن:۳۵) یعنی جو لوگ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جوانہیں پہنچی ہو جھگڑتے ہیں تو ان کا یہ جھگڑتے ہیں تو ان کا یہ جھگڑنا اللہ کے نزدیک اور ایمان داروں کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَکَلَّمُ بِمَا کَانُوْا بِہٖ یُشْرِکُوْنَ

(الروم:۳۵) یعنی کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے اور وہ اسے بیان کرتی ہے جسے یہ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں پھر فرمایا۔ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الصّٰفّٰت:۱۵۶،۱۵۷)) اور فرمایا اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ. (النجم:۲۳) اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ پیغمبر لائے ہیں سلطان یعنی سند ہے ہم قرآن کو بھی سلطان کہتے ہیں اور حدیث کو بھی مگر حدیث کے متعلق ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جب تک نقل صادق سے صاف طور پر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ پیغمبر کا پیغمبر کا ارشاد ہے ہم اسے کبھی سلطان نہیں کہنے کے جو شخص اس چیز سے حجت کرے جسکی نسبت اسے حضور انور رسول اللہ ﷺ سے کی ہے تو یہ اس پر فرض ہے کہ حجت لانے سے پہلے وہ اُسکی صحت معلوم کرے ورنہ قائل بلا علم اور مستدل بلا علم ہوگا۔ جب یہ بات صاف طور پر ثابت ہو چکی کہ فضائل میں جتنی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں جھوٹ اور سچ دونوں گڈ مڈ ہو رہے ہیں تو پھر ایسی کتابوں کی روایتوں پر اعتبار کر لینا کتنا بڑا نا قابل معافی جرم ہے جسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم میں اور حضور انور رسولِ اللہ تعالیٰ میں سینکڑوں مسلمانوں کا واسطہ ہے اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آپ سے یا صحابہ سے نقل کرنے میں سچ اور جھوٹ کی ضرور آمیزش ہو جاتی ہے اسی خیال سے حضور انور نے ایک دن صاف طور پر یہ فرمایا تھا۔ سیکذب علیے. یعنی مجھ پر عنقریب جھوٹ بولا جائیگا جب یہ بات پورے طور پر ثابت ہوگئی تو اب کسی فرعی یا جزوی مسئلے میں حدیث سے حجت لانا کسی کو بھی جائز نہیں ہے جب تک کہ حدیث کی صحت پورے طور سے ثابت نہ ہو جائے جب فرعی اور جزوی مسائل کی یہ کیفیت ہی تو اصولی مسائل میں ایسی غیر روایت سے حجت لانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے جس سے خیر القرون کے جمہور مسلمان سادات اولیاء اللہ اور مقربین پر اعتراض ہوتا ہو۔ دوسری وجہ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے فقیہ ابن علی مغازی شافعی جو اس جھوٹی حدیث کا روائی ہے وہ مثل ابونعیم کے مغازی اہل حدیث میں سے نہیں ہے نہ وہ محدث ہے اسکا شیوہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے فضائل میں جتنی روایتیں جن جن کتابوں میں اسے ملیں آنکھ بند کر کے وہ انہیں نقل کر دے اسی طرح اخطب خوارزم نے بھی یہی کیا یہ دونوں حدیث سے محض نابلد رہتے ان میں سے ہر ایک شخص کی جمع کردہ روایتوں میں قریب قریب سب ہی موضوع۔ غلط اور جھوٹی روایتیں ہیں۔ حدیث میں معمولی معرفت

رکھنے والا ہی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے. اب رہی یہ بات کہ ان دونوں نے عمداً یہ سمجھ کے یہ جھوٹی روایتیں ہیں جمع کرلیں یا انہیں غلط صحیح کے پہچاننے کی تمیز نہیں تھی اس لیے یہ غلط روایتیں ہوگئیں غرض کچھ ہو کیا انہوں نے بڑا غضب کہ ہزاروں جاہل مسلمانوں کو گمراہ کردیا. اس روایت کو شیخ ابوالفرج نے موضوعات میں ذکر کیا ہے یہی روایت ایک دوسرے طریق سے شیعی کتابوں میں بڑے طم طراق کے ساتھ درج کی گئی ہی یعنی محمد بن مروان نے کلبی سے اُنہوں نے ابوصالح سے اُنہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ ساتویں آسمان پر پہنچے اور اللہ نے ہر آسمان پر اپنے محبوب کو بڑے بڑے عجائبات دکھائے تو صبح کو وہ عجائبات آپ اپنے ہم نشینوں میں بیان فرمانے لگے اہل مکہ میں سے بعض نے آپ کی تصدیق کے آنحضرت نے فرمایا دیکھو یہ کس کے گھر میں پڑتا ہے جسکے گھر میں پڑے گا میرے بعد ہی میرا خلیفہ ہوگا لوگوں نے اس ستارہ کو ڈھونڈا تو وہ علی بن ابوطالب کے گھر میں گرا اس پر اہل بیت کی محبت میں پڑ گئے ہیں اور اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی کی طرف جھک گئی ہیں اسوقت مذکورہ بالا سورۃ نازل ہوئی. اس دوسرے طریقے کی روایت کی کیفیت سنئے یہ بھی اپنی پہلی روایت کے موجب موضوع اور جھوٹ ہی اسکی اسناد پر تاریکیوں کے پروے پڑے ہوئے ہیں مثلاً اسکے راویوں میں ایک شخص ابوصالح ہے دوسرا کلبی تیسرا محمد بن مروان کلبی کی حقیقت سنئے بقول ابن حبان کے کلبی کا یہ مذہب تھا کہ علی مرے نہیں کہیں چھپ گئے ہیں وہ پھر دنیا میں ایک دفعہ ظاہر ہوں گے. ایک دن یہی کلبی اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا بادل کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا کلبی کہنے لگا دیکھو علی اس بادل میں پوشیدہ ہیں لہذا ایسے شخص کی روایت سے دلیل بیان کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے اس کلبی اور اُس کے ساتھ دوسرے دوست راویوں کی بیوقوفی دیکھئے کہ روایت کا سارا باران لوگوں نے ابن عباس پر ڈالا ہے گویا یہ سب ملکے ابن عباس سے روایت کرتے ہیں. کتاب شہادت کا ناظر مارے ہنسی کے لوٹ جائیگا جب یہ سنئے گا کہ معراج کے وقت ابن عباس صرف دو برس کے تھے اس حدیث کے راویوں نے اس حدیث کو صحیح بنانے کے لیے بڑی بڑی چالاکیاں اور کرتب کئے ہیں یاروں نے چالاکی سے اسکی سند کو بدل دیا ہی اور ابوبکر عطار اور ابوقضاعہ ربیعہ بن محمد کے طریق سے ایک غریب اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے مثلاً ابوبکر اور ابقضاعہ کہتے ہیں کہ ہم سے ثوبان ابن ابراہیم نے مالک بن غسان نہشلی نے ان سے انس نے یہ بیان کیا کہ نبی

ﷺ کے زمانہ میں ایک ستارہ ٹوٹا تھا تو اس وقت آپ نے فرمایا اس ستارے کو دیکھو جسکے گھر میں یہ گرے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہے. انس کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا وہ علی کے گھر میں گر گیا اسی بات پر بہت سے لوگ کہنے لگے کہ محمد ﷺ تو علی کی محبت میں گمراہ ہو گئے اس پر یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی اوپر کی روایت میں تو ابن عباس پر سارا بارڈالا گیا تھا یہاں انس کو پکڑا وہی تماشہ یہاں بھی موجود ہے. انس معراج کے وقت مکہ میں تھے ہی نہیں انہیں اس آیتہ کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے اس لئے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی حضور انور نے مدینہ منورہ آنے سے پہلے انس کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی اس کے علاوہ اسکی اسناد میں بہت سی خرابیاں ہیں یہ ثقات سے ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جو صحیح نہیں ہوتیں پھر ثوبان کو لو اگر چہ یہ ذی النون مصری کا بھائی ہے لیکن حدیث بیان کرنے میں ضعیف راویں کا سرتاج ہے پھر ابو قضاعہ کو لو یہ شخص منکر الحدیث اور متروک الحدیث ہے اب رہی ابو بکر عکطار وہ مجہول ہے ان زٹلیات سے غضب خدا کا کلام خدا کی آیتوں کی تفسیر کی جاتی ہے **لاحول ولاقوہ**. تیسری وجہ سورۂ نجم کا نزول ابتدائے اسلام میں ہوا ہی علی اسوقت بچے تھے اور بالغ بھی نہ ہوئے تے نہ ابھی خاتون محشر سے ان کی شادی ہوئی تھی نہ نماز کے فرائض نہ زکوۃ جاری ہوئے تھے نہ بیت اللہ کا حج نہ رمضان کے روزے اور نہ اسلام کے عام قواعد تلقین کئے گئے تھے پھر یہ امامت کی وصیت کرنے کا امر قبل از وقت کس طرح سے پیدا ہو گیا ادہر تو شیعی علماء اسپر گرے پڑتے ہیں غدیر خم میں حضرت علی کا امامت بابت پیغمبر خدا نے وصیت کی یا اعلان دیا اُدھر یہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے ہی ایسا ہو چکا تھا. "بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" چوتھی وجہ تمام مفسروں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ستارہ جسکی یہاں قسم کھای گئی ہے اس سے یا تو آسمان کے ستارے مراد ہیں یا قرآن کے ستارے اسکے خلاف یہ کسی نے نہیں کہا کہ اس ستارہ سے وہ ستارہ مراد ہی جو مکہ میں کسی کے گھر میں آپڑا تھا. پانچویں وجہ اگر ستارہ عذابی ستارہ تھا تو اس کا کسی شخص کے گھر میں نازل ہونا گھر والے کے لیے باعث امامت یا کرامت ہرگز نہیں ہو سکتا اور اگر یہ آسمانی ستارہ تھا تو آسمانی ستارے جو عظیم الشان کرے ہیں اور جو ہمارے اس کرۂ ارض سے لاکھوں درج بڑے ہیں اپنے نظام سے علیحدہ ہو کے زمین پر نہیں گر سکتے اور اگر یہ ستارہ شہاب ثاقب میں سے تھا تو شہاب ثاقب شیاطین کو مارنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں ان کا زمین پر گرنے کا کوئی کام نہیں ہے اور اگر بطور تفنن اس بات کو مان لیں کہ جس شیطان

کے وہ مارا تھا وہ شیطان حضرت علیؓ کے گھر میں گھس گیا تھا تو اسمیں حضرت علیؓ کی کرامت کیا ہے حالانکہ یہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اور ایک تعلیم یافتہ انسان کبھی ایسے مزخرفات پر توجہ نہیں کرسکتا.

شیعی علما کی پانچویں برہان: شیعی علماء حضرت علی وغیرہ کی عصمت اور امامت کے بارے میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَ کُمۡ تَطۡهِیۡرًا (الاحزاب:۳۳) یعنی اے نبی کے گھر والو سوائے اسکے نہیں کہ اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے. (بقول شیعی علما) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ علی کو میں اُن کے گھر ڈھونڈنے گیا تو فاطمہ زہرا نے یہ جواب دیا کہ وہ رسول اللہ کے پاس گئے ہوئے ہیں. میں یہ سن کے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ اور علی آرہے ہیں چنانچہ وہ مکان میں چلے آرہے اور میں بھی اُن کے ساتھ چلا آیا رسول اللہ نے علی کو اپنے بائیں طرف بٹھایا فاطمہ زہرا کو دائیں طرف اور حسینؓ کو اپنے آگے پھر انہیں اپنا کپڑا اُڑھا دیا اور مذکورہ آیۃ پڑھی (بقول شیعی علماء) ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ میرے گھر تھے کہ فاطمہ زہرا ایک پتیلی لیے ہوئے میرے پاس آئیں اس پتیلی میں حریرہ تھا حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے میاں اور دونوں بچوں کو بلا لاؤ وہ گئیں اور تینوں کو بلا لائیں یہ سب اندر آکے بیٹھ گئے اور حریرہ کھانے لگے ان کے نیچے ایک چادر بچھی ہوئی تھی میں اپنی کوٹھری میں نماز پڑھ رہی تھی کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ آیت نازل فرمائی رسول اللہ نے اسی چادر کا ایک چلہ جو زیادہ نکلا ہوا تھا ان سب کو اُڑھا دیا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ باہر نکال کے آسمان کی طرف اُٹھائے اور فرمایا هٰوُلَاءِ اَهۡلِ بَیۡتِیۡ فَاذۡهَبۡ عَنۡهُمُ الرِّجۡسَ وَطَهِّرۡهُمۡ تَطۡهِیۡرًا. یعنی میرے اہل بیت یہی ہیں پس راوے اللہ تو ان کی ناپاکی دور کردے اور انہیں خوب پاک کردے یہ الفاظ آپ نے کئی دفعہ فرماوے پھر میں نے بھی اپنا سر اس چادر میں کرلیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا ہاں تو بھی بہتر اوی کی طرف ہے. (بقول شیعی علماء) اس آیت میں چند تاکیدوں کے ساتھ عصمت کی دلیل ہے اوّل تو تاکید کے لیے انما کا لفظ ہے دوسرے خبر میں لام داخل ہے اور تطھیرا. کے ساتھ خطاب کرنے میں ایک قسم کی خصوصیت ہے کہ انہیں ولایت ہونی چاہیے جس کا انہوں نے اپنے

چند اقوال میں دعوے بھی کیا تھا خود بھی جانتا ہے چنانچہ ایک موقع پر فرمایا کہ ابن ابی قحافہ نے امامت زبردستی دبالی ہے حالانکہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ امامت میں میرا مرتبہ ایسا ہے جیسا چکی میں کیلی کا مرتبہ ہوتا ہے بس اس دلیل سے علی ہی امام ہوئے۔

جواب: مسلم نے حضرت علی عائشہ صدیقہ سے اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیث شیعی علماء کی وہ فی الجملہ صحیح ہے مسلم کی یہ حدیث ہے جسکی ناقل حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں کہ ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ باہر تشریف لے گئے آپ ایک سیاہ خط والی اونی چادر اوڑھے ہوئے تھے اتنے میں علی اور حسن آپ کے پاس آگئے آپ نے انہیں اپنی چادر میں کر لیا پھر حسین آئے انہیں بھی چادر میں لے لیا پھر فاطمہ زہرا آئیں انہیں بھی وہی چادر اُڑھا دی اور پھر ندکو ہر آیت پڑھی. یہ واقعہ امام احمد اور ترمذی کی روایت میں ام سلمہ سے مشہور ہے لیکن اس میں نہ اہل بیت کے معصوم ہونے کی کوئی دلیل ہے نہ ان کی امامت کی کوئی دلیل اسی مضمون کی جس سے اللہ تعالیٰ کا ایک چیز کے لیے ارادہ پایا جائے دوسرے اس کی راضی ہونے کا اظہار ہو قرآن مجید میں اور بہت سی آیتیں موجود ہیں جن میں سے ہم چند یہاں نقل کرتے ہیں.

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ اور يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ:۱۸۵) اور يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (النساء:۳۶،۳۷)

ان سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ مراد کی محبت اور اس کا راضی ہونا پایا جاتا ہے. اور یہی اس نے کل مسلمانوں کے لئے مشروع کیا اور انہیں اسی کا حکم دیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ اس اپنی مراد کو اسنے پیدا بھی کر دیا اور نہ اس کا ذکر ہے کہ اسے وہ لکھ چکا اور مقدر چکا نہ اس کا کہیں جو یہ دعا کی تھی کہ الٰہی تو پلیدی دور کر کے انہیں خوب پاک کر دے اگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا کہ اسنے ان کی پلیدی دور کر دی ہے اور انہیں خوب پاک کر دیا ہے تو پھر رسو اللہ کو اس دعا مانگنے کی ضرورت نہ ہوتی آپ کا دعا کرنا اس امر کی صاف دلیل کہ نہ ابھی اللہ نے ان کی پلیدی دور کی نہ انہیں پاک کیا. قدر یہ کا عقیدہ بالکل اس مطلب ہمزبان ہے ان کے نزدیک اللہ کے ارادے میں مراد کے پورا ہونے

کا ذکر نہیں ہوتا یعنی ان کے نزدیک ضرور نہیں ہے کہ جس کام کا اللہ نے ارادہ کیا وہ ہو ہی جائے بلکہ وہ کبھی ایسے کام بھی ارادہ کرتا ہے جو نہیں ہوتا اور کبھی ایسا کام ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا غرض ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کسی کام کے ارادہ کر لینے میں اس کام کے ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اب تماشہ دیکھئے کہ شیعی علما اور ان کے ہم خیال سب قدریہ ہیں مگر اس آیت پر بحث کرنے میں اُنہوں نے اپنے اصول عقاود کو بالائے طاق رکھ دیا ہے انہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ارادے میں تکمیل کو بھی شریک کر لیں ان کے عقیدے کے بموجب تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام مخلوق کے ایمان لے آنے کا ارادہ کیا تھا مگر اسکی یہ مراد پوری نہیں ہوئی. یہ تو قدریہ اور شیعہ کے عقائد اور اصول سے بحث کی گئی ہی اب اہل اثبات کے عقائد سنئے وہ کہتے ہیں اللہ کی کتاب میں ارادے کی دو قسمیں ہیں. ایک ارادہ شرعیہ دینیہ جس میں اللہ کی محبت اور اس کی رضا مندی شامل ہے. دوسرا ارادہ کونیہ قدریہ جس میں کام کا پیدا کرنا اور اسے مقدر کرنا شامل ہی پہلے قسم کے ارادے کی مثالیں وہ آیتیں ہیں جو ابھی ہم اوپر نقل کر آئے ہیں. دوسری قسم کے ارادے کی مثال اللہ کے اس قول میں پائی جاتی ہے فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (الانعام:۱۲۵) یعنی اللہ جسے ہدایت کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو سلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے. اس طرح حضرت نوح کا قول قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ نقل کیا ہے. وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ. (ہود:۳۴) یعنی اگر میں چاہوں تمہاری خیر خواہی کروں تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گی اگر اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے۔ اکثر قدریہ اور اہل اثبات ارادے کی ایک ہی قسم قرار دیتے ہیں جیسا انہوں نے ارادے اور محبت کو ایک ہی چیز ٹھہرایا ہے پھر بعض قدریہ محبت سے ارادے کو علیحدہ کرتے ہیں ان کے نزدیک جسے یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کی مراد ہے یعنی اس کا اسنے ارادہ کر لیا ہے تو اس کا ہونا لازم نہیں ہے مثلاً اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ مومنین کی توبہ قبول کر لینے اور انہیں پاک کر دینے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے توبہ نہیں کی ہے اسی طرح بعض ایسے ہیں جو پاک نہیں ہوئے اس آیت میں تو

صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے اور پلیدی دور کر دینے کا ارادہ کیا ہے اس سے کیونکر اس ارادے کے عملی صورت میں آنے کی شہادت پائی جاتی ہے. مسلم کی اس چادر والی حدیث نے جسے ہم صحیح تسلیم کر چکے ہیں اس آیت کا پورا مطلب سمجھتے ہیں ایک انتشار سا پیدا کر دیا ہے ممکن ہے کہ کہ اس حدیث کا وہ ٹکڑا جس میں آیۃ تطہیر مذکور ہی الحاقی ہو حضرت علی خاتون محشر اور حسنین کو چادر اُڑھائی تو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر چادر اُڑھانے کے بعد خصوصیت کے ساتھ آیت تطہیر پڑھنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا جبکہ اس آیت کو اوّل سے دیکھنے کے بعد صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ ازواج کے لیے نازل ہوئی تھی چنانچہ آیت شروع سے یہ ہے يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب: ۳۲ تا ۳۳) اے نبی کی بیبیو! اگر تم پرہیز گاری کرو تو تم مثل کسی (معمولی دیہاتی) عورت کے نہیں ہو بلکہ تمھارا بڑا مرتبہ ہے) پس تم (اجنبی مردوں سے) بات کرنے میں نرمی نہ کرو (اگر ایسا کرو گی) تو جسکے دل میں بیماری ہے وہ (کچھ اور) آرزو کرے گا اور تم اچھی بات کاہ کرو اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو اور اگلی جاہلیت کے ظاہر کرنے کی مثل تم (اپنی زینت) ظاہر نہ کرو اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو سوا اسکے نہیں کہ اے (نبی کے) گھر والو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کی دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے. یہاں سارا خطاب رسول اللہ کا ازواج پاک سے ہے اور امر و نہی اور وعدے وعید بھی انہیں سے کئے گئے ہیں اخیر آیت میں میں جو اہل بیت کا لفظ آیا ہے اس سے یہ صاف طور پر پایا وہی مخاطب ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ سوا دے ازواج کے کسی دوسرے کو آل اور اہل بیت میں شریک نہ کیا جائے بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آیت تطہیر کس کے لیے نازل ہوئی ہے اور اسکا کیا مقصد ہے. آل محمد میں علماو کا اختلاف ہی کہ ال سے کون لوگ مراد ہیں بعض کا قول یہ ہی کہ آپ کی اُمت مراد ہے اور یہ قول اصحاب محمد اور امام مالک وغیرہ کا ہی بعض کہتے ہیں کہ آپ کی امت کے متقی لوگ مراد ہیں اور اُنہوں نے اپنے قول کی تائید میں ایک حدیث روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ال محمد کل مومن تقی. یعنی ہر مومن متقی آل محمد

ہے اس حدیث کو خلال نے نقل کیا ہے اور امام احمد وغیرہ کے اصحب نے اس حجت کی ہے اگر یہ حدیث موضوع ہے. صوفیوں کا ایک فرقہ اسبات کا قاول ہی کہ آل محمد میں خواص الاولیاء داخل ہیں جسکا ذکر حکیم ترمذی نے کیا ہے ہمارے خیال میں آل محمد میں آپ کے اہل بیت شامل ہیں. امام احمد اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہی تشریف ابو جعفر نے بھی اسکے ساتھ اتفاق کیا ہے اب بحث یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ قرآن مجید صاف طور پر کر چکا ہے بلکہ مذکورہ آیت سے تو یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اہل بیت میں سوائے ازواج پاک کے اور کوئی شریک نہیں ہے مگر علماء کی جودت طبع نے اس پر خوب خوب بحث کی ہی لہذا اس معاملہ میں کہ ازواج اہل بیت ہیں یا نہیں علماء کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ازاوج اہل بیت میں سے نہیں ہیں اور یہ قول فقط زید بن ارقم کا سمجھنا چاہیے جو زیادہ قابل وقعت نہیں ہے دوسرا قول ییہ ہے کہ حضور انور کی ازاوج آپکی آل اور اہل بیت میں داخل ہیں اور اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے صحیحین سے یہ بات ثابت ہے ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کو یہ درود سکھائی تھی اللھم صلی علی محمد وازواجہ وذریتہ دوسری دلیل یہ ہی کہ اللہ تعالی نے ابراہیم اور لوط علیہ السلام کی بی بیوں کو ان ی آل اور اہل بیت کہہ کے پکارا ہی جو قرآن مجید سے ثابت ہی پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی بی بیاں ان کی آل اور اہل بیت سے کیوں نہ ہونگی. تیسری دلیل وہی ہے جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں کہ مذکور آیت میں اہل بیت ہونا ازواج ہی کے لیے مخصوص کر دیا اب رہی یہ بحث کہ آپکے اولیا کون ہیں تو یہ صاف طور سے ثابت ہوگئی کہ آپ کی اُمت کے متقی آپ کے اولیاء ہیں جیسے صحیح میں ثابت ہے حضور نے فرمایا ہے ان آل بنی فلان لیسی الی باولیاء وانما ولی الله وصالح المومنین. یعنی فلاں کے گھر والے میرے اولیاء نہیں ہیں بلکہ میرا اولی اللہ اور صالح (مسلمان) مومن ہے. اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کے اولیاء نیک بخت مسلمان ہیں اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے ان اولیائی المتقون حیث کانوا واین کانوا اس کے علاوہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (التحریم:۴) پھر صحاح میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں یہ آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہ نے عرض کیا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں حضور انور نے ارشاد کیا نہیں میرا یہ مطلب نہیں تم بھی میرے بھائی ہو اور میرے صحابہ ہو

ایک وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور بلا مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے. لہذا وہ بھی میرے بھائی ہوئے. جب یہ بات ثابت ہوگئی تو آپ کے اولیا و پرہیز گار مسلمان ہوئے آپ میں اور اُن میں دین کی. ایمان کی اور تقوی کی قرابت ہے اور یہ قرابت دینیہ قرابت طبیعیہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو قرب ہے دلوں اور روحوں کے درمیان ہے وہ اس قرب سے بدر جہا بڑھ کے ہے جو اجسام کے درمیان ہے اس لیے ساری خلقت سے افضل آپ کے اولیاء پرہیز گار مسلمان ہیں اب رہی آپ کے قرابت داروں میں مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں نیک بھی فاجر بھی ہیں غرض سب طرح کے ہیں ان قرابت داروں کی فضیلت اگر ہوسکتی ہے تو ایمان اور تقوے کی وجہ سے اور اسی وسیلے سے وہ حضور اولیا بن سکتے ہیں اس کے مقابلہ میں نسب یا قرابت کی وجہ سے وہ حضور کے اولیا نہیں ہوسکتے. یقیناً اور بلاشک ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہوگی کہ آپ کے اولیاء مرتبہ آپ کی آل سے زیادہ ہیں اب رہا پر درود بھیجنا تو اس درود سے یہ لازم نہیں بھیجی گئی ہے حضور انور کے اُن اولیا سے افضل ہو جائیں جن پر درود نہیں بیجی جاتی اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ تمام اور مرسلین آپ کے سارے اہل بیت سے افضل ہیں اگر چہ وہ تابع ہو کے آپ کے ساتھ درود میں داخل نہ ہوں . خلاصہ یہ ہے کہ مفضول میں کبھی کوئی امر مخوص بھی ہوا کرتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آ تا کہ اس خاص امر سے یا اس خصوصیت سے وہ مفضول فاضل سے افضل ہو جائے. اب سوال یہ ہے کہ اگر شیعی علما یا اور لوگ ان کے ہم خیال بنکے یہ کہنے لگیں کہ قرآن مجید اس ارادے کے ہو جانے پر دلالت نہیں کرتا جو اہل بیت کو پاک کرنے اور انکی پلیدی کو دور کرنے کی بابت کیا گیا ہے لیکن یہ بات تو تسلیم کرنی پڑے گی کہ نبی ﷺ کا دعا کرنا اسکے ہو جانے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ کی دعا مقبول ہوتی ہے. اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف اس دعوے کے ثبوت ہرگز دلالت نہیں کرتا اور یہاں ہمارا مقصود فقط یہی ظاہر کرنا ہی شیعی علماء نے جو دعوے پاکیزگی ثابت کرنے اور پلیدی رفع کرنے کی بابت کیا تھا وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ایسا دعوی عصمت اور امامت پر دلالت کرتا ہے اب رہا حدیث سے استدلال کرنا یہ علیحدہ بحث ہے. اس کے علاوہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اہل بیت کے پاک ہونے اور اُنکی پلیدی دور کرنے پر قرآن شریف دلالت کرتا ہے جیسے کہ مقبول دعا کا مقتضا یہ ہے کہ جن کے حق میں وہ دعا کی گئی ہو وہ اس کے مستحق ہوں تو بھی اس میں کوئی ایسا امر نہیں

ہے جوان کی خطا سے معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہو وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی بی بیوں کو اللہ نے جو حکم دیا ہے کہ ان میں کسی سے کوئی خطا سرزونہ ہو تو اس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ اس لیے کرتا ہے تا کہ ان کا وہ رجس دور کردے جو پلیدی ہے جیسے فواحش اور انہیں اس عیب سے خوب پاک کرنا دو طرح ہے۔ اوّل یہ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. دوم اس قول اللہ میں ہی اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَتَطَهَّرُوْنَ. ازواج کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ. (الاحزاب:۳۰) گناہ سے پاک ہونا یا تو یہ ہی کہ بندہ اسے کرے ہی نہیں یا یہ ہی کہ کر کے توبہ کرے اصل یہ ہے کہ وہ پاکیزگی جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے اور جسکی حضور انور رسول ﷺ نے دعا کی تھی وہ باتفاق عصمت نہیں ہی کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک تو سوائے نبی ﷺ کے کوئی معصوم نہیں ہے مگر شیعوں کا قول یہ ہے کہ سوائے نبی ﷺ اور امام کے کوئی معصوم نہیں ہے پھر اس قول کے بموجب حضور کی ازواج اور صاحبزادیوں وغیرہ خواتین میں عصمت تسلیم نہیں کی گئی وہ عصمت جو نبی ﷺ اور امام کے لیے مختص ہی اور جب اسکی یہ صورت ہی تو اس پاکیزگی میں جسکی فاطمہ زہراء علی حسن اور حسین کے حق میں دعا کی گئی ہے اس عصمت کی دائرے میں نہیں آتی جو حضور انور کیساتھ مختص ہے اور بقول شیعی علماء امام کے ساتھ بھی. پس حضور انور کی اس دعا کرنے میں کسی کیلئے عصمت ہونیکی دلیل نہیں ہے نہ حضرت علی کے لیے نہ اور کسی کے لئے کیونکہ یہ دعا پاکیزہ کرنے کی ہے جس میں یہ چاروں برابر ہیں اس میں کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے. پھر ملاحظہ فرمایئے کہ قدریہ کے قاعدے کے مطابق گناہوں سے معصوم ہونے کی دعا کرنا بالکل ممتنع ہے بلکہ پاکیزہ کرنے کی دعا بھی ان کے خیال کے بموجب ممتنعات میں شامل ہے کیونکہ وہ افعال اختیاریہ جو فعل واجبات اور ترکِ محترکات ہیں ان کے نزدیک اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ بندے کو مطیع کرسکتا ہے. نہ عاصی اور نہ وہ کسی کو گناہوں سے پاک یا ناپاک کرسکتا ہے غرضکہ ان کے قاعدے کے بموجب کسی کے حق میں بھی یہ دعا کرنا متمنع ہے اللہ تعالے کسی شخص کو واجبات ادا کرنے والا اور محرمات ترک کرنیوالا کردے اس کے مقابلہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ مقدور قدرتی طور پر خیر وشبہ کرنے کی قابلیت رکھتا ہی جیسا کہ تلوار مسلمان اور کافروں کی گردن کاٹنے کی قابلیت رکھتی ہے اور جیسا کہ مال طاعت اور معصیت دونوں میں خرچ ہوسکتا ہی ان کا عقیدہ

ہے کہ اس قدرت کی وجہ سے بندہ سب کچھ اختیار سے کرتا ہی خواہ نیکی کرے یا بدی قدریہ کا یہ قاعدہ شیعی علماء کی حجت کو بالکل باطل کر دیتا ہی اور جو حدیث شیعی علماء اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اُلٹا انہیں کے حق میں وہ مضر ٹھیرتی ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے صرف پاک کر دینی کی دعا کی تھی۔ اب اگر یہ کہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی اہل بعیت کی مغفرت کر دے اور ان سے مواخدہ نہ کرے اس سے بھی عصمت کی دلیل نہیں نکلتی ہر پہلو سے دیکھ لو ثبوت عصمت کے لیے کسی طرح بطی یہ حدیث دلیل نہیں ہو سکتی. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ خود حضرت علی نے بھی اس کا دعوے کیا تھا اور جب اُن سے رجس کی نفی یعنی پلیدی دور ہونی ثابت ہوگئی تو وہ سچے ہوئے اس کا جواب بھی چند طرح سے ہے. اول یہ کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علیؓ نے ایسا دعوی کیا تھا بلکہ ہم یقیناً اور صراحتاً جانتے ہیں کہ عثمان غنی کہ شہید ہونے تک کبھی حضرت علی کی زبان سے امامت کے دعوے کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا ممکن ہے کہ ان کے دل میں امام بنے کی آواز ہو لیکن اپنی زبان سے انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں امام ہوں معصوم ہوں یا مجھے رسول اللہ ﷺ نے امام مقرر کر دیا تھا. نہ حضرت علی نے کبھی یہ کھا کہ میری مقابعت لوگوں پر واجب تھی اور نہ اس قسم کے اور کچھ الفاظ منہ سے نکالے ہم یقینی طور جانتے ہیں کہ جس نے یہ الفاظ یا ایسے ہی اور الفاظ حضرت علی کی طرف سے نقل کئے ہیں بیشک اس شخص نے ان پر بہتان عظیم اُٹھایا اور ان کے ذمے جھوٹ رکھا ہمیں پورا پورا یقین ہے کہ حضرت علی متقی اور سچے تھے وہ ایسا چھوٹا دعوی جسکے جھوٹ ہونے کا سارے صحابہ یقین جانتے ہوں کبھی نہیں کرسکتے تھے باقی حضرت علی کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ انہوں نے خود فرمایا تھا کہ ابن ابی قحافہ نے امامت زبردستی دبالی ہے حالانکہ یہ میرا حق ہے میں ایسا ہوں جیسے چکی میں قطر یہ بھی محض غلط ہے حضرت علی نے کبھی ایسا دعوی نہیں کیا اس نقل کی ایسی اسناد کہاں ہیں کہ ثقہ راویوں سے مسلسل حضرت علی تک انہیں نقل کیا ہو یہ اسناد کبھی کسی طرح قیامت تک نہیں مل سکتیں ہاں اس قسم کی باتیں نہج البلاغۃ وغیرہ کتابوں میں درج کر دی گئی ہیں جنکی حالت اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کون نہیں جانتا کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبے حضرت علی پر افترا اور محض بہتان ہیں کیونکہ وہ پہلی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے نہ ان کی کوئی معروف سند ہے پھر شیعی علماء حضرت علی کا یہ قول کہاں سے نقل کرتے ہیں نہج البلاغۃ کے خطبوں کی مثال تو ایسی ہے کہ اسکے بزرگوں میں سے کسی نے یہ دعوی نہیں کیا نہ پہلے سے اس کا یہ

دعویٰ تھا تو پھر اسے چھوٹا سمجھنے میں کونسا امر مانع ہے اسی طرح منقولات کا حال ہی کیونکہ جو روایت نقل کیجائے اس کا معروف اور ثابت ہونا اس شخص سے جس سے وہ نقل کی گئی ہے ضروری ہے یہاں تک کہ اس کا سلسلہ ہم تک پہنچ جائے اور جب یہ کیفیت نہیں ہے اور اسکے خلاف ہم اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، اور حضرت علی کے خطبے نقل کر دئے مگر اس نقل کرنے والے سے پہلے معروف اسناد کے ساتھ ان خطبوں کو علماء میں سے کسی نے نقل نہیں کیا اسوقت ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ بے شک یہ جھوٹ ہے. نہج البلاغہ کے خطبوں میں ایسے امور بہت سے درج ہیں. جو حضرت علی کے صحیح اقوال کے بالکل متناقض ہیں. یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ نہج البلاغتہ کے اکثر خطبوں ہونے کی ہم وجوہات بیان کریں بلکہ ہمیں تو یہ حق حاصل ہے کہ ہم ان کی صحت نقل کا مطالبہ کریں اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر یہ واجب نہیں کیا کہ جس امر کے حق ہونی کی کوئی دلیل نہ ہوا کرے تو وہ اسے بھی حق مان لیا کرے بلکہ یہ اتفاق منع ہے خاص کر ان علماء کے نزدیک جو تکلیف مالا یطاق کی ممتنع ہونے کے قائل ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ اعلیٰ درجہ کی تکلیف مالا یطاق ہی لہذا اخلاف کے بارے میں ایسی حکایتوں سے حضرت علی کا دعویٰ کوئی انسان کیونکر ثابت کرسکتا ہے. ۴۰۰ھ ہجری میں جبکہ جھوٹ بولنے میں جبکہ جھوٹ بولنے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہو چکا تھا. ایسی حکایتوں کا غلغلہ اٹھا وہ کہانیاں اور قصے ایجاد ہوئے کہ پناہ بخدا انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا اور عوام کی طبایع کا رجحان دیکھ کے اس قسم کی حکایتوں کے موجدوں نے ایسی کامیابی حاصل کی کہ اب تک ایک فرقہ میں ان کا کامیابی اسی طرح سے دائم و قائم ہے کسی نے ان سے صحتِ نقل کا مطالبہ نہیں کیا جو بات اپنے دل میں آ گئی یا اپنے خیالات کے موافق ہوئی اسے بے چون و چرا مان لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مخلوق خدا کا ایک معقول حصہ اوہام باطلہ اور فاسد خیالات کی بھول بھلیوں میں بے ٹوئیاں مار رہا ہے. دوم ہم تھوڑی دی کے لئے مانے لیتے ہیں کہ حضرت علی نے ایسا ہی کہا تھا لیکن شیعی علماء یہ بات کیونکر ثابت کر سکتے ہیں کہ اس کہنے سے حضرت علی کی یہ مراد تھی کہ میں امام معصوم ہوں مجھ نص ہو چکی ہے. ہم شیعی علماء سے پوچھتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت علی نے اپنے اس خیال کیوجہ سے کہ سب سے افضل اور سب زیادہ امامت کا حقدار میں ہی ہوں یہ ارادہ وہ کر لیا ہو کہ میں ہی مستحق تھا اور سوائے میرے کوئی مستحق نہ تھا مگر اس وقت انہوں نے اپنے اس کہنے میں عمداً جھوٹ بولنے کا قصد نہ کیا ہو اور صرف اپنے اجتہاد سے کہ دیا ہو.

اجتہاد کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط جس کی نفی کے باعث وہ خطا سے باتفاق معصوم نہیں ہوئے اس لیے کہ اہل بیت سے خطا دور کر دینے کا اللہ تعالی نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ شیعی عقیدے کے بموجب یہ ارادہ کرنا اسکی قدرت ہی میں نہیں ہے شیعی علماء رسول ﷺ کے علاوہ ائمہ کو بھی معصوم مانتے ہیں مگر ان کے معصوم ہونے کی کوئی حجت اور دلیل وہ پیش نہیں کرتے. اب خیال تو کیجئے کہ خواہ مخواہ آیۂ تطہیر کو عصمت اور امامت کے ثابت کرنے کے لیے کس بے تکے اور جھونڈے پن سے حُجت اور دلیل بنالی مگر اس امر کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی جھوٹ بولنا بھی پلیدی میں داخل ہے یا نہیں تا کہ اللہ کی پلیدی دور کرنے سے جھوٹ بولنا بھی دور ہو جاتا اور اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ پلیدی دور ہو گئی تھی تو اس پلیدی کے دور ہونے سے کسی جھوٹ کا دور ہونا لازم نہیں آتا. سب سے زیادہ تماشے کی یہ بات ہی شیعی علماء اور ادھر تو یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم قرآن سے اپنی حجت بیان کرینگے مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی حجت کو قوی کرینکے لئے ایک غلط اور موضوع روایت پیش کر دیتے ہیں اخیر تک اسی پر زور روئے چلے جاتے ہیں قرآن شریف میں تو کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو امامت اور عصمت تو ایک طرف اس پلیدی ہی کے دور کنے پر دلالت کرتا ہو نہ اُسکی کوئی دلیل ہے کہ جھوٹ اور خطا اس پلیدی میں داخل ہے جسکے دور کرنے کا اللہ نے ارادہ کیا تھا اور نہ کہیں اسکی کوئی دلیل ہے کہ حضرت علی نے یہ بات کہی لیکن یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی صحیح بھی ہو تو وہ بھی بغیر چند مقدمات کے صحیح نہیں ہوسکتی جو قرآن مجید میں نہیں ہیں پھر بھلا امامت پر دلالت کرنے والی برہانیں قرآن مجید میں کہاں سے آئیں اس پر بھی اگر کوئی مخبوط نہ دعوی کرے کہ قرآن مجید میں امامت پر دلالت کرنے والی برہانیں موجود ہیں تو اس شخص کو سوا فاتر العقل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں.

شیعی علماء کی چھٹی برہان: اول قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے. فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: ۳۶، ۳۷) یعنی جن مکانوں میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کیجائے اور ان میں اس کا نام پڑھا جائے ان (مکانوں) میں صبح شام اسکی پاکی بیان کرتے ہیں وہ لوگ

کہ اُنہیں اللہ کی یاد کرنے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گے. فقط. (بقول شیعی علماء) ثعلبی نے اسناد کے ساتھ انس اور بریدہ سے روایت کی ہے وہ دونوں کہتے ہیں رسول ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کے پوچھا یا رسول اللہ وہ مکانات کونسے ہیں. حضور انور نے فرمایا انبیاء کے مکانات پھر ابوبکر کھڑے ہو کے کہا یا رسول اللہ یہ گھر بھی ان ہی میں سے ہی یعنی علیؓ اور فاطمہ زہرا کا گھر فرمایا ہاں یہ ان سے بھی افضل ہے. پس اس آیتہ سے اس گھر کے مردوں کی ایسی تعریف کی گئی ہے. جو اُن کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے لہذا اس دلیل سے علی ہی امام ہوئے ورنہ مفضول کا مقدم کرنا اور افضل کا مؤخر کرنا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے.

جواب: لاحول ولا قوة الا بالله

گر ہمیں مکتب است دایں ملا
ار طفلان تمام خواہد شد

ہمارے خیال میں اس قسم کی بے ربطی اور لغویت کسی جاہل کے استنباط مسائل میں بھی نہ ہوگی نفس آیت کو تو امامت وغیرہ سے کچھ سروکار ہی نہیں مگر جو فرضی روایت پیش کی گئی ہے وہ بھی کچھ ایسی بے سروپا اور انگل بچو ہے کہ الہی توبہ. تماشہ تو یہ ہے کہ بیچارا ایک ثعلبی ہاتھ لگ گیا ہی بس جو روایت اُسنے گھڑ دی وہی آنکھوں پر رکھ لی گئی اور اس سے سروکار نہ کھا گیا کہ یہ صحیح ہی یا غلط ایسی ہی باتوں سے اس مذہب کی پوری شان پائی جاتی ہے اور شیعی مذہب کی صداقت پر بھی اس سے پوری روشنی پڑتی ہے خیال تو کیجئے کہ اس روایت کی صحت ہوسکتا ہے. اور نہ یہ درست ہے کہ اگر جمہور میں سے کسی نے نقل کر دیا ہو وہ جمہور کے نزدیک ضرور ہی حجت ہو بلکہ علمائے جمہور سب اس پر متفق ہیں کہ جو حدیث ثعلبی اور اس جیسے اور روایت کریں وہ کبھی حجت نہیں ہوسکتی خواہ وہ ابوبکر وعمر کی فضیلت میں احکام میں سے کسی حکم کے ثابت کرنے میں ہو ہاں اس وقت قابل توجہ ہوسکتی ہے کہ اس کا ثبوت کسی طریقہ سے بخوبی ہو جائے. یہ پہلے بھی لکھا جا چکا کہ ثعلبی وغیرہ صحیح وضعیف دونوں طرح کی حدیثیں روایت کرتے ہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ محض ثعلبی کا روایت کر دینا اس کے اتباع کرنے کو واجب

نہیں کرتا. اسے حاطب لیل کہتے ہیں اس کا بھی ذکر اوپر ہو چکا ہے چونکہ اس کی بغوی نے بہت کچھ بڑے پایہ کا شخص انہیں ہے اسے تو مفسرین اور نحویوں اور نحویوں کے اقوال اور انبیاء علیہ السلام کے قصے خوب یاد تھے. ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابو محمد حسین نے جن صحیح حدیثوں کو ثعلبی سے لیا ہے انہیں بھی ثعلبی کی طرف منسوب نہیں کیا اس خیال سے کہ علماء ثعلبی کا نام دیکھ کے چونکتے ہیں اس لیے اُس نے ان احادیث کو صحیح بخاری سے منسوب کر دیا ہے. دوسرے یہ کہ ماہرین حدیث کے نزدیک یہ حدیث بالکل موضوع ہے. یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث نے نے اسے اپنی اِن کتابوں میں ذکر نہیں کیا جن کا حدیث میں اعتبار کیا جاتا ہے جیسے صحاح، سنن، مسانید باوجودیکہ ان کتابوں میں کبھی کبھی کوئی ضعیف حدیث بھی نکل آتی ہے بلکہ صریح جھوٹی بھی لیکن ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی نکلتی ہیں. باقی یہ حدیث جس پر بحث ہو رہی ہے ایسی ظاہر باہر غلط ہے جس کا ذکر ان کتابوں میں آ ہی نہیں سکتا تیسرے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسجدوں کے بارے میں ہی کیونکہ اللہ نے فرمایا فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ بھلا خیال تو کیجئے کہ حضرت علی کا گھر اس صفت کے ساتھ کیونکر موصوف ہو سکتا ہے. جو تھے سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کا گھر علی کے گھر سے بدرجہا افضل ہے اور باوجود اس فضیلت کے وہ اس آیۃ میں داخل نہیں ہے. نبی ﷺ کے گھر کی بابت تو اللہ تعالی یہ فرماتا ہے. لَا تَدْخُلُوْا فِیْ بُیُوْتِ النَّبِیِّ اور فرمایا وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ. پانچویں یہ کہنا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے گھر ہیں بالکل جھوٹ ہی کیونکہ اگر یہ اس طرح مان لیا طرح مان لیا جائے تو باقی مسلمانوں کا تو اس میں کوئی حق اور حصہ نہ رہے گا حالانکہ اللہ کا یہ فرمانا یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ ان پر عائد ہوتا ہے جو اس صفت کے ہوں. چھٹے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ میں نکرہ موصوفہ ہے کوئی معین نہیں، ہی نکرہ کے بعد اللہ کے اس قول ان تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ. سے اگر وہ ذکر اور نماز مراد لیجائے جو مسجدوں کے ساتھ داخل ہو جائیں گے جو اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اسوقت انبیاء علیہ السلام کے گھروں کی کچھ خصوصیت نہیں رہنے کی. اور اگر اس سے اس ذکر کا ہونا مراد ہے جو پانچوں وقت کی نمازوں میں ہوتا ہے اور جو مساجد ہی سے خصوصیت رکھتا ہے تو پھر یہ آیت مسجدوں ہی کے ساتھ مخصوص رہے گی. اب رہے انبیاء کے گھر اور مساجد ان میں کس کو کس پر فضیلت ہے اس کا فیصلہ آسان ہے ایک معمولی شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ خدا اور رسول میں جتنا

فرق ہی اتنا ہی فرق خانہ اور خانہ اور خانہ رسول میں ہے ساتویں اگر انبیاء کے گھروں میں سے وہ گھر مراد ہیں جس میں نبی ﷺ رہتے تھے تو مدینہ میں سوائے حضور انور کی پاک ازواج کے اور کسی کا گھر نہیں تھا. پھر اس آیت میں حضرت علی کا گھر کیونکر داخل ہوسکتا ہے. اور اگر اس سے وہ مراد ہیں جن میں ایک آدھ دفعہ انبیاء دفعہ انبیاء کا گزر ہو چکا ہے اس طرح حضور انور رسول اللہ اپنے اکثر اصحاب کے گھر گئے ہیں. غرض اس حدیث میں جونسی بھی صورت مراد لیجائے یہ تخصیص ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی کہ انبیاء کے گھروں میں صرف ایک علی ہی کا گھر ہے باقی ابوبکر، عمر اور عثمان وغیرہ کے گھر ان میں نہیں ہیں جب یہ خصوصیت ثابت نہ ہوتی تو رجال کے لفظ میں جو آیت میں آیا ہے علی وغیرہ سب برابر ہیں.

آٹھواں جواب: جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ اُنہیں اللہ کے ذکر سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت باقی اس آیت میں کودی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ ایک دوسرے پر فضیلت ہے نہ اس میں اللہ کے اس وعدہ کا ذکر ہے جو اس نے اسکی جزا دینے کا اُن سے کیا بلکہ اس میں فقط ان کی تعریف ہے مگر اس تعریف سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہ جسکی اللہ تعریف کرے اور جنت دینے کا اس سے وعدہ کرے تو وہ اوروں سے افضل ہو جائے. پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے جیسا کہ شیعی علماء کہتے ہیں کہ جناب امیر یعنی حضرت علی اور صحابہ سے افضل ہیں.

نواں جواب: بفرض محال ہم تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جنکی تعریف کی گئی ہے وہ محض اسی تعریف کی حیثیت سے اُن لوگوں سے افضل ہیں جن میں یہ صفت نہیں پائی جاتی لیکن شیعی علماء نے یہ کیونکر تسلیم کرلیا کہ یہ صفت علی ہی کے ساتھ مخصوص ہے. بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا. نہیں نہیں یہ ہرگز درست نہیں ہے یاد رکھو اس میں کسی کی خصوصیت کبھی نہیں ہوسکتی ہر شخص جو اللہ کے ذکر سے نماز پڑھنے سے، زکوۃ ادا کرنے سے اُسے نہ کوئی تجارت غافل کرے نہ کوئی خرید و فروخت غفلت میں ڈالے ساتھ ہی وہ روز قیامت سے بھی ڈرتا رہے وہی اس صفت کے ساتھ موصوف ہوسکتا ہے. شیعی علماء کیونکر اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ صفت سوائے حضرت علیؓ کے اور کسی میں نہیں تھی. دیکھو آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ

جنکی یہ صفت بیان کی گئی ہے وہ بہت سے آدمی ہیں نہ کہ ایک آدمی پس یہ آیت اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہی بلکہ اس میں علیؓ وغیرہ سب برابر ہیں اور سب برابر ہوئے تو اُن میں ایک دوسرے کو افضل قرار دینا محال بلکہ ناممکنات سے ہے۔

دسواں جواب: اس کے بعد ہم شیعی علماء کی خاطر سے یہ بھی تسلیم لیتے ہیں کہ اس صفت میں حضرت علی اوروں سے افضل ہیں مگر یہ افضل ہونا امامت کو کیونکر ثابت کرسکتا ہی باقی مفضول کو فاضل سے مقدم ہونے کا امتناع اگر تسلیم کرلیا جائے تو وہ اُن مجموعی صفات میں ہے جو امامت کے مناسب ہوں ورنہ یہ بات نہیں ہوسکتی کہ جو شخص کسی عمدہ خصلت میں افضل ہوجائے وہ ہی امام ہونے کا بھی مستحق ہو اور اگر اس بات کو قرار دے لیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ میں ایسے بہت سے موجود ہیں جنہوں نے دین خدا کی حمایت میں سرکش عہد شکن اور باغی مشرکوں کو زیادہ قتل کیا ہی اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ سے کہیں زیادہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہے اور بعض ایسے ہیں جو نماز روز میں حضرت علیؓ سے کہیں زیادہ تھے بعض ایسے ہیں جسکا علم حضرت علیؓ سے بہت بڑھا یاد رکھو جسطرح انبیاء میں سے ایک نبی میں وہ تمام اوصاف نہیں ہوسکتے جو کل انبیاء میں ہوں اسی طرح صحابہ میں بھی ایک صحابی میں وہ اوصاف نہیں ہوسکتے جو کل صحابہ میں ہوں بلکہ خود مفضول میں ان امور کی ایک قسم ہوسکتی ہے جسکی وجہ سے وہ فاضل سے ممتاز ہوجاتا ہوجاتا ہے لیکن تفصیل میں ہمیشہ مجموعی صفات کا اعتبار ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی بالغ نظر انکار نہیں کرسکتا۔

شیعی علماء کی ساتویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالی فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۳) یعنی (اے نبی) کہہ دو کہ میں تم سے اس (دین کی تبلیغ) پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر (میرے ساتھ) قرابت داروں کی سی محبت کرو۔ شیعی علما کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون لوگ ہیں ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے؟ حضور نے فرمایا علی اور فاطمہ اسی طرح ثعلبی کی تفسیر میں ہے اور ایسے ہی صحیحین میں بقول شیعی علما اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ علی کے سوا اور صحابہ سے محبت کرنا واجب نہیں ہے

لہذا علی ہی افضل ہوئے اور وہ ہی امام ہوئے پھر شیعی علماء دوسری دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرنا محبت کرنے کے منافی ہے اوران کے حکموں کی اطاعت اور پیروی کرنا اُن سے محبت کرنا ہے پس انکی اطاعت واجب ہوئی اور یہی معنی امامت کے ہیں. فقط

جواب: ''چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد'' لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس قدر جھوٹ تو ہمارے خیال میں ایسے صاف اور کھلے الفاظ میں کسی نے بھی نہیں بولا ہوگا سب سے پہلے تو ہم اس حدیث کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ تمام شیعی دنیا مل کے بھی اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتی. اسکے علاوہ اس سفید جھوٹ اور طوفان عظیم کو دیکھے جو امام احمد کی بمسند میں کہیں بھی یہ روایت نہیں ہے مگر اس سے بھی زیادہ طوفان عظیم اور دلخراش جھوٹ اور غلیظ بہتان صحیحین پر باندھا گیا ہے حالانکہ صحیحین میں اس روایت کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہی بلکہ لطف یہ ہے کہ تینوں کتابوں یعنی منداور صحیحین میں اس کے منافی حدیث موجود ہی اس سے زیادہ ناواقفیت مسلمانوں کی کتابوں سے اور کیا ہوسکتی ہی ایسی بہت سی کتابیں شیعی علما کی ہماری سے گزری ہیں جن میں نہایت ہی غلط طور پر جس حدیث کو چاہا اسکے سر منڈھ دیا کبھی صحیحین کی طرف سے حدیثوں کو منسوب کر دیا. کبھی مسند امام احمد کی طرف کبھی مغازی کی طرف کبھی موفق خطیب خوارزم کی طرف کبھی ثعلبی وغیرہ کی طرف سب بڑی چوٹی کی کتاب شیعوں میں اس قسم کی نام کی طرائف الرد علے الطوائف. یہ کتاب عجیب تماشے کی ہے جو شخص اسے دیکھے وہ سناٹے میں رہ جائے کہ کتنا دلیر مصنفی کہ اُس نے چند روایتیں خود گھڑیں یا اپنی کسی دوستوں سے عاریتاً لے لیں اور پھر صاف طور پر لکھ دیا کہ یہ مسلمانوں کی فلاں فلاں کتاب میں ہیں اس کے علاوہ اور دوسری کتاب لیجئے وہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کے ہے اور اس کا نام عمدہ رکھا گیا ہے اس کے مصنف کا نام ابن البطریق ہے اس سے زیادہ اور تماشے کی بات سنئے ابوجعفر محمد بن علی اس صفت میں سب سے بڑھا چڑھا ہے کہ اسکی بھی کئی کتابیں تصنیف سے ہیں اسکی اور اسکے احباب کی اکثر روایتیں جو مسند اور صحیحین وغیرہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں ہم نے خود ایک ایک روایت کو اچھی طرح ان کتابوں میں دیکھا جن سے وہ نسبت دی گئی ہیں. معلوم ہوا کہ بڑی سخت چالاکی کی گئی. ہے اور نسبت سراسر باطل اور جھوٹ ہے. امام احمد نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی چاروں کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کتاب میں وہ ایسی حدیث بھی روایت کرتے

ہیں جو اُن کی مسند میں نہیں ہی مگر یہ یاد رکھیئے کہ اگر امام احمد اپنی مسند میں کوئی حدیث روایت کریں تو اُس سے یہ کبھی لازم نہیں آ سکتا. کہ وہ حدیث امام احمد کے نزدیک ضروری حجت ہو امام احمد کے حالات سے جو شخص واقف ہے وہ اُسے اچھی طرح جانتا ہے کہ امام احمد وہ حدیثیں روایت کر دیتے ہیں. جو اہل علم نے روایت کی ہیں ہاں یہ بات ضروری ہی کہ اُنہوں نے مسند میں ایک شرط کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ اُن کے نزدیک جھوٹ میں مشہور ہوں گے اُن کی کوئی حدیث روایت نہ کریں گے اور یہ ہم علے الاعلان کہتے ہیں کہ مسند میں بہت سی ضعیف حدیثیں موجود ہیں. اسی طرح ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں یہی شرط لگائی ہے. اب رہی فضائل کی کتابیں ان میں وہ حدیثین روایت کر دیتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے استادوں سے سُنی ہیں خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف کیونکہ اس میں اُنہوں نے مثل مسند کے یہ قصد اور التزام نہیں کیا تھا کہ جو حدیث میرے نزدیک ثابت ہوگی وہ راویت کروں گا. سب سے زیدہ آفت یہ نازل ہوئی ہے کہ امام احمد کے صاحب صاجزادے نے اس میں بہت سی زیادتیاں کر دی اور جو کچھ اس نیک نصیب سے کسر رہ گئی تھی وہ ابوبکر قطیعی نے پوری کر دی جتنی حدیثیں ابوبکر قطیعی نے بڑھائی ہیں اُن میں بہت سی موضوع ہیں پس فاضل شیعی علماء نے اس ہاتھ چھانٹی سے فائدہ اُٹھا کے اہل علم کی آنکھوں میں خاک ڈالنی چاہی اور اُنہوں نے ایک حد تک جہلا کو گمراہ کر دیا علماء نے اس پردہ کا تار تار الگ کر کے دکھا دیا جس سے دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوگی. بزیر جامہ نہاں کردہ برص لیکن بختشم اہل بصیرت برہنہ میں آئی اہل علم سے کوئی بات نہیں چھپی رہ سکتی ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے بے علم اس سے دھوکہ کھائیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ امام احمد نے صحابہ کے فضائل میں جو کتاب لکھی ہے اس میں سب طرح کی حدیثیں موجود ہیں. کیونکہ اس میں امام موصوف نے کسی طرح کا التزام نہیں کیا. پھر قطیعی کی زیادتیوں نے اور بھی غضب ڈھا دیا کیونکہ وہ ان لوگوں سے نقل کرتا ہے جو امام درحقیقت یہ ہی کمال کر سکتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ امام احمد سے روایت کرتا. مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہی کہ امام موصوف نے اپنے اخیر زمانہ میں حدیث کا روایت کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا. خلیفہ وقت نے جب امام سے حدیث پڑھنی چاہی تو امام ڈر گئے اور اُنہیں یہ خوف ہوا کہ میں کہیں فتنہ میں نہ پھنس جاؤں اس خوف سے اُنہوں نے حدیث کا توغل چھوڑ دیا تا کہ اس بلائے عظیم ہے جان بچ جائے آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ اپنے اُستادوں کی کوئی حدیث سند کے ساتھ

ذکر کر دیتے تھے مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم سے فلاں نے یہ حدیث بیان کی اب جو لوگ اس قسم کی حدیث کو اُن سے سنتے تھے وہ اُن کی طرف سے اُسے روایت کر دیتے پر خوش ہوتے تھے اور پھر عام طور پر وہ حدیث اُن ہی کی روایت کردہ قرار پا جاتی تھی۔ قطیعی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جب اس نے اندھا دھند روائتیں ذکر کرنا شروع کیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ یہ سب امام احمد کی روایتیں ہیں حالانکہ بالکل غلط ہے ایسی موضوع روایتوں کو اُن سے کبھی نسبت نہیں دے سکتے وجہ یہ ہی کہ ان جھوٹی روایتوں کے راوی نہ تو طبقات کی کچھ خبر رکھتے ہیں اور نہ اُنہیں یہ معلوم ہی کہ قطیعی یا اُس کے اُستادوں سے روایت کرنے کو امام احمد اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر جہالت کا بُرا ہو کہ اُس نے کم علم لوگوں کی نظروں میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ نہ کرنے دیا ہر ایک بات یا ہر ایک روایت کی نسب بے تامل سند سے دیدی اور یہ خیال نہ کیا کہ جب مسند ٹٹولی جائے گی تو اس میں یہ روایت نہیں ملنے کی قطیعی اور اُس کے اُستادوں کی روایتیں بدقسمتی سے امام احمد کی طرف نسبت دے دی گئیں۔ جب یہ غلط سلسلہ قطیعی اور اُس کے استادوں کی وجہ سے نکل آیا تو کتاب طرائف اور عمدہ کے مصنفوں نے موضوع حدیثوں کو آنکھ بند کر کے امام احمد کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ وہ روایتیں امام احمد نے کبھی کہیں ذکر کیں نہ مسند میں نہ اور کسی کتاب میں نہ اُنہیں کبھی سُنا فقط قطیعی کی مہربانی سے وے کم علم لوگوں کی نظروں میں بدنام ہو گئے کیونکہ اس بے باک شخص نے جس قدر روایتیں جمع کی ہیں اُن میں صدی بچانویں بالکل جھوٹ اور موضوع ہیں جسے اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں۔ شیعی علما حسب عادت کتاب العمدہ اور طرائف جیسی پر از موضوعات کتابوں سے روایتیں نقل کیا کرتے ہیں۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ حدیث جس پر بحث ہو رہی ہے اور جسے امام احمد کی مسند کی طرف نسب دیا گیا ہے آیا کتاب العمدہ سے لی گئی ہی یا طرائف سے جبکہ مسند اور صحیحین سے اِسلامی دنیا کا گوشہ گوشہ پر ہے پھر یہ دلیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس جھوٹی حدیث کو کیوں ایسی مشہور کتابوں کی طرف نسب دے دی ایسی جھوٹی حدیث تو وہی روایت کرتا ہے جو حاطب الیل ہو اور یہ صفت ثعلبی وغیرہ میں ہے جو بلا تمیز کھوٹی کھری سب کو نقل کر دیتے ہیں۔

دوسری وجہ: تمام محدثوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور موضوع ہے حدیث کے پرکھنے میں اہل علم ہی کیطرف رجوع کیا جاتا ہے اور اُن ہی کا فیصلہ معتبر ہوتا ہے یہ حدیث ان

کتابوں میں جن کے معتبر ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے نہیں پائی جاتی.

تیسری وجہ: یہ آیت سورۂ شوریٰ میں ہے اور تمام علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے بلکہ تمام حوامیم مکی ہیں اسی طرح الراطس بھی مکی ہیں یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شادی حضرت خاتون محشر یعنی فاطمۃ الزاہر سے غزوہ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور حسنین جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ۳ ۴ہجری میں پیدا ہوئے تو اس شادی اور اُن کے پیدا ہونے سے کئی برس پہلے یہ آیت نازل ہو چکی تھی پھر بھلا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے. اس آیت کی تفسیر حضور انور رسول اللہ ﷺ اُن قرابت داردن کی محبت سے کرتے جو ابھی عالم ظہور میں نہیں آئے تھے.

چوتھی وجہ: صحیحین میں اسی آیت کی تفسیر کی تفسیر ابن عباس سے مروی ہے جو شیعی علما کی گھڑی ہوئی تفسیر کے بالکل خلاف اور متناقض ہے. سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس سے کسی نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ محمد ﷺ کو ان کی قرابت داری کے بارے میں تم کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ. پھر ابن عباس نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے جواب کے دینے میں جلدی کردی اصل بات یہ ہے کہ قریش میں کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس سے محمد ﷺ کی قرابت داری نہ ہو اس لیے آپ نے فرمایا تھا کہ اس دین کی تبلیغ پر میں تم سے کچھ نہیں مانگتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو اور اسی کی وجہ سے سلوک سے رہو جو مجھ میں اور تم میں ہے. فقط

یہ سمجھ لو کہ ابن عباس ترجمان اور مفسر قرآن ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی کے سوا تمام اہلبیت کا یہ قول تھا کہ اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرابت داروں سے محبت رکھو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے اہل عرب اور اے قریشی خاندانو! اس دین پر تم سے میں کسی طرح کی مزدوری نہیں مانگتا لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت کا خیال رکھو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے. غرض یہ ہے کہ آپ نے اس خیال کے رکھنے اور صلہ رحمی کرنے کا سوال اُن سب لوگوں سے کیا تھا جن کی طرف آپ اول مبعوث ہوئے تھے کہ وہ لوگ آپ پر سی طرح کی زیادتی نہ کریں تا کہ آپ اپنے پروردگار کی رسالت کی تبلیغ پورے طور پر آسانی سے کر سکیں.

پانچویں وجہ: قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۳) اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر قرابت داروں ہی سے محبت

رکھنے کی مراد ہوتی تو الا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ ذِی الْقُرْبٰی فرمایا جاتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور جگہ فرمایا ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی (الانفال:۴۱) پھر فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی اور اسی طرح یہ آیت فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ اسی طرح اور کئی جگہ قرآن مجید میں موجود ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں اور دوسرے شخص کو اپنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کی بات قرآن شریف میں جہاں کچھ ذکر کیا گیا ہے وہاں سب جگہ ذوی القربی کہا گیا ہے فی القربی کہیں نہیں کہا گیا جب اللہ نے یہاں اسم یعنی عنی ذی القربی کو چھوڑ کے مصدر معنی القربی فرمایا ہے تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ کی نزدیک یہاں ذوی القربی مراد نہیں ہے۔

چھٹی وجہ: حضور انور رسول ﷺ نے اپنے پروردگار کی رسالت کی انجام دہی پر کبھی کسی سے اُجرت نہیں مانگی بلکہ آپ کی مزدوری یا اُجرت اللہ پر تھی (اس کا ذکر اور بھی کہیں آپ کا ہے اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اسکی نسبت فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ اور اَمْ تَسْئَلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِّنْ مُّثْقَلُوْنَ اور فرمایا قُلْ مَا سَئَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ اس میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا کہ حضور انور کے اہل بیت سے ہر مسلمان کو محبت رکھنی واجب ہے لیکن اس کا واجب ہونا اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان سے محبت رکھنا حضور انور کی مزدوری یا اُجرت ہے۔ سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے اللہ کی لوگ جنت میں نہ جائیں گے جب تک اللہ سے اور میرے قرابت داروں سے محبت نہ رکھیں اب جس نے اہلبیت سے محبت رکھنے کو حضور کی مزدوری ٹھیرا دیا ہے اور اپنے خیال میں آپ کی مزدوری آپ کو ادا کر چکا تو اسنے بہت بڑی غلطی کی کیونکہ اگر یہ محبت کرنی آپ کی مزدوری ہے ہوتی تو ہمیں اس پر کیا ثواب ملتا اس لیے کہ ہم نے آپ کی وہی مزدوری دی ہے جس کے رسالت کی وجہ سے آپ مستحق تھے کبھی کوئی مسلمان ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔

ساتویں وجہ: القربی معرف باللام ہے جن لوگوں کے بارے میں حضور انور ﷺ کو یہ حکم ہوا

ہے کہ تم اُن سے یہ کہدو میں اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا اس وقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے نہ حضرت علیؓ کا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا نہ حسنین پیدا ہوئے تھے پس ایسی حالت میں وہ قرابت جسے اس آیت کے مخاطب لوگ جانتے تھے. وہ یہ قرابت یعنی حسنین اور علی وغیرہ کی ہرگز نہیں ہوسکتی برخلاف اس قرابت کے جو حضور انور اور ان لوگوں میں تھی اور اس سے وہ خوب واقف تھے.

آٹھویں وجہ: اگر بفرض محال یہ مان لیں کہ اس آیت میں بغیر استدلال کے حضرت علی سے محبت رکھنا اور اُن کی موالاۃ کا قائل ہونا واجب ہے تو بھی یہ کیونکر پایا گیا کہ اس محبت اور اس موالاۃ کے واجب ہونے میں ایسا کوئی امر موجود ہے جس سے ان کی امامت کی خصوصیت نکل آئے کہ وہی امام ہوں اور اُن کے سوا کوئی دوسرا امام نہ ہو اور نہ یہ صفات ان کی فضیلت کی دلیل ہو سکتے ہیں. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ خلفائے ثلاثہ کی موالاۃ واجب نہیں ہے محض لغو اور بیہودہ ہے مثل حضرت علیؓ کے اُن سے بھی محبت رکھنا اور اُن کی بھی موالاۃ کا قائل ہونا یقیناً واجب ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ اُن سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ محبت رکھے اُس سے محبت رکھنا ہم پر واجب ہے اس لیے کہ محبت اور عداوت اللہ کی رضا مندی کی ہونی چاہیں اور یہی اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے. قرآن مجید صاف طور پر شہادت دے چکا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور جس سے اللہ راضی ہوا اس سے وہ محبت ضرور رکھتا ہے. صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا آپس میں محبت رکھنے اور تراحم اور تعاطف سے پیش آنے میں سارے مسلمان مثل ایک جسم کے ہیں اگر جسم کے ایک حصہ میں کچھ درد ہو جائے تو سارے اعضا مضمحل ہو جاتے ہیں. غرض یہ ہے جیسا کہ حضور انور نے ہمیں صاف طور پر بتا دیا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور تراحم و تعاطف سے پیش آتے ہیں لہذا جس طرح حضرت علی کا ایمان ثابت ہوا ہے اسی طرح راشدین صحابہ کا ایمان ثابت ہو چکا ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جو شخص ان لوگوں کے ایمان میں قدح کرے وہ علیؓ کے ایمان کو ثابت کر سکے. یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ جو دلیل علیؓ کے ایمان پر دو گے وہی دلیل راشدین خلفاء کے ایمان پر اور بھی زیادہ قوی ہو گی اور جس طریقہ سے تم ان صحابہ میں قدح کرو گے اُسی طریقہ پر اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا تمام شیعی دنیا مل کر بھی راشدین صحابہ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکتی جو حضرت علیؓ پر وارد نہ ہوتا ہو کسی کی مجال نہیں کہ جن باتوں سے راشدین صحابہ

پر قدح ہوسکتا ہے اس سے حضرت علی علیحدہ کر دئے جائیں .اب اس بات کو سمجھئے کہ جو فرقے حضرت
علی سے بغض و عداوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سرے سے اُن کے مسلمان ہی ہونے کے قائل نہیں
ہیں اُن پر شیعی علماء کسی طرح بھی حجت قائم نہیں کر سکتے اگر خارجی شیعی علماء سے یہ دریافت کریں کہ
تمہیں علی کا مسلمان اور نیک ہونا کسی طرح معلوم ہوگا اگر وہ یہ جواب دی کہ ان کا مسلمان اور نیک
ہونا نقل متوارتر سے معلوم ہوا ہے تو اُن سے یہ کہ جائے گا کہ یہی نقل ابوبکر، عمر، عثمان اور ان کے علاوہ
حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سب کے بارے میں موجود ہے بلکہ ان بزگان دین کی نیکیاں
کرنے کی متواتر نقلیں معارضہ سے سالم اور اُس متواتر نقل سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں کہ جو علیؓ کے
بارے میں ہے. اور اگر شیعی علماء زبردستی کر کے یہ بات پیش کریں کہ حضرت علیؓ کے ایمان لانے پر
قرآن دلالت کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید تو کسی خاص نام پر کبھی دلالت نہیں کرتا بلکہ
عام ناموں پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اللہ کا یہ قول لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اب رہا حدیثوں
کے متعلق جب پیش کرنی حدیثوں سے حضرت علی کا ایمان اور فضیلت ہوتی ہے یا نزول قرآن سے جو
اُن کی شان میں ہے ان کی اعلی درجہ کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ راشدین صحابہ کے
فضائل کی حدیثیں حضرت علی حضرت کے فضائل کی حدیثیں حضرت علی کے فضائل کی حدیثوں سے
بہت زیادہ اور صحیح ہیں اس کے علاوہ دوسری یہ بات ہے کہ یہ حدیثیں جو حضرت علی کے فضائل ہیں ہیں
اُنہیں فقط اُنہیں صحابہ نے نقل کیا ہے جن کی مشتبہ حالت ہے پس اگر اُن پر شبہ کرنا صحیح ہے تو اُن کا نقل
قابل اعتبار اور اگر فرض کیجئے کہ شبہ غلط ہے تو اُن کی روایت کردہ اُن حدیثوں کو بی لیا جاوے گا جو صحابا
ئے ثلاثلہ کے فضائل میں ہیں مطلب یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ سوائے علی کے صحابا
ئے ثلاثہ سے محبت کرنا واجب نہیں .ایسا قول یا قیاس جمہور کے نزدیک بالکل باطل ہے. صحیحین میں
حضور انور سے مروی ہے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے
فرمایا عائشہ سے اُس نے عرض کیا مردوں میں فرمایا عائشہ کے باپ سے صحیح میں یہ بھی روایت ہے کہ
فاروق اعظم نے ثقیفہ کے دن ابوبکر سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور
حضور انور سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے فاروق اعظم کے قول کی تصدیق اس سے ہوتی
ہے جو صحاح میں متعدد طریقوں سے آیا ہے کہ حضور انور نے فرمایا لَوْ کُنْتَ متخذ من اهل الا

رض خلیلا لا تخذت ابابکر خلیل ولکن مودۃ الا سلام یہ حدیث اس امر کو صاف ظاہر کرتی ہے کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں میں خصور کی محبت اور دوستی کا حقدار ابوبکر سے زیادہ کوئی نہ تھا جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کو ابوبکرؓ سے محبت ہوئی تو پھر اس میں کیا کلام رہا کہ اللہ تعالی کو بھی ابوبکر سے ایسی ہی محبت تھی پس جس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو سب سے زیادہ محبت ہو وہی اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ مسلمان بھی زیادہ اس سے محبت کریں ایمان کی شان یہی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے پسندیدہ کو پسند کیا جائے. وہ دلیلیں جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ محبت کرنے میں ابوبکر سب سے زیادہ حقدار ہیں اس کثرت سے ہیں اور ساتھ ہی صحیح بھی ہیں کہ دوسرے شخص کے دلائل ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے چہ جایئے کہ اب کوئی یہ کہے کہ مفضول سے محبت کرنی واجب ہے اور فضائل سے محبت کرنی واجب نہیں باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علیؓ کی مخالفت کرنا محبت کرنے کے منافی ہے اور اُن کے حکموں کی پیروی کرنا اُن سے محبت رکھنا ہے لہذا ان کی اطاعت واجب ہوئی اور یہی امامت کے معنی ہیں. اس کا جواب بھی کئی طرح سے ہے اول یہ کہ اگر محبت اطاعت کو واجب کرتی ہے تو محبت ذوی القربی کی بھی واجب ہے اس صورت سے اُن کی اطاعت بھی واجت ہوگئی تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ خاتون محشر حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا ضرور امام ہوں کیونکہ ان سے بھی محبت رکھنی واجب ہے اور اگ ان کا امام ہونا باطل ہے تو علیؓ کا امام ہونا اور بھی زیادہ باطل ہوا. دوسرے یہ کہ محبت و امامت لازم وملزم نہیں فرض کرو کہ جس شخص کی محبت واجب ہو یہ کیونکہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت اس کا امام ہونا یہی ضروری ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ حسنین سے اُن کے امام ہونے سے پہلے محبت رکھنی واجب تھی اسی طرح حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی سے محبت کرھنی واجب تھی حالانکہ وہ امام نہیں تھے اسی طرح اخیر زمانہ ان کی محبت واجب رہی یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی کے شہید ہونے کے بعد انہیں امامت ملی. تیسرے یہ کہ محبت واجب ہونے کے لیے امام ہونا واجب ہے تو اس میں یہ قباحت ہے کہ اس لامم کے نہ ہونے سے اس ملزوم کا بھی نہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ شیعی قاعدہ کے مطابق اسکی محبت واجب ہے کہ جو امام معصوم ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلمانوں میں کوئی ایک دوسرے سے محبت نہ کرے کیونکہ وہ امام ہے نہ علی کے شیعہ نہ اور کوئی مگر یادرکھو کہ یہ گورکھ دھندا اجماع کے خلاف ہے نہیں ہے بلکہ دین اسلام کے بھی بالکل مخالف ہے. چوتھے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ مخالفت محبت کے منافی ہوا کرتی ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ ہم دریافت کرتے ہیں کہ مخالفت محبت کی کس صورت میں منافی ہوتی ہے آیا اس وقت جب اس نے خود اپنی اطاعت کا حکم دیا ہوا اور کسی نے اسکی مخالفت کی ہو یا اُسکے بغیر حکم دئے بھی اسکی مخالفت کی ہو. دوسری صورت تو صریح باطل ہے کیونکہ اس کے بغیر حکم دئے اسکی مخالفت کسی طرح سے ظاہر نہیں ہوسکتی. اب رہی پہلی صورت اس کا ہمیں یقین ہے اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافت میں علیؓ اپنی اطاعت کرنے کا کسی کو حکم نہیں دیا پھر وہ امام کس طرح ہوسکتے ہیں. پانچویں یہ کہ یہی بات بعینہ خلفائے ثلاثہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اُن سے محبت اور دوستی رکھنی اور اُن کی موالاۃ ماننی واجب تھی جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس بارے میں اُنکی مخالفت کرنی قباحت پیدا کرتی ہے. چھٹے یہ کہ اس حدیث سے خلفاے ثلاثلہ کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ اُنکی ولایت اور اطاعت کی طرف اوروں کو بلاتے تھے اور انہوں نے خود بھی امامت کا دعوی کیا تھا اور اللہ نے ان کی اطاعت کرنی واجب کردی تھی لہذا انکا مخالف اللہ کا دشمن ہے فقط. شیعی علماء کی آٹھویں برہان (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ یعنی اور آدمیوں میں سے کوئی ایسا (بھی) ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتا ہو. (بقول شیعی علماء) ثعلبی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے علی بن ابی طالب کو اپنا جانشین کر دیا اس غرض سے کہ وہ آپ کا قرضہ ادا کردیں اور جو امانتیں آپ کے پاس رکھی تھیں وہ واپس دے دیں اس کے علاوہ جس شب کو آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تھے اور مشرکوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ اس غرض سے کرلیا کہ آپ کو قتل کر ڈالا جائے اور آپ زندہ نکلنے نہ پائیں تو پیغمبر خدا نے علی سے کہا کہ اے علی تم میری یہ سبز چادر اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو جاؤ تمہیں انشاء اللہ نے جبرئیل اور میکائیل کی طرف یہ وحی بھیجی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا ہے آج سے تم دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہو اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر میں نے بہت زیادہ کردی ہے پس تم میں ایسا کونسا ہے جو زندہ رہنے میں اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دے ان میں سے کسی نے بھی دوسری کو ترجیح نہ دی بلکہ دونوں نے اپنا ہی زندہ رہنا پسند کیا اس پر اللہ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں کو دیکھو کہ علی بن ابی طالب سے بھی مقابلہ نہیں کرسکتے کہ میں نے ان میں اور محمد ﷺ میں مواخاہ کردی تھی پھر علی اپنی جان سپر بنا کے محمد ﷺ کے

بستر ے پر سو گئے اور اُنکے زندہ رہنے کو اپنے پر ترجیح دی اب تم دونوں زمین اُترو اور علی کی اُن کے دشمن سے حفاظت کرو. یہ دونوں زمین پر اُترے جبریل تو علی کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور میکائیل جانب پائیں جبریل نے علی سے کہا اے ابن ابو طالب شاباش تمہاری حالت پر اللہ بھی فخر کرتا ہے پھر اللہ تعالی نے علی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی جا چکی ہے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ مدینہ منورہ کو جا رہے تھے ابن عباس کہتے ہیں کہ جب رسول خدا غار کی طرف چلے اسوقت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی یہ فضیلت ایسی ہے کہ علی کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی. اسی فضیلت سے علی تمام صحابہ سے افضل ہیں وہی امام ہوئے.

جواب: اول سے آخر تک وہی ثعلبی کا پیٹنا چلا آتا ہے اس مردے خدا کے متعلق ہم گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں وہی کافی ہے. جس طرح ہم نے اور روایتوں کی صحت کا مطالبہ کیا ہے اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں ثعلبی کی یہ روایت کردہ حدیث کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی. یہ روایت مرسل متاخر ہے اور ثعلبی نے اسکی اسناد ذکر نہیں کی. ممکن ہے کہ ثعلبی نے خود یہ روایت نہ گھڑی ہو بلکہ دوسروں کی گھڑی ہوئی روایت بغیر جانچے اس نے نقل کر دی ہو. دوسرے یہ روایت باتفاق تمام علماء حدیث اور علما سیر کے جھوٹی ہے. تیسرے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مکہ کے قریش صرف حضور انور رسول اللہ ﷺ کے اور ابو بر صدیق کے دشمن تھے باقی ان دونوں کے قرابت داروں سے انہیں کوئی تعرض نہ تھا کیونکہ جب ان سب صحابہ نے مکہ سے ہجرت کی ہے تو ان کے بال بچے مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور قریشیوں نے کسی قسم کی تکلیف اُن کی نہیں دی حضرت علی اگرچہ کم سن تھے مگر اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قریشوں کی کوئی مخالفت میرے ساتھ نہیں ہے جبکہ حضور ایک عرصہ تک محصور رہے تو حضرت علی برابر شہر میں آیا جایا کرتے تھے اور کوئی شخص اُن سے کچھ تعرض نہ کرتا تھا خود حضور انور کو بھی اس کا یقین تھا کہ اگر میں علی کو اپنے بستر ے پر سُلا ؤ نگا تو علی کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا اگر حضور کو بھی اس میں شک ہوتا کہ قریش مجھے نہ پا کے علی پر حملہ کر دیں گے تو آپ کی حمیت ہرگز اسکی مقتضی نہ ہوتی کہ صرف اپنی جان بچانے کے لیے وہ اپنے چچا زاد بھائی کو اپنے پر قربان کر دیتے کوئی شخص کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا کہ محمد ﷺ جیسا الوالعزم نبی محض اپنی جان بچانے کے لئے چھوٹے سے بھائی کو قربان کرے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ شیعی علما نے

کس لحاظ سے اس روایت پر اعتبار کرلیا کہ حضرت علی آپ پر جان دینے کے لیے تیار ہوئے. جان دینے کا تو وہاں کوئی موقع ہی نہ تھا جبکہ پورا یقین تھا کہ قریش کو ان سے کچھ مزاحمت نہیں ہے پھر جان دینے کا قیاس کس طرح ہوسکتا تھا. ہاں اگر ابوبکر کی طرف خیال کریں تو بے شک اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ابوبکر نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کے اپنی نبی کا ساتھ دیا انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر نبی پر کوئی آنچ آئیگی تو میں نہیں بچ سکتا کیونکہ قریشوں نے دو انعام جاری کئے تھے ایک نبی کی گرفتاری کا اور ایک ابوبکر کی گرفتاری کا. قریشوں نے ڈھنڈورا پٹوا دیا تھا کہ اگر کوئی محمد ﷺ کو پکڑ کے لائے گا تو اُسے یہ انعام ملے گا اور ابوبکر کو پکڑ کے لائے گا تو اسے یہ انعام ملے گا یہ ایسی حدیث سے ثابت ہے. جس کے صحیح ہونے میں کوئی اہل علم شک نہیں کرسکتا جس صورت سے ابوبکر اپنے نبی ﷺ کے ساتھ غار تک پہنچے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور کی جان بچانے کے لیے اور پوری حفاظت کرنے کے لیے آپ کو کس قدر تلاملی اور گبھراہٹ تھی کبھی آپ آگے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے پیچھے اور کبھی چکر کھا کے. غرض ان حکمتوں کے ساتھ اپنے نبی کو لیکے غار تک پہنچے اس کے علاوہ اور بہت سے صحابہ ایسے ہیں جنہوں نے لڑائیوں کے موقعوں پر حضور انور پر واقعی اپنی جان قربان کردی تھی. ان میں ایسے ہیں جو آپ کے سامنے سینہ پر ہوکر قتل ہوگئے اور آپ پر آنچ نہ آنے دی طلحہ بن عبداللہ کا حال کس سے پوشیدہ ہے. جنہوں نے دشمنوں کے تیروں کی بوچھاڑ کی صرف حضور انور کے بچانے کے لیے اپنے ہاتھ پیروں پر روکا اور اُن کا سارا جسم چھلنی ہوگیا مگر اُن کا قدم نہیں ڈگمگایا اور وہ برابر سینہ سپر رہے. اس میں حضرت علی کی کچھ خصوصیت نہیں کیونکہ اگر ہم اسے فضیلت گردانتے ہیں تو نہ صرف علی بلکہ اور بھی صحابہ کے ساتھ اس امر میں برابر ہیں اس لے کے حضور انور کا سینہ سپر ہونا ہر مسلمان پر واجب ہے مگر صحیح واقعات پر نظر کر کے بلا رعایت یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت علی کو اس وقت کچھ بھی خوف نہ تھا لہذا وہ ان صحابہ کی برابر نہیں ہوسکتے جنہوں نے علانیہ تلواروں کے سایہ میں حضور انور پر اپنی جان تصدق کردی اور قدم پیچھے نہیں ہٹایا. ابن اسحٰق باوجودیکہ حضرت علی ہی کی طرف مائل ہیں اور حمایت کرنے میں ان کا درجہ اوروں سے بڑھا ہوا ہے انہوں نے بھی اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ جس شب کو کفار نے آپس بنی کے قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبریل آپ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آج آپ اپنے بستر پر نہ سوئیے یہ کہ کر جبریل چلے گئے جب اندھیرا ہوگیا تو مشرکین جمع ہوکر دروازہ پر آپ کی گھات میں بیٹھ گئے

تا کہ محمد ﷺ سو جائیں تو وہ آپ پر حملہ کریں جب نبی نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے علی سے کہا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یہ سبز چادر اوڑھ لو کیونکہ تمہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی. معمر بن کعب قرظی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کے مکان کے دروازہ پر آ کر کھڑے ہوئے اُن میں ابو جہل بھی تھا وہ ان لوگوں سے کہنے لگا کہ محمد ﷺ یہ کہتا ہے کہ اگر تم اسکے حکم پر چلو گے اور اُسکی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے تم ہی بادشاہ ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد تم اُٹھائے جاؤ گے اور تمہیں باغات ملیں گے اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمیں ذبح کر دیا جائے گا اور مرنے کے بعد جب تمہیں اُٹھایا جائے گا تو تمہیں آگ میں ڈال دیا جائیگا ابو جہل یہ ذکر کر رہا تھا کہ حضور انور دروازہ پر آئے اور اُن کے بیچ میں سے ہو کر نکل گئے مگر آپ کو کسی نے نہ دیکھا. پھر ان کے پاس ایک شخص آیا اُس نے کہا تم کس کا انتظار کر رہے ہو بولے محمد کا وہ شخص بولا تم بھی عجیب بے وقوف ہو اللہ کی قسم محمد تو ابھی تم میں سے ہو کر گئے ہیں تم سب کے مونہوں پر خاک پڑ گئی وہ اپنا کام پورا کر کے چلے گئے اور تم اُنہیں نہ دیکھ سکے مگر قریش شبہ میں رہے اُنہوں نے کواڑوں کی داڑاڑوں میں سے جھانکا تو بستر ہ خالی نہ پایا خوش ہوئے کہ یہ شخص غلط کہتا ہے محمد اپنی چادر اوڑھے ہوئے سو رہے ہیں قریش رات بھر اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ محمد بستر پر سے اُنہیں تو انہیں قتل کریں مگر صبح کو اُنہوں نے بجائے محمد ﷺ کے علی کو اٹھا ہوا دیکھا تو سخت مایوس ہو گئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص سچ کہتا تھا واقعی محمد نکل گئے اپنا منہ نوچتے اور دانت پیستے رہ گئے. پھر قرآن شریف کی یہ آیت ملاحظہ ہو وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (الانفال:۳۰) یعنی (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب کافر تم سے فریب کرتے تھے تا کہ تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں (مکہ سے) نکال دیں اور وہ (اسکی) تدبیر کرتے تھے اور اللہ (بھی اپنی) تدبیر کرتا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے فقط. اس آیت پر غور کرو اور اس کا مطلب سمجھو کہ رسول کا بچانے والا سوائے اللہ پاک کے اور کوئی نہیں ہے اُسی نے اپنے پیارے نبی کو مدد دی اور وہی مشرکوں ترغہ سے بچا کے لیے گیا. اس کے علاوہ خداوند تعالی نے اپنے برحق نبی کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی. حضور انور نے چلتے وقت حضرت علی سے صاف طور پر یہ فرما دیا تھا میری یہ سبز چادر اوڑھ کے تم سو رہو کیونکہ تمیں مشرکین مکہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی. گویا حضور کا علی کے

ساتھ یہ وعدہ تھا اور آپ کا وعدہ یقیناً سچا ہوتا تھا حضرت علی پر کیا مقرر ہے کوی کیسا ہی مسلمان کیوں نہ ہوتا وہ حضور کے علم کی تعمیل کرتا اور حضور کے وعدہ پر اُسے پورا بھروسہ ہوتا علیؓ کو چونکہ اپنی جان کا پورا اطمینان ہو گیا تھا اسلیے وہ بلا تامل آپ کی سبز چادر اوڑھ کر آپ کے پلنگ پر سو رہے۔ چوتھے شیعی علماء کا فرشتوں والی حدیث کا گھڑ لینا ایک پُرانی مشق ہے جو آغاز زمانہ سے چلی آتی ہے۔ جبریل اور میکائیل میں مواخاۃ کا قیام کرنا اور پھر زیادہ زندہ رہنے پر دونوں فرشتوں کی باہم گلخپ یہ ایسا فسانہ ہے جو خود اپنی آپ تردید کرتا ہے۔ فرشتوں میں کہیں مواخاۃ ہونے کی کوئی اصل نہیں ہے اسکی بابت ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے غضب خدا کا فرشتوں کی ضد بحث پھر اُن میں عداوت کا ہونا۔ پھر اُنہیں حضرت علی کے پاس سبق سیکھنے کے لئے بھیجنا ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جو بلا ضرورت اللہ تعالی پر بولا گیا ہے اور جس کی لغویت عیاں ہے۔ پانچویں یہ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے نہ تو کبھی حضرت علی سے مواخاۃ کی نہ اور کسی سے اس بارے میں جتنی روایتیں آئیں ہیں۔ سب جھوٹی ہیں اور مواخاۃ کی وہ حدیث جس میں یہ چڑے چڑیا کی کہانی روایت کی گئی ہے نہ صرف ضعیف ہے بلکہ یقیناً باطل ہے اس کے علاوہ مواخاہ کا فرضی قصہ مدینہ منورہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مکے سے اسی طرح اسے ترمذی نے روایت کیا ہے باقی مکہ میں علی سے مواختہ رکھتا ہے نہ کہ مکہ سے اسی طرح اسے ترمذی نے روایت کیا ہے باقی مکہ علی سے مواخاۃ ہونی ہر صورت سے باطل اور غلط ہے اس کے علاوہ تمام محدثوں کا اس پر اتفاق ہے......اور اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ نہ وہاں حضرت علی کو اپنی جان کا قربان کرنا مقصود تھا نہ حضور انور کے زندہ رہنے کو ترجیح دینا تھا۔ چھٹے یہ کہ یہ آیت سورۂ البقرہ میں ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ سورۂ بقرہ اُس وقت نازل ہوئی کہ جب حضور انور مدینہ منورہ میں تشریف لا چکے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ اسوقت نازل ہوئی تھی جب صہیب نے ہرجت کی اور مشرک قریشوں نے اُن کا پیچھا کیا تو اُنہوں نے اپنا سارا مال قریشوں کے حوالہ کر دیا اور........خود مدینہ آ گئے اس پر حضور نے فرمایا تھا کہ ابو یحیٰ کی یہ تجارت بہت ہی نفع کی ہوئی۔ اکثر تفسیروں میں یہ قصہ لکھا ہوا ہے اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوا ہو.....کیونکہ صہیب نے مکہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کر لی تھی۔ ابن جریر کا قول ہے کے اہل تاویل کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی اور اس سے کون مراد ہے بعض کہتے ہیں مہاجرین وانصار کے حق میں نازل ہوئی تھی اور بعض کہتے

ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد کرتے ہیں. اس قول کو اسناد کے ساتھ قتادہ نے نقل کیا ہے بعض یہ کہتے ہیں یہ آیت خاص لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے قاسم نے سند کیساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں یہ آیت صہیب. اور ابوذر جندب کے حق میں ہے ابوذر کو اُن کے خاندان کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا. یہ اُن سے چھوٹ کر حضور انور کی خدمت میں آ گئے مگر وہ دوبارہ اُنہیں پھر لے گئے. مگر جس وقت یہ مراظہران میں پہنچے تو پھر چھوٹ کر چلے آئے اسی طرح صہیب کو بھی اُن کے خاندان کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا اُنہوں نے اپنے عوض میں اپنا سارا مال اُنہیں دے دیا اور خود مہاجر ہو کر وہاں سے نکل آئے. پھر اُنہیں منفد بن عمیر بن جدعان نے پکڑ لیا اُنہوں نے باقیماندہ مال اُسکے حوالہ کر دیا اُس نے مال لیکر اُنہیں چھوڑ دیا. بعض کا یہ قول ہے کہ اس سے ہر ایسا شخص مراد ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنا جان و مال وقف کر دے اور امر بالمعروف کرنے میں اُسے ذرا پس و پیش نہ ہو یہ قول حضرت فاروق اعظم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ابن عباس کی طرف بھی اس قول کی نسبت دیجاتی ہے اور اخیر میں صہیب ہی کو اس آیت کا باعث نزول قرار دیا گیا ہے. ساتویں یہ کہ اس آیت کے الفاظ مطلق اور عام ہیں ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں. جس نے اللہ کو خوشنودی حاصل کرنے کے لی اپنی جان کو بیچ دیا یا وہ یقیناً اِس آیت کے حکم میں داخل ہو گیا اور اُن داخل ہونے والوں میں سب سے زیادہ حقدار خود حضور انور اور آپ کے صدیق ابوبکر ہیں کیونکہ اوّل انہیں دو پاک نفوس نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جانوں کو بیچا اور انہیں دونوں نے خدا کے رستہ میں ہجرت کی تھی اور انہیں دونوں کی فکر میں دشمن لگے ہوئے تھے. ان ہی کی گرفتاری کے لیے قریشوں نے انعام شاوع کیا تھا وغیرہ وغیرہ آٹھویں شیعی علما کا یہ کہنا کہ یہ فضیلت علی کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی لہذٰا وہی امام ہوئے محض غلط اور لغو ہے. اس میں کون شک کر سکتا ہے کہ ہجرت کے بارے میں جو فضیلت ابوبکر کو حاصل ہوئی تھی وہ فضیلت حصابہ میں سے اور کسی کے لیے ہوئی قرآن احادیث صحیحہ اور اجماع سے کہیں ثابت نہیں ہوتی یہ فضیلت تو ابوبکر ہی کے لیے ثابت ہے نہ عمرؓ کے لئے نہ عثمانؓ کے لیے نہ صحابہ میں اور کسی کے لیے لہذا ابوبکرؓ ہی امام ہوئے اللہ تعالی نے فرماتا ہے. اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (التوبہ: ۴۰) اگر تم نبی کی مدد نہ کرو گے تو بیشک اللہ نے ان کی خود مدد کی جب انہیں کافروں

نے (مکہ سے) نکالا (ان کے ہمراہ صرف ایک آدمی تھا اور وہ) دو میں کے دوسرے (تھے) جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہتے تھے. رنج نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے. ایسی فضیلت سواوے ابوبکر کے یقیناً اور بلاشک کسی کو نصیب نہیں ہوئی. اب رہی یہ فضیلت کہ کوئی شخص حضور کو بچانے کے لئے اپنی جان آرے کردے تو اسمیں علیؓ کی کچھ خصوصیت نہیں ہے. بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہوجائے کہ علی نے ایسا کیا تھا یہ فضیلت تو اور بھی بہت سے صحابہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی جان سپر کر کے حضور انور کو مختلف موقعوں پر بچایا. ہر مسلمان پر یہی واجب ہے لہذا یہ فضیلت اُن فضیلتوں میں سے نہیں ہے جو اکابر صحابہ ہی کے ساتھ مخصوص ہو حالانکہ افضلیت خاص ہی خاص امور سے ہوتی ہے نہ کہ ایسے امور سے جو سب میں مشترک اور برابر ہوں اب یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ علی کو نبی کے بستر ے پر سونے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑی. کسی کاتب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے اُن کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کو دیکھو جنہیں حضور کے بچانے میں بڑے بڑے صدمے اُٹھانے پڑے ہیں کسی پر لاٹھیاں پڑیں اور پتھر برسے، کوئی نیزوں اور برچھیوں سے گھائل کیا گیا. کوئی تلواروں سے قتل کیا گیا. یادرکھو جس نے نبی پر اپنی جان قربان کی اور اُس میں اُسے تکلیف بھی پہنچی تو وہ اس شخص سے درجہ میں بہت بڑھا ہوا ہے. جس نے اپنی جان تو قربان کی لیکن اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچی جیسے علی اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ جو فضائل علی کے ثابت ہوتے ہیں وہ سب مشترک ہیں اِن میں بہت سے صحابہ اُن کے برابر ہیں. اسکے مقابلہ میں ابوبکر کو لو اول تو اُن کے فضائل بے حد ہیں. پھر اکثر فضیلتیں ایسی ہیں جو اُن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اور کسی میں نہیں پائی جاتیں اور اس سے دنیا میں کوئی انکار نہیں کرسکتا.

شیعی علماء کی نویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ.

(آلِ عمران:٦١) یعنی پھر اگر کوئی اس بارے میں تم سے جھگڑے تو تم کہد و آ ؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو (بلاؤ) اور ہم اپنی بی بیوں کو (بلائیں) اور تم اپنی بی بیوں کو اور خود ہم بھی ہوں

اورتم بھی ہو پھر یوں التجا کریں. کہ چھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو فقط شیعی علماو اس پر یہ گوہرافشانی فرماتے ہیں کہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں ابنانا کا اشارہ حسن اور حسین کی طرف ہے اور نساءنا کا اشارہ فاطمہ زہرا کی طرف ہے اور انفسنا کا اشارہ علیؓ کی طرف ہے .اِس آیت سے حضرت علی کی امامت پورے طور ثابت ہوتی ہے کیونکہ علی کو اللہ نے رسول اللہ کا نفس ٹہرادیا ہے دونوں کا ایک ہونا تو محال ہے مگر آنحضرت سے علی کی ایسی مساوات قائم کردی ہے جس سے ولایت مراد ہے. اِسکے علاوہ اگر اور لوگ بھی اُن کے برابر ہوتے یا اس دعا کے مستجاب کرانے میں وہ اُن سے افضل ہوتے تو اللہ تعالے اپنے رسول کو اُنہیں لوگوں کی معیت کا حکم دیتا کیونکہ یہ موقع بہت ہی اہم اور نازک تھا مگر ایسا نہیں ہوا.حسنین،علی اور فاطمہ ہی کو بلایا گیا.لہذا علی کا افضل ہونا اس سے لازم ہوگیا جب وہ افصل ہوے تو امامت بھی اُن کے لیے مقرر ہوجائیگی شیعی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت کی دلالت ایس نہیں ہے جو کسی پر بھی پوشیدہ رہے.سوائے ایسے شخص کے جس پر شیطان نے اپنا پورا پورا تسلط کر رکھا ہو اور اُس کے دل پر شیطان نے ہر طرح قابو پالیا ہو یا اُس کے دل میں دنیا کی ایسی محبت شیطان نے بھر دی ہو جو کسی طرح نکل ہی نہ سکتی ہو اور اُسکی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا ہو کہ حقداروں کا حق اسے نہ سوجھتا ہو شیعی علماء کی گوہرافشانی ہوگئی.

جواب: مباہلہ میں علی اور حسنین کا ساتھ لینا تو بے شک صحیح حدیث سے ثابت ہے جو مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے مگر ایک طویل حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوی تو حضور انور رسول اللہ ﷺ نے علی ، فاطمہ زہرا،حسن اور حسین چاروں کو اپنے پاس بلایا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ میرے گھر کے تو یہ آدمی ہیں.بس سوا اسکے کوئی لفظ آپ نے ایسا نہیں فرمایا جس سے حضرت علی کف نفس بنانا اور اُن کو حضور انور کا مساوی قرار دینا ایسا لغو اور مہمل ہے کہ معمولی واقفتی کا آدمی بھی اسے نہیں مان سکتا اس حدیث میں نہ اُن کے مساوی ہوے کی کوئی صورت ہے جس سے ولایت مراد لیجاوے اور نہ یہاں اس پر کوئی دلیل ہے اس حدیث کو اس مطلب پر حمل کرنا اور اسکے یہ معنی لینا ہر گز جائز نہیں کیونکہ انور رسول اللہ ﷺ کے کوئی برابر نہیں ہوسکتا نہ علی نہ اور کوئی.اس لفظ کا مفہوم لغت میں مساوات نہیں ہے.حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگئے کے قصہ میں اللہ تعالی نے فرمایا نہیں ہے.

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگنے کے قصہ میں اللہ تعالی نے فرمایا لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور:۱۲) یعنی جب تم نے اِس (تہمت) کو سُنا تھا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا فقط انفسہم سے یہاں ہرگز یہ مراد نہیں ہو سکتی نہ اللہ تعالےٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں سب برابر ہو جائیں پھر بنی اسرائیل والے قصہ کی آیت کو دیکھو اللہ تعالی فرماتا ہے۔ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ (البقرہ:۵۴) اس آیت میں بھی اُن کے مساوی ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے. بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جس نے گوسالہ پرستی کی اُس شخص کے برابر ہو جائے جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی بعض مفسروں نے بھی اِس آیت کی وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ تم میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرے اگر چہ وہ مساوی نہ ہو یہ تفسیر کی ہے. پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے, وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. یعنی ایک دوسرے کی بُرائی میں نہ رہے. کہ اُس پر طعن اور اُسکی عیب جوئی کرے یاد رکھو یہ نہیں سب مسلمانوں کے لیے ہے کہ اس قسم کا کام نہ کیا کریں باوجودیکہ وہ سب مساوی نہیں ہیں نہ احکام میں اور نہ فضیلت میں نہ ظالم مثل مظلوم کے ہو سکتا ہے اور نہ امام مثل موم کے. اب خیال کرنے کی بات ہے کہ مذکورہ آیت اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ بعد میں لکھی ہوئی آیتوں کے اَنْفُسَكُمْ کے الفاظ کے مثل ہیں جب اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان آیتوں میں مساوات ہونی ضرور نہیں بلکہ منع ہے تو پھر شیعی علماء کی پیش کردہ آیت میں کیونکر انفسنا سے مساوات قائم ہو سکتی ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اَنْفُسَكُمْ کا لفظ مجانست اور مشابہت پر دلالت کرتا ہے مشابہت تو ایمان میں شریک ہو جانے کی وجہ سے ہو جاتی ہے اگر چہ اِن میں منافق بھی ہوں جیسا کہ ظاہری اسلام میں سب مسلمان شریک اور برابر ہیں اسکے علاوہ اگر نسب میں بھی اشتراک ہو تو اُس کی اور زیادہ پختگی ہو جاتی ہے پس اللہ تعالی کے اس قول نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ سے یہ مراد ہے کہ ہمارے مرد اور تمہارے مرد وہ مرد جو دین میں اور نسب میں ہماری جنس سے ہوں اور وہ مرد جو تمہاری جنس سے ہوں. یہ مجانست فقط قرابت میں ہونی مراد ہے کیونکہ اس آیت اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ سے صاف ثابت ہے کہ اولاد اور مردوں کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی مرد اور عورتیں اور اولاد مراد ہے. جس سے بہت

زیادہ ہماری قرابت داری ہو۔اسی وجہ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اولاد میں سے حسن اور حسین کو عورتوں میں سے فاطمہ زہرا کو اور اپنے مردوں میں سے حضرت علی کو بلایا تھا کیونکہ نسب کی رُو سے آپ کا قرابت دار کووی اُن سے زیادہ نہ تھا اُن ہی کو آپ نے چادر اُڑھائی تھی۔مباہلہ اُنہیں لوگوں کے ذریعہ سے مباہلہ کرتے اگر چہ وہ اللہ بھی اسی طرح اپنے قرابت داروں کو بلائیں اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسے قسم اقسمی کے موقعوں پر دوسرے فریق کے یقین دلانے کے لیے بال بچوں ہی کو پیش کرتے ہیں یہ ایک پرانی مشرقی رسم ہے اور جواب تک یوں ہی چلی آتی ہے کوئی شخص اپنے دور کے رشتہ دار کی کبھی قسم نہیں کھاتا اور اگر مباہلہ ہو تو اُسے شریک نہیں مخالف یہ جانتے تھے کہ حضور انور خداوند تعالے کے رسول ہیں اور اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر ہم اُن سے مباہلہ کریں گے تو ہم پر اور ہمارے قرابت داروں پر تباہی آجائیگی اس لیے اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر ہم اُن سے مباہلہ کرینگے تو ہم پر اور ہمار قرابت داروں پر تباہی آجائیگی اس لیے اُنہیں اپنے سے زیادہ اپنے بال بچوں کا ڈر ہوگیا ہلاکت کے خطرناک موقعوں پر انسان اپنے بچوں پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح سے میرے بچے بچ جائیں۔اسی لیے حضور نے اُن سے مباہلہ کی درخواست کی جس میں دونوں فریق کی طرف کے مرد اور عورتیں بھی ہوں بچے اور قرابت بھی ہوں غرض اِس سامان سے آپ اُن سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ یہ مباہلہ کی ۱۰ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی اُس وقت کہ جب نجران کا وقت آیا تھا حضور انور کے چچاؤں میں سے سوائے عباس کے کوئی باقی نہ تھا مگر عباس کے کوئی باقی نہ تھا مگر عباس سابقین اولین میں نہ تھے نہ علی سے زیادہ عباس کو حضور انور سے اتنی خصوصیت تھی نہ آپ کے چچا کی اولاد میں مثل حضرت علی کے کوئی تھا۔جعفر اس واقعہ سے پہلے ہی جنگ مؤتہ میں ۸ھ ہجری میں شہید ہو چکے تھے۔اس لیے اس مباہلہ میں علی ہے کی بلایا گیا۔ ایسی صورت میں اِن کا مباہلہ کے لیے مقرر ہونا جبکہ حضور انور کے قریب تر رشتہ داروں میں اور کوئی نہ تھا کسی طرح اُنہیں حضور انور کا مساوی نہی بناتا نہ اِس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ سب صحابہ سے افصل تھے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس مباہلہ کے ذریعہ سے ایک طرح کی فصلیت حضرت علی کو حاصل ہوگئی۔مگر وہ فضیلت حضرت علی فاطمۃ الزہرا، حسن اور حسین چاروں پر مشترک اور برابر ہے مگر اس فضیلت کو امامت کے خصائص سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ امامت کے خصائص عورتوں کے لیے نہیں ہوا

کرتے نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص کے ذریعہ سے حضور انور نے مباہلہ کیا وہ تمام صحابہ سے افضل ہو جیسا کہ اُس سے فاطمۃ الزہرا، حسنؓ اور حسینؓ کا تمام صحابہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر اس دعا کے قبول کرانے میں اور لوگ ان کے مساوی یا اُن سے افضل ہوتے تو اللہ تعالیٰ آنحضرت کے لیے اُن ہی کو اپنے ساتھ لینے کا حکم دیتا کیونکہ یہ ضرورت کا موقع تھا.

جواب: یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں دعا قبول کرانا مقصود نہ تھا اور اگر یہ مقصود ہوتا تو اُسکے لیے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی دعا ہی کافی تھی. اس کے علاوہ اگر حضور انور کا مقصود کسی کو اپنے پاس بلانے سے اُسکی دعا کا مقبول ہو جانا ہوتا تو آپ سارے مسلمانوں کو بلا لیتے اور اُن سب کے ذریعہ سے دعا کرتے جیسا کہ بارش ہونے کی دعا کرنے میں آپ ایسا کیا کرتا تھے اور جیسا کہ اکثر تنگدست فقرائے مہاجرین کے ریعے آپ اپنے فتح یاب ہونے کی دعا مانگا کرتا تھے اور مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری مدد تمہارے اِن ضعیف لوگوں کی وجہ سے کیجاتی ہے اور اُن کی دعا، نماز اور اخلاص کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے. یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ مثل اور مسلمانوں کے اہل بیت بھی مستجاب الدعوات تھے لیکن قبول ہونے میں کثرت سے دعاؤں کے ہونے کا اور زیادہ اثر ہوتا ہے. اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں اہل بیت کے بلانے سے حضور انور کا مقصد اپنی دعا کا قبول کرانا ہرگز منع تھا بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دونوں طرف کے قرابت داروں کا مقابلہ کرانے کی غرض سے تھا اور ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اگر مباہلہ میں حضور انور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، ابن مسعود، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل وغیرہ کو بلاتے تو آپ کے حکم کی بجا آوری میں یہ سب سے بڑھ جاتے اور دعا کے قبول ہونے میں اِن لوگوں کی دعا کا سب سے زیادہ اثر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور کو حکم نہیں دیا کہ اُنہیں اپنے ساتھ لے لو کیوں کہ اُن کے ساتھ لیجانے سے اصلی مقصد خبط ہوتا تھا مطلب یہ تھا کہ مخالف بھی اپنی ساتھ اپنی اولاد یا بیوی بچوں کو لائیں. کیونکہ طبعاً جو محبت بیوی بچوں سے ہوگی وہ اُنہیں غیروں سے نہیں ہو سکتی اگر یہاں حضور انور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو نہ لے جاتے تو مخالفوں کو ایک حلیہ مل جاتا اور وہ بھی غیروں کو اپنے ساتھ لے آتے اور اُن کی تباہی یا بربادی کا اثر ان پر زیادہ نہ پڑتا. بس قرابت داروں کے بلانے کی حضور انور کے لیے صرف یہی وجہ تھی. غرض یہ ہے کہ اس آیت

میں شیعی علماء کے مطلب پر کوئی دلیل نہیں ہے تعجب ہے کہ نصوص صریحہ کو چھوڑ کے یہ لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنی من گھڑت باتوں کا تتبع کرتے ہیں اور اسی کو اُنہوں نے اپنا ذریعہ نجات سمجھ رکھا ہے پھر یہ تماشا دیکھئے کہ شیعی علماء یہ کہتے ہیں کہ انفس سے مراد ان سب کا مساوی ہونا ہے. حالانکہ یہ لغت عرب کے بالکل خلاف ہے اسکی بحث ہم اُوپر کر چکے ہیں. پھر نساونا کو فاطمۃ الزہرا کے ساتھ مخصوص کرنا شیعی علما کی صریح دھوکہ دہی ہے. حضور انور کو اختیار تھا کہ چاہے اپنی جس صاحبزادی کو بلاتے وہ اُس وقت بمنزلہ فاطمہ زہرا ہی کے ہوتی. اُس وقت حضور انور کی کوئی صاحبزادی نہ تھی. کیونکہ رقیہ، ام کلثوم اور زینب کا تو اس واقعہ سے پہلی ہی انتقال ہو چکا تھا اسی طرح انفسنا بھی حضرت علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ مثل نسآءنا کے یہ جمع کا صیغہ ہے اسی طرح بناءنا بھی جمع کا لفظ ہے. حضور انور نے حسنین کو اس لئے بلایا تھا کہ عام طور پر لوگ اُنہیں ابن رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے اگر چہ اُس وقت ابراہیم آپ کا صاحبزادہ زندہ تھا مگر وہ شیر خوار بچہ تھا لہذا حضور نے مباہلہ میں اُسے لیجانا مناسب خیال نہیں کیا.

شیعی علماء کی دسویں بُرہانی: (بقول شیعی علماء) خداوند تعالی فرماتے ہے فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَّبِهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ . یعنی پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (معذرت کے) چند کلمے سیکھ لئے تو اللہ تعالٰے نے اُن کی توبہ قبول کر لی. شیعی علماء فرماتے ابن مغازی شافعی نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کسی نے آنحضرت ﷺ سے دو کلمے پوچھے تھے جو آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھ لیے تھے جن پر اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی تھی. آنحضرت نے فرمایا کہ آدم نے اللہ کو محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین کے حق کی قسم دیکر مانگی تھی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی. اس پر شیعی علماء بڑے زور سے یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کسی کو بھی یہ فضیلت نصیب نہیں ہوئی پھر وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب علی اللہ کی طرف وسیلہ بنے ہیں نبی ﷺ کے برابر ہو گئے تو پھر اُن کے سوا امام کون ہو سکتا ہے لہذا وہی امام ہوئے.

جواب: اس قسم کی چڑے چڑیا کی کہانیوں پر بحث کرنی اگر چہ ہم اپنے خلافِ شان سمجھتے ہیں لیکن جبکہ شیعی علماء نے اُسکو جعلی یا فرضی روایت کا جامہ پہنا کے پیش کیا ہے لہذا ہم اُسی پہلو سے بحث

کرتے ہیں حالانکہ یہ اسی روایت ہے کہ بالغ نظر تو ایک طرف رہا اگر کسی معمولی عقل کے آدمی کے آگے پیش کیجائے تو وہ بھی مارے ہنسی کے لوٹ جائے. ہم سب سے پہلے مثل اور پیش کردہ روایتوں کے اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں اس پر کل اہل علم کا اتفاق ہے اور اُسکی بحث پہلے بھی ہو چکی ہے کہ فقط ابن مغازی کی روایت کو حجت بنانا اور اُسے دلیل سے تعبیر کرنا کبھی جائز نہیں ہے. دوسرے تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث یقیناً جھوٹی اور موضوع ہے ابوالفرح بن جوزی نے اس حدیث کو دارقطنی کے طریق سے موضوعات میں نقل کیا ہے کیونکہ افراد اور غرائب کے بیان میں اُن کی بہت سی کتابیں ہیں دارقطنی کا بیان ہے کہ اِس روایت کو عمرو بن ثابت نے اپنے باپ سے اُس نے ابوالمقدم کہتے ہیں کہ عمرو بن ثاب ہمیشہ موضوع حدیثیں نقل کیا کرتا ہے. تیسرے یہ کہ وہ کلمے جو آدم نے سیکھے تھے خود خداوند تعالے نے نہایت تفصیل اور تفسیر کے ساتھ اپنے کلام پاک میں بیان کردیئے ہیں اور وہ یہ ہیں. وترجمنا لنکونن من الخاشرین. تمام سلف سے یہی مروی ہے کسی نے بھی مثل شیعی علماء کے ایسی کسی چڑے چڑیا کی کہنا کا ذکر نہیں کیا. چھوتھے یہ کہ شخص بالاضطرار اس بات کو جانتا ہے کہ آدم درکنار اگر کفار اور فساق میں سے بھی کوئی اللہ کے آگے توبہ کرے تو وہ اُس کی بھی توبہ قبول کر لیتا ہے اگرچہ وہ اللہ کو کسی کی قسم نہ دے پھر عقل باور نہیں کرتی کہ آدم کو توبہ کرنے میں ایسی چیز کی کیوں ضرورت کی ضرور پڑنے لگی جسکی گنہگاروں میں سے کسی ضرورت نہ پڑی ہو نہ مومن کو نہ کافر کو. ایک ایسے فرقے کا پتہ لگا ہے جسکا عقیدہ یہ ہے کہ آدم نے جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کو اپنا وسیلہ ٹہرایا اُسوقت اُس کی توبہ قبول ہوئی لیکن یہ بھی سفید جھوٹ ہے یا لوگوں نے ایک حکایت خود گھڑی ہے اور بے گناہ امام مالک کے سر چپیک دی ہے اور قاضی عیاض نے دھوکہ کھا کے اس حکات کو شفا میں نقل کر دیا ہے. حالانکہ ہم صاف طور پر کہتے ہیں کہ امام مالک پر یہ نرا بہتان ہے کہ اُنہوں نے منصور سے مباحثہ کرنے میں ایسی بے سروپا کوئی بات کہی تھی. پانچویں یہ کو توبہ میں اِس قسم کی دعا کرنے کا حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کسی کو حکم نہیں دیا نہ صرف توبہ میں بلکہ اور کسی دعا میں کسی دعا میں بھی حضور انور نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ اللہ کو کسی مخلوق کی قسم یا کرے یاد رکھو اگر یہ دعا مشروع ہوتی تو حضور انور اپنی امت کے لیے اُسے ضرور مشروع کر دیتے. چھٹے یہ کہ اللہ کو فرشتوں اور پیغمبروں کی قسمیں دینا ایک ایسا امر ہے جسکا پتہ نہ قرآن مجید میں لگاتا ہے نہ صحیح حدیث میں بلکہ اکثر فقہا مثلاً امام

ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف وغیرہ اس امر کو صاف تصریح کر چکے ہیں کہ اللہ کو مخلوق کی قسم دینا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے. ساتویں یہ کہ اگر اس طرح توبہ کرنا مشروع اور جائز بھی ہو تو یہ بات دیکھنے کی ہے کہ آدم خود ایک اولوالعزم نبی تھے اور بے شک یہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ہادیٔ برحق محمد عربی ﷺ سے ضرور افضل تھے لیکن بحثیت نبی ہونے کے بلا خوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ آدم علی، فاطمہ زہرا، حسن اور حسین سے یقیناً افضل ہیں پھر وہ خدا کو اِن کی قسم کیوں دینے لگے. آٹھویں یہ کہ یہ فضیلت ائمہ کی خصوصیتوں میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ تو فاطمہ زہرا کے لئے بھی ثابت ہے اور ائمہ کی خصوصیتیں عورتوں میں نہیں ہوا کرتیں جب یہ خصوصیت نہ رہی تو یہ فضیلت امامت کے لئے مستلزم نہیں ہے اس لئے کہ امامت کی دلیل تو ایسی ہونی چاہیے کہ اُسکے ہونے سے امامت کا استحقاق لازم آ جائے اب اگر اس فضیلت کو ہم امامت کی دلیل ٹھرائیں تو جس میں یہ فضیلت ہوگی وہی امامت کا مستحق لازم آ جائے اب اگر اس فضیلت کو ہم امام کی دلیل ٹہرائیں تو جس میں فضیلت ہوگی وہی امامت کا مستحق ہو جائے گا اور پھر یہ فضیلت فاطمہ زہرا میں بھی ہے حالانکہ نص اور اجماع سے عورت امام نہیں ہوتی.

شیعی علماء کی گیارھویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِی. یعنی بے شک میں تمہیں لوگوں کو پیشوا بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) عرض کیا کہ میرا اولاد میں سے بھی شیعی علماء، کا قول ہے کہ فقیہ ابن المغازی شافعی نے ابن مسعود سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا یہ دعا مجھ پر اور علی پر پوری ہوگئی ہے کیونکہ ہم دونوں میں سے کسی نے بھی کسی بُت کے آگے سر نہیں جھکایا اس لئے اللہ نے مجھے نبی بنایا اور علی کو میرا وصی بنا دیا اور یہ اس بارے میں نص ہے. شیعی علماء کا قول ختم ہوگیا.

جواب: اس روایت کا بھی وہی رونا ہے جو پہلی روایتوں کا ہو چکا ہے. کُل محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور موضوع ہے. دوسرے یہ قول کہ یہ دعا ہم پر پوری ہوگئی ایسا کلام ہے کہ اسے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت دینا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ہم سے پہلے اِس کا کوئی مصداق نہیں بنا تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بہت سے انبیاء اِسکے مصداق بن چکے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ

نَافِلَةً وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ (الانبیاء:۷۲،۷۳) یعنی اور ہم نے ابراہیم کوانعام میں اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت کیا اور اُن سب کو ہم نے نیک بنایا اور اُنہیں ہم نے پیشوا بنایا ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف ہم نے نیکیوں کے کرنے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی وحی بھیجی تھی پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اور ہم نے موسیٰ کتاب (توریت) عنایت کی اور نبی اسرائیل کیلئے اُسے ہدایت بنایا. پھر بنی اسرائیل کے قصہ میں ارشاد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے. وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ. یعنی اور ہم نے نبی اسرائیل میں سے پیشوا پیدا کئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ اُنہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے. اُمت مرحومہ سے پہلے ابراہیم کی اولاد میں سے اللہ نے بہت سے ہدایت کرنے والے اور پیشوا پیدا کئے جسکے ثبوت کے لئے قرآن مجید کی مذکورہ آیتیں بس ہیں تو اس جھوٹی روایت کا پہلا مطلب تو بالکل جاتا رہا اب دوسرا مطلب لیجئے کہ اگر اس پیش کردہ روایت سے یہ مراد ہے کہ یہ دعا ہم پر پوری ہوگئی یعنی اب ہمارے بعد کوئی امام نہ ہوگا تو اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ نہ حسن حسین امام ہوں نہ اُن کی اولاد میں سے کوئی امام بنے حالانکہ یہ بھی غلط ہے. اسکے علاوہ یہ وجہ بیان کرنی کہ ہم نے کی بُت کے سامنے سر نہیں جھکایا تو یہ وصف اُنکے بعد کے کل مسلمانوں میں موجود ہے. کون کہ سکتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی شخص نے کسی بت کے آگے سر جھکایا ہو. تیسری وجہ یہ ہے کہ بُت کو سجدہ نہ کرنا تو ایک ایسی فضیلت ہے جس میں وہ سب آدمی شریک ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اس میں کسی کی خصوصیت نہیں پھر اس فضیلت کو خاص کرنا اور اس سے امامت کا مرتبہ پیدا کرنا ایک ایسا لغو فعل ہے جسکی لغویت عیاں ہے. چوتھے یہ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے بُت کو کبھی سجدہ نہیں کیا کیونکہ وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے نہ اُنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد ایسا کیا اس کا جواب یہ ہے کہ کہ سارے مسلمان ایسے ہی ہیں اب رہا نابالغ لڑکا وہ غیر مکلّف ہوتا ہے نابالغی کی حالت میں اِس قسم کے فعل کرنے نہ کرنے کا اعتبار نہیں ہوا کرتا. اب رہی یہ بات کہ اسلام لانے سے پہلے حضرت علی نے کسی بُت کو سجدہ نہ کیا کس معتبر شہادت سے ثابت نہیں ہوتا. نہ شیعی علماء نے کوئی ایسی دلیل بیان کی جس سے اِس بات کی صداقت ہو خالی دعویٰ سے تو کام

نہیں چلتا. دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جس نے کبھی کفر نہ کیا یا وہ کسی کبیرہ گناہ کا مُرتکب نہ ہوا ہو ایسا آدمی اُس شخص سے افضل ہو جسنے کفر یا کبیرہ گناہ کر کے توبہ کر لی ہو بلکہ برخلاف اِسکے کفر اور فسق کر کے اُن سے توبہ کرنے والا کبھی اُس سے افضل ہو جاتا ہے جس نے کفر اور فق کیا ہی نہ ہو. چنانچہ قرآن مجید اس پر صاف دلالت کرتا کیونکہ اللہ تعالے نے ان لوگوں کو جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اپنا روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا اُن پر فضیلت دی ہے جنھوں نے مکہ فتح ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں روپیہ بھی خرچ کیا اور جہاد بھی کیا اُن لوگوں میں بہت ایسے بھی تھے جو اسلام میں پیدا ہوئے تھے اسی طرح سابقین اولین کو تابعین پر فضیلت دی ہے حالانکہ وہ پہلے کافر تھے اور بعد میں ایمان لاوے تھے مگر تابعین اسلام ہی میں پیدا ہوئے تھے اُنہوں نے کبھی کفر نہیں کیا تھا اس سے زیادہ اور بین ثبوت کیا چاہتے ہو کہ کفر و فسق کر کے توبہ کرنے والے اُن لوگوں سے افضل ہیں. جنھوں نے نہ کفر کیا نہ فسق کیا.

شیعی علماء کی بارھویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی بے شک جولوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کیے اُنکے لیے رحمان عنقریب محبت قائم کر دے گا. فقط شیعی علماء قرآن مجید کا اِس آیت پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ حافظ ابونعیم اصفہانی نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے. اُن کا قول ہے کہ وہ اِس محبت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ہو. پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں کہ ثعلبی کی تفسیر میں براء بن عازب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا تھا کہ اے علی تم اللہ سے یہ دعا کرو الھم اجعل لی عندھک عھدا واجعل لی فی صدور االمومنین موده اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی چونکہ یہ مرتبہ سوائے حضرت علی کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا لہذا شیعی علماء کے خیال کے بموجب حضرت علیؓ ہی امام ہوئے۔

جواب: من چہ گویم وطنبورہ من چہ سراید ہر مقام پر آپ دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید کی آیت کے معنی کچھ ہیں اور اُس سے استدلال کچھ کیا گیا ہے اگر اسی طرح قرآن مجید کی ساری تفسیر کر دی جاوے تو

یقیناً منشائے باری تعالیٰ ایسا تبدیل ہو جائے جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا. بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت علی کی فرضی امامت ثابت کرنے کے لیے کس بے باکی اور دلیری سے کلام خدا کے مضامین کو اُلٹ پلٹ دیا ہے اور کچھ خوف اُس معبود حقیقی کا نہیں کیا تحریف معنی اس سے زیادہ ہو نہیں سکی جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں. ایک بیچارہ ثعلبی شیعی علماء کو مل گیا ہے اُسی کی پشت پناہی میں یہ سارا جوش وخروش ہے حالانکہ جو کچھ اُس کی حقیقت ہے گزشتہ صفحات میں ہم صاف صاف کھول چکے ہیں.

ہم ایسی باتوں کے جواب دینے میں التفات نہ کرتے کیونکہ ان پر تو یہی بات صادق آتی ہے. این است جوابش کہ جوابش نہ دہی مگر چونکہ عوام الناس حدیث کا لفظ سنکے دھوکے میں آ جاتے ہیں اس لئے محققانہ بحث اور جواب کی ہمیں ضرورت پڑی اور ہم ابتدا سے برابر ہو جھوٹی روایت کا تار تار الگ کرتے چلے آئے ہیں تا کہ کم علم لوگ شیعی علماء کی دست بُرد سے بچ جائیں. اب ملاحظہ فرمایئے اس شیعی فرضی بُرہان کا جواب کئی طرح سے ہے اول تو ہم مثل سابق کے روایت کی صحبت کا مطالبہ کرتے ہس اور ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ اسکی صحت کا ثبوت نہ دینا میں کوئی نہیں دے سکتا. پھر خیال تو فرمایئے کہ ایسی دلیل سے استدلال کرنا جس کے مقدمے بھی ثابت نہ ہوں کس طرح باطل نہ ہوگا. تمام سنی اور شیعہ اس سے انکار نہیں کر سکے کہ کسی روایت کا کسی کی طرف منسوب کر دینا اُسکے صحیح ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا. دوسرے سب محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں مذکورہ روایتیں بالکل جھوٹی ہیں. تیسرے قرآن مجید کی مذکورہ آیت سب مسلمانوں کے حق میں ہے اس میں صرف حضرت علیؓ کی خصوصیت کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ یہ علی وغیرہ سب کو شامل ہے اِسکی دلیل یہ ہے حسنین وغیرہ یعنی وہ جن کی شیعہ بھی تعظیم کرتے ہیں اس آیت سب مسلمانوں کے حق میں ہے اس میں صرف حضرت علیؓ کی خصوصیت کرنا ہرگم جائز نہیں بلکہ یہ علی وغیرہ سب کو شامل ہے اسکی دلیل یہ ہے حسنین وغیرہ سب کو شامل ہے اسکی دلیل یہ ہے حسنین طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے علی کے ساتھ مخصوص نہ ہونے پر اجماع ہے باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ صحابہ میں سوائے علی کے کسی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا بالکل غلط ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں چوتھے خداوند تعالے نے اپنی طرف سے یہ بیان کیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کیے اُن کے لیے ہم محبت قائم کر دیں گے. اللہ تعالے کا یہ وعدہ یقیناً سچا ہوا کیونکہ اُس باری تعالےٰ نے مسلمانوں کے دل میں صحابہ کی محبت ڈال دی تھی. خاصکر خلفا کی اور ان

میں بھی خاص کر ابوبکر و عمر کی کیونکہ تمام صحابہ و تابعین عام طور پر شیخین سے محبت رکھتے تھے اور وہ خیر القرون ہیں اُن کے مقابلہ میں حضرت علی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا کیونکہ اکثر صحابہ اور تابعین حضرت علی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اُن کی باتیں اُنہیں ناپسند تھیں. شیخین یعنی ابوبکر و عمر سے تو فقط رافضی نصیریہ اوار اسماعیلیہ فرقہ والے بغض رکھتے اور بُرا کہتے ہیں لیکن اِسے سب جانتے ہیں کہ شیخین سے محبت رکھنے والے رافضیوں وغیرہ سے بدرجہا افضل اور کہیں زیادہ ہیں بخلاف علی کے کیونکہ جن لوگوں نے اُنہیں اچھا نہیں سمجھا اور اُن کا مقابلہ کیا وہ اُن کا مقابلہ کیا وہ اُن سے بدرجہا بہتر ہیں جنہوں نے ابوبکر و عمر سے بغض رکھا اور اُنہیں اچھا نہیں سمجھا یہ تو یہ عثمان کے شیعہ بھی جو عثمان سے محبت رکھتے ہیں اور علی کو اچھا سمجھتے وہ اُن لوگوں سے جو علی کے شیعہ مشہور ہیں علم اور دینداری میں کہیں. اگر شیعی علماء یہ کہنے لگیں کہ علی کے بارے میں معبود ہونے اور نبی ہون تک کا دعوی کیا گیا ہے لہذا ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خوارج سب کے سب اُنہیں کافر کہتے ہیں اسی طرح مرانیہ بھی اُنہیں اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اُن رافضیوں سے بہتر ہیں جو ابوبکر و عمر کو بُرا کہتے ہیں اب رہے غالیہ فرقہ کے لوگ اُن کی طرف، ہم التفات کرنا غیر ضروری جانتے ہیں.

شیعی علماء کی تیرھویں بُرہان: (بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٌ یعنی بے شک تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے رایت کرنے والے۔ (شیعی علماء کہتے ہیں) کتاب الفردوس میں ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں ڈرانے والا ہوں اور علی ہادی ہیں اور فرمایا اے علی ہدایت پانے والے لوگ تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پاتے ہیں. اسی طرح ابونعیم نے نقل کیا ہے اور بقول شیعی علماء اس سے زیادہ ولایت اور امامت کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے. فقط۔

جواب: اسکا جواب بھی چند طرح سے ہے اوّل یہ کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی شیعی علمانے کوئی دلیل بیان نہیں کی لہذا اس سے حجت کرنا جائز نہیں. اب رہی کتاب الفردوس یہ کتاب موضوعات کا مجموعہ ہے. دیلمی اس کا مصنف ہے یہ حدیث بھی دیلمی ہی کی ساختہ و پرداختہ ہے لہذا عقل باور نہیں کرتی کہ دیلمی کی کی کوئی روایت کردہ حدیث ہوسکے. اب رہے ابونعیم ان کا بھی کسی حدیث کا

روایت کرنا اِس کی صحت پر دلالت نہیں کرتا اور ابو نعیم کو صاحب ہیں اُنکی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہی. دوسرے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث جھوٹ اور موضوع ہے. تیسرے ایسے کلام کو حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منسوب کرنا ایک مسلمان کے لیے تو جائز نہیں کتنے غضب کی بات ہے کہ حضور انور یہ فرمائیں کہ میں تو ڈرانیوالا ہوں اور علی ہدایت کرنے والے ہیں اسکے معنی یہ ہوئے کہ ہدایت علی سے ہوسکتی ہے اور حضور انور سے نہیں ہوسکتی حالانکہ کوئی مسلمان بھی اِس کا قائل نہیں ہوسکتا اللہ تعالےٰ جب کھلے الفاظ میں اپنے نبی محمد عربی رسول اللہ ﷺ کو ہادی کہتا ہے پھر دوسرے شخص کی کیا مجال ہے کہ حضور انور کے مقابلہ میں ہادی بن سکے. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّکَ لَتَهْدِي اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطَ اللّٰهَ. جسکی اللہ نے یہ تعریف کی ہو پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ہادی نہو اور دوسرا ہادی بنایا جائے چوتھے یہ کہنا کہ اے علی ہدایت پانے والے تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پاتے ہیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ محمد ﷺ کی اُمت میں سے جسے ہدایت ہوگی علی ہی کے ذریعہ سے ہدایت ہوگی یہ بالکل جھوٹ سخت گستاخی اور نبی کے ساتھ بے ادبی ہے. بھلا کون شخص آفتاب پر خاک ڈال سکتا ہے اور کس طرح اُس کا رخ انور چھپا سکتا ہے ہزاروں آدمی حضور انور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاوے اور اُنہوں نے آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہدایت پائی علی سے اُنہوں نے ایک کلمہ بھی نہیں سنا. اِسکے بعد وہ صحابہ جنہوں نے دین کی اشاعت کی اِسکے مستحق ہیں کہ اُنہیں مخلوق کے ایک حصہ کا ہادی قرار پا جائے. علی سے تو آجتک کسی نے ہدایت نہیں پاوی اسکا شمہ برابر بھی ظہور کسی تاریخ میں یا کسی صحیح روایت میں نہیں ہے. پانچویں بعض مفسرین نے اِس آیت کے یہ معنی لکھے ہیں کہ یہاں ہادی سے مراد اللہ تعالی ہے بعض نے لکھا ہے کہ ہر قوم کے لیے ڈرانے والے اور ہدایت کرنے والے تم ہی ہو یہ دونوں قول ضعیف ہیں اور ان قولوں میں آیت کے صحیح صحیح معنی نہیں اِسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیشک تم ڈرانے والے ہو جیسا کہ تم سے پہلے ڈرانے والے پیغمبر آچکے ہیں اور ہر قوم کے لئے ڈرانے والا ہوتا ہے. جو اُسے ہدایت کرتا ہے یعنی اللہ کی طرف بُلایا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وان من امة الا خلافيها نذير مفسرین میں میں قتادہ، عکرمہ، ابوالضحے، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا یہی قول ہے کہ ڈرانے والا ہی ہدایت کرنے والا ہوتا ہے. پھر ابن جریر طبری نے سند کے ساتھ عکرمہ اور منصور سے اس آیت کی بابت روایت کی ہے. وہ دونوں کہتے ہیں کہ محمد ہی ڈرانے والے اور

وہی ہادی ہیں. بقول ابن وہب، ابن زید کہتے تھے کہ ہر قوم کے لئے ایک نبی ہے. نبی اُس قوم کو ڈراتا بھی ہے اور اُسے ہدایت بھی کرتا ہے. اسکے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور خداوند تعالےٰ یہ فرماتا ہے **ولکل قوم هاد** اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہادی الگ الگ ہیں. اس صورت میں بہت سے ہادی ہو جائینگے. پھر اولین و آخرین میں سے ہر قوم کے لیے علی کو ہادی کس طرح ٹھیرا سکتے ہیں. چھٹے یہ کہ کسی شخص کے ذریعے سے ہدایت ہوتی ہے تو کبھی بغیر حاکم ہوئے بھی ہو جاتی ہے. جسطرح عالم سے ہدایت ہوتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا میں آیا **اصحابی کالنجوم فباهیم اقتدیتم اهتدیتم**. لہذا امامت کے ثبوت میں یہ ہرگز صریح نہیں ہے جیسا کہ شیعی علما نے گمان کیا ہے. ساتویں یہ کہ **لکل قوم هاد** نکرہ ہے جو سیاق اثبات میں ہے اور یہ کسی معین پر دلالت نہیں کرتا پس حضرت علی امامت پر قرآن شریف کی دلالت کا دعوی کرنا بالکل باطل ہے اور پھر باطل کا باطل حدیث سے حجت کرنا اور بھی ایک خطرناک امر ہے اس کے علاوہ ایسی باطل حدیث سے حجت کرنا قرآن شریف سے حجت کرنا نہیں ہوتا.

شیعی علماء کی چودھویں بُراہان:

(بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَقِفُوهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ** یعنی اور اُنہیں کھڑا کرو بیشک اُن سے پوچھا جائیگا. شیعی علماء نے فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے شعبی سے اُنہوں نے ابن ابن عباسؓ سے روایت کی ہے ابن عباس اس آیت کی بابت فرماتے تھے کہ لوگوں سے علی کی ولایت کے بارے میں پوچھا جائیگا (پھر بقول شیعی علماء) کتاب الفردوس ابوسعید خدری سے مروی ہے ہے اُنہوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی طرح روایت کی ہے پھر اب علی کی امامت میں کسی طرح شک ہوسکتا ہے. فقط

جواب: وہی ابونعیم اور الفردوس کا رونا چلا آتا ہے. شیعی علماء نے بھی کمال کیا اسلامی دنیا کی موضوعات کا ڈھیر اُٹھا لائے اور اندھا دھند جو کچھ جی میں آیا اُسمیں سے پیش کرنا شروع کر دیا. جس طرح ثعلبی اور ابونعیم کی حقیقت آپ پر کھل چکی ہے اسی طرح کتاب الفردوس کی حقیقت بھی آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں مگر ہم اسکا جواب وہی محققانہ دینگے اگرچہ ایسی باتیں قابل التفات نہیں ہوا کرتیں مگر وہی بات ہے کہ امت مرحومہ کے کم علم آدمی ایسی جھوٹی باتوں سے نہ بہک جائیں اور

اپنا دین خراب نہ کر دیں اسلئے ہمیں ایسی محققانہ نہ بخشوں کی ضرورت ہوئی ہے. اس کا جواب کئی طرح سے ہے اول تو یہ کہ پہلے اس نقل کی صحت کا مطالبہ ہم کرتے ہیں اور اس بات کو جانتے ہیں کہ ہندوستان اور ایران کے شیعی مجتہد ملکر بھی اس نقل کی صحت ثابت نہیں کر سکتے. دوسرے یہ بات پہلے ظاہر ہو چکی ہے کہ فردوس اور ابو نعیم کی طرف کسی روایت کی نسبت دے دنیا قیامت تک حجت نہیں ہوسکتا اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے. دوسرے ی ہ کہ یہ راویت باتفاق بالکل جھوٹی اور موضوع ہے.

تیسر یا اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہایت غور توجہ سے ملاحظہ کرو۔ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ وَإِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ وَقَالُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. ءَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ إِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ. أَوَ آبَآءُ نَا الْأَوَّلُوْنَ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ إِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ. وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ. مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ. وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ قَالُوْٓا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ. قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ. فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَآئِقُوْنَ. فَأَغْوَيْنٰكُمْ إِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ. إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ. إِنَّهُمْ كَانُوْٓا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ أَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ. بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۲ تا ۳۷) یعنی بلکہ (کافروں کی حالت) پر تعجب کرتے ہوا اور یہ مسخرا پن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے (اور کہتے ہیں کہ) کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائینگے کیا بیشک یقیناً ہم (پھر) زندہ کئے جائینگے. آیا ہمارے اگلے باپ دادا (بھی زندہ کئے جائیں گے. اے نبی) کہدو کہ ہاں (تم سب زندہ کئے جاؤ گے.) اور تم ذلیل ہو گے پس سوا اسکے نہیں کہ وہ (یعنی اُن کا زندہ کیا جانا بذریعہ) ایک سخت نعرہ (کے) ہوگا پس فوراً یہ (زندہ ہو کر) دیکھنے لگیں گے. اور کہیں گے کہ اے ہماری خرابی یہی روز جزا ہے (اُس وقت اُن سے کہا جائیگا کہ) یہی فیصلہ کا دن ہے جسکی تم تکذیب کرتے تھے اور فرستوں کو حکم دیا جائیگا کہ ظالموں کو اور اُن

کے ہمراہیوں کو جمع کرو اور جن کی وہ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے پھر اُنہیں دوزخ کی راہ کھاؤ. اور اُنہیں کھڑا کرو بے شک اُن سے پوچھا جائیگا کہ تمھارا کیا حال ہے کہ تم (اس وقت) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (اس وقت وہ بالکل سرکشی نہ کرینگے) بلکہ وہ اُس دن فرمان بردار بن جائینگے اور بعض اُن کے بعض کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے (اور) کہیں گے کہ بیشک تم ہمارے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے (ہمیں گمراہ کرنے کو) ہمارے پاس آتے تھے (تم ہی نے ہمیں گمراہ کیا) وہ جواب دینگے (کہ ہمنے گمراہ نہیں کیا) بلکہ تم (خود) ایماندار نہ تھے اور ہم کو تم پر کچھ قابو نہ تھا بلکہ (خود) سرکش لوگ تھے پس (اب) ہم پر ہمارے پروردگار کا وعدہ صادق آ گیا کہ بیشک یقیناً (اب) ہم (عذاب کا مزہ) چکھنے والے ہیں پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا بیشک ہم (خود بھی) گمراہ تھے پس یقیناً وہ اُس دن عذاب میں شریک ہونگے بیشک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کرتے ہیں بے شک وہ (ایسے سرک تھے کہ) جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کرتے تھے اور کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (اے بدبختو ہمارے نبی دیوانہ شاعر نہیں ہیں) بلکہ ہو (دین) حق لائے ہیں اور اُنہوں نے (اگلے) پیغمبروں کی تصدیق کی ہے. فقط.

اِسے آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ بیان اُن مشرکوں کا ہے جو حساب و کتاب کے دن کو جھٹلاتے ہیں توحید، پیغمبروں پر ایمان لانے اور روز قیامت پر صدق دل سے ایمان لانے کی بابت اُنہیں سے پوچھا جائیگا. اس سوال میں علی کی محبت کو کیا دخل ہوسکتا ہے. سمجھو تا تو سہی کہ اگر یہ لوگ باوجود اس کفر و شرک کے علی سے محبت رکھی تو حید یہ محبت رکھنا انہیں کچھ نفع دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں. یا یہ لوگ اگر علی سے بغض رکھیں تو اُن کے اِس بغض کو اللہ کے پیغمبروں، اُسکی کتاب اور اُسکے دین سے بغض رکھنے سے کیا نسبت ہے کتنا اندھیر ہے کتنا اندھیر ہے کہ کس بے دردی اور خیرہ چشمی سے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کیجاتی ہے جو سوائے زندیق اور ملحد کے کوئی نہیں کر سکتا یہ تو درحقیقت کلام خدا سے مضحکہ کرنا ہے اسکے علاوہ علی، طلحہ، زبیر، سعد، ابوبکر، عمر اور عثمان ان سب سے محبت رکھنے میں میں کیا فرق ہوسکتا ہے اور اگر کوئی شیعی علماء کے مقابلہ میں یہ دعوے کر بیٹھنے کہ نہیں ابوبکر کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائیگا تو یہ دعوے شیعی علما کے دعوے سے کچھ زیادہ نہیں ہے. اس آیت میں تو کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ شیعی علما کے قول کے راجح ہونے پر دلالت کرے بلکہ اس آیت کی دلالت ان دونوں کی محبت ہونے

نہ ہونے پر برابر ہے. ابوبکر کی محبت کے واجب ہونے کی اور بہت سی قومی دلیلیں ہیں جن کا ذکر موقع پر کہیں آئیگا. چوتھے یہ کہ اللہ کا قول اسولون مطلق لفظ ہے اُسکے ساتھ کوئی ضمیر نہیں ہے. جس سے کسی کی خصوصیت معلوم ہو اور نہ سیاق میں کوئی ایسا امر ہے جو علی محبت کے ذکر کا مقتضی ہو. پس شیعی علماء کا یہ دعوے کہ ان لوگوں سے علی کی محبت کا سوال ہونے پر یہ لفظ دال ہیں اعلے درجہ کا جھوٹ اور بہتان ہے.
پانچویں یہ کہ اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ان لوگوں سے ابوبکر وعمر سے محبت رکھنے کی بات سوال کیا جائیگا تو یہ دعوی کسی طرح باطل نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی وجہ ہوگی تو اُس سے علی کی محبت کا سوال ہونے کا دعوے بدرجہ اولی باطل ہو جائیگا.

شیعی علماء کی پندرھویں بُرہان : (بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولتعرفنهم فی لحن القول یعنی ضرور بلاشبہ تم اُنہیں (اُنکے) بات کہ لہجہ سے پہچان لوگے. شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے اس سے یہ مراد ہے کہ بیشک تم اُنہیں اُن کی بات کے لہجہ سے علی کے بغض رکھنے کو پہچان لوگے اور یہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے لئے ثابت نہیں ہے. پس سب سے افضل علی ہی ہوئے لہذا وہی امام ہوں گے.

جواب: اول ہم اس نقل کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ شیعی دنیا کے کل عالم ملکر بھی اِس نقل کی صحت ثابت نہیں کر سکتے. دوسرے کل محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو سعید ہی نے ایسا کیا تھا تو اُن کا کہنا صرف ایک صحابی کا قول ہوگا. یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجئے کہ صحابہ کے اقوال میں جب ایک قول دوسرے کے مخالف ہوتا ہے تو وہ باتفاق تمام علما کے حجت نہیں ہوسکتا. چوتھے یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے. اکثر منافقین کی بات کے لہجہ سے علی کا بغض ہرگز نہیں پہچانا جاسکتا اور قرآن مجید کی یہ تفسیر کرنی بالکل صریح بہتان ہے. پانچویں یہ کہ کفار اور منافقین کو حضرت علی سے اتنی عداوت ہرگز نہیں تھی جتنی کہ فاروق اعظم سے تھی کسی تاریخ یا کسی نوشتہ اور روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کفار یا منافقین کو حضرت علی سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو. اسلئے فطرتاً یہ بات لازمی ہے کہ وہ ہرگز ایسے شخص سے عداوت ہرگز نہیں تھی جتنی کہ فاروق اعظم سے تھی کسی تاریخ یا کسی نوشتہ اور روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ

کفار یا منافقین کو حضرت علی سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی. اسلئے فطرتاً یہ بات لازمی ہے کہ وہ ہرگز ایسے شخص سے عداوت نہ کریں جس سے انہیں جس سے اُنہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو. چھٹے صحیح میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے. **ایتہ الا یمان حب الانصار و آیتہ النفاق بغض الانصار** یعنی ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے پھر حضور انور نے فرمایا **لا یبغض الا نصار رجل یومن باللہ والیوم الاخر** یعنی انصار سے ایسا آدمی بغض نہیں رکھ سکتا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ حدیثیں اور روایتیں اُس حدیث سے زیادہ صحیح ہیں جو بعض راوی حضرت علی سے نقل کرتے ہیں یعنی حضرت علی نے فرمایا تھا **العھد النبی الامی الی انہ لا یحبنی الا مومن و لا یبغضنی الا منافق.** یعنی مجھ سے نبی امی نے یہ عہد کرلیا تھا کہ مجھ سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا. یہ روایت فقط مسلم نے نقل کی ہے. بخاری نے اس روایت کو نہیں لیا. برخلاف انصار کی احادیث کے اُن پر اہل صحاح ستہ یعنی بخاری وغیرہ کا سب کا اتفاق ہے اور کل اہل علم اسے یقیناً جانتے ہیں کہ بیشک حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے برخلاف اُس روایت کے جو حضرت علی کی طرف منسوب کی گئی ہے اِس میں محدثین کے ایک طبقہ کو شک ہے۔ ساتویں یہ کہ نفاق کی علامتیں بہت سی ہیں جیسا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ **المنافق ثلث اذا حدث کذب و اذا وعدا خلف و اذا ؤتمن خان.** یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اُسکا ایفا نہ کرے اور جب اُسکے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے. یہ علامتیں ظاہر ہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ منافق کی علامتیں کسی ایک شخص یا ایک جماعت کی محبت کے لیے مخصوص نہیں ہیں اور نہ کسی کے بغض کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق ہے. اس میں شک نہیں کہ جو شخص حضرت علی کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت رکھے اس وجہ سے کہ وہ اِسکے مستحق ہیں تو یہ محبت ضرور اُسکے ایمان کی دلیل اور علامت ہوگی. اسی طرح جو شخص انصار سے اسوجہ سے محبت رکھے کہ اُنہوں نے اللہ کے دین اور اللہ کے رسول سے محبت کی تھی تو یہ بھی اُسکے ایمان کی علامتوں میں سے ہے ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہے جو حضرت علی سے اور انصار سے اس وجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر اُن کا ایمان تھا اور خدا کی راہ میں جہاد

کرتے تھے تو یہ شخص بے شک منافق ہے. اب محبت کا دوسرا پہلو لیجئے یعنی اگر کوئی شخص انصار سے یا حضرت علی سے یا اور کسی سے کسی امر طبعی کی وجہ سے محبت رکھے مثلاً دونوں میں رشتہ داری ہو تو یہ ایسی محبت ہوگی جیسے ابو طالب کو حضور انور رسول اللہ ﷺ سے تھی. یہ محبت کرنے والے کو اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی نفع نہیں دے سکتی. اور جو شخص انصار یا حضرت علی وغیرہ کی محبت میں جس سے بڑھ جائے اور اُن کے مرتبہ سے اُنہیں بڑھا دے تو یہ بو بیشک حقیقت میں اُن نہیں رکھتا بلکہ اُسے اُس چیز سے محبت ہے. جس کا دنیا میں کبھی ظہور ہی نہیں ہوا. اب سنیئے بغض کی صورت اگر کسی شخص نے کسی انصاری سے ایسی بات سنی جس سے اُسکے دل میں انصاری کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ اُس سے بغض کرنے لگا تو ہم اس بغض کرنے والے شخص کو گمراہ اور گناہگار کہیں گے منافق ہرگز نہیں کہہ سکتے. اسی طرح اگر کسی صحابی کی بابت کسی شخص نے کوئی خلاف عقیدہ کر لیا اور اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ کافر یا منافق ہے اور اُس کی وجہ سے اُس سے بغض رکھنے لگا اِس پر بھی ہم اُس شخص کو ظالم اور جاہل کہیں گے منافق نہیں کہیں گے اس روشن استدلال اور برہان قاطع سے اُن روایتوں کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے جو بعض صحابہ کی طرف سے نقل کی گئی ہیں. مثلاً بعض راوی جابر سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم سوائے ایک علامت کے منافق کو نہیں پہچان سکتے تھے اور وہ علامت سے بغض رکھنے کی تھی. ان ناپاک روایتوں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے. اور اس طوفان بے تمیزی کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علی اپنی اُس وجاہت سے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُنہیں عطا ہوئی تھی بہت ہی آگے بڑھا دیئے گئے. جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کی اصلی حالت بالکل چھپ گئی اور وہ اب کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی کوئی صحابی ہو اُس کا قول اگر قرآن مجید کے صریح خلاف ہوگا تو ہم ہرگز نہیں مانتے کے بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ فلاں صحابی کا ہے. قرآن مجید میں صاف طور پر منافقوں کی علامتیں بیان کی گئی ہیں تو پھر کیونکر خیال ہوسکتا ہے کہ جابر جیسا جلیل القدر صحابی قرآن مجید کی ایسی کھلی آیتوں سے بالکل بے خبر تھا. قرآن مجید کی ان صریح آیتوں نے کہیں بھی حضرت علی سے بغض رکھنا نفاق کی علامت نہیں قرار دیا قرآن مجید کی آیتیں حسب ذیل ہیں. وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (التوبہ:۴۹) اور وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ

یَسْخَطُوْنَ. (التوبہ:۵۸) اور وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ (التوبہ:۶۱) اور وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. (التوبہ:۷۵) اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے منافقوں کی علامتیں اور صفتیں اور بھی بہت بیان کی ہیں اور اُن اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جو موجب نفاق ہیں جو چیز موجب نفاق ہو وہی اُسکی دلیل اور علامت ہے پھر ایک بالغ نظر یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ منافقین کی علامت سوائے حضرت علی سے بغض رکھتے اور کوئی نہیں ہے. منجملہ سی علامتوں کے منافقین کی ایک یہ بھی علامت تھی کہ حضور انور کے زمانہ میں جو شخص جماعت سے رہ جاتا تھا اُسے سمجھتے تھے. چنانچہ صحیح میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا اے لوگو پانچوں نمازوں کی محافظت کرو جس وقت اذان سنو فوراً حاضر ہو جایا کرو. کیونکہ یہ نمازیں ہدایت کے طریقے ہیں جو اللہ نے اپنے نبی کے لئے مشروع کردیئے تھے اور اگر تم نے اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھی تو یاد رکھو تم نے نبی کے طریقہ کو چھوڑ دیا اور جب نبی کے طریقہ کو چھوڑ دیا تو تم یقیناً گمراہ ہوگئے. حضور انور کے زمانہ میں ہم میں جماعت سے کوئی نہ رہتا تھا سوائے ایسے منافق کے جس کے نفاق اطلاع سب کو ہوتی تھی بلکہ بعض بیمار آدمی جو خود اپنے پیروں سے نہیں چل سکتے تھے. اُنہیں آدمی کا سہارا دیکر مسجد میں لاتے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے. فقط نفاق کی اکثر علامتیں اور اسبابِ اُمت مرحومہ کے کل فرقوں میں سے ہمارے شیعہ اصحاب میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا شمار نہیں اس لے کہ دین کا شعار تقیہ ہے. جس کے یہ معنی ہیں کہ زبان سے ایسی بات کہے جو دل میں نہ ہو اور یہی نفاق کی بہت بڑی علامت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ. (آل عمران:۱۶۷) یعنی جس دن دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اُس دن جو کچھ بھی تمہارے سامنے آیا تو اللہ کے حکم سے آیا تا کہ اللہ (خالص) ایمان والوں کو معلوم کرنے اور اُن لوگوں کو معلوم کرے جو منافق تھے اُن سے کہا گیا تھا آ ؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو دفع کرو تو وہ کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمہارا ساتھ دیتے یہ لوگ یمان کے اعتبار سے اُس روز کفر سے بہت

نزدیک تھے اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُنکے دلوں میں نہیں ہیں اور اللہ اُسے خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں. پھر فرمایا یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْ كَلِمَةُ الْكُفْرِ وَ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَالَمْ يَنَالُوْا اور پھر فرمایا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ. (البقرہ:۱۰)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفاق مثل جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور بے وفائی کے اتنا کسی فرقہ میں نہیں پایا جاتا جتنا اس فرقہ میں پایا جاتا ہے جس کے مذہب کا سب سے بڑا اصول تقیہ ہے.

صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ حضور انور رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔اربع من کن فیہ کان منافقا خالصاً ومن کانت فیہ خصلة منهن کانت فیہ خصلة من النفاق حتی یدعها اذا احدث کذب واذا وعدا خلف واذا عاهد غدرو اذا خاصم فجر . یعنی چار خصلتیں ایسی ہیں جس شخص میں وہ چار ہونی وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن میں سے کوئی خصلت ہے اُس میں نفاق کی ایک خصلت سمجھنی چاہیے یہاں تک کہ وہ اُسے چھوڑ دے (وہ چاروں خصلتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے. وعدہ کرے تو ایفانہ کرے .جب کوئی عہد کرے تو بیوفائی کرے اور جب لڑے تو گالی گفتار دے. اُس کا مفصل بیان دوسری جگہ آیا ہے یہاں مقصود فقط یہ ہے کہنا نفاق کی علامت سوائے علی سے بغض رکھنے کے اور کوئی نہیں ہے. یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا اور اگر کسی ایک آدھ صحابی نے کہا بھی ہے تو صرف اتنا کہا ہے کہ علی سے بغض رکھنا بھی نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے: جیسا کہ ایک مرفوع حدیث میں ہے. لا یبغضنی الا منافق . یعنی مجھ سے منافق ہی کو بغض ہوتا ہے اسکی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ جس شخص کو علی کی یہ حالت معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے تھے اور راہ خدا میں جہاد کرتے تھے اس علم ہونے پر بھی وہ ان سے بغض رکھے تو وہ بیشک منافق ہے مگر انصار سے بغض رکھنے والے کا نفاق اِس سے بھی زیادہ سمجھنا چاہیے کیونکہ انصار واجب التعظیم ہیں مدینہ منورہ اُن کا شہر ہے. اسلام اور مہاجرین کو اُنہوں ہی نے پناہ دی. ان ہی کے شہر کی طرف ہجرت کرنے سے اسلام کو اعزاز ہوا اہل اسلام کی شہرت ہوئی. اُنہوں نے ہی اللہ اور اللہ کے رسول کی ایسی مدد کی کہ نہ کسی اور شہر والوں نے کی اور نہ کسی قبیلہ نے کی لہذا ان سے سوائے

منافق کے اور کوئی بغض نہیں رکھ سکتا حالانکہ یہ لوگ مہاجرین سے افضل نہیں ہیں بلکہ مہاجرین ہی اُن سے افضل ہیں. اس سے ایک بہت بڑی بات یہ ثابت ہوگئی کہ جس شخص سے بغض رکھنا نفاق کی علامت قرار دی جائے اُس کا افضل ہونا ضروری نہیں ہے. لہذا حضرت علی صحابہ سے صرف اس بات پر افضل نہیں ہوسکتے. جن لوگوں کو صحابہ کے حالات معلوم نہیں اُن میں سے کسی کو ذرا ابھی شک نہیں ہے کہ کفار اور منافقین کو حضرت علی کی بہ نسبت فاروق اعظم سے بہت ہی بڑی عداوت تھی اسلا کی مدد کرنے اُس کو ترقی دینے کفار اور منافقین کو نیچا دکھانے میں حضرت علی کی بہ نسبت فاروق اعظم نے بہت بڑا حصہ لیا ہے اسی وجہ سے اُنہیں فاروق اعظم سے بہت سخت عداوت تھی. یہی وجہ تھی کہ ایک بیدین کافر نے فاروق اعظم کو شہید کرڈالا. آپ کا قاتل یقیناً کافر تھا. دین اسلام سے رسول سے اور رسول کی امت سے بہت بغض رکھتا تھا اور اسی بغض کی وجہ سے اُس نے آپ کو شہید کیا تھا مگر جس نے حضرت علیؓ کو شہید کی وہ نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا. قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا مگر اُسکا یہ عقیدہ تھا کہ علی کے قتل کرنے دینے کو اللہ کا رسول پسند کرتے ہیں اسی لیے اُس نے آپ کو شہید کرڈالا اپنے خیال میں اُس نے یہ فعل اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی وجہ سے کیا تھا اگر چہ وہ اپنے اس خیال میں گمراہ اور خطا پر تھا. مقصود یہ ہے کہ علی سے بغض رکھنے کی بہ نسبت عمر سے بغض رکھنے میں نفاق زیادہ ہے اس لیے ہم تقیہ والے گروہ کو نفاق میں سب فرقوں سے زیادہ سمجھتے ہیں. شیعہ حضرت فاروق اعظم کو اُمت مرحومہ کا فرون کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ابولولو کی حمایت لیتے ہیں. ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

شیعی علماء کی سولھویں برہان:

(بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی اور آگے والے آگے والے ہی ہیں یہی لوگ (ہمارے) مقرب ہیں شیعی علماء کہتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے اُنہوں نے اس آیت کی بابت فرمایا ہے کہ اس امت کے آگے ہونے والے علی بن ابوطالب ہیں. پھر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں کہ فقیہ ابن المغازی شافعی نے مجاہد سے اور اُنہوں نے ابن عباس سے اس آیت کی بابت یہ راویت کی ہے کہ یوشع بن نون نے موسیٰ کی طرف سبقت کی اور موسیٰ نے ہارون کی طرف اور صاحب یٰس نے حضرت عیسےٰ کی طرف اور حضرت علی نے محمد ﷺ کی طرف یہ فضیلت صحابہ میں اور کسی کو حاصل

نہیں ہوئی لہذا علی ہی امام ہوئے.

جواب: اس کا جواب کئی طرح پر ہے اول اِس روایت کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ہم علی الاعلان اس بات کو کہتے ہیں کہ شیعی دنیا کے کل عالم ملکر بھی اس حدیث کی صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے ابونعیم اور ابن مغازی کی نسب پہلے لکھا جا چکا ہے اِس لیے ہم اُن پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ ابونعیم اور ابن مغازی جو کچھ نقل کرتے ہیں اُس میں جھوٹ زیادہ ہوتا ہے. دوسرے ابن عباس کے اوپر یہ محض بہتان ہے ہرگز ابن عباس نے اُسے روایت نہیں کیا.اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اِس صحیح مان لیں تو جب اِس روایت کے مخالف بڑے بڑے صحابی ہیں تو کسی طرح یہ روایت حجت نہیں ہوسکتی. تیسرے دیکھو اللہ تعالٰی کیا فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ.(التوبہ:۱۰۰) یعنی مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جو لوگ نیکی کرنے میں اُن کے تابع ہیں اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اللہ نے اُن کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں.

پھر اللہ تعالٰی فرماتے ہیں. ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر:۳۲) یعنی پھر ہم نے قرآن اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو عنایت کیا جنھیں برگزیدہ کرلیا پس کوئی ان میں اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے کوئی اُن میں میانہ رو ہے اور کوئی اُن میں نیکیوں کی (طرف) خدا کے حکم سے سبقت کر رہا ہے. اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ پہلے سبقت کرنے والے جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ اُن لوگوں سے یقیناً افضل ہیں جنھوں نے یہ کام فتح کیا مکہ کے بعد کیا اور ان میں بعیت الرضوان والے بھی داخل ہیں اُن کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی پھر یہ کون جاہل سے جاہل شخص کہہ سکتا ہے کہ سبقت کرنیوالا اس امت میں صرف ایک ہی آدمی ہے.

چوتھے شیعی علما کا یہ کہنا کہ یہ فضیلت حضرت علی کے سوا اور کسی صحابہ کو حاصل نہیں ہوئی محض غلط اور بالکل غلط ہے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا تھا. بعض کا قول یہ کہ کہ سب سے پہلے ابوبکر مسلمان ہوئے تھے اب گویا ابوبکر مسلمان ہونے میں علی سے سبق لے گئے

بعض کا قول یہ ہے کہ ابو بکر سے پہلے علی مسلمان ہو گئے تھے اگر اس قول کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ علی اس وقت بچہ تھے بچہ کے مسلمان ہونے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس مسلمان ہونے کا اعتبار کیا جائے یا نہیں مگر اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ ابو بکر کا اسلام واقعی سب سے اکمل اور انفع تھا. پس بالاتفاق سبقت میں یہی اکمل ہوئے اور پہلے قول کے مطابق تو اسلام میں سب سے سابق یہی ہیں اب اس برہان قاطع کے مقابلہ میں جب تک کسی معتبر شخص کا مشاہدہ نہ پیش کیا جائے ہم کیونکر یقین کر سکتے ہیں کہ علی ان سے سابق تھے. پانچویں یہ افضلیت سابقین اولین کے لئے ہے اور اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ جو اسلام میں سابق ہو وہ سب سے افضل ہو جائے ہاں سابقین کے افضل ہونے کی قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہو سکتی ہے. لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید:۱۰) یعنی (اے مسلمانو) تم میں سے کوئی اس بات کے برابر نہیں ہے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور کیا وہی لوگ باعتبار مرتبہ کے اُن لوگوں سے جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا. اور جہاد کیا بہت بڑے ہیں اور (ان دونوں فریق میں) ہر ایک سے اللہ نے بھلاوی کا وعدہ کیا ہے. فقط. پس جو لوگ خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں جنگ حدیبیہ سے پہلے سبقت حاصل کر چکے ہیں وہ اس واقعہ کے بعد والوں سے افضل ہیں. کیونکہ اس آیت میں فتح کی تفسیر حضور انور نے واقعہ حدیبیہ ہی سے فرمائی ہے اور جب سبقت کرنے والے یہ لوگ ہیں تو اُن میں کوئی پہلے اسلام لایا اور کوئی بعد لہٰذا ان دونوں آیتوں میں ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو حضرت علی کے مطلقاً افضل ہونے کو چاہتا ہو. بلکہ اسلام میں وہ لوگ جو پہلے مسلمان ہوئے اُن سے وہ لوگ افضل ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا اور اسی سے اُنہیں یہ فضیلت حاصل ہوئی. دیکھو فاروق اعظم اگرچہ انتالیس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے تو بھی نصوص صحیحہ، صحابہ اور تابعین کا اجماع اس بات کو پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ وہ بہت سے صحابہ سے افضل ہیں. اور یقیناً میں اپنی غیر معمولی تحقیق کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی شخص کا آج تک ایسا پتہ نہیں لگا جو یہ کہتا ہو کہ زبیر وغیرہ عمر سے افضل ہیں. حالانکہ زبیر عمر سے پہلے ایمان لائے تھے. اور اگر سبقت کرنے کی فضیلت مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو یہ فضیلت ابو بکر ہی کے ساتھ مخصوص ہے. اور اس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہے کیونکہ اِن سے

پہلے نہ کسی نے ہاتھ سے جہاد کیا اور نہ زبان سے جس وقت سے ابوبکر حضور انور پر ایمان لائے تھے جہاں تک اُن سے ہوسکا اپنا مال بھی خرچ کیا اور ایسے بہت سے آدمیوں کا پتہ لگا تا ہے جنہیں مسلمان ہونے پر اُن کے کافر آقا طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دیتے تھے مگر عزیز اور سب سے عزیز اور سب سے زیادہ واجب الاحترام اور سب سے زیادہ خادم اسلام اور سب سے زیادہ رفیق القلب صدیق اکبر یعنی ابوبکر نے اپنے پاس سے روپیہ دے دیکے اُن کے ظالم آقاؤں کے پنجہ سے اُن مسلمان غلاموں کو آزاد کیا جسکی نظیر کسی صحابی میں نہیں ملتی .معزز صدیق نے حضور انور کے ساتھ ہو کے برابر جہاد کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ سبقت کرنے والے اور جہاد کی تمام قسموں میں سب سے کامل ابوبکر ہیں .ایک صحیح حدیث میں آیا ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں ہم پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر کا ہے (یہ حدیث پہلے بھی آچکی ہے)

شیعی علماء کی سترھویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبہ:۲۰) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک مرتبہ میں بہت بڑے ہیں .شیعی علما فرماتے ہیں ہیں کہ رزین نے معاویہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب طلحہ بن شیبہ اور عباس کچھ فخر کرنے لگے تو علیؓ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ فضیلت صحابہ میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہے پس علیؓ افضل ہوئے .فقط

جواب: اس کا جواب بھی کئی طرح پر ہے اول تو وہی کہ اس کی صحت کا ہم مطالبہ کرتے ہیں . ہم رزین کی کتاب کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ اُس نے اپنی کتاب میں بہت سے روایتیں ایسی بڑھادی ہیں جن کا صحاح میں کہیں پتہ نہیں لگتا. دوسرے صحیح میں اس طرح نہیں ہے جس طرح رزین نے بیان کیا ہے بلکہ صحیح میں نعمان بن بشیر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ممبر کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص بولا کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی نیک عمل کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے سوائے اسکے کہ میں مسجد حرام کی مرمت کرادوں تیسرا بولا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ان سب

سے افضل جہاد ہے یہ قصہ جمعہ کے دن کا ہے فاروق اعظم نے اُن لوگوں کو دھمکایا اور فرمایا کہ میں نماز پڑھ کے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور یہ جو تم اپنی طرف سے باتیں بنا رہے ہوں اس کی بابت حضور انور ﷺ سے دریافت کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ:۱۹) اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ شیعی پیش کردہ روایت کا ہمیں تو کہیں پتہ نہیں لگا۔ اس کے مقابلہ میں فاروق اعظم کی فضیلت کو دیکھا جائے کہ بعض اوقات آپ نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا یا کسی امر میں حضور انور کو رائے دی وہ خیال یا رائے خداوند تعالی کو پسند ہوا اور اُسکے مطابق اللہ تعالے نے حکم دے دیا۔ ایک مرتبہ فاروق اعظم نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مقام ابراہیم کو آپ مصلے بنالیں تو بہتر ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی واتخذوا من مقام ابراهيم مصلے پھر ایک بار فاروق اعظم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ازواج مطہرات کے لیے پردہ کا حکم ہو جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ پردہ کی آیت نازل ہوگئی۔ اس قسم کی بہت سے مثالیں ہیں اور یہ سب صحیح میں موجود ہیں یہ خصوصیت خاص فاروق اعظم کے لیے تھی باقی ایمان لانے ہجرت اور جہاد کرنے سے جو فضیلت حاصل ہوئی اُن میں سب صحابہ شریک ہیں کہ جو ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا۔ تیسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ فضیلت علی میں کسی قدر زیادہ تھی تو پھر بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ اس فضیلت کو امامت کے خصائص میں سے کیونکر شمار کریں اور نہ کوئی شخص یہ ثابت کرسکتا ہے کہ ایسی کوئی فضیلت حضرت علی کے مطلقاً افضل ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔ بالکل یہ مثال حضر کی سی ہے۔ خضر کو ایسی تین باتیں معلوم تھیں جنہیں موسیٰ نہیں جانتے تھے اور ان تین باتوں کے جاننے سے خضر، موسی سے افضل نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح ہُد ہُد نے سلیمان سے جب یہ کہا کہ میں ایسی بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اِس سے ہُد ہُد سلیمان سے افضل ہوگیا نہ کوئی شخص اس بات کا قائل ہوسکتا ہے کہ ہد ہد کو اس زیادہ جاننے سے سلیمان پر مطلقاً فضیلت حاصل تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کی خصوصیت دونوں صورتوں میں ٹھیک نہیں بنتی بلکہ متواتر حدیثوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ابوبکر کا جہاد علی کے جہاد سے بدر جہا بڑھا ہوا تھا کیونکہ وہ دولتمند آدمی تھے جنکی بابت حضور انور فرما چکے ہیں مانفعنے مال کمال ابی بکر یعنی ابوبکر کے مال نے جیسا مجھے فائدہ دیا۔ کسی کے مال نے نہیں دیا۔ اب رہے حضرت علیؓ وہ

بہت ہی مفلس اور فقیر آدمی تھے خود اُن کا گزارمشکل سے ہوتا تھا وہ راہ خدا میں کیا خرچ کرسکتے تھے.
جان کے اعتبار سے بھی ابوبکر کا جہاد بڑھا ہوا تھا جس کا ذکر اگر موقع ہوا تو آگے کیا جائیگا.

شیعی علماء کی اٹھارویں برہان: بقول شیعی علماء اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْابَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَۃً. (المجادلہ:١٢) یعنی اے مسلمانو جب تم (ہمارے) رسول سے (کچھ) راز کہو تو اپنے راز کہنے سے پہلے صدقہ دو فقط. شعی علماء فرماتے ہیں کہ حافظ ابونعیم نے ابن عباسؓ سے راویت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ خداوند تعالی نے صدقہ دینے سے پہلے رسول کے ساتھ کلام کرنے کو حرام فرمایا تھا اس پر صدقہ دینے میں سب بخل کرنے لگے. یہاں تک کہ کسی نے کچھ نہ دیا. علی نے فقط صدقہ دیا اور اُن کے سوا یہ فعل کسی اور مسلمان نے نہ کیا. پھر شیعی علما فرماتے ہیں کہ تفسیری ثعلبی میں ہے ابن عمر کہتے ہیں علیؓ میں تین باتیں ایسی ہیں کہ مجھ میں اُن میں سے ایک بھی ہوتو وہی میرے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے وہ تینوں باتیں یہ ہیں. فاطمہ زہرا سے نکاح ہونا. جنگ خیبر میں جھنڈ املنا. اور آیت نجوے.

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رزین بن معاویہ نے جمع بین الصحاح الستہ میں علی سے روایت کی ہے کہ صرف میری ہی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بہت کچھ تخفیف کر دی. یعنی فرائض مذہبی کو بہت ہلکا اور مختصر کر دیا. لہذا یہ بات اوروں پر علی کے فضائل ہونے کی دلیل ہے. اس لیے امامت کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہوئے. فقط.

جواب: راز کہنے سے پہلے صدقہ دینے کی فلاسفی ایک عجیب وغریب رنگ اپنے میں رکھتی ہے تمام زمانہ نبوت میں سوائے چند روز کے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول سے کلام کرنے سے پہلے کسی نے صدقہ دیا ہو نہ علی نے نہ ابوبکر نے نہ عثمان نے اور نہ کسی اور صحابی نے شریعت بالکل معاف اور کھلی ہوئی ہے. اسکے متعلق کسی راز کی بات کی ضرورت نہیں. نہ شریعت کا کوئی مسئلہ کبھی راز میں پوچھا جاسکتا تھا جبکہ عربوں کی آزادی زن وشوئی کے رازدارانہ تعلقات پر مجالس میں کھلم کھلا روشنی ڈالتی تھی کوئی وجہ نہیں کہ شریعت کی معمولی باتیں راز میں رکھی جائیں اور حضور انور ﷺ سے رازدارانہ دریافت کی جائیں. اسکی اصلیت یہ ہے کہ چند منافقوں نے حضور انور ﷺ کے تبلیغ اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے اور آپ کا

نہایت قیمتی وقت ضائع کرنے کے لیے یہ رنگ ڈالا تھا کہ آئے اور عرض کیا کہ ہمیں کوئی راز کی بات کہنی ہے حضور انور ﷺ کے حمیدہ اخلاق اِس بات کے مقتضی نہیں تھے کہ آپ کسی کی بات سننے سے انکار کر دیتے خواہ وہ منافق ہو یا کافر فوراً اُس کی درخواست قبول کر لی جاتی تھی اور ہو اِدھر اُدھر کی معمولی باتیں کر کے حضور انور ﷺ کا قیمتی وقت ضائع کر دیتا تھا. جب اس قسم کے حملے منافقوں کی طرف سے حضور انور کے اوقات گرامی پر پے در پے ہونے لگے تو اخیر یہ آیت نازل ہوئی مگر اس عظیم الشان اور لاثانی خلق کو دیکھئے کہ خطاب دین کے پیروان ہی سے کیا گیا ہے محض منافقوں کی طرف خطاب کیا جانا اُن کی دل آزادی اور ذلت کا باعث تصور کیا گیا۔ اس سبب سے خاص اپنے ہی آدمیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا گیا کہ ہمارے رسول سے کوئی راز کی بات کہو تو صدقہ دینے سے پہلے نہ کہو۔ اِسکے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایرانی اور شامی تمدن کا ناپاک اثر جو عرب پر پھیلا ہوا تھا یعنی مجلس میں سینکڑوں آدمی بیٹھے ہیں اور چند آدمی آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں. اِس ناپاک رسم کی عربوں میں بہت کثرت تھی اور یہ ایک ایسا ناگوار اور شرمناک امر ہے کہ جس سے زیادہ مجلسی بدتہذیبی اور کسی بات میں نہیں ہے. خیال تو کیجیئے کہ بیس پچیس یا سو پچاس آدمی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور پانچ چار آدمی اُن سے رُخ موڑ کے سرگوشی کر رہے ہیں کیسی نامعقول حرکت اور دوسروں پر کیسا بُرا اثر ڈالنے والی بات ہے. چونکہ عربوں میں یہ زبوں ترین عادت ایرانیوں اور شامیوں سے آ گئی تھی لہذا وہ عین دربار نبوی میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے باری تعالیٰ کی حکمت بالغہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ اس ناپاک رسم کی بیخ و بنیاد اکھیڑنے کے لیے اس سے بہت کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ راز کہنے والا پہلے صدقہ دے دے. بس یہ ترکیب حقیقت میں بہت کامیاب ثابت ہوئی اور اب ہر شخص رُکنے لگا. یہاں تک کہ چند روز میں عربوں سے یہ عادت جاتی رہی. حضرت علی نے چونکہ اس وقت حکمت بالغہء خداوندی پر پوری غور نہیں کی تھی لہذا وہ اللہ تعالیٰ کا اُسے عام احکام مذہبی کی طرح ایک حکم سمجھ کے اُس کی پیروی کرنے کے لئے تیار ہو گئے یا اگر آپ نے اس حکمت بالغہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح سمجھ سے لیا تھا مگر اتفاق سے اس حکم کے نازل ہوتے ہی آپ کو کسی راز کے جو خاص خانہ داریسے تعلق رکھتا ہوگا حضور انور سے عرض کرنے کی ضرورت ہوئی اور آپ نے شرعی حجت پوری کرنے کے لیے دو چار آنہ کی کوئی چیز صدقہ دے دی اور پھر حضور سے خانہ داری کے متعلق جو

بات کہنی تھی وہ کہدی اس میں نہ کوئی خوبی ہے نہ کسی قسم کی فضیلت ہے نہ کوئی بڑی بات ہے ہمیشہ سے دنیا کا یہ قاعدہ چلا آتا ہے کہ کسی شخص کے معتقد یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے پیر میں واقعی ایسی باتیں بہت کم ہیں جس سے اسکی بزرگی کا راز دنیا کے آگے یا جائے تو وہ ادھر اُدھر کی لنگڑی لولی باتیں زبردستی تان کے اُس کے سر چپکا دیا کرتے ہیں اور اُسی سے اُسکی فضیلت کا راگ گایا کرتے ہیں. اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حضور انور نے جو طریقہ معاشرت اور تمدن مسلمانوں میں قائم کیا تھا وہ ایسا درجہ مساوات رکھتا ہے کہ مغربی تمدن کے اِس عروج کے زمانہ بھی ویسی مساوات کا مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہے. اِس کے علاوہ حضور نے شریعت اسلامی کے متعلق کوئی بات کبھی راز میں نہیں کہی کیونکہ حکم خداوندی بھی صاف طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کہو علانیہ کہو علی الاعلان کہو کھلم کھلا کہو اور بھرے مجمع میں کہو جہاں فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ (المائدہ:۶۷) پھر کس طرح ممکن ہوسکتا تھا کہ حضور انور شریعت کے معاملات میں سرگوشی کو گوارا فرماتے. ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ معاشرت کے ایسے بہت سے اُمور ہیں کہ جو پردے میں رکھے جاسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُن ہی کے متعلق بعض اشخاص خواہ وہ منافق ہوں یا مومن حضور ﷺ سے آ کر سرگوشی کرتے ہوں مگر یہ بی ایک لغو استدلال ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں. زن وشوئی کے تعلقات جو سب سے زیادہ راز دار نہ ہوتے ہیں اُن میں کوئی پردہ نہ تھا اور علانیہ دربار نبوی میں بیان کئے جاتے تھے تا کہ قابل عمل امور پر عمل کیا جائے اور نا قابل عمل سے اجتناب کیا جائے بس صدقہ دینے سے پہلے راز نہ کہنے کی آیت کا نشان نزول یہی ہے اور قریب قریب کل مفسر اس سے اتفاق رکھتے ہیں. اگر چہ اُنہوں نے اس توضیح سے بیان نہیں کیا ہے. جیسا کہ ہم نے تو بھی اُن کا مطلب قریب قریب یہی ہے. اب ہم محد ثانہ محققانہ طور پر روشن دلائل کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں اور ہمیں اِس بات کا کامل یقین ہے کہ ہماری ہر دلیل یا برہان الدلالت ہے اور کوئی شخص اِس سے انکار نہیں کرسکتا خواہ وہ ہندوستان کا رہنے والا ہو یا شام وروم وایران کا یہی وجہ ہے کہ شیعی دنیا میں ایک سکتہ سا پیدا ہوگیا ہے. اور کسی کی مجال نہیں کہ ہماری کسی برہان یا تحقیق کا کوئی جواب دے سکے ہماری جرات اور دلیری کو دیکھئے کہ ہر ہفتہ آٹھ صفحے اس لاجواب کتاب کے ہزاروں آدمیوں کے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں تا کہ ہفتہ بھر تک اُن پر غور کرنے کا موقع ملے اور کسی مخالف میں جرات ہو تو اس کا جواب دے مگر صدائے برنخاست. ہوں

ہاں کچھ نہیں خیر اس سے ہمیں بحث نہیں ہم اپنے یقین اور ایمان سے کہتے ہیں کہ ہماری کسی بات کا معقول جواب نہیں ہوسکتا پھر بھلا کس طرح جواب دیا جائے. ہم حقیقت اظہار کرنے کے لیے یہ کتاب شائع کر رہے ہیں ہمیں اِس سے بحث نہیں کہ کوئی اس پر کان لگائے یا نہ لگائے یا کوئی اِسکا جواب دے یا نہ دے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ تمام بیہودہ شکوک غلط الزامات ناپاک افترا پردازیاں شدید زبانی بے رحمیاں اور غلیظ تحریریں اسلام کے روشن مسائل پر لغو اتہامات سب مٹا دیئے جائیں گے اور آج نہیں تو چالیس پچاس برس کے بعد کتاب شہادت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کا دستور العمل بن جائیگی اور اسی کتاب سے مسلمان اپنے دین کو کھوئی ہوئی عظمت کو پالیں گے اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کیا ہے اور یاران طریقت نے کیا سکھا رکھا تھا. اصلیت کیا ہے اور بیان کیا جاتا تھا یہ ساری باتیں صاف طور پر عیاں ہو جائیں گی. یہ سخت غلط فہمی ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا مدعا شیعی دُنیا میں تہلکہ ڈالنے اور اُن میں زلزلہ پیدا کرنے کا ہے یا اُن کے جھوٹے سچے مذہب پر حملے کرنے کی غرض ہے نہیں ہرگز نہیں شاو کلا. غرض صرف یہ ہے کہ اسلام اور بزرگان اسلام پر جو تہمات لگائے گئے ہیں اُن کا تار تار الگ کر کے دکھایا جائے اور محدثانہ اور محققانہ محدثوں سے یہ بات ثابت کر دی جائے کہ ایسے غلط تہمات اور الزامات سے اُنکی شان بہت ارفع والے ہے اس میں صدیق اکبر بھی ہیں. عمر فاروق بھی ہیں عثمان غنی بھی ہیں اور علی مرتضی بھی ہیں. اُن پر اور اُن جیسے اور جلیل القدر صاحبہ پر ان خدا ترسوں نے اس قدر طوفان برپا کیے ہیں اور ایسے ایسے الزام اُن پر لگائے ہیں کہ ناواقف شخص تو ایک دفعہ کانپ اُٹھے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جس دین خدا کی تعلیم کا یہ اثر ہو جس نبی کی اولوالعزمی اور اعلےٰ درجہ کی شان وعظمت کا یہ دعوی کیا جاتا ہو اُسکے خاص الخاص صحابہ کی یہ کیفیت تھی پھر بھلا دین خدا اور رسول کا کیا اعتبار کیا جائے. بس اس بات کو خیال کر کے اسلام اور بزرگان اسلام دین خدا اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت پر ہمارا قلم اُٹھا ہے اور جب تک یہ قلم ہمارے ہاتھ میں ہے ایسی حمایت کو کبھی ترک نہ کرینگے ہم اسے اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں. ناواقف ہمارے خلاف کچھ کہا کریں ہمیں اس کی پروا نہیں جب تک ہم یہ نہ سمجھیں گے کہ تمام الزامات کی میخ و بنیاد اُکھیڑ کے پھینک دی گئی اور تمام نامعقول اتہامات برباد ہو گئے. ہمارا قلم زبانِ حال سے یہ گویائی کرتا رہے گا.

تا دست نمی دہ وصالت

دست من و دامنِ خیالت

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں اور اسی معاملہ پر محدثانہ اور محققانہ روشنی ڈالتے ہیں. حضرت علی کے صدقہ دیکر راز کی بات کہنے کی حکایت ایک ایسی عجیب تر ہے جسکا مفصل ذکر کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا. سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آیا صحابہ پر اس آیت نے صدقہ دینا واجت کیا تھا یا نہیں بات فقط یہ تھی کہ جو شخص راز کی بات کہے وہی صدقہ دے اور جب کسی کے پاس راز کی کوئی بات ہی نہ ہو یا وہ حضور انور سے راز کی کوئی بات کہنا ہی نہ چاہے تو اُسے صدقہ دینے کی کیا ضرورت ہے اور کس طرح یہ الزام قائم ہوسکتا ہے کہ فلاں نے صدقہ دیا اور فلاں نے نہ دیا. اب رہا راز کہنا یہ کچھ واجب نہ تھا نہ حکم خداوندی تھا نہ حضور انور نے کسی کو مجبور کیا تھا کہ تم مجھ سے اپنا راز ضروری ہی کہو. لہذا راز کہنا واجب نہ تھا تو صدقہ دینا بھی واجب نہ تھا. اور ناواجب کے ترک کرنے پر کسی پر ملامت نہیں ہوسکتی. اب راز کہنے سے پہلے اگر کوئی شخص صدقہ دے دے. تو اُس کی نیت پر اُسے اجر ملے گا. اور جس شخص کو راز کہنے کا کوئی سبب ہی پیش نہ آئے وہ صدقہ دینے والے اور راز کہنے والے سے کیونکر ناقص ٹھہرایا جاسکتا ہے. ہاں یہ بات ضرور ہے کہ صحابہ میں سے اگر کسی شخص نے راز بھی کہا اور استطاعت ہونے پر صدقہ بھی نہیں دیا اور بخل کیا تو اُس نے بیشک ایک مستحب فعل کر ترک کیا. مگر یاد رکھو کہ خلفا پر اس قسم کی کوئی شہادت کسی نوشتہ اور کسی دستاویز میں نہیں پائی جاتی. دوسری بحث یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ فرض کرلیں کہ کسی نے اس مستحب فعل کر ترک کر دیا تھا تو مستحب فعل کے ترک کرنے کے باعث دوسرا شخص اُس سے مطلقاً افضل نہیں ہوسکتا. صحیح میں یہ بات ثابت ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے دریاف کیا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو آج روزہ سے ہوا ابوبکر بولے کے میں ہوں پھر آپ نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج بیمار کی عیادت کی ہو ابوبکر نے کہا حضور میں ہوں. پھر حضور نے دریافت کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو آج کسی جنازہ کے ساتھ گیا ہو ابوبکر نے کہا حضور میں ہوں. پھر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج کچھ صدقہ دیا ہو ابوبکر نے عرض کیا. میں ہوں. اس پر حضور انور ﷺ نے فرمایا جس بندہ میں یہ خصلتیں ہوں وہ ضرور جنتی ہے. فقط. اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ چاروں باتیں ایک ہی دن ابوبکر میں ہوجانی نہ کہیں علی کے لیے منقول ہیں نہ کسی اور کے لیے صحیحین میں ہے

ایک روز حضور انور نے فرمایا جو شخص کسی چیز کا جوڑا راہ خدا میں دے تو وہ جنت کے دروازوں سے پکارا جائے گا اور آواز آئیگی اے اللہ کے بندے یہ تیری نیکی ہے. اگر کوئی بڑا نمازی ہے تو وہ باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا اور کوئی بہت روزے رکھتا ہے تو باب الصوم سے پکارا جائیگا. اور اگر کوئی زیادہ صدقہ دیتا ہے تو باب الصدقہ سے اُسے آواز ملے گی. اس پر ابوبکر بولے یا رسول اللہ میرے خیال میں سب دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اندر داخل ہونا تو ایک ہی دروازے سے ہوگا تو بھی کیا حضور فرما سکتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہے جو ان سب دروازوں سے بلایا جائے. مگر کسی کے لیے حضور انور نے یہ نہیں فرمایا. اس کے علاوہ صحیحین میں حضور انور سے مروری ہے آپ نے فرمایا ہے کہ ایک آدمی ایک بیل پر کچھ بوجھ لادے ہوئے لے جا رہا تھا اُس بیل نے اُسکی طرف منہ کر کے کہا کہ میں اس کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں بلکہ میں تو کاشتکاری کے لیے پیدا کیا گیا ہوں. لوگ یہ سنکے تعجب سے کہنے لگے کہ ہیں بیل بھی باتیں کرتا ہے، پھر آپ نے فرمایا ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک بکری کو پکڑ لیا لیکن چرواہے نے اُس بکری کو بھیڑیئے سے چھڑا لیا. اِس پر بھیڑیا بولا کہ اب تو تو نے اِس بکری کو چھڑا لیا ہے. اُس دن جب میرے سوا اُن کا کوئی رکھوالا نہ ہوگا تو پھر تو اُسے کیونکر چھڑائے گا. لوگ کہنہ لگے بھیڑیا بولا کرتا ہے. اس پر حضور انور نے فرمایا میرا اور ابوبکر و عمر کا اس پر ایمان ہے کہ ایسا ضرور ہوگا. فقط اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اس وقت یہ دونوں صحابی دربار نبوی میں حاضر نہ تھے. ابوبکر کی یہ فضیلت تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا تھا کہ ابوبکر کے مال نے جیسا مجھے فائدہ دیا اور کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا. اس فضیلت میں ابوبکر کی خصوصیت کی یہ صریح دلیل ہے نہ اس میں ان کے سوا علی شریک ہیں نہ اور کوئی. سنن ابوداؤد میں ہے حضور انور ﷺ نے ابوبکر سے فرمایا تھا اے ابوبکر میری اُمت میں تم سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے. ترمذی اور سنن ابوداؤد میں عمر فاروق سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا اس وقت اتفاق سے میرے پاس بھی مال تھا میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ ابوبکر سے سبقت کر جانا میرے مقدر میں ہے تو بس آج میں اُن سے سبقت کر جاؤں گا. یہ خیال کر کے میں اپنا نصف مال لیکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا. حضور انور نے دریافت کیا کہ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو یا نہیں میں نے عرض کیا اتنا ہی چھوڑ

آیا ہوں. تھوڑی دیر کے بعد ابو بکر آئے اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب کا سب لیکر چلے آئے حضور انور نے فرمایا ابو بکر تم نے کچھ گھر والوں کے لیے بھی چھوڑا ہے ابو بکر نے عرض کیا ہاں اللہ کا نام اور رسول کا کلمہ چھوڑ آیا ہوں. باقی مال وغیرہ تو اور کچھ نہیں جو کچھ میرے پاس تھا تنکا تنکا سب لے آیا ہوں. عمر فاروق کہتے ہیں اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ ابو بکر سے سبقت کوئی نہیں لے جاسکتا. بخاری میں ابوداؤد سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایک دن میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابو بکر اپنی تہبند کا پلہ پکڑے ہوئے آئے اس سے اُنکے گھٹنے کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا. حضور انور ﷺ نے یہ دیکھتے ہی ہم سے فرمایا کہ آج ابو بکر کچھ آزردہ معلوم ہوتے ہیں اتنے میں ابو بکر آئے سلام کیا اور پھر عرض کیا کہ مجھ میں اور ابن خطاب میں کچھ نزاع تھا. میں اُن سے پہل کر کے بہت شرمندہ ہوا. میں نے ہر چند ان سے اپنا قصور معاف کرانا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئے. اور صاف انکار کر دیا. میں وہاں سے آزردہ دل ہو کر آرہا ہوں. اس پر حضور نے تین دفعہ یہ فرمایا ابو بکر تم اطمینان رکھو تمہاری خطا تو خدا معاف کر دے گا. پھر عمر فاروق کو کچھ خیال آیا پتہ نام دے ہوئے. بھاگے ہوئے ابو بکر کے گھر پہنچے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں. وہاں سے عمر فاروق اور دربار نبوی میں حاضر ہوئے اُنہیں دیکھتے ہیں حضور انور کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا. ابو بکر اپنے نبی کی یہ حالت غیظ دیکھ کر لرز گئے. عمر فاروق کی بھی یہی کیفیت ہوئی. اخیر دوزانو ہو کر دست بستہ آنکھ نیچی کر کے حضور انور کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا.

گر کشی وجرم بخشی رودسر بر آستانم
بندہ رافرمان ل نیا شد ہر چہ فرمائی برانم

میں خدا کا اقرار کرتا ہوں مجھ سے دو ظلم ہو گئے ہیں اللہ معاف کیجئے آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے پیغمبر بنا کے تمہارے پاس بھیجا. اول اول تو سب نے میری تکذیب کی مجھے جھوٹا بنایا لیکن اُس وقت ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنے جان و مال میرا ساتھ دیا پس کیا تم اب میرے ایسے ساتھی کو چھوڑانا چاہتے ہو. دو دفعہ اسی طرح فرمایا. ترمذی میں مرفوعا مروی ہے حضور انور نے فرمایا کہ جس جماعت میں ابو بکر موجود ہوں اس جماعت کا کوئی شخص سوا ابو بکر کے امام نہ بنے یعنی کسی کو نماز پڑھانی ابو بکر کے آگے درست نہیں ہے. عثمان غنی کا ایک ہزار اونٹوں کا حضور کی خدمت میں جہاد کے کام کے لئے پیش کر دینا

علی مرتضی کے اس صدقہ سے ہزاروں حصہ زیادہ ہے جو آپ نے راز کہنے سے پہلے دیا تھا. جہاد اس خرچ کرنا تو ویسے بھی فرض تھا مگر راز کہنے سے پہلے صدقہ دینا فرض نہیں تھا کیونکہ صدقہ دینے سے پہلے راز کہنے کا ارادہ ہونا شرط ہے مگر جسکا یہ ارادہ ہی نہ ہو اُس پر صدقہ دینا لازم نہیں ہوتا. بعض انصار کے حق میں خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر:۹) یعنی وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں گو اُنہیں کتنی ہی احتیاج اور (بھوک) ہو وے. صحیحین میں حاضر ابو ہریرہ سے یہ مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن ایک آدمی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مصیبت زدہ ہوں اور بھوکا ہوں. آپ نے کسی اپنی صحابی کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ کچھ دے دیں اُنہوں نے جواب دیا اللہ میرے پاس تو سوا پانی کے کچھ نہیں. دوسری کے پاس بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب ملا. عرض اسی طرح سب کے پاس بھیجا اور سب نے یہی جواب دیا پھر آپ نے حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ جو شخص آج رات کو اِسے کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے گا. یہ سنتے ہی ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اسے آج رات کو کھانا کھلاؤں گا غرض اس فقیر کو وہ انصاری اپنے گھر لے گئے. اُسے باہر کھڑا کیا آپ اندر گئے اپنی بی بی سے پوچھا کہ کچھ کھانا ہے وہ بولی فقط بچوں کے لیے تھوڑا سا رکھا ہے. انصاری نے کہا بچوں کو تو بہلا لینا اور کُل کھانا مہمان کو کھلا دو ہاں یہ خیال کر لینا جب مہمان گھر میں آ جائے تو تم فوراً چراغ گل کر دینا تا کہ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ ہم بھی اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں. چنانچہ ایسا ہی ہوا مہمان کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دیا. دوسرے روز جب وہ صحابی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے صورت دیکھتے ہیں فرمایا تمہارے اس فعل سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا جو رات کو تم نے اپنے مہمان کے ساتھ کیا. ایک روایت یوں ہے کہ اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر لکھی جا چکی ہے. خلاصہ یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کے موقعوں پر مال خرچ کرنے میں مہاجرین اور انصار کی اس قدر فضیلت بڑھی ہوئی ہے کہ حضرت علی کا تو وہاں گزر بھی نہیں. وجہ صرف یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی مفلس تھے. مال ہی اُن کا پاس کہاں رکھا تھا جو وہ خرچ کرتے. فقط.

شیعی علماء کی اُنیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے. وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُسُلِنَآ (الزخرف:۴۵) یعنی اور ہمارے اُن پیغمبروں کا حال پوچھو جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا تھا. شیعی علما اِس آیت پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ ابن عبداللہ کہتے ہیں اور ابونعیم نے بھی اِسی طرح بیان کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء کو حضور انور سے ملوا دیا. پھر فرمایا اے محمد ﷺ تم اِن سے پوچھو کہ تم پیغمبر کس لیے بنائے گئے تھے. حسب الہدایت آپ نے دریافت کیا تو پیغمبروں نے جواب دیا لا اله الا الله کی گواہی دلانے اور تمہاری نبوت اور علی ابو طالب کی ولایت کا اقرار کرانے کے لیے ہم پیغمبر بنائے گئے تھے. بس اِس سے زیادہ علی کی امامت کی اور کونسی صریح دلیل ہوسکتی ہے. فقط

جواب: یہ ثابت ماننی پڑے گی کہ موجودہ زمانہ کے چانڈوخانوں میں بھی اگر اس قسم کی کوئی گپ ہانکے تو وہ پاگل بنا کے نکال دیا جائے اور پھر اُسے چانڈوخانہ میں جانا کبھی نصیب نہ ہوا ایسی بے جوڑ باتیں تعجب ہے کہ کیسے گھڑ لی گئیں اور کس طرح لوگوں نے انکا یقین کرلیا. بس اعتقاد کے بھوت کا خدا بُرا کرے جس کے رعبت میں آگے ساری دورازکار اور غلیظ باتیں ماننی پڑیں. ایسی باتیں جو خود اپنے جھوٹ ہونے کی آپ ہی شہادت دے رہی ہیں مگر تو بھی اِس غیر معمولی عظیم الشان چانڈوخانہ کی گپ پر ہم اُسی طرح محققانہ اور محدثانہ نظری ڈالیں گے تاکہ ہمارے بعض احباب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے صرف اُسے چانڈوخانہ کی گپ کہہ کے ٹال دے اور اس پر کچھ بحث نہ کی. ہم مثل اور روایتوں کے اِس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں. یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم اُسے بالکل صریح جھوٹ سمجھتے ہیں اور اس کی صحت کا مطالبہ اس لیے نہیں کرتے کہ اعلے درجہ کے جھوٹ ہونے میں کچھ شک ہو بلکہ مناظرہ ادنے درجہ یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی بات کا کہنے والا اِس بات کو حجت سمجھنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ جسکی صحت معلوم نہ اُس سے استدلال کرنا باتفاق نہیں ہے اس لیے کہ وہ قول بلا علم ہوتا ہے اور یہ بات قرآن حدیث اور اجماع سب طرح سے حرام ہے. دوسرے اس قسم کی روایتوں پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ موضوع اور جھوٹی ہیں. تیسرے یہ کہ جسے دینداری اور علم کا ذرا بھی پاس ہو وہ یقیناً اس بات کی شہادت دیگا کہ یہ اوپر والی روایت ایسی باطل اور جھوٹ ہے کہ کوئی معمولی عقل کا آدمی

بھی اُس کی تصدیق نہیں کرسکتا. بھلا خیال کرنے کی بات ہے کہ انبیاء سے ایسا سوال کیونکر ہوسکتا ہے جو اصول ایمان میں داخل نہیں ہے. اور اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ اگر کوئی حضور انور ﷺ پر ایمان لایا اور ہر طرح آپ کی فرمانبرداری کی اور آپکی زندگی ہی میں یہ بات جاننے سے پہلے مر گیا کہ اللہ نے ابوبکر و عمر و عثمان و علی کو پیدا کیا تھا تو یہ نہ جاننا اُسے کسی طرح کا نقصان نہیں دے سکتا اور نہ یہ اسکی نجات کو روک سکتا ہے. جب اُمت مرحومہ ہی میں یہ حال ہے تو اب کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ آپ کے کسی صحابی کا اقرار کر لینا. انبیاء پر بھی واجب تھا. چوتھے یہ کہ شب معراج مکہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی بعض کہتے ہیں اٹھارہ مہینے پہلے اور بعض کہتے ہیں پانچ برس پہلے. بعض اور مختلف مدتیں بتاتے ہیں شب معراج کے وقت حضرت علی صغیر سن تھے. نہ اُن کی ہجرت قابل لحاظ تھی نہ یہ اُس وقت جہاد کے لائق تھے نہ یہ اِس شان کے تھے کہ اُ کا ذکر کرنا انبیاء علیہم السلام پر ضرور ہوتا نہ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں کہیں اُنکا ذکر کیا اُن کی کتابیں موجود ہیں اُن میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کا ذکر تو اکثر لوگوں نے دیکھا ہے مگر حضرت علی کی طرف تو کہیں اشارہ بھی نہیں پایا جاتا. ہاں اس کے خلاف ایک عجیب روایت یہ ہے اور جسکا ذکر اکثر علماء نے کیا ہے کہ وہ تابوت جو مقوقس کے پاس تھا اُسمیں اکثر انبیاء کی تصویریں تھیں اور ساتھ ہی ہمارے علماء نے کیا ہے کہ وہ تابوت جو مقوقس کے پاس تھا اس میں اکثر انبیاء کی تصویریں تھیں اور ساتھ ہی ہمارے آقائے نامدار حضور انور رسول اللہ ﷺ کی تصویر بھی تھی اور حضور انور ﷺ کی تصویر کے ساتھ ابوبکر عمر کی تصویریں تھیں اور دستاویز میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ان ہی دونوں کے ذریعہ سے محمد ﷺ اللہ کے حکم کو قائم کرینگے. وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے اُن میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہماری کتابوں میں حضرت علی کا ذکر کہیں اشارہ بھی آیا ہے پھر بھلا یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے. جتنے نبی ہوئے وہ سب حضرت علی ہی کی ولایت کا اقرار کرنے کے لئے نبی بنائے گئے تھے حالانکہ نہ اُن انبیاء نے کہیں اپنی امتوں سے یہ ذکر کیا اور نہ کسی دوسرے شخص نے کسی نبی سے ایسا قول نقل کیا ہے. فقط

شیعی علماء کی بیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالٰے فرماتا ہے وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (یعنی اِسے یادرکھنے والے کان یادرکھیں شیعی علماء گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں لکھا

ہوا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا کہ اے علی میں نے اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ تیرے کانوں کو یاد رکھنے والا کرے اور پھر ابونعیم کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے دو دفعہ فرمایا کہ اے علی مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس بلا کے تمہارے سینہ میں علم بھر دوں اور یہ آیت مجھ پر نازل کی ہے. **وتعیااذن واعیہ**. پس اذن واعیہ تم ہی ہو (یعنی یاد رکھنے والے کان تمہارے ہی ہیں) چونکہ یہ دولت اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی لہذا علی ہی امام ہوئے.

جواب: یہاں بھی وہی ثعلبی اور ابونعیم کا پٹینا چلا جاتا ہے. سوائے ان دو بیچاروں کے ہمارے شیعی علماء کا کوئی پشت پناہ نہیں کہ اُن کے اختراعی خیالات کی تائید کرے. بہر حال ہمیں محدثانہ اور محققانہ جواب دینے سے غرض ہے تاکہ کہنے والا یہ نہ کہے کہ کسی بات کا فقط غلط کہہ دینا اس بات کی پوری تردید پر دلالت نہیں کرتا اب سنیئے اسکا جواب کئی طرح سے ہے. اول ہم مثل سابق کے اس روایت کی بھی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ تمام شیعی دنیا مل کے بھی اس روایت کی صحت ثابت نہیں کرسکتی. کیونکہ جیسا کہ ہم بار ہا ثابت کر چکے ہیں کہ ثعلبی اور ابونعیم دونوں ایسی روایتیں نقل کیا کرتے ہیں جو بالاتفاق دلیل بننے کے قابل نہیں ہیں پھر ہم یہاں بھی اُسی کا اعادہ کرتے ہیں کہ یہ روایت کسی طرح بھی دلیل بننے کے لائق نہیں. دوسرے اس پر کل علما کا اتفاق ہے کہ یہ روایت موضوع ہے. تیسرے یہ کہ پوری آیت یہ ہے کہ جس کا صرف اخیر کا حصہ شیعی علما نے لیا ہے اور باقی چھوڑ دیا **انا لماطغی المَاء حملنا کم فی الجاریۃ لنجعلھا لکم تذکرۃ وتعیھا اذن واعیۃ** اس آیت سے فقط ایک آدمی کے کان ہرگز مراد نہیں ہیں کیونکہ خطاب اولاد آدم سے کیا گیا ہے اور اُنہیں کشتی میں سوار کر لینا اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے. چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے **وَاٰیَۃٌ لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِّنْ مِّثْلِہٖ مَایَرْکَبُوْنَ**. اور فرمایا **اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمْ مِّنْ اٰیَاتِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ**. (لقمان: ۳۱) اسے دیکھنے کے بعد کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہو سکے گا کہ اِسے فقط ایک ہی آدمی یاد رکھے ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ مثل ابوبکر، عمر، عثمان، علی کے کان بھی یاد رکھنے والے تھے اس میں صرف علی کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امر تو ایسا ہے جو بدیہی طور پر ہر شخص جان سکتا ہے کہ صرف تنہا علی کے کان اس آیت سے مراد نہیں ہے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور

انور رسول اللہ ﷺ کے کان یادرکھنے والے نہیں تھے نہ حسن، حسین، عمار، ابوذر، مقداد، سلمان فارسی، سہل بن حنیف وغیرہ۔ کے کان ایسے تھے جنکی فضیلت اور ایمان پر تمام شیعی دنیا سر جھکاتی ہے اچھا جب یہ بات ہوئی کہ یادرکھنے والے کان علی وغیرہ سب کے ہوگئے تو اب یہ کہنا ہرگز ٹھیک نہیں کہ یہ فضیلت سوائے علی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شیعی علماء اکثر اوقات اپنے مطلب کو بالکل بے اصل مقدمات پر مبنی کیا کرتے ہیں اور بعض اوقات اُنہیں اپنی دلیلیں بیان کرنے میں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے معتقدات کیا ہیں جو جی میں آیا کہہ گئے اور آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی. معتزلہ اُن سے پھر بھی بہتر ہیں کہ اُن کی حجتیں اور دلیلیں بہت سی ایسی ہیں جن پر اہل علم اور اہل عقل نے ہمیشہ توجہ کی ہے مگر شیعی علما نے شاید ہی کوئی دلیل ایسی بیان کی ہو جو توجہ کے قائل ہو کیونکہ عموماً یہ اُس چیز سے استدلال کرتے ہیں جس سے اُن کا مطلب نکلتا ہو حق اور باطل سے اُنہیں کچھ بحث نہیں رہتی. کبھی شیعی علما کا کسی چیز کی نسبت یہ دعوے ہوتا ہے کہ یہ علی کے فضائل میں سے ہے حالانکہ وہ مطلب علی کے فضائل میں سے ہوتی ہے. بات یہ ہے کہ جو فضائل حضرت علی کے لیے ثابت ہیں. ان میں اکثر ایسے ہیں جو دوسرے صحابیوں میں بھی مشترک ہیں برخلاف ابوبکر وعمر کے فضائل کے کیونکر اُن کے اکثر فضائل اُن ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں. جن میں اُن کا کوئی شریک نہیں ہے اِس بنیاد پر یہ دعوے کرنا کہ فلاں فضیلت سے امامت ثابت ہوتی ہے ایک ایسا لغو ہے جس کی لغویت عیاں ہے. یہ سب جانتے ہیں کہ کسی امر میں کسی کو جزوی فضیلت ہونی فضیلت مطلقہ کو مستلزم نہیں ہوتی نہ اِس سے امامت ثابت ہوتی ہے نہ وہ امامت کے لیے مخصوص ہے بلکہ اِس کا اطلاق تو امام غیر وغیرہ سب پر ہوتا ہے. شیعی علماء ہرگز جگہ یہی دیکھا گیا ہے کہ اپنے مدعا کو انہیں تین مقدموں پر مبنی کیا کرتے ہیں اور یہ تینوں مقدمے محض بے اصل اور باطل ہیں.

شیعی علماء کی اکیسویں برہان: بقول شیعی علماء سورہ ہل اتی سے حضرت علی کی امامت ثابت ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں مختلف سندوں سے مروی ہے کہ جب حسنؓ اور حسینؓ بیمار ہوگئے تو اُن کے نانا رسول اللہ ﷺ اور بہت سے عرب اُن کی عیادت کو گئے اُنہوں نے حضرت علیؓ سے کہا اے ابوالحسن تم اپنے بچوں کو کچھ نذر مان لو. چنانچہ حضرت علی نے تین روز نذر کے مان لیے

اور یہی نذر بچوں کی والدہ یعنی حضرت خاتون محشر فاطمہؓ اور اُن کی لونڈی فضہ نے بھی مان لی. قدرت آلہی سے دونوں بچے اچھے ہو گئے. ان لوگوں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے مگر روزہ افطار کرنے کے لیے آل محمد کے پاس کچھ نہ تھا. اخیر مجبور ہو کر حضرت علی نے دس سیر جو قرض لیے جس میں سے ایک تہائی خاتون محشر نے لی اور گھر کے پانچوں آدمیوں کے لیے اُس کی پانچ روٹیاں پکائیں. حضرت علی نے مغرب کی نماز حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی نماز پڑھ کے گھر میں آئے خاتون محشر نے روٹی آپ کے آگے رکھی. ابھی آپ کھانے نہ پائے تھے کہ ایک مسکین آیا اور کہا اے محمد ﷺ کے اہل بیت السلام علیکم میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کچھ کھانا کھلاؤ اللہ تمہیں بہشت کے خوانوں میں سے کھلائیگا حضرت علیؓ نے سنتے ہی حکم دیا کہ کُل کھانا اُسے دے دو گھر والوں نے سارا کھانا اُسکے حوالہ کر دیا یہ سب بھُوکے کے بھُوکے رہ گئے اور رات اور دوسرا دن صاف کڑاکے سے گزر گیا سوائے دو گھونٹ پانی کے کوئی چیز اُن کے حلق میں نہیں گئی. دوسرے دن خاتون محشر نے ایک تہائی جو کے چکی میں پیسے اور روٹیاں پکائیں حضرت علی جب حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تو اُنکے آگے اِسی طرح روٹی رکھی گئی ابھی آپ ٹکڑہ ٹکڑہ توڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک یتیم نے آکر سوال کیا اور کہا کہ اے محمد ﷺ کے اہل بیت السلام علیکم میں مہاجرین کی اولاد میں سے ایک تمہیں بہشت کے خوان نعمت سے کھلائیگا. حضرت علی نے کل کی طرح کل کھانا اُسے اُٹھا کے دے دیا اور سب فاقہ سے سو رہے ایک کھیل کا دانہ بھی اُن کے منہ میں اُڑ کے نہیں گیا. اِسی طرح یہ دن بھی فاقہ سے گزر گیا کیونکہ دن کو مانا ہوا روزہ رکھا تھا غرض جب تیسرا دن ہو تو باقیماندہ جو خاتون محشر نے پیسے اور اور اُن کی روٹی پکائی. جب حضرت علی اپنی عادت کے مطابق حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھکے اپنے گھر آئے تو اُن کے آگے روٹی رکھی گئی. آپ نے ابھی روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک قیدی دروزاہ پر آیا اور کہا کہ تم ہمیں قید تو کر لیا کرتے ہو لیکن کھانے کو نہیں دیا کرتے ہیں محمد ﷺ کا قیدی ہوں اور بھُوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ بہشت کے خوانیوں میں سے کھلائیگا. حضرت علی نے اُسکے سوال پر کل کھانا اُٹھا کر اُسے دے دیا. غرض تین دن اور تین رات سب پر صاف کڑاکر کے گزر گئیں چوتھے دن حضرت علیؓ اپنے دونوں بچوں سے حسنؓ اور حسینؓ کو ساتھ لیکر حضور انور کی خدمت

میں حاضر ہوئے ۔ مارے بھوک کے ٹانگیں لرزی جاتی تھیں. جب حضور انور ﷺ ان بچوں کو اس حالت میں دیکھا تو یہ فرمایا اے ابوالحسن مجھے ان بچوں کو اِس حالت میں دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا ہے تم انہیں گھر ہی لے چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں. چنانچہ آپ خاتون محشر کے گھر پہنچے .مقدس بی بی حجرہ میں لیٹی ہوئی تھیں آنکھیں گڑھے میں گھس گئی تھیں اور مارے بھوک کے بالکل جانکندنی کی سی نوبت ہو رہی تھی .حضور انور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی یہ صورت دیکھی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی جانب میں فریاد کی .خداوند میرے اہل بیت بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اُسی وقت جبرئیل آئے اور کہا لو اللہ تعالےٰ تمہارے اہل بیت کو مبارک دیتا ہے حضور انور ﷺ نے دریافت کیا اے جبرئیل کیا تو اس وقت جبرئیل نے سورۂ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ کو پڑھائی یہ سورت مجموعہ فضائل پر دلالت کرتی ہی .اتنے فضائل کسی کو نصیب نہیں ہوئے .لہذا علی سب سے افضل ہوئے اور اُن ہی کی امامت مسلم ہے.

جواب: اسکا جواب کئی طرح پر ہے اول تو وہی سوال ہے کہ آیا اس روایت کی صحت کی بھی کوئی سند ہے. یا نہیں یہاں بھی حضرت ثعلبی اور واحدی براج رہے ہیں اُن ہی بیچاروں کو پکڑ لیا ہے اور اُن ہی پر اپنے استدلال کا دار و مدار رکھ دیا ہے ان دونوں کے متعلق ہم اپنے گزشتہ صفحات میں اچھی طرح بحث کر چکے ہیں اسی لیے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں. مختصر یہ ہے کہ واحدی اور ثعلبی وغیرہ نہایت سادگی اور آزادی سے جو روایت اُن کے ہاتھ لگ گئی اُسے درج کر دیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف .اسی طرح اسرائیلیوں کی حدیثیں بھی آنکھ بند کر کے نقل کر دیتے ہیں. پڑھے لکھے آدمی اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسرائیلی حدیثیں نفس الامر میں باطل اور غلط ہیں .ان دونوں کا طریقہ یہ ہے کہ منقولات کو نقل کر دیا چاہے وہ غلط ہوں یا صحیح باقی کچھ سروکار نہ رکھا.

دوسرے ان تمام محدثوں کا جو اس عظیم الشان کام اور حاکم ہیں .اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے اور ایسے موقع پر اُنہیں علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے. اسی واسطے یہ حدیث اُن کتابوں میں سے کسی میں بھی مروی نہیں ہے جسے نقل میں مرجع ٹھرایا جائے یعنی نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ جوامع میں نہ سنن میں نہ اسے مصنفوں نے فضائل میں نقل کیا ہے اگرچہ مصنف ایسے

موقع پر ضعیف حدیثوں کے نقل کرنے کی بھی پروانہیں کرتے ہم اِسکے ثبوت میں نسائی کو پیش کرتے ہیں. جنہوں نے حضرت علی کے خصائص نقل کرنے میں ضعیف حدیثوں سے بھی درگزر نہیں کی مگر ایسی غلط اور موضوع حدیث سے اُنہوں نے بھی پہلو بچایا اور کبھی اُسکی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھا. پھر ابونعیم کو لو جس نے خصائص علی میں ابن ابی خثمہ ابوبکر بن سلیمان اور ترمذی نے اپنے جامع میں حضرت علی کے فضائل کی بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں. جن میں اکثر ضعیف ہیں لیکن یہ حدیث لیکن یہ حدیث ایسی جھوٹی اور کھلی ہوئی موضوع ہے کہ اُنہوں نے اُسے نہیں لیا. اسی طرح اصحاب سیر مثلاً ابن اسحاق وغیرہ فضائل میں بہت سی ضعیف روایتیں نقل کردیتے ہیں مگر اِس حدیث کو اُنہوں نے بھی ہات نہیں لگایا. تیسرے ان سب باتوں کے علاوہ اس حدیث کے جھوٹ ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حضرت علی کی شادی فاطمۃ الزہرا سے ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی ہے اور وداع جنگ بدر کے کے بعد ہوئی جیسا کہ صحیح میں ثابت ہوچکا ہے. اور تین یا چار برس کے بعد حسنین پیدا ہوئے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی سے فاطمۃ الزہرا کی شادی مدینہ میں ہوئی ہے اور سوائے مدینہ کے اور کہیں اِن کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا. اِدھر تو آپ نے ملاحظہ کرلیا. اُدھر یہ دیکھئے کہ سورۂ ہل اتی مکی ہے جو ہجرت سے پہلے سے مکہ میں نازل ہوئی تھی اس پر تمام مفسروں اور محدثوں کا اتفاق ہے. مثل اور مکی سورتوں کے اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے دین کے وہ اصول ثابت کئے ہیں جو اور انبیاء مشترک ہیں جیسے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لانا وغیرہ حضور انور جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الـم تـنـزیـل کے ساتھ پڑھا کرتے تھے کیونکہ اُسی دن آدم پیدا ہوئے. اُسی دن جنت میں داخل ہوئے تھے اور اسی دن قیامت آئے گی. غرض یہ دونوں سورتیں آسمان زمین اور انسان کی ابتداو پیدائش سے لیکے اس وقت تک کے حال کے متعلق سمجھنی چاہیں تو جب حضرت علی کی فاطمۃ الزہرا سے شادی ہونے سے پہلے یہ سورت مکہ میں نازل ہوچکی تھی تو پھر سخت نادانی اور شرارت انگیز بے باکی ہے کہ بیان کیا جائے کہ یہ سورت حسنین کے بیمار ہونے پر نازل ہوئی تھی. چوتھے خود اس حدیث کے طرز بیان اور الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وضع کرنیوالا بالکل جاہل اور کوتاہ اندیش ہے. مضمون حدیث یہ ہے کہ حسنین کے نانا اور تمام عرب انکی عیادت کے لیے گئے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے. بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ تمام عرب مدینہ میں تھے تھوڑے سے عرب بیشک تھے جنکا شمار اُنگلیوں پر

ہوسکتا ہے۔ان میں سے اکثر کافر تھے اور وہ کبھی حسنین کی عیادت کے لیے نہیں آئے۔ دوسرے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ عربوں نے حضرت علی سے کہا کہ اے ابوالحسن تم اپنے دونوں صاحبزادوں پر نذر مان لو یہ بھی غلط ہے اس میں حضرت علی کی سخت توہین ہوتی ہے۔آپ نے علم دین عربوں سے نہیں حاصل کیا بلکہ خود رسول اکرم ﷺ سے حاصل کیا اس امر میں اگر طاعت تھی تو ایسے حکم دینے کے حقدار سوائے حضور انور ﷺ کے کوئی نہیں ہوسکتا تھا اور اگر اس امر میں طاعت نہ تھی تو حضرت علی کی شان ایسی نہیں تھی کہ وہ اس کہنے سے اُس کو کر لیتے اور حضور انور ﷺ سے بغیر دریافت کیئے وہ عربوں کے قول کی اتباع کر لیتے۔ پانچویں یہ کہ صحیح میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ اِس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہاں اِسکے ذریعہ سے بخیل سے کچھ لے لیا جاتا ہے۔اب اگر حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کو اتنی بھی خبر نہ تھی تو پھر اُنکے بے پایاں علم کیوں راگ گایا جاتا ہے اور کیوں انہیں قوانین آلہی کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ساتھ ہی حضرت علی کی عصمت میں بھی اس لاعلمی سے بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ایسے واقعات کے ہوتے کس کی مجال ہے کوئی ہاں کر سکے یعنی حضرت علی کی عصمت کا دعوی کر سکے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ علی اِس کو جانتے تھے۔ اور جان بوجھ کر اُنہوں نے ایسا کیا جس میں نہ اللہ کی طاعت ہے نہ رسول کی تو اس سے ان کے دین میں نقص ہونا لازم آتا ہے اور اُن کی عقل وعلم سب معرض خطرہ میں پڑ جائیں گے۔یہ درحقیت اہل بیت کی ہجو ملیح ہے کہ اُن کے فضائل میں ایسی حدیثیں نقل کی جائیں۔ جس سے صریح بُرائی نکلتی ہو۔یہ ایک مشہور ہے۔بات ہے کہ اہل بیت میں سے ایک شخص نے اپنے وقت کے شیعوں سے کہا تھا تمہارا ہم سے محبت کرنا ہم پر عار ہوگیا ہے۔ہم تمہاری محبت سے باز آئے تمہاری محبت ہماری صریح ذلت کو ظاہر کرتی ہے اللہ تعالےٰ نے نذر پورا کرنے کی تعریف کی ہے۔نہ کہ نذر ماننے کی اس کی مثال یہ ہے کہ ظہار کرنے سے انسان منع کیا گیا ہے اور اگر کسی نے کرلیا تو اُس پر اُسکا کفارہ، واجب ہو جاتا ہے اور جب اُس نے وہ کفارہ ادا کرلیا تو اُس کے کرنے پر اُسکی تعریف کی جاتی ہے۔نفس ظہار غیر مستحسن ہے ہاں اس کا کفارہ قابل تحسین ہے اِس طرح اگر کسی نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اور حسن سلوک کے ساتھ اُسے علیحدہ کردیا تو اِس سلوک کرنے پر اس کی تعریف ہوتی ہے نہ کہ نفس طلاق دینے سے جو کہ بالکل ایک مکروہ فعل ہے اسی طرح اگر کسی نے کوئی چیز بیچی یا خریدی اور جو کچھ اُس کے ذمہ تھا خواہ بیع کا

حوالہ کر دینا یا قیمت دے دینا وہ اُس نے کر دیا تو اِس ادا کرنے پر اسکی تعریف ہوگی. بیچنے اور خرید نے پر نہیں ہونے کی. اسی قسم کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں. چھٹے حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کی کوئی لونڈی نہ تھی جسکا نام فضہ ہو یہ حضورانور کے سارے رشتہ داروں میں بھی اس نام کی کوئی لونڈی نہیں تھی. جن علما نے اہل بیت کے مفصل حالات ذکر کئے ہیں انہوں نے بھی اس نام کی لونڈی کا کہیں ذکر نہیں کیا. ہاں یہ فضہ بمنزلہ ابن عقب ذکر کئے ہیں اُنہوں نے بھی اس نام کی لونڈی کا کہیں ذکر نہیں کیا ہاں یہ فضہ بمنزلہ ابن عقب کے ہے جسکی بابت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسنین کا معلم تھا اور اُسے ایک سیب ملا تھا. اُس میں آئندہ واقعات کا ایک علم بھرا ہوا تھا. بس اس قسم کی کہانیاں میں جنہیں شیعی علماء نے مشہور کر دیا ہے حالانکہ انکا کہیں سر پیر نہیں. کلینی نے اس لونڈی کے عجیب وغریب قصے گھڑے ہیں کہیں جانب عالی میاں محمد یعقوب صاحب اِسے فرضی میدان کربلا میں لے گئے ہیں اِس سے شیر کو آواز دلوائی ہے. کہیں شیر سے باتیں کروائی ہیں اور کہیں حضرت امام حسین کی نعش پر اُس شیر کو حفاظت کے لیے متعین کرایا ہے غرض ایسی دلچسپ کہانیاں ہیں کہ بوستان خیال کا مصنف بھی شرمندی کے مارے سر بگر یبان ہوجائے. اسی طرح ابن عقب کے قصے ہیں. اگر اُنہیں ایک کتاب میں علیحدہ درک کیا جائے تو مشرقی فسانوں کے نقطہ خیال سے اس سے بہتر کوئی فسانہ نہ نکلے یا درکھو اور اسے اچھی طرح سمجھ لو تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کا کوئی معلم نہ تھا اور نہ صحابہ میں کوئی ایسا صحابی تھا جسے لوگ اُنہیں ابن عقب کہتے ہوں. یہ جھوٹے قصیدہ جو ابن عقب کی طرف منسوب ہیں یہ اُن بعض متاخرین جہال کے ترتیب وادہ ہیں جو نورالدین اور صلاح الدین کے زمانہ میں تھے جس زمانہ میں ملک شام کا اکثر حصہ تو عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور مصر پر بنی عبید کی نسل کے لحہ قراسطہ نے قبضہ کر رکھا تھا. یہ زمانہ کچھ ایسے ہی گندے مذاق کا تھا جس میں یہ قصیدے موزوں کئے گئے اسی طرح لونڈی فضہ کے قصہ کو بھی سمجھئے صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے کہ فاطمۃ الزاہر نے حضورانور رسول اللہ ﷺ سے ایک خادم مانگا تھا تو حضور نے اُن سے یہ فرمایا کہ تم سوتے وقت پچیس دفعہ سبحان اللہ تنتیس دفعہ الحمدللہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو بس یہ تمہارے حق میں خادم ہونے سے بہتر ہے. حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب سے یہ کلمے میں حضورانور سے سُنے ہیں اُن کا ورد کبھی نہیں چھوڑا تمام محدثوں کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورانور

نے فاطمۃ الزاہرا کو کوئی خادم نہیں دیا تھا. مگر یہ ممکن ہے کہ اُنہیں بعدازاں کوئی خادم مل گیا ہو مگر اس خادم کا نام قصہ ہر گز نہیں تھا. ساتویں یہ کہ اِس قصہ میں ایک ایسا امر ہے کہ حضرت علی اور فاطمہ الزہرا کی طرف منسوب کرنے کے ہر گز لائق نہیں کیونکہ وہ سراسر ظلم اور شریعت کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ تین دن معصوم بچوں کو فاقہ دینا اور ان تین دن میں اُنہیں رات کو بھی کھانے کو نہ دینا کونسا شرعی اخلاقی اور مُلکی قانون اس ظلم کی اجازت دیتا ہے بچے تو مچھلی کی طرح سے بُھو کے تڑپیں اور ایک کڑیل جوان دروازہ پر مانگنے کے لیے آئے بچوں کی اُسی طرح تڑھنا ہوا چھوڑ دیا جائے اور سارا کھانا اُس موٹے تازے فقیر کے حوالہ کر دیا جائے. اِس کے علاوہ جتنے آٹے کا وزن بیان کیا گیا ہے اُسے ایک آدمی ہر گز نہیں کھا سکتا ہے. اگر معصوم بچوں کا حلق کاٹ کر فقیر کو دینا تھا تو اُسی کی ایک خوراک دینی تھی نہ کہ یہ کہ چار آدمیوں کا کھانا اُٹھانے کے دے دیا اور وہ خنگا مسٹنڈ فقیرے کے چلتا بنا. باقی بچوں کا تین دن رات تک برابر بھُو کا رہنا اور والدین کا کسی غیر وقت میں جبکہ آٹا گھر میں موجود تھا دو ایک روٹیاں پکا کر بچوں کو نہ کھلانا اور وقت مقررہ ہی پر چولہے کا گرم کرنا یہ ایسا بعید از قیاس امر ہے کہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا. اب سنئے آٹھویں وجہ یہ ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ایک یتیم آیا اور اُس نے کہا میرا باپ عقبہ کی لڑائی میں شہید ہو گیا ہے. لاحول ولا قوۃ. دروغگو را حافظہ نباشد یہ تو بہت ہے. کھُلا کھُلا جھوٹ ہے عقبہ میں تو کبھی جنگ ہی نہیں ہوئی. ہاں ہجرت سے پہلے اور جہاد کے حکم ہونے سے اول عقبہ میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فقط بیعت لی تھی اِس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جس شخص نے یہ حدیث گھڑی وہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے معمولی حالات سے بھی واقف نہ تھا ہاں اگر حدیث گھڑنے والا بجائے عقبہ کے احد کا نام لے دیتا تب بھی ایک بات تھی. نویں یہ کہ جو لوگ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھویں میں شہید ہو جاتے تھے اُن کے بال بچوں کی آپ خود ہی خبر گیری کیا کرتے تھے جب فاطمۃ الزہرا نے آپ سے خادم مانگا تو آپ نے اُن سے یہی فرمایا کہ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری خاطر بدر کے یتیموں کو چھوڑ دوں اور جو خادم اِس وقت ان کی خدمت کر رہا ہے. اُسے وہاں سے چھٹا کے تمہارے حوالہ کر دوں پھر کون مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضور شہید کے بچے کی خبر گیری نہ کرتے تھے اور وہ دربدر بھیک مانگتا پھرتا تھا. حقیقت میں ایسا کہنا حضور انور پر ایک بہت بڑا بہتان ہے. دسویں یہ کہ مدینہ میں کبھی کوئی قیدی ایسا نہیں ہوا جو لوگوں سے

بھیک مانگتا پھرتا ہو بلکہ جن مسلمانوں کا وہ قیدی ہوتا تھا وہ خود اُس کے خورد و نوش کا انتظام کرتے تھے. شیعی علما کا یہ کہنا کہ اُن کے قیدی لوگوں سے مانگتے پھرتے بالکل جھوٹ اور بہتان ہے اسکے علاوہ ہوا تھا یہ سب بدر کے قیدی تھے. نکاح ہونے کے بعد قیدیوں کی تعداد صرف نوہ رہ گئی تھی کیا نو کی تعداد ایسی تھی کہ مدینہ کے کل مسلمان اُن کی پرورش نہ کر سکتے تھے. گیارہویں اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اِس قصہ کو صحیح بھی امان اور اُسے فضائل میں بھی داخل کر دیں تو بھی اس قصہ سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ حضرت علی سب لوگوں سے افضل ہوں اور وہ امام ہوں اور کوئی نہ ہو. جعفر بھی اکثر مسکینوں کو کھلایا کرتے تھے یہاں تک کہ اُن کے حق میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا **شابهت خلقی وخلقی** یعنی تو میرے ظاہری اور باطنی خلق دونوں کے مشابہ ہے. اِس کے علاوہ جعفر کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں مگر باوجود ان فضائل کے بھی وہ حضرت علی سے افضل نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ اپنی اِس فضیلت کی وجہ سے امامت کے مستحق ہو جائیں. بارہویں یہ کہ اس بات کو سب جانتے ہیں کہ ابوبکر صدیق اکبر کا اپنے مال کو خرچ کرنا سب سے بڑھا ہوا تھا اور اللہ کے رسول کو سب زیادہ پسندیدہ تھا. بھوکے کو کھلا دینا تو ایک ایسا عام صدقہ ہے جسے قیامت تک ہر ایک شخص کر سکتاہ. بلکہ ہر امت کے لوگ خواہ وہ مسلمان تھے یا نہ تھے اتنے اتنے بھوکوں کو کھلا دیا کرتے تھے اگر چہ اُن کا مقصود اس سے خداوند تعالےٰ کو راضی کرنا نہ ہوتا تھا. برخلاف مسلمانوں کے کہ یہ اس فعل کو محض خداوند تعالی ہی کی خوشنودی کی غرض سے کرتے ہیں. اِسی لیے یہ ممتاز ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے. **انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا.**

اب رہا صدیق وغیرہ کا خرچ کرنا وہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو رہائی دلانے کی غرض سے ہوتا تھا جنھیں کفار تکلیف دیتے تھے اور قتل کر دینا چاہتے تھے. مثلاً ابوبکر نے اپنے مال سے ایسے سات آدمیوں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا جنھیں اللہ کی راہ میں انتہاء درجہ کی تکلیف دیجاتی تھی. منجملہ ان سات کے ایک بلال ہیں. فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سرتاج ہیں اور اُنہوں نے ہی ہمارے سرتاج یعنی بلال کو آزاد کیا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صدیق اکبر نے اپنا مال محتاجوں پر اُس وقت خرچ کرنا کیا ہے کہ جب تمام جزیرہ نما کے باشندے اسلام کے دشمن تھے. ایسے نازک موقع پر خرچ کرنا کسی کو بعد میں کیونکر نصیب ہو سکتا تھا. اسی وجہ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایک

ایسی حدیث میں فرمایا تھا جس کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے. اس حدیث کو ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں. جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی تم میں سے کوہ احد کے برابر سونا خرچ تو وہ اُن کے ایک مُد کے برابر ہو سکتا ہے. اور نہ صرف نصف کے. یہ اُس خرچ کرنے کی بات ہے جو اُنہیں کے ساتھ مخصوص تھا باقی عام طور پر کسی بھوکے کو کھانا کھلا دینا تو ایک مشترک فعل ہے جو قیامت تک جاری رہے گا. اِس میں کی کچھ خصوصیت نہیں ہو سکتی.

شیعی علماء کی بائیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر:۳۳) یعنی جو شخص سچی بات لایا ہے اور جس نے اسکی تصدیق کی ہے یہی لوگ پرہیزگار ہیں اس پر شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے اِسی آیت کی بابت مجاہد روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جس نے تصدیق کی وہ علی بن ابی طالب ہیں اور فقیہ شافعی نے بھی مجاہد سے روایت کی ہے کہ سچی بات لانے والے محمد ﷺ ہیں اور اُن کی تصدیق کرنے والے علی ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے جو علی ہی کے ساتھ مخصوص ہے پس وہی امام ہوئے.

جواب: اِس کے متعلق بھی چند باتیں کہنی ہیں. اول حضور انور رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہیں منقول نہیں. فقط مجاہد کا یہ قول مان بھی لیا جائے کہ مجاہد ہی کا ہے تو کسی مسلمان کے لیے حجت نہیں ہو سکتا. اور جب یہ بات بھی ثابت نہ ہو کہ مجاہد اس روایت کا راوی ہے تو پھر بتایئے اس کہانی کو کیا خیال کیا جائے گا. اِس کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے اور مجاہد سے اِس کے خلاف ثابت ہے وہ یہ کہ مجاہد کہتے ہیں کہ صدق سے مراد قرآن مجید ہے اور اُس کی تصدیق کرنے والے وہ مسلمانوں ہیں جنہوں نے اس پر عمل کیا غرض کہ مجاہد نے اِس آیت کو عام ٹھہرایا ہے. یہ روایت مجاہد سے طبری نے نقل کی ہے علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اِس کے تصدیق کرنے والے حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں. دوسرے یہ قول اس قول کے معارض اور خلاف ہے. جس پر قریب قریب سب مفسرین کا اتفاق ہے وہ یہ کہ سچی بات لانے والے محمد ﷺ ہیں اور اُسکی تصدیق کرنے والے ابوبکر ہیں مفسرین کے ایک بڑے گروہ کا یہ قول ہے. اسے طبری نے حضرت علی کی سند سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہیں اُسے محمد لائے ہیں اور ابوبکر نے اُسکی تصدیق کی ہے ایک حکایت بھی اِسکے متعلق بعض مفسرین نے ابوبکر

عبدالعزیز بن جعفر سے نقل کی ہے کہ کسی شخص نے اسی آیت کی بابت اُن سے پوچھا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر کے حق میں. سائل نے کہا نہیں بلکہ علی کے حق میں نازل ہوئی ہے. ابوبکر بن جعفر کہا کہ اچھا اِس سے آگے تو پڑھ کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا (الزمر: ۳۳) بس یہ سُن کے سائل کے حواس درست نہیں رہے اور وہ سناٹے میں رہ گیا. تیسرے یہ کہ اس آیت کے الفاظ عام مطلق نہ ابوبکر کے ساتھ مخصوص ہیں نہ علی کے ساتھ بلکہ جو شخص اس عموم میں داخل ہے وہ اس کے حکم میں بھی داخل ہے. ہاں اس میں شک نہیں کہ اس میں داخل ہونے کے اس امت میں سب سے زیادہ حقدار، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی ہیں لیکن یہ آیت اُن کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَے اللّٰہِ وَ کَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَہٗ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر: ۳۲، ۳۳) یعنی اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے یا سچ بات کو جب وہ اُس کے پاس آئے جھٹلائے. کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے اور جو شخص سچی بات لاتا ہے اور جس نے اِسکی تصدیق کی ہے وہی لوگ پرہیز گار ہیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اِس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں کسی کی بھی خصوصیت نہیں ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور حضور انور کی تصدیق کی وہ سب اِس میں داخل ہیں اور علی بھی اُن ہی میں سے ہیں کسی کی خصوصیت نہیں پائی جاتی اور یہ بات ایسی ظاہر ہے کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں.

شیعی علماء کی تیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ یعنی وہی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی. شیعی علما ہیں کہ ابونعیم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عرش پر یہ لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ محمد عبدی ورسولی اید تہ، بعلی بن ابی طالب یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں. محمد میرا بندہ اور میرا رسول ہے علی بن ابی طالب سے میں نے اس کی مدد کی ہے اور یہی مطلب اللہ کی کتاب میں اُس آیت کا ہے جو اوپر لکھی گئی یہ بے شک ایک اعلےٰ درجہ کی فضیلت ہے اور سوائے علی کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی. لہٰذا علی ہی امام ہوئے.

جواب: اس کا بھی جواب کئی طرح پر ہے اول تو وہی پُرانی بات یعنی اس نقل کی صحت کا مطالبہ ہم کرتے ہیں اور ہیں یقین ہے کہ مثل اور روایتوں کے اس روایت کے صحت کی بھی کوئی سند تمام دنیا کے شیعی ملکر پیش نہیں کر سکتے. ہر موقع پر صدیق کے لئے ابونعیم بیچارہ گھسیٹا جاتا ہے حالانکہ اسکی طرف کیس قول کا منسوب کر دین کسی صورت سے بھی سند نہیں ہوسکتا. اب شیعی علماء کے لیے ایک اور بات وقت کی یہ ہے کہ اگر اُن سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ ابونعیم کی روایت کردہ نقول پر اعتبار رکھتے ہیں تو پھر اُس کی وہ کتاب جو اُس نے فضائل میں لکھی ہے ساری کی ساری ماننی پڑے گی اور اُس کے ماننے سے شیعی مذہب کی بنیاد منہدم ہو جائے گی اور ار شیعی علما اسکا یہ جواب دیں کہ جو روایت اا ابونعیم ہمارے مطلب کی نقل کریگا اُسے تو ہم مانینگے باقی اُس کی کتاب میں جو روایت ہمارے مطلب کی نہ ہوگی اُسے ہم چھوڑ دیں گے. یہ ایسا استدلال ہے جس کا سفسطہ بدیہی ہے اور اس پر بحث کرنے کی ضرور بھی نہیں. ابونعیم کی فضائل صحابہ میں ایک مشہور کتاب ہے اور فضائل اُس نے حلیہ کے شروع میں بھی بیان کئے ہیں. جہاں اُسنے حضرت علی کے فضائل میں بیسوں روایتیں تراش لی ہیں. وہاں ابوبکر، عمر اور عثمان کے فضائل میں بھی ایسی روایتیں نقل کی ہیں. جس سے شیعی مذہب کے بنیاد چرچرا جاتی ہے اور اس مذہب کے ستونوں میں تزلزل واقع ہو جاتا ہے. لہذا شیعی علماء کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں. اس سے یہ معلوم ہوا کہ لہذا شیعی علماء کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں. اِس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے لہذا شیعی علماء کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں. اِس سے یہ معلوم ہوا کہ ابونعیم کی ہر نقل کردہ روایت پر اُنہیں بھروسہ نہیں ہے. ہر حال جو کچھ ہے وہ سارا کا سارا مضحکہ خیز ہے ایک بالغ نظر اس پر توجہ نہیں کر سکتا. ہمارا اصول ہر روایت کے جانچنے کا یہ ہے کہ ہم اِس فن کے علماء کی طرف پہلے رجوع کرتے ہیں اور اُن طریقوں کو دیکھتے ہیں جن سے روایت کا سچ اور جھوٹ ہونا معلوم ہوجاتا ہے یعنی اُسکے اسناد میں اور اُس کے راویوں میں غور کرتے ہیں کہ آیا وہ ثقہ ہیں اور بعض نے بعض سے سنا ہے یا نہیں پھر اس سے حدیث کے شواہد کر دیکھتے ہیں, ہم اسی اصول کی بنا پر اُن روایتوں کو جو حضرت علی کے فضائل میں ہیں اور اُن روایتوں کو جو شیخین اور عثمان غنی کے فضائل میں ہیں ایک ہی طرح سے پرکھتے ہیں اور اُنہیں ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں جسکی صحت ثابت ہوجاتی ہے اُس کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور جھوٹی کی تکذیب کرتے ہیں تمام مسلمانوں کے نزدیک یہی

معروف ہے باقی اُس شخص خدا پناہ میں رکھے جو خداوند تعالی پر بہتان اُٹھا اور اُس حق کی تکذیب کرے جسے حضور انور رسول اللہ ﷺ لائے ہیں. ایسا شخص کی تکذیب کریں جسطرح مسیملہ کذاب کی پیروی کرنے والوں کی تکذیب کرنی ہر مسلمان پر واج ہے اسی طرح ہم اسے اپنا بہت بڑا فرض سمجھتے ہیں کہ جتنے طوفان خدا اور رسول صحابہ اور ائمہ بر اُٹھائے ئے ہیں اُن کا س کا اظہار مخلوق پر کردیا ہے جائے اور اپنی علمی تحقیق کے جھوکوں سے اس طوفران کا ستیا ناس کر دیا جائے تا کہ اُن غلط اور موضوع روایتوں کا پانی الگ ہو جائے. دوسرے یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے. لہذا ہمیں اسکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر کامل یقین ہے ہم اُس اللہ کی قسم کھا کے کہتے ہیں جس کو سوا کوئی معبود نہیں کہ ابو ہریرہ نے یہ حدیث ہرگز ہرگز روایت نہیں کی جو شخص علم حدیث اور دین اسلام سے واقف ہے وہ ہمارے قول کی دل اور زبان دونوں سے تصدیق کرے گا اور جسے اسلام کا علم نہ ہو اُسے ہم میں سے نہ سمجھنا چاہیے. جس طرح ایک پر کیا کھوٹے کھرے روپے کے متعلق قسم کھا سکتا ہے اسی طرح ہم بھی کھری کھوٹی حدیث کے متعلق قسم کھا سکتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط مگر جسے اسمیں درک نہیں اُس کی طرف ہم خطاب نہیں کرتے. تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا هُوَ الَّذِىٓ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَافِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ . (الانفال:۶۱ تا ۶۲) یعنی وہی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور مسلمانوں سے قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب سے خرچ کر دیتے (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے اُن میں اُلفت پیدا کر دی. فقط اس بارے میں یہ نص ہے کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی گئی ہے وہ بہت سے ہیں اور حضرت علی اکیلے ہیں انکے اندر بہت سے دل نہیں ہیں جن میں الفت پیدا کی گئی ہو۔ مومنین جمع کا لفظ ہے لہذا یہ نص صریح ہے اس میں یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ اِس سے فقط ایک ہی آدمی ہو مراد ہو پھر یہ کیونکہ جائز ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت علی ہی اکیلے مراد ہوں. چوتھے یہ بداہت اور تواتر سے ہر شخص جانتا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دین کی اشاعت فقط ایک اکیلے حضرت علی کے موافق ہونے اور ساتھ دینے سے ہرگز نہیں ہوئی حضرت علی بہت صغیر سنی میں جبکہ وہ بالکل ناسمجھ بچے. اسلام میں داخل ہوئے تھے اُس وقت اسلام بہت کمزور تھا

اگر اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو ایمان لانے ہجرت کرنے اور مدد کرنے کی ہدایت نہ کرتا تو ایک صغیر سن بچہ کیا کر سکتا تھا کیا مدد دیتا. قبائل پر اس کا کیا اثر پڑتا دین اسلام کی تلقین کیونکر کرتا. اُسے ہر شخص جان سکتا ہے. اس کے علاوہ لوگوں کا ایمان اُن کی ہجرت اور مدد حضرت علی کے ہاتھ سے نہیں ہوئی اور نہ حضرت علی کو حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی دعوت دینے کے لیے کہیں مقرر کیا. نہ مکہ میں نہ مدینہ میں جیسا کہ مقرر تھے نہ کسی روایت میں نہ کسی نوشتہ اور دستاویز سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ کبھی ایک شخص بھی حضرت علی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا نہ مہاجرین میں سے انصار میں سے سابقین اولین تو الگ رہے کہیں سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت علی کے ہاتھ پر صحابہ میں سے کوئی شخص ایمان لایا ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو کوئی شخص ایمان لایا ہو ہاں یہ ممکن کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو یمن بھیجا ہے اُس وقت کوئی شخص ایمان لایا ہو ہمیں اسکی خبر نہیں اور نہ کوئی ہمعصر شہادت اس وقت ہمارے پاس موجود ہے کہ جس سے ہم اسکی تصدیق کر سکیں اور تھوڑی دیر کے لئے اگر فرض کر لو کہ کوئی یمنی شخص حضرت علی کے ہاتھ پر ایمان لایا مسلمان ہو تو وہ صحابہ میں کے صحابی نہیں بن سکتا. اس کے مقابلہ میں ابو بکر صدیق کو لو جن کے ہاتھ پر بڑے بڑے صحابی مسلمان ہوئے جن کے نام ہم اِس کتاب میں پہلے کہیں لکھ چکے ہیں حضرت علیؓ نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مشرکوں سے مباحثہ کرتے اُنہیں ایمان لانے کی دعوت دیتے جیسا کہ ابو بکر ہمیشہ اُن کے سے مناظرہ کرتے اور ایمان لانے کی دعوت دیا کرتے تھے اور یہ بھی اُنہیں مطلق خوف نہیں تھا. صحاح ستہ، مسانید اور مغازی سب میں یہ بات ثابت ہے جنگ احد میں جب مسلمانوں کی صفیں برہم ہو گئیں تو ابوسفیان نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے محمد ﷺ ابو بکر اور عمرؓ کو آواز دی تیسرے کا نام لیکر نہیں بلایا جس کا مفصل ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر کے ہیں اِس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ نہ صرف مشرکین قریش بلکہ اُن کے بڑے بڑے سردار حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر و عمر ہی کو سمجھتے تھے. شیعی علماؤں نے حضرت علی کے اصلی فضائل حد یہاں تک پہنچائی کہ مدح ہجو طبع بن گئی وہ بتائیں کہ ابوسفیان نے حضرت علی یا دوسروں کا نام لیکر کیوں نہیں پکارا. پانچویں یہ کہ اسلام میں حضرت علی کو کوئی نیک اثر تسلیم بھی کیا جائے تو اُن کی طرح اور بہت سے صحابہ ہیں اُن میں سے بعض کے آثار بعض سے بہت بڑے ہوئے ہیں اور یہ باتیں وہ شخص جان سکتا ہے جو سیرۃ صحیحہ ثابتہ بالنقل سے واقف

ہو۔ حضور انور کے غزوں کو دیکھو بڑے غزوں کی تعداد صرف نو ہے اور چھوٹے بڑے سب ملا کر بیس سے کچھ اوپر ہیں باقی لشکر کشیاں اگر ملائی جائیں تو اُن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ اِن کل غزووں میں جتنے کافر قتل کیے گئے اُن کی تعداد ستر تک پہنچی ہے۔ اِن کل غزوں میں جتنے کافر قتل کیے گئے اُن کی تعداد ایک ہزار کے قریب قریب ہے۔ ان ہزار میں سے حضرت علی کے ہاتھ سے دس بھی قتل نہیں ہوئے۔ دس کیا پانچ بھی نہیں۔ اور اکثر لشکروں کے تو حضرت علیؓ ساتھ بھی نہیں گئے۔ باقی حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد وفات جو فتوحات ہوئیں اُن میں سے ایک میں بھی حضرت علی شریک نہیں ہوئے۔ نہ عثمان نہ طلحہ نہ زبیر، ہاں جس وقت فاروق اعظم نے شام پر چڑھائی کی تھی تو یہ اُن کے ساتھ گئے تھے اسی طرح زبیر کو فتح مصر میں اور سعد کو فتح قادسیہ میں اور ابو عبید کو فتح شام میں شریک سمجھنا چاہیے۔ جب یہ کیفیت ہے تو رسول اللہ کی تائید اور مدد فقط ایک صحابی یعنی علی ہی سے کس طرح ہوگئی اور اُن ابوالعزم صحابہ کی تائید اور مدار کیا ہوئی۔ جو سابقین اولین مہاجرین وانصار میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے حضور سے بیعت کی تھی۔ اس کے علاوہ جنگ بدر میں کل مسلمان ۳۱۳ تھے۔ احد میں ۷۰۰ غزوۂ خندق میں ایک ہزار سے کچھ زیادہ، بیعت الرضوان میں چودہ سوار اور اتنے ہیں فتح خیبر میں۔ فتح مکہ میں دس ہزار حنین میں بارہ ہزار غزوہ تبوک میں تیس ہزار سے زیادہ تھے۔ اور حجۃ الوداع میں اِس سے بھی زیادہ۔ اُس وقت جن لوگوں نے اپنی خوش قسمتی سے حضور انور کی زیارت کر لی وہ سب صحابہ میں داخل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور کی زندگی کی زیارت کر لی وہ سب صحابہ میں داخل ہوگئے۔ خدا وند تعالے نے حضور انور کی زندگی ہی میں یمن وغیرہ میں انہیں لوگوں سے اسلام کی مدد کی بلکہ قیامت تک جو جو ایمان لائیں گے اور اسلام پھیلائیں گے وہ سب اِس میں داخل ہیں۔

شیعی علماء چوبیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔ یَآاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال:۶۴) (مدد دینے کو) تمھیں کافی ہے اور اُن مسلمانوں کو جو تمھارے پیرو ہیں۔ شیعی علماء نے اس کے یہ معنی کیے ہیں کہ اے نبی تمھیں اللہ اور جن مسلمانوں نے تمھاری پیروی کی کافی ہیں اور پھر اُن مسلمانوں کی جگہ جنہوں نے رسول کی پیروی کی علی بن ابی طالب ہیں۔

جواب : اِسکے چند جواب ہیں اول یہ کہ مثل گزشتہ روایتوں اِس آیت مطلب اپنی موافقت میں بنانے کے لیے شیعی علماء نے ثعلبی وغیرہ بیچارے کو گھسیٹ کر اُسکے سرتھوپ دیا اور اسی طرح دو ایک فرضی راویوں کا نام بھی پیش کر دیا ہے. مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت اور اس قماش کی جتنی روایتیں ہیں بالکل صحیح نہیں. دوسرے یہ قول کسی طرح بھی حجت نہیں ہوسکتا. تیسرے یہ کہ کلام اللہ پر اور اللہ کے رسول پر یہ بہت بڑا بہتان ہے اِسکی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے اصلی معنی یہ ہیں کہ اللہ تمہیں بھی کافی ہے اور اُن مسلمانوں کو بھی جو تمہارے پیرو ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ اکیلا تمہیں بھی کافی اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو بھی اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ حسبنا اللہ کہا کریں اور اُس کے ساتھ ورسولہ نہ کہیں جب یہ کہنا جائز نہ ہوا کہ کسی مسلمان کو اللہ اور اللہ کا رسول کافی ہو تو پھر مسلمان اللہ کے ساتھ ہو کے رسول کو کس طرح کافی ہوسکتے ہیں. اس کے علاوہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس طرح مسلمان اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح رسول بھی اللہ تعالے کا محتاج ہے. پس ان سب کے لیے کوئی ایسا ہونا ضروری ہے جو اُن کے لیے کافی ہو. یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اوروں کی امداد اور قوت تو رسول سے ہو اور رسول کی امداد و قوت اوروں سے ہو. اس سے صاف طور پر دور لازم آتا ہے اور وہ باطل بلکہ یہ ایمان رکھنا اور یقین کرنا چاہیے کہ جس طرح مسلمانوں کی قوت اللہ سے ہے اسی طرح رسول کی بھی قوت اللہ سے ہے. وہ اکیلا ان دیکھا وحدہ لاشریک ہے. جو سب کو قوت بخشتا ہے. لہذا یہ مثل اُس آیت کے ہے هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال:۶۲) کیونکہ اُس وحدہ لاشریک نے رسول کی دو طرح تائید کی ہے ایک اپنی مدد کرنے سے دوسرے اُن مومنین سے جنھوں نے اِس مدد کو ظاہر کیا. باقی کسی چیز پیدا کرنے میں اللہ کے ساتھ کوئی نہیں ہے. بلکہ اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں ہر چیز کا وہ اکیلا ہے خالق ہے کسی چیز میں وہ کسی کا محتاج نہیں. شیعی علماء کی کس قدر کلامِ خدا سے ناواقفیت ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کی جگہ صرف تنہا حضرت علی حضور انور رسول اللہ ﷺ کو کبھی کافی نہیں ہوئے. اگر حضور کے ساتھ تنہا رسول اللہ کو کیا مدد دیتے خود اپنا ذاتی کام بھی پورا نہ کر سکے. حالانکہ اُن کے پاس ایک معقول جرار لشکر تھا وہ امیر معاویہ سے میدان جنگ میں کئی بار مغلوم ہوئے اور جو کچھ اخیر کی نتیجہ ہوا وہ سب پر ظاہر ہے. ایسی مجبوری کی حالت میں اور اس انسانی کمزوری پر تنہا حضرت علی حضور انور کی مدد کرنے کے لئے کس طرح کافی میں کھڑا ہوگیا تھا. شیعی علماء ایک

عذر یہ پیش کر سکتے ہیں کہ امیر معاویہ اور اُن کے ساتھیوں پر حضرت علی اس وجہ سے غالب نہ آسکے کہ خود اُنہیں کے لشکر نے اُن کا ساتھ نہیں دیا اور اُن کے باہم دھڑا بندیاں ہو گئیں. اسکا جواب صاف طور پر یہ ہے کہ جب حضرت علی کے ساتھ والے مسلمانوں نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا تو پھر وہ کفار اُن کا کہنا کیونکر مان سکتے تھے جو نہ صرف حضرت علی کا بلکہ علی کے نبی کا بھی انکار کرتے تھے شیعی علماء دین سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یا تعصب اور ضد سے اجتماع نقیضین کر دیتے ہیں کبھی تمام دنیا کی قوت اور شجاعت حضرت علی کے محتاج تھے. کہیں دین خدا قاوم کرنے میں علی کو اللہ کا شریک ٹہرا دیتے ہیں. اور پھر اسلام پھیل جانے اور بہت سے لوگوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد علی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ انتہاء درجہ کے ضعیف، عاجز، پریشان اور تقیہ کرنے والے تھے حالانکہ ہر شخص یقینی جانتا ہے کہ لوگ دین اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ایسے حق کے تابع نہ تھے جیسا کہ اسمیں داخل ہونے کے بعد ہو گئے تھے. ہر شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ شیعی علما کے کے عقیدہ کے مطابق دین خدا کے قائم کرنے میں اُس معبود مطلق کا ہمسر ہو یہاں تک کہ اُسنے تمام کفار کو زیرو بر کر دیا کہ اور مسلمان بنالیا ہو تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ اُس نے اپنا یہ بہادرانہ فعل اُن لوگوں کے زیرو زبر کرنے میں کیوں نہ کیا جو باغی ہو گئے تھے باوجودیکہ یہ اُن کفار سے ہر طرح کم تھے جو حضور انور ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت موجود تھے اور حق سے بہ نسبت ان کے بہت ہی قریب تھے. جس وقت اللہ نے حضور انور ﷺ پیغمبر بنایا اُس وقت کے کفار ان لوگوں سے بہت زیادہ تھے جنہوں نے علی سے مقابلہ کیا اور راہ حق سے بھی کوسوں دور تھے. حجاز، شام، یمن، مصر، عراق، خراسان اور مغرب غرض ان سب ملکوں کے باشندے کافر ہی تھے. کوئی مشرک تھا کوئی کتابی، کوئی مجوسی، کوئی صابی مگر جس وقت حضور انور رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو قریب قریب تمام جزیرہ عرب میں اسلام پھیل گیا تھا. مطلب یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے وصال کے زمانہ میں کفار کی تعداد نسبت آپ کے زمانہ بعثت کے بہت ہی کم رہ گئی تھی. کافر شکستہ اور کمزور ہو گئے تھے. مقابلہ کی جرات اُن میں سے سلب ہو گئی تھی ایسی حالت میں بھی حق کی مدد کرنے اور باطل کو دفع کرنے سے حضرت علی عاجز ہو گئے تو حضور انور ﷺ کی بعثت کے وقت اُنکا کیا حال ہوگا. اُس وقت تو اُن کا حد سے زیادہ کمزور اور عاجز ہونا لازمی ہے. جبکہ کفار کا ہر طرح سے غلبہ تھا اور وہ ہر قسم کی قوت اور عداوت میں تنے ہوئے تھے۔

شیعی علماء کی پچیسویں برہان: بقول شیعی علماء اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ یعنی عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائیگا جنہیں خدا دوست رکھتا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں. شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ثعلبی نے کہا کہ یہ آیت علی آت کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ علی کے افضل ہونیکی دلیل ہے پس وہی امام ہوئے.

جواب: اس کے بھی چند جواب ہیں اول یہ نیا تماشا ہے کہ شیعی علما نے ثعلبی پر بیسیوں سچی جھوٹی روایتوں کی بھر مار کر کے اخیر طوفان اُٹھانا بھی شروع کر دیا یہ اُس کے ذمہ بہتان ہے اُس نے تو اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ علی، حسن اور قتادہ تینوں کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں لوگوں سے مراد ابوبکر اور اُن کے ساتھ ہیں مگر مجاہد کہتے ہیں اہل یمن مراد ہیں. باقی ائمہ تفسیر میں سے طبری نے سند کے ساتھ ابوایوب سے اُنہوں نے حضرت علی سے یہ روایت کی ہے کہ اِس آیت میں ابوبکر اور اُن کے ساتھی ہی مراد ہیں اور یہی قول قتادہ، حسن، ضحاک اور ابن جریح سے روایت کیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی قول ہے کہ بعض لوگ قوم سے مراد انصار لیتے ہیں اور بعض اہل یمن نے آخر الذکر قول کو ترجیح دی ہے اور ساتھ ہی بھی کہا کہ وہ ابوموسی کے خاندان کے لوگ ہیں اِس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث اہل یمن مراد ہونے کی صحیح نہو تو پھر میرے نزدیک اِس بارہ میں کوئی قول ٹھیک نہیں سوائے اُن لوگوں کے قول کے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد ابوبکر اور ان کے ساتھی ہیں.

دوسرے یہ کہ یہ قول بلا دلیل ہے لہذا اس کا ماننا ضروری نہیں ہے. تیسرے یہ کہ اس بات کے معارض ہے جو اس سے زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ ابوبکر اور اُن کے ساتھیوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی جنہوں نے مرتدوں سے جہاد کیا تھا اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے. شیعی علماء کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہے کہ علاوہ اُن فرضی اور اختراعی فضائل کے جو ملا باقر مجلسی اور یعقوب کلینی وغیرہ کی جودت طبع کا نتیجہ ہیں. جتنے فضائل صدیق اکبر اور فاروق اعظم وغیرہ کہ ہیں اُنہیں بھی حضرت علی کی ذات سے چسپاں کر دیا جائے یہ کوشش ایک عرصہ دراز سے کرتے رہی ہیں ابن تمیمہ اپنی مشہور کتاب منہاج السنہ میں ایک حکایت بیان کر کے اِس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ میرے ایک دوست نے جو ہر طرح قابل اعتبار تھا مجھ سے بیان کیا کہ میں اپنے ایک بوڑھے دوست

کے پاس ملنے گیا اُس نے مجھے ایک کتاب دکھائی جو وہ بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھتا تھا اُس نے مجھے سے کتاب دکھاتے وقت کہا کہ یہ کتاب اسرار میں سے ہے اور میں نے خلفا کے خاص کتب خانہ سے اِسے حاصل کیا ہے وہ اس کتاب کی حد سے زیادہ تعریف کرنے لگے اور پھر اُس نے مجھے اپنا ایک مخصوص دوست سمجھ کے وہ کتاب میرے ہاتھ میں دے دی اُسے دیکھا وہ خوشخط لکھی ہوئی تھی اور جب میں اُسے پڑھا تو میں حیران رہ گیا کیونکہ جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم میں ابوبکر و عمر وغیرہ کے فضائل میں ہیں. اُن سب سے شیخین اور دوسرے صحابہ کا نام اُڑا کر حضرت علی کا نام لکھدیا ہے. جہاں تک میں نے غور کیا وہ کتاب بنی عبد مصریوں کے کتب خانوں کی معلوم ہوئی کیونکہ اُن کے خواص بالکل ملحد اور بے دین تھے اُن کا یہ منشا تھا کہ عقائد اسلام میں رخنہ ڈالیں اور عظیم تبدیلی پیدا کریں اُنہوں نے ہزاروں حدیثیں اپنی طرف سے گھڑلیں اور اُن کو جہلا میں اشاعت دے دیا. اس کے علاوہ مثل ابن خطیب کے اُن لوگوں نے یہ غضب کیا کہ حدیثیں خود گھڑیں اور بخاری و مسلم کے نام شہرت دے دی مگر یہ نہ سمجھے کہ کسی حدیث کے ساتھ محض بخاری اور مسلم کا نام آجانا اُسکی صحت پر دلالت نہیں کرتا جب تک اس بات کی کامل تحقیق نہ ہو جائے کہ نسبت صحیح ہے اور درحقیت بخاری مسلم ہی اُس کے راوی ہیں. کیونکر کسی حدیث اور علمائے محدثین نے اس قدر روایت کی ہیں کہ بیان نہیں کیا جاتا اور وہ سب حدیثیں اس قدر مشہور و معروف ہوگئی ہیں کہ اُسی زمان میں علماء حدیث سننے کے ساتھ ہی فوراً سمجھ لیتے تھے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے یا نہیں حدیثوں کی روایت کچھ بخاری و مسلم پر ہی مقرر نہیں ہے بلکہ یہ وہ حدیثیں ہیں جنہیں اُنکے زمانہ سے پہلے اور اُنکے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے اگر بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تو اس دین میں ہرگز کسی قسم کی کمی نہیں آسکتی تھی. یہ حدیثیں اُس وقت بھی اپنی سندوں کے ساتھ یقیناً موجود ہوتیں. صرف یہ کہدینا کہ بخاری اور مسلم نے چونکہ اس حدیث کو روایت کیا ہے اس لیے یہ صحیح ہے محض غلط اور بالکل لغو ہے. یہ کہدینا بالکل اُس قول کے مشابہ ہے کہ قرآن کو قراء سبعہ نے روایت کیا ہے. حالانکہ قرآن مجید تواتر سے منقول ہے. ان قراء سبعہ کی کسی آیت میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اس طرح حدیث کی صحت ہے کہ اس میں ائمہ حدیث بخاری و مسلم کے مقلد نہیں ہوتے. بلکہ جن حدیثوں کو بخاری و مسلم نے صحیح کہا ہے وہ ائمہ حدیث کے نزدیک اُن سے بھی پہلے صحیح اور لائق قبول تھیں اور یہی حال اُن دونوں کے زمانہ میں رہا. اسی طرح اِن کے بعد

اس فن کے اماموں نے ان کتابوں کو خوب دیکھا ان کی حدیثوں کو پرکھا اور اُن کے ساتھ موافقت کی. سوائے چند حدیثوں کے جنکی تعداد بیس کے قریب ہے جن میں زیادہ مسلم کی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ جو شخص سات ہزار درہم پرکھے اور اُن میں چند درہم ایسے چلے جائیں جو بالکل کھوٹے نہ ہوں بلکہ کچھ مشتبہ ہوں تو وہ شخص پرکھنے کا استاد ہی کہلائے گا اور ان چند درہموں سے جو روانی میں اُس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اس کے پرکھنے کے فن پر کچھ دھبہ نہیں لگ سکتا بخاری و مسلم کی حدیثوں کی تعداد سات ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہے. اگر ان میں پندرہ بیس حدیثیں ایسی آ گئی ہیں. جو بالکل جھوٹی تو نہیں مگر علما نے ان پر شبہ کیا ہو تو اس سے بخاری و مسلم پر کسی قسم کا دھبہ نہیں آ سکتا. مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی حدیثوں کو اُن سے پہلے بھی اور اُن کے بعد بھی بڑے بڑے اماموں نے پرکھ لیا ہے اور اسقدر مخلوق نے انہیں روایت کیا ہے جو شمار میں نہیں آ سکتی. پس یہ دونوں یعنی بخاری و مسلم نہ کسی روایت کے کرنے میں اکیلے ہیں اور نہ کسی حدیث کی صحت میں مگر بعض شیعی علما نے اپنی نادانی سے یہ سمجھا کہ جب ہم نے اُن میں سے کسی نسخہ کی حدیث کو بدل دیا اور ابوبکر و عمر کے فضائل علی کے لیے وقف کر دیئے تو ہماری یہ کاروائی علماء اسلام پر پوشیدہ رہے گی مگر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے جبکہ بخاری کی حدیثوں کی اشاعت لاکھوں آدمیوں سے گزار کر کروروں تک پہنچ گئی یہ کاروائی کیونکر چل سکتی ہے.

چوتھے تمام علماء اس پر متفق ہیں اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ مرتدوں سے جس نے قتال کیا وہ ابوبکر ہی ہیں اُنہوں نے ہی مسلیمہ کذاب سے قتال کیا جو نبوت کا مدعی تھا اور اُسکے پیرو بنی حنیفہ اور اہل یمامہ سے قتال کیا جنکی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی. پھر ابوبکر ہی نے طلحہ اسدی سے جنگ کی جس نے نجد میں نبوت کا دعوے کیا تھا اور قبیلہ اسد تمیم اور غطفان کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے تھے. پھر ابوبکر نے سجاح سے قتال کیا اُس نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا اور مسلیمہ کذاب کے گھر بھی پڑ گئی تھی. بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے اُن میں سے بعض کلمہ پڑھتے تھے اور محمد ﷺ کو خدا کا رسول کہتے تھے مگر زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہ تھا یعنی زکوۃ نماز وغیرہ سب سے اُنہوں نے پہلو بچا رکھا تھا غرض ان سب کا مقابلہ ابوبکر کو کرنا پڑا. اور آپ نے اپنے تھوڑے سے زمانہ خلافت میں اِس مضبوط اور خطرناک ارتداد کو حجاز سے نیست و نابود کر دیا. پھر کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ارتداد کو اتنی بھاری شکست دی اُن کے سوا اِس آیت میں داخل ہونے کا اور بھی کوئی حق رکھ سکتا ہے. اِسی طرح اس

آیت میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے روم اور فارس پر کفار کا مقابلہ کیا اِن میں یمن کے وہ باشندے ہیں جنہوں نے ابوبکر وعمر کی پیروی کر کے کفار سے قتال کیا تھا. اسی وجہ سے یہ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ اس سے کون مراد ہیں آپ ابوموسیٰ اشعری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اور اسکی قوم کے لوگ مراد ہیں. غرض یہ بات تواتر اور بداہت سے معلوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کو قائم کیا اور وہ اوروں کے مرتد ہونے کی وقت اسلام ہی پر ثابت قدر ہے اور کفار مرتدوں سے مقابلہ کرتے رہے تو وہی فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کے مصداق ہیں. ہاں اِس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ حضرت علی اس سے خارج نہیں ہیں. لیکن سوال فقط یہ ہے کہ وہ ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ زیادہ اس صفت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں. ممکن ہے کہ کفار اور مرتدوں سے حضرت علی نے جہاد کیا ہو جسکی ہمیں خبر نہیں مگر ان کے مقابلہ میں کیونکر اِس خاص معاملہ میں ان کی برتری ثابت ہو سکتی ہے. جبکہ مخالفین اسلام سے اُن کی لڑائیاں اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے نجات دینے کی کوششیں الم انشرح ہیں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. کوئی دینی خدمت حضرت علی سے ان صحابہ سے بڑھکر ثابت نہیں ہوئی. ہم تو کل صحابہ کی کوششیں قابل جزا سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ وہ نیک عمل میں اور اسلام میں عمدہ آثار ہیں. اسلام اور اہل اسلام دونوں کی طرف سے اللہ تعالے اُنہیں بہتر جزا عطا کے خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین یہی ہیں مگر اُن لوگوں کی عقل پر افسوس آتا ہے جو محض کسی دنیوی غرض سے اُنہیں کافر یا فاسق کہے جنکا نفع دین و دنیا میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور جس شخص کے ہاتھ کسی قسم کی اِسلام کو بہتری نہ پہنچی بھی ہو تو ویسی ہزاروں آدمیوں سے بھی ہوا اُسے معصوم منصوص علیہ ٹھہرائے اور جو اس سے خارج ہوا اُسے کافر کہے اور اُن کفار اور مرتدوں کو مسلمان بنائے جن سے اُن مسلمان نے قتال کیا اور محض اسی قتال کی وجہ سے اُن مسلمانوں کو کافر کہے جو پانچوں وقت نماز پڑھیں رمضان کے روزے رکھیں. بیت اللہ کا حج کریں قرآن مجید پر ایمان رکھیں زکوٰۃ دیں غرض کل فرائض اسلام کے ادا کریں. اس سے زیادہ ظالم اور جاہل کون ہو سکتا ہے. اِس عقیدہ کا موجد کتنا بڑا اخذنہ انداز دین ہوگا اور کیسا بڑا ملحد یہی وجہ ہے کہ یہ عقیدہ غالیہ اور معطلہ فرقوں میں سے زندیقوں اور ملحدوں کا ماوا وملجا ہے اور اس عقیدے کے لوگ مرتدوں کے پیرو ملحدوں کے غلام اور منافقوں کے وارث ہیں. پانچویں اگر ہم اسے تسلیم بھی کرلیں کہ یہ آیت

حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی مگر پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِسے حضرت علی ہی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے حالانکہ اس کے الفاظ اس کی تصریح کر رہے ہیں کہ ان لوگوں کی ایک جماعت نہیں ہے. دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یُّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدہ:۵۴) یعنی اے ایمان والو جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائے گا عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں. مسلمانوں کے سامنے انکساری کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہونگے اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرینگے.

اب سوال یہ ہے کہ اس ایک شخص سے مراد ہے یا بہت سے عرب میں ایک آدمی کو قوم نہیں کہتے نہ حقیقۃً نہ مجازاً اور اگر شیعی علما یہ کہیں کہ اس سے علی اور اُنکے شیعہ مراد ہیں تو یہ بات بھی کچھ نہیں بنتی حضرت علی اپنے شیعوں کی نسبت اچھی رائے نہیں رکھتے. نہج البلاغت کے خطبے اِس سے بھرے ہوئے ہیں. کہ حضرت علی نے اپنے شیعوں کو کن کن الفاظ سے یاد کیا ہے. پھر بھلا ایسے لوگ جن سے حضرت علی کا ناک میں دم آ گیا تھا کیونکر اس آیت میں آ سکتے ہیں. اسکے علاوہ یہ بات اوپر بھی لکھی جا چکی ہے. کہ جن لوگوں نے کفار اور مرتدوں سے قتال کیا وہ اسمیں داخل ہونے کے اس سے زیادہ حقدار ہیں جنہوں نے سوائے اہل قبلہ کے اور کسی سے بھی قتال نہیں کیا بشرطیکہ ہم شیعان علی کو حضرت علی کا مطیع و فرمانبردار مان لیں سچ سچ بلاخوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہل یمن جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ قتال کیا وہ اس میں داخل ہونے کے اُن لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جنہوں نے ہمیشہ کفار و مشرکین کا ساتھ دیا ہے اور سابقین اولین سے ہمیشہ عداوت رکھی. اس پر ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علی کا ساتھ دیا اُن میں یمنی بھی تھے. اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی سے مقابلہ کرنے والے بھی یمینی تھے اور اُن کا ساتھ دینے والے بھی یمنی تھے مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یمن کے بڑے بڑے خاندان اور قبیلے امیر معاویہ کی طرف تھے. جیسے ذی کلاع، دعی عمر، ذی رعین، دغیرہ وغیرہ. چھٹے یہ کہ اللہ کا قول فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ مطلق ہے. اس میں کسی کی تعیین نہیں ہے اور یہ خاص اُسی کے لیے ہے جس میں یہ صفتیں ہوں خواہ وہ کوئی ہو نہ اس میں ابوبکر

کی خصوصیت ہے نہ علی کی اور جب یہ اُن دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی مخصوص نہیں تو علی کے خصائص میں سے کیونکر ہو سکتی ہے اِسی وجہ سے علی کا افضل ہونا باطل ہو گیا چہ جائیکہ اس کے ذریعہ سے امامت کو ثابت کیا جائے بلکہ یہ آیت تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت تک جب کوئی مرتد ہو گا تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم اور ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیگا اللہ اُنہیں دوست رکھے گا اور وہ اللہ کے دوست رکھتی گے وہ مسلمانوں سے انکساری کریں گے اور مرتدوں کے حملوں کی مدافعت کریں گے. یہ بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ دو قسم کے مرتد ہوا کرتے ہیں ایک تو وہ لوگ جو دین اسلام سے منحرف ہو کے مثل کافروں کے ہو گئے دوسرے وہ کہ مسلمان ہیں مگر غلو زیادہ کرتے ہیں جیسے نصیریہ اور اسماعیلیہ اس پر شیعہ اور سنی دونوں کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں فرقے مرتد ہیں اور کبھی ارتداد بعض دین سے ہوتا ہے جیسے کہ اہل بدعت، غرض ایسے مرتدوں سے مقابلہ کرنا اُن کے حملوں کی مدافعت کرنا یہ اُن ہی لوگوں کا فرض ہے جنہیں اللہ دوستار رکھتا ہے اور وہ اُسے دوست رکھتے ہیں. اور وہ کسی بات سے نہیں ڈرتے اُنہیں اپنا فرض ادا کرنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں ہوتی.

شیعی علماء کی چھبیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ، یعنی جو اللہ پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لے آئے ہیں وہی لوگ اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں. اس پر شیعی علما فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے سند کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ سے اُنہوں نے اپنے باپ سے روایت کی وہ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ صدیقین تین آدمی ہیں. جبیب بن موسیٰ نجار آل یسین کا مومن جس نے یہ کہا تھا یَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ دوسرے حزقیل آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ" تیسرے علی بن ابی طالب اور یہ اُن سے بھی افضل ہیں. پھر شیعی فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابن معاذی فقیہ شافعی نے روایت کی ہے اور کتاب الفردوس کے مصنف نے بھی یہی بیان کیا ہے اور یہ فضیلت علی کی امامت پر دلالت کرتی ہے فقط۔

جواب: اس کا جواب کئی طرح سے ہے. اول ہمارا وہی قدیم مطالبہ اس روایت کی صحت کا ہے. ہم اچھی طرح سے سمجھتے ہیں اور ہمیں اس بات پورا یقین ہے کہ تمام شیعی علما مل کے بھی اِس روایت کی

صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے. یہ حدیث امام احمد کی مسند میں نہیں ہے اور اگر اُنہوں نے یہ حدیث روایت کی بھی ہوتو اُس پر کل اہل علم کا اتفاق ہے. بلکہ خود امام احمد کے نزدیک بھی اس کا روایت کرنا اُسکے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا. امام احمد کا قاعدہ ہے کہ وہ فضائل میں اُن حدیثوں کو روایت کر دیتے ہیں جو اور لوگوں نے روایت کی ہوں. اگر چہ اُن کی صحت کا کہیں سے بھی ثبوت نہ ملتا ہو جو شخص فن حدیث سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے جو فضائل میں حدیث روایت کی ہیں اُن کی نسبت وہ خود بھی صحیح ہونے کا دعوے نہیں کرتے یہاں تک کہ مسند میں بھی جو اُنہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں اُس میں بھی وہ ہر حدیث کے صحیح ہونے کے قائل نہیں ہیں. با ایں ہمہ ان کی مسند کی بہت سی حدیثیں بہت بہتر ہیں. سوائے فضائل کہ کہ اُن میں اکثر حدیثیں غیر مسندت ہوتی ہیں. اب شیعی علماء کی پیش کردہ روایت کو دیکھا جائے تو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے ہے. اس کا نہ کہیں امام احمد کی مسند میں پتہ ہے نہ اُن کی کتاب الفضائل میں بلکہ یہ حدیث قطیعی کی زیادات میں سے ہے اس روایت کو دو سندوں سے نقل کیا ہے اور دونوں میں عمر بن جمعی راوی ہے اور یہ اُن لوگوں میں سے جنکی روایت کبھی قابل اعتبار نہیں ہوئی بلکہ اُس کی بابت ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ شخص حدیثیں وضع کرنے میں مہتم ہے. یحیی کہتے ہی کہ یہ کذاب خبیث ہے. نسائی اور دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے ابن حبان کہتے کہ یہ صحیح حدیثوں کے بدلے موضوع اور مشاہیر کے بدلے منا کیر روایت کر دیا کرتا ہے. لہذا اس کی حدیث تو لکھنی جائز نہیں ہے ہاں اگر عبرت حاصل کرنے کے لیے لکھدی جائے تو چنداں ہرج نہیں. یہی وجہ ہے کہ شیعی علمانے اس بدنام شخص کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی روایت کردہ حدیث کو امام کے سر چپیک دیا. مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا جب اس روایت کی تنقید کی جائیگی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا واقعی ہم اِس دلیری کی داد دیتے ہیں کہ بغیر کسی پس و پیش کے شیعی علما کس طرح ایک روایت کو مسلمانوں کے ایک مشہور عالم کے سر چپیک دیتے ہیں اور اُنہیں ذرا ہاک و ہارس نہیں ہوتا. دوسرے ہم اپنے ایمان اور یقین سے اور اپنی کامل تحقیق کی بنا پر یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر یہ حدیث وضع کر کے طوفان اُٹھایا گیا ہے. تیسرے صحیح حدیثوں میں بہت سے طریقوں سے حضرت علی کے سوائے اوروں کے نام کے ساتھ بھی صدیق کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ابو بکر صدیق وغیرہ پھر تین ہی پر صدیق کے لفظ کا حصر کیونکر ہوسکتا ہے صحیحین میں انس سے روایت ہے وہ

کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو احد پر چڑھے آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق. عمر فاروق اور عثمان غنی تھے تو پہاڑ اُن کے اوپر چڑھنے سے لرزنے لگا. حضور انور نے فرمایا اے پہاڑ تجھ پر معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ نبی ہے اور صدیق ہے اور دو شہید ہیں. اس حدیث کا ذکر ہم اوپر بھی کہیں کر چکے ہیں کہ یہ حدیث امام احمد نے یحی بن سعد سے اُنہوں نے قتادہ سے اُنہوں نے انس سے روایت کی ہے. ایک اور صحیح حدیث میں ابن مسعود سے مروی ہے وہ حضور انور رسولِ اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور انور نے فرمایا "علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر والبر یهدی الی الجنة ولا یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند الله صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور والفجر یهدی الی النار ولا یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذابا "یعنی تم ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کی ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت میں پہنچا دیتی ہے کیونکہ جو شخص ہمیشہ سچ ہے بولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھد دیا جاتا ہے. تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بولنا فجور کی ہدایت کرتا ہے اور فجور دوزخ میں لیجاتا ہے اور جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ ہی بولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے. چوتھا یہ کہ اللہ تعالےٰ نے بی بی مریم کا نام صدیقہ رکھا ہے. اِس کے مقابلہ میں یہ قول کیسا لچر اور پوچ ہے. بھلا یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ صدیق کا حصر صرف تین ہی مذکورۂ بالا اشخاص پر ہے جو شیعی علما کی راویت میں پائے جاتے ہیں. پانچوں اگر شیعی علما کا اس سے یہ مطلب ہے کہ صدیق صرف تین ہی آدمی اور اُنکے سوا اور کوئی صدیق نہیں ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے. یہ قول قرآن مجید حدیث رسول اور اجماع مسلمین تینوں کے خلاف ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ صدیق ہونے میں کامل یہی تینوں ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہماری اُمت سب اُمتوں سے بہتر ہے کیونکر ہو سکتا ہے کہ موسیٰ اور عیسے کے تصدیق کرنے والے محمد کی تصدیق کرنے والوں سے بہتر ہوں. اللہ تعالےٰ نے آل فرعون کے مومن کو کہیں صدیق نہیں فرمایا اور نہ کہیں صاحب آل یسین کا خطاب دیا ہاں اس میں شک نہیں کہ اُنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی تھی مگر اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ محمد کی تصدیق کرنے والے اُسے بدرجہا افضل ہیں اِس کے علاوہ اللہ تعالے نے انبیا کا نام صدیق رکھا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَاذْكُرْ فِي

الْکِتَابِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقاً نَبِیًّا. اور یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا "اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ"
چھٹے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ. ترجمہ اور وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے وہی صدیقین ہیں اور وہی اپنے پروردگار
کے نزدیک شہیدا ہیں. اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ جو آدمی اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے آیا بس
وہی صدیق ہے. ساتویں اگر امام ہونے کا مستحق صدیق ہی ہوتا ہے تو بس سب سے زیادہ صدیق ہونے
کے حقدار ابوبکر ہیں. کیونکہ اُن کے لیے یہ نام عام اور خاص سب کے نزدیک بدیہہ تواتر اور بہت سی
حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے یہاں تک کہ اسلام کے دشمن بھی اِس سے بخوبی واقف ہیں. لہٰذا امام
ہونے کے مستحق بھی وہی ہوئے اور اگر صدیق ہونا امام ہونے کے مستلزم نہیں ہے تو بس شیعی علما کی یہ حجت
سرے سے باطل ہوگئی.

شیعی علماء کی ستائیسویں برہان: (بقول شیعی علما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اَلَّذِیْنَ
یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یعنی جو لوگ اپنا مال علانیہ اور خفیہ رات اور دن (
اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں. شیعی علما فرماتے ہیں ابو نعیم نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی
ہے انکا قول ہے کہ یہ آیت علی کے حق میں نازل ہوئی تھی اُن کے پاس چار درہم تھے. ایک درہم اُنہوں
نے رات کو خرچ کر دیا ایک دن کو ایک خفیہ اور ایک علانیہ اسی کو ثعلبی نے بھی نقل کیا ہے اور یہ فضیلت اور کسی کو
نصیب نہیں ہوئی. پس علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہوئے.

جواب: اس کا جواب بھی چند طرح سے ہے اول اس نقل کی صحت کا مطالبہ کیونکہ ابو نعیم اور ثعلبی کا
روایت کرنا جیسا کہ ہم پہلے اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں اِس روایت کی صحیح ہونے کی دلیل نہیں
ہو سکتی. دوسرے یہ روایت بالکل جھوٹی ہے کہیں بھی اِس کا ثبوت نہیں ملتا. تیسرے یہ آیت عام ہے
جو شخص اللہ کی راہ میں رات دن خفیہ اور علانیہ خرچ کرے. وہ یقیناً اِس آیت کے حکم میں داخل ہے خواہ
علی ہوں اور شخص اس سے خاص ایک آدمی مراد لینا اور کسی شخص کو معین کرنا کبھی جائز نہیں ہے. چوتھے
شیعی علما نے جو یہ حدیث ذکر کی ہے وہ اس آیت کے مدلول اور معنی کے بالکل مناقص اور خلاف
ہے کیونکہ آیت تو ان دو زمانوں میں خرچ کرنے پر دلالت کرتی ہے وقت ان سے خالی نہیں ہوتا فعل

کے لیے چونکہ زمانہ ہونا ضروری ہے لہذا ان دونوں حالتوں میں فعل کسی صورت سے خالی نہیں ہونے کا رات اور دن زمانے میں دونوں وقت شامل ہیں. فعل یا تو علانیہ ہوتا ہے اور یا خفیہ پس جب کسی نے رات کو خفیہ خرچ کیا تو گویا اُس کا رات کو وہ خفیہ خرچ کرنا ہوا اور اگر کسی نے دن کو علانیہ خرچ کیا تو وہ اُسکا دن کو علانیہ خرچ کرنا ہوا مطلب یہ ہے کہ خفیہ اور علانیہ خرچ کرنا رات کو اور دن کو خرچ کرنے سے خارج نہیں ہے یا بالفاظ دیگر خفیہ خرچ کیا جائے یا علانیہ وہ اوقاتِ شب و روز میں کسی نہ کسی وقت تو ضرور ہوگا کیونکہ اس خرچ کرنے کے لیے علیحدہ اوقات تو آسمان سے اُترنے سے رہے اس سے اُس شخص کی یا اُس گروہ کی عام جہالت کا پتہ لگتا ہے جو یہ کہے کہ اس آیت سے وہ شخص مراد ہے جو ایک درہم خفیہ خرچ کرے اور ایک علانیہ اور ایک درہم رات کو خرچ کے اور ایک دن کو لہذا دو درہموں کا خرچ تو ٹھیک ہو گیا باقی وہ دو درہم جنکے ساتھ علانیہ اور خفیہ کا لفظ لگا ہوا ہے بیکار اور فرضی ہوئے قرآن مجید کی ایسی باطل اور غلط تفسیریں بعض ناواقف لوگ جہلا میں بیٹھ کے بیان کیا کرتے ہیں مثلاً جیسے بعض جاہل شخص اِس آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے ابوبکر مراد ہیں اور اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے عمر اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے عثمان اور تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا سے علی یہ لوگ اپنی جہالت سے اِن صفات کو ان چار آدمیوں کے لیے ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ آیت اِس بارے میں صریح ہے کہ یہ کل صفات اُن سب لوگوں کے لیے ہیں جو اُنکے ساتھ متصف ہیں خواہ کوئی ہوں اور یہ کہ اُن کی تعداد بیشمار ہے محدود نہیں ہے ہاں یہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا صحابہ اُن سب سے افضل ہیں جن میں یہ صفتیں پائی جائیں اور ہر ایک صحابی ان سب صفتوں کے ساتھ متصف ہے اگرچہ ان میں سے کوئی صفت ایک میں دوسرے سے زیادہ ہو جو شخص اس آیت کے معنی کر کے اس کا سہارا ایک شخص کے سر باندھ دے اُس سے زیادہ جاہل اور کون ہوسکتا ہے.

پانچویں اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ حضرت علی نے ایسا کیا تھا اور یہ آیت اُن ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اُنکا فقط چار ہی درہم کا چار وقتوں میں خرکرنا مذور ہے اور یہ ایسا عمل ہے کہ قیامت تک ہر شخص بے تکان کرسکتا ہے. اس پر عمل کرنے والے بلکہ اس سے بھی ہزاروں درجے زیادہ خرچ کرنے والے ہر عصر اور ہر عہد میں ہوئے ہیں اور اب بھی زمانہ اُن سے بھرا ہوا ہے کیونکہ جو شخص کچھ خرچ کرے گا وہ یا تو دن میں خرچ کرے گا یا رات میں خفیہ کرے گا یا اعلانیہ پس یہ خرچ کرنا خصائص میں

سے نہیں ہوسکتا اور جب یہ خصائص میں سے نہ ہوا تو یہ نہ فضیلت کی دلیل ہوسکتا ہے اور نہ امامت کی.

شیعی علماء کی اٹھائیسویں برہان : (بقول شیعی علماء) قرآن مجید میں جو آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوئی ہے اسکے متعلق امام احمد بن حنبل نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس کے سرغنہ اسکے امیر اسکے شریف اور اسکے سید علی ہیں قرآن میں اللہ تعالے نے محمد ﷺ کے دیگر صحابہ پر بہت جگہ عتاب فرمایا ہے مگر علی کا ذکر ہر جگہ مہربانی ہی کے ساتھ کیا ہے بس یہی بات علی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے پس وہی امام ہوئے.

جواب : اول اس روایت کی صحت کسی طرح بھی تمام دنیا میں کوئی ثابت نہیں کرسکتا. یہ محض خیال آفرینی اور بعض لوگوں کی ایجاد دہندہ ہے. یہ روایت امام احمد بن حنبل کی مسند کہیں نہیں ہے اور نہ فضائل میں اُنہوں نے اس روایت کو لیا ہے جبکہ صحیح غلط روایتیں وہ فضائل میں حسب عادت بہت سی داخل کردیتے ہیں مگر اس روایت کا تو فضائل میں بھی نام نہیں ہے. یہ روایت اصل میں قطیعی کی زیادتیوں میں سے ہے جو اُس نے ذکریا بن یحیٰے کی بات یحیٰے نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ اگر گڑھا کھود کے اُنہیں دفن کردیا جائے تو سب کے لیے مفید ہے دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کمبخت کی عادت ہی یہی ہے کہ صحابہ کی بڑائیں کی روایتیں خود ایجاد کرتا ہے اور حضور انور رسول اللہ ﷺ نے مبارک نام سے اُنہیں اشاعت دیتا ہے (نعوذ باللہ) لہذا اسکی روایت کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہوسکتا. اب رہے ابن عباس ان کے ذمہ یہ بہتان عظیم باندھا گیا ہے ان سے بطریقہ تواتر مروی ہے کہ وہ ابوبکر، عمر کو علی سے ہمیشہ افضل سمجھتے تھے اور علی کی بہت سی غلط کاریوں پر اعتراض کیا کرتے تھے. جب زندیقوں کو جنہیں نے علی کے معبود ہونے کا دعوی کیا تھا علی نے آگ میں زندہ جلا دیا تو ابن عباس نے اُن پر سختی کے ساتھ اعتراض کیا اور کہا کہ انسان کو زندہ جلا دینے کو حضور انور نے سخت منع فرمایا ہے اور یہ سخت ظالمانہ اور وحشیانہ فعل ہے اس پر علی ناراض ہوئے اور اُنہوں نے ابن عباس پر بہت غصہ کیا. ابن عباس سے ثابت ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اُنہیں نص نہیں ملتی تھی تو وہ ابوبکر و عمر کے قول پر فتوی دے دیا کرتے تھے اس سے خود معلوم ہوسکتا ہے کہ ابن عباس ابوبکر و عمر کو کیسا سمجھتے تھے اور علی کیسا علی اور ابن عباس میں اکثر نوک جھوک رہا کرتی تھی اور ابن

عباس نہایت آزادی کے ساتھ علی کی ناجائز باتوں پر اعتراض کرنے کے لیے بالکل تیار رہتے تھے چنانچہ منجملہ بہت سی باتوں کے ایک یہ واقعہ زیادہ نامور و مشہور ہے کہ جب ابن عباس نے بصرہ کا کچھ مال اپنے قبضہ میں کر لیا تو علی نے انہیں ایک خط لکھا اور بہت دھمکی دی کہ یوں کر دوں گا اور ووں کر دونگا. اس پر ابن عباس نے جواب دیا کہ اگر میرا مال کا لینا تھوڑی دیر کے لیے ناجائز سمجھ بھی لیا جائے تو تم نے جو حکومت وغیرہ حاصل کرن کے لیے مسلمانوں کو کٹوا دیا تو اُس کی نسبت تو میرا یہ فعل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا. دوسرے اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے سرغنہ وغیرہ علی ہیں تو اُس میں اُلٹی علی کی بُرائی نکلتی ہے نہ تعریف کیونکہ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر موقعوں پر عتاب کے ساتھ خطاب کیا ہے چنانچہ فرمایا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ. یعنی اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے. اللہ کے نزدیک یہ بہت ناپسند ہے کہ وہ بات کہو جو نہیں کرتے. اب سمجھئے اور غور کیجئے اور خود اپنے دل میں انصاف کیجئے کہ اگر اس آیت کے سرغنہ ہم شیعی علماء کی خاطر سے حضرت علی کو قرار دیں تو اُن پر کتنا بڑا الزام قائم ہوتا ہے. حالانکہ ہم اُس معبود برحق کی قسم کھا کے کہتے ہیں جسکی مٹھی میں ہماری زندگی اور موت ہے کہ حضرت علی اس عیب سے پاک تھے وہ جو کچھ کہتے تھے ویسا ہی کرتے تھے اُنہوں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسا نہیں کیا کہ کہا ہو اور کیا نہ ہو. اسی طرح یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ کے الفاظ سے یہ آیت شروع ہوتی ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ. (الممتحنہ:١) یعنی اے ایمان والو میرے دشمنوں کے اور اپنے دشمنوں کو تم دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف محبت (کی بنیاد) ڈالتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے. صحاح میں ثابت ہے کہ یہ آیت حاطب بن بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی تھی جب اُس نے مکہ کے مشرکوں کو حضور انور ﷺ کا راز کہلا بھیجا تھا اُسکا مفصل ذکر اور پر کہیں آچکا ہے غرض علی حاطب کے اس گناہ سے بالکل بری تھے وہ اُن مخاطبین کے سرغنہ جنہیں اِس گناہ پر ملامت کی گئی ہے کیونکر ہو سکتے ہیں. اور لو تیسری جگہ اللہ تعالیٰ مذکورہ الفاظ سے یہ آیت شروع کرتا ہے. یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا. (النساء:٩٤) یعنی اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لیے) سفر کیا کرو تو خوب

تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تمہیں سلام کرے اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے (کیا) تم دینا کی زندگی کے اسباب کی خواہش کرتے ہو" یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہیں ایک آدمی بکریاں چراتے ہوئے ملا اُس نے کہا میں مسلمان ہوں مگر اُنہوں نے اس کہنے کو جھوٹ سمجھا اور اُس کی بکریاں چھین لیں. اس پر اللہ نے انہیں خوب تحقیق کر لینے کا حکم دیا اور دنیوی طمع کے باعث ایسے آدمی کو جھٹلانے سے جو مسلمان ہونے کا دعوے کرتا ہو اُنہیں منع فرما دیا. یاد رکھو علی ان لوگوں کے گناہ سے بالکل بری تھے. پھر ہماری حمیت اور انسانیت تو اسکی مقتضی نہیں ہے کہ حضرت علی کو ان لوگوں کا سرغنہ بنائیں غرض تمام فرقان حمید ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے. تیسرے اب شیعی علماء کا یہ بیان کہ علی ان آیتوں کے سرغنہ کے سردار اُن کے شریف اور اُن کے سید ہیں بالکل بے حقیقت اور بے معنی ہے یہ دراصل دوسرتی کے پردے میں حضرت علی کی ذات اقدس پر بہت بڑا حملہ کیا گیا ہے جس کی بابت سوائے افسوس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں. اپنا امام بھی کہے جاتے ہیں اُن کی ذات میں عیب بھی نکالتے ہیں اور اُنہیں خداوند تعالے کے معتوب بھی قرار دیے جاتے ہیں. سبحان اللہ. مرحبا ہے اس محبت و تعظیم پر اب رہا یہ کہ ابن عباس کا حضرت علی کو فضیلت دینا یہ محض لغو اور بیہودہ ہے ابن عباس پر نرا بہتان ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن عباس نے ایسا کہہ دیا تو تمام صحابہ کے مقابلہ میں صرف اُنکا یہ کہنا کیونکر حجت ہوسکتا ہے. چوتھے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں اللہ پاک نے محمد ﷺ کے دیگر صحابہ پر عتاب کیا ہے اور علی کو ہر جگہ نیکی ہی سے یاد کیا ہے یہ صریح جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ ہے. قرآن میں اللہ کا ابوبکر پر عتاب کرنا نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ ابوبکر نے رسول اللہ کو کبھی کچھ رنج دیا یا اپنے کسی کام سے آپ کو صدمہ پہنچایا ہو بلکہ یہ بات حضور انور رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور سے ثابت ہے آپ نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا تھا. **ایها الناس اعرفوا لا بی بکر حقه فانه لم یسوء قط، عینی** اے لوگو ابوبکر کے حق کا کام ضرور خیال رکھو کیونکہ اُنہوں نے مجھے کبھی کوئی صدمہ نہیں پہنچایا. فقط. بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور ابوبکر کی طرف داری کرتے اور لوگوں کو اُن کے خلاف کرنے سے منع کیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض لوگوں کا حضور انور کو صدمہ پہنچانا منقول ہے ابوبکر کا صدمہ پہنچانا کسی سے بھی منقول نہیں ہے. دیکھو خاتون محشر فاطمۃ الزہرا ہی کی زندگی میں جب علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو حضور انور نے کیسا پر جوش اور مؤثر خطبہ

پڑھا تھا (اسکا ذکر بھی پہلے کہیں آچکا ہے) کبھی اِس قسم کا واقعہ ابوبکر کے حق میں نہیں ہوا جس میں حضور انور کو خطبہ پڑھ کے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے اپنے صدمہ کا بیان کرنے اور مخاطب کی وعدہ خلافی کا ذکر کرنیکی ضرورت پڑتی. اسکے علاوہ بڑے بڑے کاموں میں ابوبکر آپ کے مشہیر خاص تھے. مثلاً کسی کو کسی صوبہ کا حاکم بنانے یا کسی کو جنگی افسر نامزد کرنے اور غنائم تقسیم کرنے وغیرہ کے اہم معاملات میں حضور انور ﷺ نے کبھی علی کو شریک نہیں کیا. اس مشورہ میں خصوصیت کے ساتھ ابوبکر ہی شریک ہوتے تھے بلاخوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکر و عمر حضور انور کے مثل دو وزیروں کے تھے. بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور انور نے ان ہی دونوں سے مشورہ لیا تھا. اور بنی تمیم کے وفد (ڈیپوٹیشن) کے بارے میں بھی ان ہی سے صلاح لی گئی تھی. غرض کل اہم معاملات میں حضور انور کو مشورہ دینے والے ابوبکر و عمر ہی تھے علی کو کبھی بھولے سے بھی ان مشوروں میں شریک نہیں کیا گیا. صحیحین میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب فاروق اعظم عمرؓ کا انتقال ہوا تو آپ نے بڑے جوش سے قسم کھا کے یہ بیان فرمایا " مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اللہ تعالےٰ تمہارے دونوں ساتھیوں (محمد ﷺ اور ابوبکرؓ) کے ساتھ اُٹھائے گا. کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے میں اکثر سنا کرتا تھا (آپ فرمایا کرتے تھے) میں ابوبکر اندر گئے میں و ابوبکرؓ وہاں جاتے ہیں. یہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں. غرض ہر بات میں حضور انور ﷺ اُنہیں اپنے ساتھ بیان کرتے تھے ".

شیعی علماء کی انتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. "اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰٓـئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً" (الاحزاب:۵۶) یعنی بیشک اللہ اور اُسکے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں اے مسلمانو تم (بھی) نبی پر درود بھیجو اور خوب سلام پڑھو (شیعی علماء فرماتے ہیں) صحیح بخاری میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم نے رسول ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ اہل بیت پر سلام پڑھنا تو ہمیں اللہ نے سکھا دیا ہے لیکن ہم درود کس طرح بھیجیں آپ نے فرمایا اِس طرح کہا کرو "اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد " (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) صحیح مسلم میں ہے ایک راوی کہتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا لیکن ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں حضور انور نے

فرمایا اسطرح کہا کرو اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم ۔ اس لحاظ سے چونکہ حضرت علی اہل بیت میں سب سے افضل ہیں لہذا امامت کے لیے سب سے بہتر وہی ہوئے۔

جواب: اس میں ہرگز شک نہیں اور ہم اِسے کھلے دل کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار ہیں کہ یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے اور یہ کہ علی آل محمد سے ہیں اور اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد میں داخل ہیں مگر یہ اُن کے خصائص میں سے نہیں ہے کیونکہ سارے بنی ہاشم اسمیں داخل ہیں مثلاً عباس ان کے اولاد حارث بن عبد المطلب حضور انور کی صاحبزادیاں یعنی عثمان غنی کی دونوں بیبیاں رقیہ اور ام کلثوم اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا اور اسی طرح آپ کی ازاوج مطہرات اس میں شامل ہیں ازاوج کے متعلق صحیحین میں حضور کا یہ ارشاد موجود ہے اللھم صلی علی محمد وعلی ازوجہ وزریتہ ہاں ہاں اس میں تو قیامت تک آپ کے سارے اہل بیت شامل ہیں اسی میں علیؓ کے بھائی جعفر اور عقیل بھی داخل ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ درود اور سلام میں ان سب کا داخل ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اُن سب سے افضل ہیں جو اسمیں داخل نہیں ہیں نہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ اس میں داخل ہوں وہی امامت کے لائق ہیں۔ عمار، مقداد، ابوذر وغیرہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکی فضیلت پر اہل سنت اور شیعہ سب متفق ہیں۔ باوجود یہ کہ آل پر درود بھیجنے میں وہ داخل نہیں ہیں حالانکہ عقیل، عباس اور اُن کی اولاد اس میں داخل ہے اور اس پر سُنی اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے کہ عمار، مقداد اور ابوذر وغیرہ عقیل اور عباس کی اولاد سے بدرجہا افضل ہیں اسی طرح حضور انور رسول اللہ ﷺ کی ازاوج مطہرت میں سے عائشہؓ وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ حالانکہ عورت امام نہیں ہوسکتی اور نہ وہ مردوں سے افضل ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ فضیلت علیؓ وغیرہ میں مشترک ہے یہ کسی طرح سے ضروری نہیں کہ جو اِس فضیلت کے ساتھ متصف ہو وہ ان لوگوں سے افضل ہو جائے جو اُسکے ساتھ متصف نہیں ہیں۔ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر القرون القران الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم " لہذا تیسرے زمانہ کے لوگوں سے تابعین افضل ہوئے۔ ہاں یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ مجموعہ کو مجموعہ پر فضیلت دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا ہر ہر فرد دوسرے مجموعہ کے ہر ہر فرد سے افضل ہو۔ کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ

کے بعد تیسرے اور چوتھے زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو صحابہ کے بعض دیکھنے والوں سے بدرجہا افضل ہیں اور اُن کی فضیلت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مثلاً اشتر نخفعی اول درجہ کا مفسد، مختار عبید، کذاب اور مفتری، حجاج بن یوسف جیسا شخص. ان لوگوں نے صحابہ کا زمانہ ضرور پایا ہے. ان سے ملے بھی ہیں مگر یہ تبع تابعین سے کسی طرح بھی افضل نہیں ہوسکتے. ابوجہل ہی کو لو جو حضور انور رسول اللہ ﷺ کا چچا بھی تھا اور جس نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بھی پایا کیا وہ چودھویں صدی ہجری کے کسی مسلمان سے بھی افضل ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں. اِسکے علاوہ وہ سارے اہل بیت سے افضل حضرت علی ہرگز نہیں ہیں بلکہ اہل بیت میں سب سے افضل حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں. اِس کے علاوہ کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ حضور انور خود اہل بیت میں داخل ہیں جیسا کہ آپ نے حسنؓ سے فرمایا تھا" کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اہل بیت ہیں ہم صدقے کی چیز نہیں کھایا کرتے "ان الفاظ میں متکلم بھی شامل ہے خود حضرت ابراہیم کا اہل بیت میں شامل ہونا درود شریف سے پایا جاتا ہے اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضور انور کے بعد اہل بیت افضل حضرت علی ہی ہیں. اِس وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد وہ سب سے افضل ہوجائیں کیونکہ بنی ہاشم اور وہ ان سے افضل ہیں اور حضور انور بھی بنی ہاشم میں سے ہیں صحیح مسلم میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا تھا کہ اسمعیلؑ کی اولاد میں سے اللہ تعالے نے خاندان کنانہ کو برگزیدہ کرلیا تھا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو اِس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ جملہ قریش سب سے افضل ہیں مگر یہ لازم نہیں آتا کہ قریش کا ہر فرد سب سے افضل ہو. اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ سارے عرب میں اور عرب کے سوار اور ملکوں میں ایسے بہت سے آدمی ہیں جو قریش سے افضل ہیں قریش میں سابقین اولین گنے چنے آدمی تھے اور اُن میں اکثر فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے وہی لوگ طلقا کہلاتے ہیں سارے مہاجرین میں سوائے قریشوں کے اور بھی قبائل کے لوگ شریک ہیں. مثلاً ابو مسعود ہزلی، عمران بن حصین، خزاعی، مقداد بن اسود کندی یہ لوگ قریشی نہیں ہیں مگر تو بھی بہت سے بنی ہاشم سے افضل ہیں ان کے سوائے بدری لوگ اکثر بنی ہاشم سے افضل ہیں بنی ہاشم میں سابقین تو حمزہ، علی، جعفر اور عبید بن حارث فقط چار آدمی ہیں مگر بدری ۳۱۳ آدمی ہیں جن میں سے تین ہاشمی ہیں اور باقی دوسرے قبائل میں سے مگر سب کے سب بنی ہاشم سے افضل ہیں اِس بات کے سب قائل ہیں کہ بنی

ہاشم قریش سے افضل ہیں اور قریش عرب سے اور عرب تمام اولاد آدم سے یہی ائمہ سنت والجماعت سے منقول ہے جیسا کہ حرب کرمانی نے اپنے ملنے والوں سے نقل کیا ہے. مثلاً امام احمد، اسحاق، سعید بن منصور، عبداللہ بن زبیر حمیدی وغیرہ ممکن ہے کہ ہم اس کی مفصل بحث کسی دوسری جگہ اور کریں گے.

شیعی علماء کی تیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (الرحمٰن: ۱۹، ۲۰) یعنی اس نے دو دریاؤں کو چلایا ہے وہ دونوں ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے. شیعی علماء کہتے ہیں یہ دونوں دریا علیؓ اور فاطمہؓ ہیں. ان کے درمیان میں حجاب نبی ﷺ ہیں. یہ دونوں اُن کے کہنے سے کسی بات میں تجاوز نہیں کرتے پھر فرماتے ہیں کہ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (الرحمٰن: ۲۲) یعنی ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے. موتی اور مونگے سے مراد حسنؓ اور حسینؓ اور یہ فضیلت صحابہ میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی لہذا علی ہی امام ہوئے.

جواب: افسوس ہے اس قسم کی باتیں سمجھ دار اور پڑھے لکھوں کی زبان سے نکلنی ایسی تعجب انگیز ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتیں ایسے چڑے چڑیا کی کہانیوں کو قرآن مجید کی تفسیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے. بلکہ ہم تو اُسے مستان کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے یہ کامل ہذیان اور نری بیہودگی ہے ملاحدہ، قرامطہ، باطنیہ کی تفسیریں بھی اسی قسم کی ہوتی ہیں مگر یہ مذکورۂ بالا تفسیر ان سے بھی کئی درجہ بڑھی ہوئی ہے. یہ حقیقت در حقیقت اللہ تعالیٰ کے کلام کا مضحکہ اُڑانا ہے اور اس فرقان حمید کو منہ چڑانا کچھ شیعوں ہی پر منحصر نہیں ہے جاہل سنیوں نے بھی قرآن کی ایسی ہی مضحکہ خیز تفسیریں لکھی ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں صابرین سے مراد محمد ﷺ ہیں صادقین سے مراد ابوبکر ہیں ۔ قانتین سے مراد عمر ہیں اور منفقین سے مراد عثمان اور مستغفرین سے مراد علی ہیں. پھر کہتے ہیں تراہم رکعا سجداً سے علی مراد ہیں. والتین سے مراد ابوبکر ہیں والزیتون سے مراد عمر ہیں اور طور سنین سے مراد عثمان ہیں واذا البلاد الامین سے مراد علی ہیں. پھر کہتے ہیں "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. سے مراد ابوبکر ہیں اور عملوا الصالحت سے مراد عمر ہیں اور وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے عثمان مراد ہیں اور وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ سے علی مراد ہیں. اسی طرح شیعی علماء "وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. (یٰسین: ۱۲)

میں امام علی سے مراد لیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم میں علی بن ابی طالب مراد ہیں اور شجرۃ ملعونۃ سے بنی امیہ. سچ بات یہ ہے کہ اس طرح سے قرآن مجید کا مضحکہ وہی شخص اُڑا سکتا ہے جس کا اس پاک کتاب قرآن مجید پر ایمان نہ ہوا اور جس میں کچھ بھی ایمان کو بُو ہوگی وہ کبھی ایسی باتیں نہیں بنانے کا. اب سنیئے نفس واقعات پر بحث شیعی علماء کی اس تفسیر میں چند وجہ ایسی ہیں جو سرتاپا اُس کی جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اول یہ کہ یہ آیت سورۃ الرحمٰن میں ہے اور یہ سورۃ تمام مسلمانوں کے اجماع کے بموجب مکی ہے. حسنؓ اور حسینؓ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے دوئم فاطمہؓ اور علیؓ کا نام دردو دریا رکھنا اور حسن و حسین کو موتی مونگا کہنا اور مرج کے معنی نکاح ٹھہرانا ایک ایسا امر ہے جس کا نہ لغاتِ عرب میں پتہ لگتا ہے اور نہ اس کے یہ معنی حقیقتاً اور مجازاً ہو سکتے ہیں. جسطرح اس قسم کے معنی سے قرآن مجید پر صریح جھوٹ باندھا گیا ہے. اسی طرح لغتِ عرب پر بھی ایک بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے. تیسرے اس میں کوئی بات ایسی زائد نہیں ہے جو تمام اولاد آدم میں نہ پائی جاتی ہو کیونکہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اُسکے دو لڑکے ہو جائیں تو ہو اس میں داخل ہے لہذا علی اور فاطمہ کی تخصیص کی یہاں کوئی وجہ نہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علی سے بدرجہا افضل ہیں تو کیوں ہم بجائے علی اور اُن کے بچوں کے ان پیغمبروں سے مراد نہیں لیتے بزرگ کون ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو عرض کیا کہ ہمارے، دریافت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے آپ نے فرمایا تو بس یوسف بزرگ ہیں جو اللہ کے نبی ہیں یعقوب نبی کے بیٹے اسحاق نبی کے پوتے اور ابراہیم نبی کے پڑپوتے اِسی لیے درود میں جہاں آلِ محمد ﷺ کو شریک کیا گیا ہے. وہاں آلِ ابراہیم کو بھی شریک کیا گیا ہے اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آل ابراہیم آل علی سے افضل ہیں. چوتھے یہ کہ مرج البحرین کو اللہ تعالی نے ایک اور آیت میں بھی ذکر کیا ہے چنانچہ سورۂ فرقان میں فرماتا ہے. وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (الفرقان: ۵۳) اگر اس سے علی اور فاطمہ مراد ہوں تو اُن میں سے ایک نہ ایک کے لئے بڑائی بھی ہوئی ہے کیونکہ ان میں سے ایک دریا کا اللہ تعالیٰ نے شور اور کھاری ہونا بیان کیا ہے. پانچویں یہ کہ اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (سورہ رحمٰن) اب اِس سے اگر علی اور فاطمہ مراد ہیں تو شیعی علماء کے گمان کے مطابق حجاب یا تو حضور انور رسول اللہ ﷺ ہیں یا اور کوئی ہے جو ان میں

سے ایک دوسرے پر تجاوز کرنے سے مانع ہے اور یہ دراصل تعریف نہیں ہوئی. بلکہ حد سے زیادہ بُرائی ہے. چھٹے یہ کہ تمام ائمہ تفسری کا اس پر اتفاق ہے کہ درحقیقت قرآن مجید پر یہ بہت بڑا بہتان باندھا گیا ہے جیسا کہ ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے. ابن عباس کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے دونوں دریا ہر سال ملجائے تے ہیں. حسن کا قول ہے کہ مرج البحرین دونوں دریاؤں سے دریائے فارس اور دریائے روم مردا ہے اور حجاب ان دونوں کے بیچ جزیرے ہیں اور يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (الرحمٰن:۲۲) کی تفسیر میں زجاج کہتے ہیں اور مونگا دریائے شور سے نکلتے ہیں اور جواہرات اگرچہ ایک ہی دریا سے نکلتے ہیں مگر ساتھ ساتھ دونوں دریاؤں کا نام لے دیا ہے کہ جب اُس میں سے نکلے تو گویا دونوں ہی سے نکلے. فارسی کا یہ قول ہے کہ منھا سے مراد من احدھما ہے مضاف کو محذوف کر دیا ہے باقی لولو اور مرجان کے متعلق علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مرجان چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور لولو بڑے موتی کو. یہی قول اکثر صحابہ کا جنہیں ابن عباس، قتادہ اراء اور ضحاک بھی ہیں. دوسرا قول یہ کہ لولو چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور مرجان بڑے موتی کو یہ قول مجاہد، سدی اور مقاتل کا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ جب ایک خاص بارش ہوتی ہے تو سیپیوں کے منہ کھل جاتے ہیں اور اُن میں جو قطرہ پڑتا ہے وہی موتی ہوجاتا ہے.

شیعی علماء کی اکتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ یعنی وہ شخص جسے کتاب کا علم ہے شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن صفیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں تھے کہ اس شخص سے مراد علی بن ابی طالب ہیں پھر شیعی علماء گوہرافشانی فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے وہ کہتے تھے میں نے پوچھا اُس شخص سے کون مراد ہے جسے کتاب کا علم تھا فرمایا علی بن ابی طالب ہے اور یہ علی کے افضل ہونے کی دلیل لہٰذا وہی امام ہوئے.

جواب: اول یہ کہ عبداللہ بن سلام اور ابن حنیفہ اس کا صحیح طور طور پر منقول ہونا ثابت کرنا چاہیے. دوسرے یہ کہ اگر اس کے ثابت ہونے کو مان بھی لیا جائے تو جبکہ جمہور ان دونوں کے مخالفت ہیں لہٰذا اُنکا حجت نہیں ہوسکتا. تیسرے یہ کہ ہم یہی کہیں گے کہ ان پر یقیناً بہت بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے.

چوتھے یہ یقیناً باطل ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ ، یعنی کہدو کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے اور وہ شخص جسے کتاب (یعنی توریت وانجیل) کا علم ہے اگر اس سے علی مراد ہیں تو اس آیت کا یہ مطلب ہوگا محمد ﷺ اپنے قول پر اپنے چچازاد بھائی سے گواہی دلواتے ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر حضور انور کی نبوت کی علی گواہی دیتے تو حضور کو اُن کی گواہی سے کچھ فائدہ نہ ہوتا نہ اُن کی گواہی لوگوں پر حجت ہوتی نہ اس سے مستدل کی دلیل بنتی نہ اسکی وجہ سے کوئی مطیع ہوتا کیونکہ مخالف کہہ سکتے تھے کہ علی کو اس گواہی کا علم کہاں سے ہوا انہوں نے تو یہ محمد ہی سے حاصل کیا ہے تو کیا محمد ﷺ اپنے لیے خود گواہ بنتے ہیں دوسرے کوئی یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ یہ تو اُن کے چچازاد بھائی ہیں کیا عجب ہے کہ دونوں کی ملی بھگت ہو لہذا ان کی گواہی قابل اعتبار نہیں ہوسکتی اور یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے. کہ اگر حضور انور کی اور آپ کے اقوال کے حق ہونے کی ابوبکر وعمر وغیرہ گواہی دیتے تو اُن کی گواہی میں آپ کا بہت بڑا فائدہ تھا کیونکہ اُن لوگوں میں کسی قسم کی تہمت کا شبہ نہیں ہوسکتا تھا. دوسرے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ اُنہوں نے اہلِ کتاب اور کاہنوں سے ایسی باتیں سنیں جو بغیر محمد ﷺ سے معلوم ہوئے اُنہیں یاد ہوگئیں. برخلاف علی کے کہ وہ اس زمانہ میں بالکل بچے تھے ان کی نسبت مخالف کہہ سکتے تھے کہ اُنہوں نے جو یہ گواہی دی ہے تو اُنہیں محمد ﷺ ہی سے معلوم ہوا ہے گواہی تو ہمیشہ غیر آدمی کی ہونی چاہیے. علی کے مقابلے میں اگر اہل کتاب کتاب اسکی گواہی دیں کہ جو اُنہیں پہلے انبیاء سے بطریق تواتر معلوم ہوا ہے اور جس سے حضور انور کی صداقت کا یقین ہوجاتا ہے تو یہ گواہی بے شک نفع دینے والی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:۱۴۳) خیال کیجئے کہ شیعی علماء اسے حضرت علی کی فضیلت ٹھیرا کے اِسے ذریعہ سے خود ان میں اور اُسمیں جسکی وجہ سے وہ مومنین میں سے ہیں اور جو ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے سب پر اعتراض کرتے ہیں اگر یہ قول ایسے موقع پر بجائے شیعوں کے زندیقوں کے نام نقل کیا جاتا تو بہت ہی مناسب ہوتا. پانچویں یہ کہ اللہ تعالےٰ اہل کتاب سے گواہی دلوانے کو بہت سی آیتوں میں ذکر کیا ہے مثلاً وہ فرماتا ہے. قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ. (الاحقاف:۱۰) تو کیا شیعی فاضل کہہ سکتے ہیں کہ علی بنی اسرائیل میں سے تھے. پھر فرماتا ہے. وَمَا

اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُوۡحِیۡ اِلَیۡهِمۡ فَسۡئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّکۡرِ. تو کیا وہ اہل ذکر جن سے اُن لوگوں کو پوچھنے کا حکم ہے اللہ نے اُن کے پاس ایسے آدمی بھیجے تھے کہ وہ سب علی بن ابوطالب ہوں. چھٹے یہ اگر ہم مان بھی لیں کہ گواہی دینے والے علی بن ابوطالب ہیں تو اس سے بھی انکا سب سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اہل کتاب جو گواہی دیتے تھے مثلاً عبداللہبن سلام. سلمان اور کعب الاحبار وغیرہ یہ لوگ سابقین اولین یعنی ابوبکر، عمر عثمان، علی اور جعفر وغیرہ سے افضل نہیں تھے۔

شیعی علماء کی بتیسویں برہان:

(بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ یعنی جس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا اس پر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بہشتی حلہ سب سے پہلے اللہ کے خلیل ہونے کی وجہ سے ابراہیم کو پہنایا جائے گا ان کے بعد محمد ﷺ کو کیونکہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں پھر علی کو اور علی دونوں کے درمیان خوب خوش ہوتے ہوئے جنتوں میں پھرینگے. پھر ابن عباس نے مذکورہ آیت پڑھی اور اور فرمایا کہ اس سے مراد علی اور اُنکے ساتھی ہیں یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سب سے افضل ہیں لہذا وہی امام ہوئے.

جواب: اسکا جواب بھی چند طرح ہے اول تو اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل بیان کرنی ضروری ہے خاص کر ایسے موقع پر جس میں مدعا کی کوئی اصل ہی نہ ہو. دوسرے کل محدثوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضع ہے. تیسرے یہ کہ یہ یقیناً باطل ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ علی ابراہیم اور محمد سے بھی افضل ہوں کیونکہ علی کو درمیان میں رکھا گیا ہے اور ابراہیم ومحمد اِدھر اُدھر کھڑے کیئے گئے ہیں حالانکہ اس پر سارے جہاں کا اتفاق ہے کہ ساری مخلوق سے افضل ابراہیم اور محمد ہی ہیں اور جو شخص ان دونوں پر علی کو فضیلت دے ہم اُسے کافر سے بھی زیادہ کافر سمجھتے ہیں. چوتھے یہ کہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم اللہ کو حلہ پہنایا جائے گا اِس میں نہ محمد کا ذکر نہ علی کا ابراہیم خلیل اللہ کو پہلے حُلّہ پہنائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضور انور سے ہر طرح افضل ہو جائیں. پانچویں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ نُوۡرُهُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَبِاَیۡمَانِهِمۡ

يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا. وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پھر دوسری آیت ملاحظہ ہو. يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (الحدیث:۱۲)
یہ دونوں آیتیں ان مومنین کے بارے میں عام نص ہیں کہ جو حضرت علی کے ساتھ ہیں سیاق کلام اور تمام آثار مرویہ اس کے عام ہی ہونے پر دلالت کرتے ہیں. ابن عباس کہتے ہیں قیامت کے دن ہر مسلمان کو ایک روشنی عطا ہوگی مگر جس مسلمان میں کچھ نفاق ہوگا اُسکی روشنی بجھ جائے گی. روشنی بجھ جانے سے خالص مومن ڈرے گا اور یہ عرض کریگا. رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَ نَا. یعنی اے پروردگار ہماری روشنی کو کامل کر دے. پس معلوم ہوا کہ اس میں عموم ہونا قطعی اور یقینی ہے اس سے ایک آدمی ہرگز مراد نہیں ہے پھر بھلا یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس سے فقط حضرت علی ہی مراد ہیں. سمجھئے تو سہی کتنے تعجب کی بات ہے کہ جہاں جہاں شیعی علماء نے حضرت علی کی خصوصیت رکھی ہے اگر ان ہی موقعوں پر کوئی ابوبکر وعمر اور عثمان کو کہنے لگے تو ان میں اور اُن میں سوائے دعوے محض. افترا پردرازی، بہتان اور فریب دہی کے کوئی دوسری وجہ فرق نہیں ہے. ہاں یہ بات دوسری ہے کہ جو لوگ ابوبکر وعمر کی خصوصیت کا دعو کریں گے تو اُن کا دعوی شیعی علماء کے دعوے سے پھر بڑھا ہوا ہوگا. اس وقت اس آیت میں حضرت علی کا داخل ہونا مثل خلفائے ثلثہ کے داخل ہونے کے ہے بلکہ وہ اس میں داخل ہونے کے زیادہ حقدار اور لایق ہیں. اس لئے اس سے علی کی نہ فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ امامت.

شیعی علماء کی تینتیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (البینہ:۷) یعنی بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یہی لوگ بہترین خلق ہیں اسپر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں حافظ ابونعیم نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا. قیامت کے دن تم اور تمہارے شیعہ اس طرح آ ؤ گے کہ خدا تم سے راضی ہوگا اور تمہارے مخالف اللہ سے رنجیدہ ہونگے اور اللہ اُن سے ناراض ہوگا. تو جب خیر البریہ یعنی ساری خلقت سے بہتر علی ہوئے تو اب اُن کا امام ہونا ضروری ہے.

جواب: اول یہ روایت بالکل غلط ہے اسکے علاوہ وہ محض ابونعیم کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں

ہو سکتی اس میں مسلمانوں کے کسی فرقے کا بھی اختلاف نہیں ہے. دوسرے یہ روایت اُن موضوعات میں سے ہے جنکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے.

تیسرے عجیب وغریب بات دیکھنے ہے کہ ادھر تو شیعی علماء مذکورہ آیت سے حضرت علی کی افضلیت اور امامت ثابت کرتے ہیں ادھر خوارج اسی آیت سے حضرت علی کا کفر ثابت کرتے ہیں. ان کا قول ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سے نواصب فرقے مراد ہیں جیسے خوارج وغیرہ ان کا قول ہے بلکہ ان کا ایمان اور عقیدہ ہے کہ جو شخص علی کی حمایت کرے وہ کافر مرتد ہے اور اس آیت میں ہرگز داخل نہیں ہے. اس مطلب کے واضح کرنے کے لئے وہ آگے آنے والی آیت کو بطور دلیل بیان کرتے ہیں۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ وہ کہتے ہیں جس نے دین میں لوگوں پر حکم کیا اُس نے اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کیا لہٰذا وہ کافر ہے اور جو کافروں کی حمایت کرتے اور ساتھ دیتے ہیں وہ بھی کافر ہوتے ہیں. مطلب یہ ہے کہ اگر خوارج کی اس قسم کی دلیلیں باطل قرار دیجائیں تو شیعی علماء کی دلیلیں اس سے بھی زیادہ باطل ہونی چاہیں. اس میں کوئی شک نہیں جنہیں لوگ خارجی کہتے ہیں ان میں بڑے بڑے عالم سمجھدار اور حق کے پیرو ہوتے ہیں وہ اہل دین کو بھی جھوٹا نہیں کہتے اپنے وعدے کے سچے دل اور زبان کے یکساں جو دل میں ہے وہ زبان پر ہے اُسکے خلاف کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا گیا مگر یہاں بالکل اس کے برعکس ہے اب رہے مروانی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کو شہید کرنے والے وہی لوگ ہیں ان کا علم افضل اور بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے. ہمارے خیال میں ایک فاضل سے فاضل شیعہ بھی ایک معمولی مروانی کا مقابلہ نہیں کرسکتا. جاحظ نے مروانیوں کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کتاب سے ان کی علمی شان معلوم ہوتی ہے جو دلائل اُنہوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں یہ بالکل سچ بات ہے کہ شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتے. خیر شیعہ تو ایک طرف رہے زیدیہ بھی اُنکا جواب نہیں دے سکتے. ان میں بہت بڑے بڑے علماء ہیں. ان کے دلائل دیکھ کے انسان چک میں آجاتا ہے. اپنے گھر میں چاہے جو کچھ بیٹھ کے کہہ لینا یہ دوسری بات ہے مگر مقابلے میں آن کے زبان ہلانا کارے دارد. چوتھے مذکورہ آیت عام ہے جس شخص میں یہ وصف ہو ہی اس آیت سے مراد ہوسکتا ہے. شیعوں کی خصوصیت کس وجہ سے ثابت ہوسکتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ شیعوں کے سوا سب کافر ہیں تو

اِس کا جواب یہ ہے کہ جس دلیل سے اوروں کا کافر ہونا ثابت کرتے ہو وہی دلیل تمہارے دعوے کے لیے کافی ہے. پھر اس آیت کے فرضی معنی یا فرضی مفہوم پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے یہ محض ایک غیر ضروری بحث ہے اور اگر سوائے اس آیت کے اپنے دعوے کے ثبوت میں اور دلیل نہیں رکھتے تو اس آیت سے کس طرح مطلب حل نہیں ہوتا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں.

شیعی علماء کی چونتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا. یعنی وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اُسکے لیے نسب اور سُسرال بنائی. شیعی علماء فرماتے ہیں. تفسیر ثعلبی میں ابن سیرین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی ﷺ اور علی بن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے آنحضرت نے فاطمہ زہرا کا نکاح حضرت علی سے کر دیا تھا اور اس آیت میں یہی مراد ہے چونکہ یہ اور کسی کیلئے ثابت نہیں ہے لہذا علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہونے.

جواب: اول ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں مگر جانتے ہیں کہ کسی طرح بھی اس روایت کی صحت ثابت نہیں ہوسکتی.

دوئم ابن سیرین پر یقیناً یہ ایک بہت بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے.

سوئم اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کہ یہ ابن سیرین ہی کا قول ہے تو ان کا ایسا قول جس میں سب لوگ اُن کے مخالف ہوں کبھی حجت نہیں ہوسکتا. چوتھے یہ آیت سورۂ فرقان میں ہے یہ سورت مکی ہے اور یہ آیتیں بھی مکی ہیں اور ان کے مکی ہونے پر تمام علماء اور مفسرین کا اتفاق ہے اور یہ آیتیں نکاح سے پہلا نازل ہوچکی تھیں اس لیے حضرت خاتونِ محشر بی بی فاطمہ زہراء اور علی ان سے کسی طرح بھی مراد نہیں ہوسکتے. پانچویں یہ آیت مطلق ہے اِس سے ہر شخص کا نسب اور سسرال امراد ہوسکتی ہے کسی فرد واحد کی خصوصیت اس میں کسی طرح بھی نہیں ہے. ہاں مثل اوروں کے نہ صرف حضرت علی کی سسرال بلکہ عثمان غنی کی سسرال. ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کی سُسرال بھی اس مراد ہوسکتی ہے. جس طرح سے چاہو دیکھ لو حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے. چہ جائیکہ اس سے اُنکی افضیلت اور امامت ثابت کیجئے. چھٹے بفرض محال اگر ہم مان بھی لیں کہ اس سے صرف حضرت علی کی سُسرال ہونا مراد ہے تو محض سسرال کا تعلق بہ اتفاق تمام اہل سنت اور شیعی علماء

کے اسکی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضرت علی اوروں سے افضل ہیں کیونکہ سسرال کے تعلق میں جس طرح حضرت علی کی ہیں اسی طرح خلفائے ثلاثہ بھی ہیں باوجودیکہ ان میں بعض بعض سے افضل ہیں پس اگر اس علاقے کے وجہ سے افضل ہونا لازم ہوگا تو قطعی تناقض لازم آئے گا۔

شیعی علماء کی پینتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہم پر اللہ نے ایسے شخصوں کے ساتھ ہونا واجب کیا ہے۔ جن کا سچا ہونا معلوم ہوا اور ایسا شخص سوائے معصوم کے اور نہیں ہوسکتا کیونکہ اوروں میں جھوٹ کو دخل ہے پس وہ معصوم علی ہی ہیں. ان کے سوا تین صحابہ معصوم نہیں ہیں. ابونعیم کی روایت میں ابن عباس مروی ہے کہ یہ روایت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے. فقط۔

جواب: اوّل یہ کہ صدیق اور صادق میں فرق ہے صدیق اس صادق کو کہتے ہیں جس میں صادق کے مرتبے سے زیادہ سچائی ہو ہر صدیق صادق ہوتا ہے مگر ہر صادق. صدیق نہیں ہوگا۔ ایسی بہت سی بدیہی دلیلیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابوبکر بے شک صدیق ہیں۔ پس یہ بات ضروری ہوئی کہ اس آیت سے صدیق مراد ہیں اور یہ بھی کہ ان کے ساتھ ہونا ہمارا واجب ہے ممکن نہیں کسی اور صحابی سے بھی مراد ہو مگر ابوبکر کا مراد ہونا سب صحابہ س اولی اور افضل ہے اور جب ہم ان کے ساتھ ہو گئے یعنی ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا تو اب ہمارا یہ اقرار کرنا کہ امام علی ہی ہیں اور ان کے سوا کوئی نہیں ہے بالکل ممتنع ہے دوسرے یہ کہ آیا علی صدیق ہیں یا نہیں اگر صدیق نہیں ہیں تو اُنکے مقابلہ ابوبکر کا صدیق ہونا صاف ظاہر ہے. پس صادق الصدیق کے ساتھ ہونا اُس صادق کے ساتھ ہونے سے اولی ہے جو صدیق نہیں ہے اور اگر علی صدیق ہیں اِس وقت چاروں صدیق ہوئے. لہذا علی کے نہ صدیق ہیں تو عمر اور عثمان بھی صدیق ہیں لہذا علی کے نہ صدیق ہونے میں کوئی خصوصیت رہی اور نہ صادق ہونے میں. پس تین خلفاء کو چھوڑ کے ایک کے ساتھ ہونا معین نہ ہوا بلکہ اگر ہم تعارض بھی مان لیں تو بھی ایک سے متین کا ہونا اولے ہے کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں. خاص کر اس صورت میں کہ وہ صدق میں بھی کامل ہیں. تیسرے یہ آیت کعب بن مالک کے قصے میں نازل ہوئی ہے جب وہ غزوہ تبوک

سے رہے گئے اور جب اسکی تحقیق ہوئی تو اُنہوں نے خود ہی رسول اللہ ﷺ سے سچ سچ کہہ دیا کہ جو جرم مجھ پر لگایا گیا ہے میں نہ کچھ اسکی صفائی کرتا ہوں نہ مجھے کچھ غدر ہے اس راست بازی اور حق گوئی پر اللہ تعالیٰ نے اُن کا تصور معاف کر دیا بعض نے اُنہیں رائے دی تھی کہ یہ جرم سخت ہے ممکن ہے کہ تمہیں کوئی شدید سزا دی جائے لہذا تم کچھ نہ کچھ عذر کر کے اپنی جان بچالینا کعب نے کہا یہ کبھی نہیں ہونے کا کہ حضور انور کی خدمت میں میں حاضر ہوں اور عذر گناہ بدتر از گناہ کا مرتکب بنوں. صحاح ستہ، اسانید، کتب تفسیر اور کتب سیر، غرض سب میں ثابت ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے. اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس قصے میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے. کعب بن مالک خود کہا کرتے تھے کہ میرا قصور معاف ہونے کے بعد سب سے پہلے میرے پاس طلحہ یہ خوشخبری لائے اور مارے خوشی کے مجھے لپٹ گئے خدا کی قسم مہاجرین میں سے طلحہ کے سوا میرے پاس کوئی نہیں آیا طلحہ کے اس احسان کو کعب تمام عمر نہیں بھولے جب یہ معاملہ اسطرح روشنی میں آ گیا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا تو پھر اس آیت کا حضرت علی پر حمل کرنا یقیناً باطل ہو گیا. چوتھے یقیناً اور بلاشک یہ آیت کعب ہی کے قصہ میں نازل ہوئی ہے. سوائے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے معصوم کہا جائے نہ علی نہ اور کوئی پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے فقط صادقین کے ساتھ ہونا مراد لیا ہے اُن کے معصوم ہونے کو شرط نہیں ٹھہرایا. پانچویں یہ کہ اللہ تعالے نے مَعَ الصّٰدِقِیْنَ فرمایا ہے اور یہ جمع کا صیغہ ہے علی فرد واحد ہیں لہذا یہ اکیلے اس سے مراد نہیں ہو سکتے. چھٹے یہ کہ آیت مع الصادقین سے یا تو مراد ہے کہ تم صدق میں اُن کے ساتھ رہو یعنی سچ بولو جیسا کہ صادق آدمی سچ بولتے ہیں اور جھوٹوں کے ساتھ نہ ہو یا یہ مراد ہے کہ کل مباحات مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں تم صادقین کے ساتھ رہو اگر چہ سچ بولنے سے اُسے کچھ تعلق نہ ہو مگر یہ آخر الذکر معنی باطل ہیں کیونکہ ان سب مباحات میں صادقین کے ساتھ رہنا انسان پر واجب نہیں ہے. ہاں پہلے معنی یقیناً صحیح ہیں اور جب وہ صحیح ہوئے تو یہ امر کسی معین شخص کے ساتھ ہونے کا نہ ہوا بلکہ اس سے مقصود یہ نکلا کہ تم سچ بولو جھوٹ نہ بولو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البری الی اخرة**. ساتویں یہ کہ اللہ نے ہمیں سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ اُس کے ساتھ ہو جس کا سچا ہونا تمہیں معلوم ہو. آٹھویں اگر ہم مان بھی لیں اس آیت سے وہی

شخص مراد ہے جس کا سچا ہونا ہمیں معلوم ہے تو ہم اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ ابوبکر عثمان وغیرہ اس قسم کے آدمی ہیں کہ اُن کا سچا ہونا کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے اور یہ بھی کہ اُنہوں نے جان کے کبھی جھوٹ نہیں بولا چونکہ ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے۔ اِس لیے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ان سے کوئی خطا ہو جانی یا کوئی گناہ سرزد ہو جانا جائز ہے۔ اب سنیئے کے حق میں جو ایک جھوٹ بول چکا ہو علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ایسے گواہی کی گواہ قبول نہ کی جائے گی امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور اس بارے میں ایک مرسل حدیث بھی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کی گواہی قبول کر لی جائے گی ہم یقیناً جانتے ہیں کہ راشدین صحابہ نے حضورِ انور رسول اللہ ﷺ پر جان کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہم اپنے ایمان سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور ہم نے اِسے اچھی طرح تحقیق کر لیا ہے کہ ہم تمام عمران صحابہ میں سے کسی صحابی نے بھی جان کے جھوٹ نہیں بولا یہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ جھوٹ نہ ہونے کا اہم اسی شخص پر یقین کریں جسکا مطلقاً معصوم ہونا ہمیں معلوم ہو جائے کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور قوموں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ جب تم اُنہیں آزما کے دیکھو گے تو تمیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی قسم کا گناہ اُن سے سرزد ہو جاتا ہو ایسے شخص کو ہم کبھی معصوم نہیں کہہ سکتے ساتھ ہی ہم یہ بھی نہیں تسلیم کرتے کہ جو شخص معصوم نہیں ہے وہ جان کر جھوٹ بول سکتا ہے۔ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ جو شخص جان کے جھوٹ بولتا ہے اُس سے زیادہ ذلیل اور بدتر آدمی کوئی نہیں ہے صحابہ کی شان ایسے شخص سے بہت ارفع واعلیٰ ہے نہ صرف مُسلمانوں نے بلکہ غیر قوموں نے یہاں تک کہ اُنکے دشمنوں نے بھی اُن کی صداقت کی شہادت دی ہے۔ موجودہ زمانہ کا کوئی یورپی مورخ محقق ایسا نہیں ہے جس نے صحابہ میں سے کسی صحابی کو بھی جھوٹا کہا ہو صحابہ تو صحابہ علماء دین میں سے امام مالک۔ شعبہ یحیٰی بن سعدی، ثوری، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ ایسے لوگ ہیں کہ اُنہوں نے اپنی عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نویں اگر بفرض محال بھی لیں کہ اس آیت سے معصوم ہی مراد ہے تو ہم اس پر اجماع ہونے کو تسلیم نہیں کرتے کہ علی کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اپنے پیروں اور مرشدوں کے بارے میں اسی معنی کا دعوے کرتے ہیں اگرچہ اُنہوں نے اس عبارت اور لفظوں کو بدل دیا ساتھ ہی ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ علی میں فقط عصمت ہے اور ان میں نہیں ہے اگر علی میں عصمت ہے تو یقیناً اُ میں

بھی ہے اور اگر نہیں ہے تو کسی میں بھی نہیں ہے. کسی کو معصوم قرار دے دینا یہ یہ بالکل ایک ڈھکو سلا سا ہے ہم تو سوائے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کسی کو معصوم نہیں مانتے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ تمام دنیا مل کے بھی سوائے حضور انور کے کسی کو بھی معصوم ثابت نہیں کر سکتی.

شیعی علماء کی چھتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ. یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم (بھی) رکوع کیا کرو (شیعی علماء فرماتے ہیں) ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت خاص رسول اللہ ﷺ علی کے حق میں نازل ہوئی تھی سب سے پہلے ان ہی دونوں نے نماز پڑھی تھی چونکہ یہ علی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے لہذا انکی امامت کی دلیل ہوگئی.

جواب: اوّل ہم اس روایت کی صحت تسلیم نہیں کرتے نہ شیعی علماء نے کہیں کسی جگہ اسکے صحیح ہونے کی کوئی دلیل بیان کی ہے. دوسرے اس پر تمام علماء محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے. تیسرے یہ آیت سورۂ بقر میں ہے اور یہ سورہ باتفاق تمام مسلمانوں کے مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس وقت نماز پڑھنے والے اور رکوع کرنے والے بہت ہوگئے تھے اگر یہ آیت شروع اسلام میں نازل ہوتی تو اُس وقت شاید کوئی یہ کہہ سکتا کہ یہ اُسی کے ساتھ مختص ہے جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور رکوع کیا. چوتھے مع الراکعین جمع کا صیغہ ہے. اگر اِس سے حضور انور رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی مراد ہوتے تو جمع کی جگہ تثنیہ کا صیغہ لایا جاتا. جمع کے صیغہ سے باتفاق سب لوگوں کے فقط دو آدمی مراد نہیں ہوتے بلکہ تین اور تین سے بھی زیادہ مراد ہوتے ہیں. لہٰذا جمع کے صیغہ سے فقط دو آدمی مراد لینا اجماع کے بالکل خلاف ہے۔ پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مریم سے فرمایا تھا. يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (آل عمران: ۴۳) مریم اسلام کے ظہور سے پہلے تھیں پس اُس وقت رکوع کرنے والوں میں حضرت علی کیونکر ہو سکتے ہیں. اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ رکوع کرنے والوں میں صرف حضرت علی کی خصوصیت کوئی کسی لغو اور دور از کار بات ہے. چھٹے یہ آیت مطلق ہے اس میں کسی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرے بعض کا قول یہ ہے کہ اس سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مراد ہے کیونکہ جب تک آدمی رکوع میں نہ مل جائے اُسے رکعت نہیں ملتی. ساتویں. اگر

اِس آیت میں حضور انور اور حضرت علی ہی کے ساتھ رکوع کرنا مراد ہے تو ان دونوں کی وفات سے رکوع کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم یقیناً ساقط ہوگیا پس اب رکوع کرنے والوں کے ساتھ کسی کو رکوع کرنا اور نماز پڑھنا ہی لاحاصل ہے اور یہ بالاتفاق باطل ہے. آٹھویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے نبی ﷺ کے ساتھ حضرت علی ہی نے سجدہ کیا بالکل غلط اور محض لغو ہے یہ بائیہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کیساتھ سب سے پہلے ابوبکر صدیق نے نماز پڑھی ہے. نویں اگر حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا یہ حکم ہے تو پھر بھی یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہو وہی امام ہو جائے. کیونکہ حضرت علیؓ حضور انور ﷺ کی موجودگی میں امام نہیں تھے باوجود یہ کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے.

شیعی علماء کی سینتیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ (طٰہٰ) یعنی میرا ایک وزیر میرے گھر والوں میں سے کردے.

ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم مکہ میں تھے کہ نبی ﷺ نے میرا اور علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں چار رکعت پڑھائیں اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے یہ دعا کی الٰہی موسیٰ ابن عمران نے تجھ سے یہ دعا کی تھی اور میں بحیثیت تیرے نبی ہونے کے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ موسیٰ کی طرح میرا بھی شرح صدر کردے اور میری زبان کی لکنت دور کردے تا کہ لوگ میری بات کو سمجھیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی علی ابن ابوطالب کو میرا وزیر کردے اور اُسے میرا قوت بازو بنادے اور میرے کام میں اُسے شریک کردے. ابن عباس کہتے ہیں میں نے ایک منادی سے سنا وہ پکار پکار کے یہ کہہ رہا تھا کہ اے محمد ﷺ تمہاری دعا قبول ہوگئی اور یہ اس بارے میں نص ہے.

جواب: اوّل اس روایت کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ تمام ہندوستان کے شیعی علماء اس راویت کی صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے. دوسرے باتفاق محدثین کے یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے بلکہ محدثین اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر صریح بہتان ہے. تیسرے ابن عباس اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ہجرت کے وقت ابن عباس کی عمر صرف پانچ برس کی تھی اور آپ کی وفات پر ابن عباس بالغ بھی نہیں ہوئے تھے پھر خیال کرنے کی

جگہ ہے کہ نہ صرف حضورانور پر بلکہ خود ابن عباس پر کتنا بڑا طوفان اُٹھایا گیا ہے ہم شیعی عہلماء کی اس غیر معمولی واقفیت اور علمیت کے قائل ہیں یہ اُن کی جرات ہے کہ جس خانے میں ایک بال کا بھی گزر مشکل سے ہو وہاں یہ اپنی زبان جمع خرچ سے کئی سو اونٹوں کی قطار نکالنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں بھلا خیال تو کیجئے کہ چند مہینے یا دو تین برس کا بچہ نہ جسے بات کرنیکی تمیز ہو وہ وضو کرنا جانے نہ نماز پڑھنے کے قابل ہو اُسکی نسبت کس بے باکی اور دلیری سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے حضورانور کے ساتھ نماز پڑھی اور کسی آواز دینے والے کی آسمانی آواز بھی اُسکے کان میں آ گئی اور وہ آواز نہ حضورانور نے سنی نہ حضرت علی نے بلکہ اِس چند ماہ کے بچے نے سُن لی اور بڑی عمر میں جا کے اُس نے اس بات کی شہادت بھی دے دی. حضرت علی اور اُنکے چچا حضرت عباس میں معمولی معمولی باتوں میں جھگڑے ہوا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ دونوں جھگڑا کرتے ہوئے حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس آئے اور دونوں کی خوب تیز م تازہ ہونے لگی جسکے متعلق بخاری نے لفظ سب یعنی وشنام تحریر کیا ہے اس وقت یہ ابن عباس کہاں تھے کہ اُنہوں نے اپنے باوا کہ یہ نہ سمجھایا کہ علیؓ کی وزارت کے بارے میں حضورانور نے دعا مانگی تھی اور میں آسمانی آواز سُن چکا ہوں کہ وہ دعا قبول ہو گئی پھر تم ایسے شخص سے کیوں جھگڑتے ہو. جو شریعت حضورانور ﷺ نے دنیا میں قائم کی اُسکی بنا یقیناً عقل پر رکھی گئی ہے ایسی چھوٹی عمر کے بچوں کو شریعت اسلام نے مطلق وضو اور نماز کی تکلیف نہیں دی ہے. جیسا کہ خود حضورانور ﷺ نے ارشاد کیا ہے ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں. **مروهم بالصلوة بسبع واضربوهم عليها لعشرو فرقوا بينهم فى المضاجع** یعنی بچوں سے سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کو کہا کرو اور دس برس کی عمر میں اُنہیں مار کے نماز پڑھوایا کرو اور اس عمر میں اُنہیں علیحدہ سلانے لگا کرو ادھر تو حضورانور ﷺ کا یہ قول اور اُدھر آپ برس چھ مہنے کے بچے کو بشرطیکہ اُس وقت ابن عباس پیدا ہوئے ہوں نماز پڑھانے اُنگلی پکڑ کے لے گئے کتنا خلاف قیاس اور بیہودہ امر ہے.

چوتھے یہ کہ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کے بارے میں شیعی علماء پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ یہ دعا حضورانور نے مدینہ منورہ میں کی تھی اور یہاں یہ کہدیا کہ یہ دعا مدینہ کے واقعہ سے کئی سال پہلے مکے میں کی تھی کیونکہ یہ آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور سورۂ مائدہ سارے کلام الٰہی کے بعد نازل ہوئی ہے پس اگر یہ دعا آپ مکے میں کر چکے تھے اور وہ قبول بھی ہو گئی تھی تو اس سے کئی سال بعد

مدینہ منورہ میں آپکو اس دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی سچ ہے.

دروغ گو را حافظہ نباشد

پانچویں یہ کہ اِسکے بطلان کی ہم پہلے کئی دلیلیں اوپر بیان کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ اس کلام کا حضور انور رسول اللہ ﷺ پر بہت سی س دلیلوں سے بہتان اور جھوٹ ہونا ثابت ہو چکا ہے لیکن یہاں شیعی علماء کی جدت بسندی نے اور کئی باتوں کی زیادتی کر دی ہے جو پہلے نہیں تھیں منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ اُنکے خیال میں حضور انور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علی کو میرے کام میں میرا شریک کر دے یعنی اُس سے صاف طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ شیعی علماء حضرت علی کو حضور انور کے کام یعنی نبوت میں شریک کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ ہارون موسی کے شریک تھی تعجب یہ ہے کہ اس قسم کا عقیدہ امامیہ کا تو ہرگز نہیں ہوسکتا پھر شیعی علماء نے کس طرح اُسے اپنا عقیدہ بنالیا یہ تو غالیہ فرقے کے لوگوں کا قول ہے مگر برخلاف اِسکے شیعی علماء نے اُسے نص قرار دیا ہے.

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نہ اُنہیں غالیہ بنتے دیر لگی ہے اور نہ کچھ اور بنتے جو جی میں آیا کہہ گئے جو چاہا لکھ دیا۔

شیعی علماء کی اڑتیسویں برہان : (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْن ، یعنی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بھائیوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہونگے. اس پر شیعی گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ مسند امام میں سند کیساتھ زید بن ابی اوفٰی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آپکی مسجد میں گیا. زید نے آنخضرت کے بھائی چارہ کرانے کا قصہ بیان کیا اور کہا، علی نے رسول اللہ سے یہ عرض کیا جس وقت یا رسول اللہ ﷺ آپ نے صحابہ پر یہ احسان کیا تو مارے رنج کے میں دوہرا ہو گیا اور میری جان نکل گئی اور میری کمر ٹوٹ گئی کہ اس سے صرف میں ہی کیوں محروم کر دیا گیا. اب اگر یہ بات اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے تو عقبی اور کرامت آپ کے لئے ہے اور میں کسی قابل بھی نہیں رہا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کے بھیجا کہ تمہیں تو میں نہ اپنے لیے پسند کیا ہے پس تم میرے حق میں ایسے ہو جیسا کہ موسی کے حق میں ہارون تھے ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا

اور تم میرے بھائی میرے وارث ہو تم میرے بھائی اور میرے رفیق ہو اور پھر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ آیۃ پڑھی. فقط اسکے بعد شیعی علماء یوں موتی پروتے ہیں کہ بھائی چارہ مناسبت اور مشاکلت کو چاہتا ہے. پس جب رسول اللہ کے بھائی چارہ میں علی مخصوص ہو گئے تو وہی امام ہوئے.

جواب: کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا جواب کیا دیا جائے. عجب قسم کی روایت ہے جو خود اپنے کذب کی شہادت دے رہی ہے. واللہ باللہ حضور انور رسول اللہ ﷺ پر سخت حملہ کیا گیا ہے اور بہتان عظیم باندھا گیا ہے. اس کے علاوہ مسند امام احمد میں جسکے سر یہ روایت منڈھی گئی ہے. کہیں پتہ بھی نہیں مثل گزشتہ مذکورہ روایتیوں کے یہ روایت بھی قطیعی کی زیادات میں سے ہے جتنی روایتیں اس نیک نہاد قطیعی نے لکھی ہیں ان کے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر اور تماشہ دیکھئے کہ اس جھوٹی روایت کو بھی شیعی علماء نے پورا نقل نہیں کیا اور اس کا ایک ٹکڑا عمداً قلم انداز کر دیا. مثلاً اس قول کے بعد کہ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو یہ بھی ہے کہ علی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی کسی چیز کا وارث ہوں گا آپ نے فرمایا جس چیز کے مجھ سے پہلے انبیاء کے وارث ہوئے ہیں پوچھا وہ کس چیز کے وارث ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت کے. اب یہ کتر بیونت سمجھ لیجئے کہ کیوں کی گئی ابور بیچاری جھوٹی روایت کو بھی پوری نقل کر دینے کی ہمت نہ ہوئی. یہ مذہب ہے اور اسکی بنا ہے.

دوسرے یہ کہ جتنی حدیثیں مہاجرین میں بھائی چارہ ہونے یا انصار میں بھائی چارہ ہونے کی آئی ہیں وہ سب غلط اور بالکل جھوٹ ہیں. مہاجرین سے کبھی بھائی چارہ نہیں کرایا گیا اور نہ انصار کا انصار سے. اسی طرح حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کبھی علیؓ سے بھائی چارہ نہیں کیا اور نہ ابوبکرؓ و عمرؓ میں بھائی چارہ کرایا گیا. ہاں مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا گیا تھا جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع میں تھا. یا سلمان فارسی اور ابوداؤد میں تھا یا علی یا سہل بن حنیف میں تھا اور یہ بھائی چارہ بنی النجار کے محلہ میں ہوا تھا نہ کہ مسجد نبوی میں جیا اس کہ اس موضوع حدیث میں بیان کیا گیا ہے. تیسرے یہ کہ اس روایت میں بقول شیعی علماء رسول اللہ کا علی سے یہ فرمانا کہ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو اہل سنت اور اہل شیعہ دونوں کے نزدیک باطل اور بے معنی ہے کیونکہ اگر اس سے مال کی میراث مراد ہے تو پھر شیعی علماء کا یہ قول غلط ہو گیا کہ رسول اللہ کی فاطمہ زہراؓ وارث تھیں. اسکے علاوہ وہ چچا کا بیٹا چچا

یعنی عباس کے ہوتے ہوئے کیونکر وارث ہوسکتا ہے. ساتھ ہی یہ کہ چچا کے اور بیٹوں کو چھوڑ کے جو سب کے سب ایک ہی درجہ کے ہیں فقط ایک کے مخصوص ہونے کی کیا وجہ ہے. اور اگر اس میراث سے علم اور ولایت کی میراث مراد ہے. تو پھر "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا. يَرِثُنِي" شیعی علماء کا حجت کرنا طل ہوگیا کیونکہ جب وراثت کے لفظ میں ان دونوں معنی کا احتمال ہے کہ خواہ مال کا وارث ہو یا علم اور ولایت کا تو ہوسکتا ہے کہ سلیمان بھی داؤد کے ایسے ہی وارث ہوئے ہوں جیسے علی محمد رسول اللہ ﷺ کے وارث ہوئے. تھے. اب رہے ہم مسلمان تو ہم یقیناً اس امر کو جانتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی میراث علی کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ اس میں سے آپ کے ہر صحابی کو اس کے موافق حصہ ملا ہے. علم مثل مال کے نہیں ہے کہ اس کا ایک وارث ہونے کے بعد جب تک وہ موجود ہو یا خود کسی کو اپنا وارث قرار دے دوسرا ہو ہی نہ سکے اس کے مقابلہ میں ایک ہی وقت میں ایک ہی علم کے کئی کئی وارث ہوسکتے ہیں اور وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے مزاحم نہیں ہوتے کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ جس چیز کو ایک جانتا ہو اُسی کو دوسرا بھی جانے.

پانچویں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے علی کے سوا اوروں کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے آپ نے زید سے فرمایا تھا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولی ہو اور جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کی صاحبزادی سے پیغام بھیجا تو ابوبکر نے حضور انور سے کہا کہ کیا آپ میرے بھائی نہیں ہیں. حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی بے شک ہوں لیکن تمہاری لڑکی میرے لیے حلال ہے. صحیح میں دوسری جگہ آیا ہے کہ آپ نے ابوبکرؓ کی نسبت فرمایا تھا. وَلٰكن اخوة الاسلام اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں خود فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ، اسی طرح حضور انور نے بھی ارشاد کیا ہے المسلم اخوة لا يظلمهٗ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے. پھر فرمایا. والذی نفسی بيده لا يؤمن احدكم حتی يحب لا خيه من الخير و ايحب لنفسه یعنی قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے ویسے ہی بھلائی نہ پسند کرے جیسی کہ اپنے لیے پسند کرتا ہے. ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں صحاح میں موجود ہیں. جب یہ بات ہے تو معلوم ہوا کہ بھائی چارہ میں ہر طرح سے تماثل. مناسبت اور مشاکلت ہونی ضروری

نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب حضرت علیؓ سے بھائی چارہ ہونا صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بات آپ کی امامت اور افضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ صحاح میں حضور انور ﷺ سے مختلف طریقوں سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں روئے زمین کے لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو ضرور خلیل بناتا۔ اِس حدیث سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ ابو بکر کی وہ خصوصیتیں ہیں جن میں کوئی ان کا کوئی شریک اور برابر نہیں اور ساتھ ہی یہ پایا جاتا ہے کہ روئے زمین کے سب لوگوں سے زیادہ حضور انور ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ سے محبت تھی آپ کے نزدیک اُن سے بڑھ کے کسی کا مرتبہ نہ تھا نہ اُن سے زیادہ حضور انور ﷺ کو کسی سے خصوصیت تھی۔ ان حدیثوں کے صحیح ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے انہیں سب نے تسلیم کر لیا اور کسی نے بھی ان میں قدح نہیں کی۔ اس سے کبھی بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ابو بکر سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی محبت تھی اور اتنی کیا بلکہ اس کا سواں حصہ بھی علی سے نہیں تھی۔ نہ صرف علی سے بلکہ اوروں سے بھی ابو بکر کا مرتبہ حضور انور کی نظر میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ اسی (۸۰) آدمیوں سے زیادہ نے خود حضرت علی سے روایت کی ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ **خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر** یعنی اس اُمت میں نبی کے بعد سب سے بہتر اور افضل ابو بکر ہیں اور اُن کے بعد عمر ہیں۔ یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت علی سے نقل کی ہے اور ہے بھی بات یوں ہی ایسا ہی سمجھنا حضرت علیؓ کو شایاں بھی تھا کیونکہ وہ ابو بکر و عمر کے حق میں سب صحابہ سے زیادہ واقفت تھے اور اسلام میں ان کا اعلیٰ مرتبہ ہونے اور دین میں اُن کی تاثیر ہونے کو خوب جانتے تھے یہاں تک کہ وہ اس امر کی تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش میں بھی عمر جیسے عمل لے کے بارگاہ صمدی میں حاضر ہوں ترمذی وغیرہ نے حضرت علیؓ کی زبانی حضور انور رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا **ھذ ان سید اھل الجنۃ من الاولین والاخرین لا تبخر ھما یا علی** اس حدیث اور اس جیسی حدیثوں سے بھائی چارہ ہونے کی حدیثوں کا مقابلہ کیا جائے تو باتفاق سب مسلمانوں کے یہی زیادہ صحیح ہیں۔ اس اُمت کے تمام علماء اور تمام نیک بندے جولسان الصدق رکھتے ہیں وہ سب کے سب ابو بکر و عمرؓ کے مقدم ہونے پر متفق ہیں جیسا کہ امام شافعی نے اُسکی بابت امام بیہقی سے باسناد نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر کو تمام صحابہ سے افضل اور مقدم سمجھنے میں صحابہؓ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اسی طرح علمائے اسلام میں سے بھی اس معاملہ میں کوئی

اختلافی رائے نہیں رکھتا. چنانچہ امام مالک اور اُن کے تمام شاگرد امام ابوحنیفہ اور اُنکے تمام شاگرد، امام احمد اور اُنکے تمام شاگرد، داؤد اور اُنکے تمام شاگرد، ثوری اور اُنکے تمام شاگرد، داؤد اور اُنکے تمام شاگرد ثوری اور اُنکے تمام شاگرد لیث اور اُنکے تمام شاگرد اوزاعی. اسحٰق اور اُنکے تمام شاگر، ابن جریر اور اُن کے تمام شاگرد، ابوثور اور اُنکے تمام شاگردوں کی یہی قول ہے اور یہی تمام مشہور علماء کا قول ہے سوائے ایک ایسے شخص کے جسکے قول پر نہ کوئی اعتماد کرتا ہے نہ اسکی طرف کوئی اتفاق کرتا ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے اہل فتاویٰ میں بھی کوئی نزاع نہیں ہے سوائے حسن بن صالح بن حسین کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کو فضیلت دیا کرتا تھا مگر بعض علماء کا قول ہے کہ حسن پر بہتان اُٹھایا گیا ہے اُس نے کبھی حضرت علی کو فضیلت نہیں دی اس پر بھی اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حسن کا یہی مذہب تھا تو امام شافعی نے جو اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے اس میں اِس سے کوئی خرابی نہیں آسکتی کیونکہ حسن بن صالح نہ صحابہ میں سے ہے نہ تابعین میں سے مگر امام شافعی نے ابوبکر کے مقدم اور افضل ہونے پر تمام تابعین اور صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اس اجماع کے مقابلہ میں حسن کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ اماموں میں سے فقط ایک شخص کوئی غلطی کر بیٹھے تو اس اکیلے کی جم غفیر کے آگے کیا ہستی ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور علماء اسلام کا اسپر اتفاق ہے ہو چکا ہے کہ ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمان علی سے افضل ہیں. علماء مدینہ میں سے امام مالک بن انس، ابن ابی ذئب، عبدالعزیز ماجشون وغیرہ. امام مالک نے اپنے جمع استاذہ سے یہ اجماع کیا ہے کہ وہ ابوبکر وعمر کو مقدم سمجھتے ہیں اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اسی طرح علماء مکہ میں سے ابن جریج، ابن عیینہ، سعد بن سالم اور مسلم بن خالد وغیرہ، فقہاء کوجہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام ثوری، شریک بن عبداللہ، ابن ابی لیلی وغیرہ حالانکہ کوفہ دار الشیعہ ہے. لیکن امام ثوری یہاں تک کہتے تھے کہ اگر کسی نے علی کو ابوبکرؓ مقدم سمجھا تو مجھے ہرگز امید نہیں کہ اسکا کوئی عمل بھی اللہ جل شانہ تک پہنچے گا بلکہ اس کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے یہ روایت ابوداؤد نے اپنی سنن میں نقل کی ہے اسی طرح علماء بصرہ میں سے حماد بن زید، حماد بن سلمہ، عمرو بن حارث ابن وہب پھر عبداللہ بن مبارک، وکیع ابن جراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابویوسف، امام محمد بن حسن، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم، ابوعبیدہ، بخاری ابوداؤد، ابراہیم حربی، فضیل بن عیاض ابوسلیمان درانی معروف کرخی، سری سقطی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری، وغیرہ وغیرہ

اتنے ائمہ اور فقہا ابوبکر کی افضلیت پر متفق ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے. جس طرح یہ ابوبکر و عمر کو مقدم سمجھتے ہیں اسی طرح ان کی امامت پر انہیں یقین ہے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ سب کے سب حضور انور رسول اللہ ﷺ کی متابعت اور موالاۃ میں اعلے درجہ کے مجتہد ہیں.

شیعی علماء کی انتالیسویں برہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی شَہِدۡنَا اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ہٰذَا غٰفِلِیۡنَ (اعراف:۱۷۲) یعنی اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم (یعنی) اُنکی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُنہیں اُن کی جانوں پر گواہ بنایا (اور اُن سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں بولے کہ ہاں ہم (اس پر) گواہ ہیں یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہو کہ بیشک ہم اس سے غافل تھے. (شیعی علماء فرماتے ہیں) ابن شبرویہ نے اپنی کتاب الفردوس میں خذیفہ بن یمان سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ علیؓ کا نام امیر المومنین کب رکھا گیا ہے تو وہ علیؓ کی فضیلت کا انکار نہیں کریں ان کا نام امیر المومنین اُس وقت رکھا گیا تھا جب آدم روح اور رحم کے درمیان تھے. جب مذکورہ آیت پڑھی گئی تو فرشتے بولے ہاں ہم بھی گواہ ہیں اللہ پاک نے فرمایا یاد رکھو میں تمہارا پروردگار ہوں اور محمد ﷺ تمہارے نبی ہیں اور علی تمہارے امیر ہیں اور یہ اس بارے میں صریح ہے.

جواب: اول یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اس پر سب محدثین کا اجماع ہے کہ فقط صاحب فردوس کا روایت کرنا اس امر کی کبھی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ بن شبرویہ دیلمی ہمدانی نے اس کتاب میں بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض صحیح ہیں اور اکثر ضعیف و موضوع ہیں. یہ صحیح ہے کہ ابن شبرویہ اہل علم اور دین دار تھا مگر اُسے جو روایتیں مختلف کتاب میں ملیں انہیں بے کم و کاست بغیر تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا. اب رہا کتابوں کا معاملہ ان میں سے سچ جھوٹ دونوں ہی باتیں ہوتی ہیں. دوسرے باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے.

تیسرے یہ کہ قرآن مجید میں فقط اتنا ہے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی اس میں نہ نبی کا ذکر ہے نہ امیر کا ذکر ہے. پھر آگے یہ فرمایا گیا ہے اَنۡ تَقُوۡلُوۡا اِنَّمَاۤ اَشۡرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّۃً یہ اس امر کی

صاف دلیل ہے کہ وہ عہد و پیمان خاص توحید ہی کا تھا اس میں نبوت کا بھی عہد نہیں تھا تو بھلا اس سے بھی کم درجہ کا کیونکر ہوتا. چوتھے اس روایت کا پتہ نہ مسند سنن میں ہے نہ کتب تفسیر میں کہیں ملتا ہے اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ضرور کوئی نہ کوئی اُسے نقل کرتا صرف ایک ہی شخص پر اس کا انحصار نہ ہوتا. پانچویں یہ کہ وہ عہد تو تمام اولاد آدم سے لیا گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ نوح علیہ السلام سے لیے محمد رسول اللہ ﷺ تک سارے انبیاء کے علی امیر المومنین ہوں مگر اس خیال اور عقیدہ کا شخص ہوش مندوں میں نہیں گنا جا سکتا. حضرت علی کے پیدا ہونے سے پہلے کل انبیاء (سوائے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے) گزر چکے تھے. پھر علی اُن پر امیر کس طرح بن سکتے ہیں. ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ علی اپنے زمانہ کے لوگوں پر امیر ہوں مگر پھر بھی حضور انور پر ان کا امیر بننا شاید کوئی شیعہ صاحب قبول نہ فرمائیں گے. پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خلاف عقل کیوں ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں جن پر بچہ بھی ہنس دے.

شعی علماء کی چالیسویں بُرہان: (بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ. وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ یعنی بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں۔ شیعی علماء فرماتے ہیں، سب مفسرین کا اس پر اجماع ہے نیک مسلمانوں سے مراد علی ہیں۔ ابونعیم نے اسماء بنت عمیس سے مرفوعاً روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے یہ آیت پڑھی وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ. وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (التحریم:۴) اس میں علی کی خصوصیات اُن کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہٰذا وہی امام ہوئے اور اس بارے میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں مگر ہم نے اختصار مدنظر رکھ کے ان ہی مذکورہ آیتوں پر اکتفار کرلیا ہے. فقط

جواب: اوّل شیعی علماء کا یہ کہنا سب مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ نیک مسلمانوں سے مراد علی ہیں محض غلط ہے. کیونکہ مفسرین کا کبھی اس پر اجماع نہیں ہوا اور نہ علماء تفسیر اور علماء حدیث وغیرہ میں سے کسی نے بھی اس اجماع کو نقل کیا. کیا موجودہ شیعی علماء فرمائیں گے کہ اس اجماع کا ناقل کون ہے ہم اُسکی خوب تحقیق اور تشریح چاہتے ہیں. دوسرے، تفسیر کی تمام کتابیں اس روایت کی نقیض سے بھری ہوئی ہیں اور سب نے اس کے خلاف ہی شہادت دی ہے. سنیئے ابن سمعود، عکرمہ مجاہد اور ضحاک وغیرہ کا

یہ قول ہے کہ اس سے مراد ابوبکر اور عمر ہیں۔ اسی قول کو مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ جیسے ابن جریر طبری وغیرہ۔ بعض کا یہ قول ہے کہ فقط ابوبکر مراد ہے۔ اِسے مکحول نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے بعض کہتے ہیں فقط عمر مراد ہیں۔ یہ قول سعید بن جبیر اور مجاہد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں خبار المومنین یعنی نیک مسلمان مراد ہیں یہ قول ربیع بن انس کا ہے بعض کہتے ہیں انبیاء مراد ہیں یہ قول قتادہ، علاء ابن زیاد اور سفیان کا ہے۔ بعض کہتے ہیں علی مراد ہیں اس قول کو ماوردی نے نقل کیا ہے مگر اس کے قائل کے نام کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ شاید شیعی اصحاب میں سے کوئی صاحب ہوں۔ تیسرے علیؓ کی خصوصیت کسی ایسے شخص کے قول سے ثابت ہوئی جس کا قول حجت ہوتا ہو اور یہ حدیث کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہاں یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ فقط ابونعیم کا نقل کرنا صحت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ چوتھے صالح المومنین سے صاف پایا جاتا ہے کہ نیک مسلمان اس سے مراد ہیں جیسا کہ صحیح میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔ ان آل ابی فلان لیسوا الی باولیاء انما ولی اللہ وصالح المومنین ۔ یعنی میرے دوست اور مددگار فلاں کے گھر والے ہی نہیں ہیں بلکہ میرا مددگار تو اللہ اور نیک مسلمان ہیں۔ فقط

(شیعی علماء فرماتے ہیں) جب یہ آیۃ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (یعنی اے محمد ﷺ تم اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کے گھر میں عبدالمطلب کی ساری اولاد کو جمع کیا جن میں چالیس مرد اور دو عورتیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں کھانا کھلایا۔ کھانا صرف یہ تھا ایک بکری کا گوشت گہیوں کی کچھ روٹیاں ایک صاع دودھ کا بس کھانا تو فقط اتنا ہی تھا مگر ان لوگوں میں ایک ایک آدمی وہ پرخوراک تھا۔ جو ایک ہی نشست میں سالم بکرا کھا جاتا اور ایک ایک مشک پانی کی پی جاتا۔ (جھوٹ آدمی بولے تو اتنا تو بولے) مگر رسول اللہ ﷺ کا وہ تھوڑا سا کھانا سب کفایت کر گیا اور سب نے سیر ہو کے کھایا۔ کھانے میں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اُنہوں نے کیا کھایا ہے یعنی کھانا جس قدر تھا اُسی قدر موجود تھا اور اصل کھانے میں سے ایک ماشہ برابر بھی کم نہیں ہوا تھا۔ یہ دیکھ کے سب آدمی حیران رہے گئے اور اُنہیں معلوم ہو گیا کہ محمدی اپنی نبوت میں بالکل سچے ہیں۔ کھانا کھا پی لینے کے بعد رسول اللہ نے فرمایا اے عبدالمطلب کو اولاد بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اے محمد تم اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کو ڈرائیں اس لیے میں تمہیں ایسے دو قلموں

کی ہدایت کرتا ہوں جو زبان سے کہنے میں تو بہت آسان ہیں اور ثواب کی رو سے میزان عمل میں بہت وزنی ہیں. ان دو کلموں کی برکت سے تم سارے عجم و عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور ساری خلقت تمہاری تابع فرمان بن جائیگی. اُن ہی کی برکت سے تم جنت میں چلے جاؤ گے اور دوزخ سے بچ جاؤ گے. وہ دو کلمے یہ ہیں اور اس امر کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا سچا رسول ہوں پس جو شخص میرے اس کہنے کو تسلیم کرلے گا اور دل و جان سے مان لیگا اور اس پر قائم رہےگا اور مجھ سے عہد کرلے گا وہی میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی میرا وارث اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے (یہ کہہ کے آپ خاموش ہو رہے اور جواب کے منتظر ہوئے) مگر کسی نے بھی اسکا جواب نہ دیا لیکن امیر المومنین علیؓ نے فرمایا رسول اللہ اِس کا میں آپ سے عہد کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ دوبارہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالمطلب کی اولاد سے پھر اسی طرح فرمایا اور اُنہوں نے پھر خاموشی سے جواب دیا مگر اسی طرح علیؓ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے اپنے پہلے جملے دوہرائے. تیسری بار بھی حضور نبوی سے وہی ارشاد ہوا اور اس کے جواب میں بھی سکوت سے کام لیا گیا ہاں حضرت علیؓ اپنی اُسی آمادگی سے حامی بھرتے اور تصدیق کرتے رہے. تیسری بار حضور انور ﷺ نے علیؓ سے کہا بس بیٹھ جاؤ تم ہی میرے بھائی ہو تم ہی میرے وزیر ہو تم ہی میرے وصی ہو تم ہی میرے وارث اور تم ہی میرے بعد میرے خلیفہ ہو. اس وقت حاضرین نے ابوطالب کو بہت مبارکبادی فقط. (شیعی علماء کا قول ختم ہوگیا).

جواب: اس روایت کے متعلق شیعی علماء کا یہ دعویٰ کہ اُسے سب نے نقل کیا ہے ایک مضحکہ خیز کہانی ہے اوّل تو یہ کہ اسکی صحت کہیں سے ثابت نہیں ہوتی بہتر اٹٹولا ہمیں تو کہیں اسکی صحت کا ضعیف سے ضعیف ثبوت بھی نہیں ملا. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ یہ روایت مسلمانوں کی ان کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جن سے علم نقل حاصل کیا جاتا ہے نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ مغازی میں نہ ایسی تفسیر میں جسکی اسناد قابل حجت ہوں. یہ بات دوسری ہے کہ کسی ایسی تفسیر میں سے نکال کے دکھا دی جائے جس نے اندھادھند اٹکل بچوں صحیح ضعیف مردود و موضوع روایتیں جمع کر دی ہوں. اور تحقیق و تنقید سے کچھ تعلق نہ رکھا ہو ایسی تفسیروں کی سرتاج ثعلبی، واحد اور بغوی کی تفسیریں بلکہ ایسی بے سروپا تفسیروں میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی تفسیریں بھی شامل کرنی چاہیں. ایسے شاندار مفسروں میں

سے اگر کسی فرد واحد نے کوئی بے جوڑ الکل پچو روایت اپنی تفسیر میں نقل کر دی تو کیا اُنکی یہ فرضی نقل علماء کے آگے کوئی حجت ہوسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں. جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان منقولات میں صحیح ضعیف دونوں قسم کی روایتیں ہیں تو پھر اس کا ثبوت دینا لازم تھا کہ منقول صحیح قسم سے ہے ضعیف قسم سے نہیں ہے. مذکورہ روایت کی بابت یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ثعلبی، بعوی اور ابن جریر کی تفسیروں میں نقل ہوئی ہو مگر تماشہ یہ ہے کہ ان ہی تفسیروں میں جن میں اس روایت کا پتہ لگا تا ہے ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جو اس روایت کے بالکل مناقض ہیں اور سب سے بڑا لطف یہ ہے کہ یہ روایتیں صحیح اسناد سے درج کی گئی ہیں. بات اصل یہ ہے کہ کسی آیت کے سبب نزول میں جتنی روایتیں اُنہیں ملتی ہیں خواہ صحیح ہوں ضعیف ہوں. موضوع ہوں اُنہیں نقل کر دینے سے کام ہے اسی لیے ان کی تفسیروں میں متناقض روایتوں کا طور مار بے تمیزی کرے جسکا عادل ہونا ثابت نہ ہو بلکہ اُلٹا مجروح ہونا ثابت ہوا اور بہت سے آدمی اُسکے خلاف گواہی دیں تو اس ایک مجروع آدمی کی گواہی بھلا کب سنی جاسکتی ہے.

بفرض محال اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ اور عادل ہیں مگر ان کے علاوہ وہ اور ثقہ اور عادل راویوں نے اس کے خلاف روایت کی ہے تو اب ان دونوں روایتوں میں غور کرنا واجب ہے کہ ان سے کونسی صحیح اور رائج ہے اور جب تمام علماء نقل کا اس پر اتفاق ہو کہ جو روایتیں اس حدیث کے خلاف ہیں وہی ثابت اور صحیح ہیں تو پھر یہ حدیث کس طرح ماننے کے قابل ہوسکتی ہے. بلکہ یہ حدیث تو اُسکے بھی مناقض ہے جو ائمہ تفسیر سے بذریعہ تواتر معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اِس کسی حال میں بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ یقیناً باطل ہے. دوسرے چونکہ یہ حدیث گھری ہوئی اور سراسر جھوٹی ہے اسلئے کسی نے بھی ان کتابوں میں نقل نہیں کی جو منقولات میں مرجع سمجھی جاتی ہیں. ہاں جسے حدیث سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ خوب جان سکتا ہے کہ یہ بے شک جھوٹ ہے. بغوی اور ابن جریر نے ایسی اسناد سے روایت کیا ہے جس میں عبدالغفار بن قاسم بن فہد ابومریم کوفی راوی ہے. اسکے متروک ہونے پر سب کا اجماع ہے. سماک بن حرب اور ابوداؤد نے اسے جھوٹا کہا ہے. امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ نہیں ہے. اسکی اکثر روایت کردہ حدیثیں بالکل باطل ہوتی ہیں یحیی کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے. ابن حبان بستی کا قول ہے کہ یہ عبدالغفار بن قاسم شرابی تھا اور خوب شراب پیا کرتا تھا

یہاں تک کہ وہ بے خودی ہو جاتا تھا اور اپنی اسی بے خودی کی حالت میں یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا بھلا ایسے شخص کی حدیث سے حجت کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے. اسی لیے امام احمد یحی نے متروک کر دیا تھا.

اب سنیئے دوسری سند، مذکورہ حدیث کو ابن ابی حاتم نے بھی نقل کیا مگر اُنکے ہاں سند میں عبد اللہ عبدالقدوس راوی پیش کیا گیا ہے خیر سے یہ حضرت بھی ثقہ نہیں ہیں یحیٰ بن معین کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں. یہ نتھرا نتھرایا پکا چھٹا دودھ کا دھویا امامیہ مذہب رکھتا ہے. دارقطنی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالقدوس ضعیف راوی ہے. اب رہے ثعلبی ان کی اسناد تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے. صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور کوہ صفا پر چڑھ کے یہ آواز دی یا صباحاہ لوگ اس آواز کو سُن کے دنگ رہ گئے. سب آپ کے پاس جمع ہو گئے. حضور انور نے ہر ہر خاندان کو پکارا. اے بنی فلاں اے بنی عبدمناف اے بنی عبدالمطلب اور ایک روایت میں ہے اے بنی فہر اے بنی عدد اے بنی فلاں. غرض کہ قریش کل خاندانوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دی اس آواز سے لوگوں کی بھی یہ حالت ہوگئی کہ جو شخص خود نہ آسکا تو اُس نے اپنے بدلہ دوسرے کو بھیجد دیا کہ دیکھیں رسول اللہ کیا فرماتے ہیں جس وقت سب جمع ہو گئے تو حضور انور نے فرمایا. اے حاضرین یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سے تمہیں غارت کرنے کے لئے ایک لشکر آرہا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ اس پر سب ایک زبان ہو کے بولے، بے شک اے نبی اللہ ہم آپ کو سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم بارہا آپ کا تجربہ کر چکے ہیں آپ کی کوئی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوئی. اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک شدید عذاب کے آنے اور اس میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈراتا ہوں تم اپنا کچھ فکر کرلو کہ بروقت تمہارا فکر تمہیں دھوکا نہ دے یہ سنتے ہی ابولہب نے نہایت سخت ہوکر یہ جملہ حضور انور ﷺ کی نسبت کہا یعنی تیرا بُرا ہو کہ تو نے ہمیں صرف اس بات کے سنانے کے لیے جمع کیا تھا. بس اُس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ. ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس طرح فرمایا تھا ''اے حاضرین یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ صبح شام میں تم پر ایک خوفناک اور زبردست دشمن حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے اور میرا الیقین کرلو گے؟ سب بولے کیوں نہیں''

اب اگر شیعی علماء یہ فرمانے لگیں کہ ہماری پیش کردہ حدیث کو بھی ثعلبی، بغوی اور مغازی وغیرہ نے

نقل کیاہ تو اُسکے کیوں نہ تسلیم کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض اُن لوگوں کا اُسے نقل کر دینا باتفاق تمام محدثین کے بے بنیاد ہے اُن کے نقل کر دینے سے اِس حدیث کی صداقت پر کسی طرح سے تمسک نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کی کتابوں میں موضوعات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اس پر کل محدیثن کا اتفاق ہے.ان میں بہت سی ایسی روایتیں بھی ہیں کہ اولہ یقیہ سمعیہ اور عقلیہ سے اُن کا جھوٹ اور سراسر جھوٹ ہونا ثابت ہوتا ہے. یہ مانا کہ ثعلبی وخمیرہ جان کے جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں مگر ان میں نقص یہ ہے کہ کھرے کھوٹے کو نہیں دیکھتے کتابوں میں جو کچھ ملا آنکھ بند کر کے نقل کرتے چلے گئے اور جو کچھ کانوں سے سنا اُسے روایت کی شکل میں نقل کر دیا. اُنہیں حدیثوں کی اسناد میں ایسی مہارت نہیں ہے جیسی ائمہ حارث، شعبہ، یحی بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیی ابن معین، اسحٰق، محمد بن یحی ذھلی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی ،ابوحاظم، ابوزرعہ، رزین، ابوعبداللہ بن مندہ اور دارقطنی کو ہے.

ان کے علاوہ اور آئمہ حدیث، نقاد حدیث، حکام حدیث، حفاظ حدیث یعنی وہ لوگ جنہیں حضور انور ﷺ کے ناقلین علم کے احوال سے پوری پوری واقفیت ہے.ثعلبی کی تفسیر میں جہاد موضوعات کا ڈھیر لگا ہوا وہاں کہیں کہیں صحیح حدیثیں بھی دکھائی دیتی ہیں قریب قریب سب موضوع ہی کی قسم میں سے ہیں جو اُس نے ہر ہر سورہ کے فضائل میں نقل کی ہے.خلاصہ ہے کہ ان جمہور میں سے جو خلفائے ثلثہ کی خلافت کا عقیدہ رکھتے ہیں ایک آدمی کا کوئی حدیث روایت کرنا اسے لازم نہیں کرتا کہ وہ جو روایت کرے اُس میں سچائی ہو یا د رکھو کہ کھرے کھوٹے کے پہنچاننے کے لیے میزان عدل موجود ہے.اُس کے ذریعہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجاتا ہے.اصول احکام، زہد اور فضائل سب میں لوگوں نے بہت سی حدیثیں گھڑ کے حضور انور ﷺ سے نسبت دے دی ہیں .اسی طرح خلفائے اربعہ فضائل میں بھی بہت سی حدیثیں بنالی ہیں.علی ہذاالقیاس حضرت معاویہ کے فضائل میں بھی حدیثوں کا اٹم کا اٹم موجود ہے.ان میں بعض کا مقصود فقط یہ ہے کہ اس بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہوں سب کو نقل کر دیں ہیں.ایسی حالت میں اسکی تمیز کیونکر ہوسکتی ہے کہ صحیح کونسی ہیں اور موضوع کونسی ہیں.جیسا کہ ابونعیم نے فضائل خلفائے میں کیا ہے.اسی طرح ابوالفتح ابی الفوارس اور ابو علی الاھوازی وغیرہ نے امیر معاویہ کے فضائل میں حدیثیں جمع کر دی ہیں یا جیسا کہ نسائی حضرت علی

کے فضائل میں حدیثوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ اسی طرح ابوالقاسم، ابن عسا کر نے جو حضرت کے فضائل میں حدیثیں جمع کیں ہیں وہ بھی سب جھوٹی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

شیعی علماء کی دوسری حدیث : شیعی علماء گوہر افسانی فرماتے ہیں اور اپنی معلومات دینے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ جب آیۃ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ (المائدہ:۶۷) نازل ہوئی تو حضور انور نے غدیر خم میں لوگوں خطبہ سنایا اور سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے حاضرین کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں سب بول اُٹھے کے ہاں کیوں نہیں آپ بے شک ایسے ہی ہیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ **من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم دال من والاہ عاد من عاد الا د انصر من نصرہ واخذل من خذلہ**۔ یہ سُنتے ہی عمر فاروق کہنے لگا واہ علی اب تو تم میرے بھائی مولا بن گئے اور ہر مسلمان مرد و عورت کے بھی مولا ہو گئے اور یہاں مولا سے مراد وہ شخص ہے جو تصرف کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **والست اولیٰ منکم بانفسکم** میں تقویٰ کا ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

جواب: اس کا جواب نہایت وضاحت سے ہم پہلے دے چکے ہیں جہاں شیعی علماء نے قرآن مجید کی آیتوں سے حضرت علی کی امامت کا استدلال کیا تھا۔ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ آیت حضور انور کے حج کرنے سے بہت عرصے پہلے نازل ہو چکی تھی اور غدیر کا واقعہ آپ کے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۸ ذی الحجہ کو ہوا ہے اور اسکے بعد آپ صرف کچھ اوپر دو مہینے زندہ رہے۔ اسکی پوری تشریح اس سے ہو جاتی ہے کہ سب کے اخیر میں سورۂ مائدہ کی یہ آیۃ نازل ہوئی ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ:۳) یہ آیت ۹ ذی الحجہ کو حجۃ الوداع میں بمقام عرفہ نازل ہوئی تھی اُس وقت حضور انور رسول اللہ ﷺ وقوف عرفہ کر رہے تھے جیسا کہ صحاح اور سنن میں ثابت ہے۔ یہی قول تمام علمائے مفسرین اور محدثین کا ہے۔ اِس آیۃ کے نازل ہونے سے نوروز کے بعد جب حضور انور مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اٹھارہ ذی الحجہ کو غدیر خم کا واقعہ ہوا تھا پس اب کوئی کیونکر کہ سکتا ہے کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اُس وقت نازل ہوا تھا۔ یہ اُن آیتوں میں سے ہے جو ابتداء میں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اگر چہ یہ

سورۂ مائدہ میں ہے جیسا کہ شراب کی حرمت کا حکم بھی سورہ مائدہ میں ہے اور یہ حرمت غزوہ احد کے بعد اور سب امور سے پہلے ہوئی تھی. اسی طرح سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم ہے فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ یہ آیت یا تو اس حد میں نازل ہوئی تھی کہ جب آپ نے دو یہودیوں کو سنگسار کیا تھا یا بنی قریظہ اور نضیر کے درمیان فیصلہ کرنے میں نازل ہوئی تھی. یہودیوں کے سنگسار کرنے کا مقدمہ میدنہ میں سب سے پہلے مقدمہ ہے. اسی طرح بنی قریظہ اور نضیر کے درمیان فیصلہ ہے کیونکہ بنی نضیر کو غزوۂ خندق سے پہلے حضور انور نے جلا وطن کیا تھا اور بنی قریظہ کا معاملہ اس غزوئے کے بعد کا ہے. غزوۂ خندق باتفاق کل علماء کے حدیبیہ اور فتح خیبر سے پہلے واقع ہوا تھا. اور یہ سب واقعات فتح مکہ اور غزوہ حنین سے پہلے کہ ہیں اور یہ حجۃ الواداع سے پہلے اور حجۃ الواداع خطبہ غدیر سے پہلے کا وقوعہ ہے. اب اگر کوئی یہ کہے کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیت غدیر خم کے بعد بھی نازل ہوئی ہے تو یہ کہنے والا باتفاق تمام علماء کے یقیناً جھوٹا اور مفتری ہے. اسکے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب فرقان حمید میں یہ فرماتا ہے. یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. یعنی اے (میرے برگزیدہ) رسول جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے تم (لوگوں تک) پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا. فقط اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے برگزیدہ نبی کے لیے اِس بات کا ضامن ہو گیا ہے کہ جب آپ پیغام پہنچا دینگے تو وہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا تا کہ اُسے باعث آپ اپنے دشمنوں سے مطمئن ہو جائیں. اسی وجہ سے یہ راویت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضور انور ﷺ اپنی حفاظت کے لیے پہرہ رکھتے ہیں تھے مگر اس کے نازل ہوتے ہیں آپ نے پہرہ اُٹھایا. یہ حالت تبلیغ پوری ہونے سے پہلے ہی تھی اور حجۃ الوداع میں تبلیغ پوری ہو چکی تھی. اس لیے آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا بولو میں تبلیغ احکام پوری کر چکا ہوں یا نہیں؟ سب بول اُٹھے. بیشک آپ پوری کر چکے ہیں اُس وقت آپ نے فرمایا "خداوند تو گواہ رہیو" پھر حاضرین کی ارشاد ہوا. میں تمہارے اندر ایک ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اُس پر کار بند ہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یا درکھو وہ اللہ کی پاک کتاب قرآن مجید ہے قیامت کے دن تم سے تم میری بابت سوال ہوگا بولو تم کیا

جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم اس امر کی ضرور گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام بے شک پہنچا دیا تھا. اور خوب نصیحت کی تھی. یہ سن کے آپ نے اپنی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر حاضرین کی طرف جھکا کے یہ کہا" خداوند تو گواہ رہیو خداوند تو گواہ رہیو" یہ الفاظ جابر کی حدیث کے ہیں جو مسلم وغیرہ میں صحیح حدیثوں میں سے ہے. آپ نے یہ بھی فرمایا یہ تھا اکثر ایسا ہوتا ہے جنہیں کوئی بات پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والوں سے اُسے زیادہ یاد رکھتے ہیں پس یہ حفاظت جسکی اِس آیت میں ذمہ داری کی گئی ہے اس تبلیغ سے پہلے ہوگئی تھی لہذا یہ آیت حج الوداع کے بعد نازل ہوئی کیونکہ تبلیغ تو آپ اس سے پہلے ہیں کر چکے تھے. تیسرے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے عبدالمطلب کی اولاد میں چالیس مرد نہ تھے کیونکہ یہ آیت ابتدائے اسلام میں مکہ میں نازل ہوئی تھی. اِس کے علاوہ بھی حضور ﷺ کے زمانہ حیات تک عبدالمطلب کی اولاد دیرینہ کی تعداد چالیس کبھی نہیں ہوئی یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ بلکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے صرف اُن کے چار بیٹے رہے تھے. عباس ابوطالب، حمزہ اور ابولہب، عبدالمطلب کا سارا خاندان ان ہی چاروں سے بنا ہوا تھا اور یہی بنو ہاشم ہیں حضور انور کے چچاؤں میں سے سوائے ان چار کے اور کسی نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا جن میں سے دو مسلمان ہوگئے یعنی حمزہ اور عباس اور دو کافر رہے مگر ان میں سے ایک نے حضور انور ﷺ کی مدد و معاونت کی وہ ابوطالب ہیں اور دوسرے نے آپ سے عداوت کی اور آپ کے دشمنوں کو مدد دی وہ ابولہب ہے اب آپ ﷺ کے چچاؤں کی اولاد کی تفصیل سنیئے. ابوطالب کے چار بیٹے. طالب، عقیل، جعفر، علی، طالب نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا. باقی تینوں نے پایا ہے. ان میں سے علی اور جعفر ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوگئے تھے مگر جعفر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے پھر جنگ خیبر کے وقت وہاں سے آگئے اور جب ان سب نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو بنی ہاشم کی کل جائیدادمیاں عقیل دبا کے ہو بیٹھے اور اپنا پورا قبضہ کر لیا حجتہ الوداع میں جب کسی نے حضور انور ﷺ سے یہ دریافت کی کہ کل ہم حضور ہی کے مکان میں مکہ پہنچ کے اُتریں گے اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے وہ تو سب مار بیٹھے ہیں. اب رہے عباس ان کے سب بیٹے کم سن تھے ان میں کوئی بھی بالغ نہ تھا. جس پر مرد کا اطلاق ہوسکتا ہے اور اگر صغیر سنی ہی میں اُنہیں مرد کے نام سے پکارا جائے تو بھی ان کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہونے کی یعنی عبداللہ اور فضل باقی قثم تو ان سب کے بعد پیدا

ہوئے ہیں. ان سب میں بڑے فضل تھے. جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَ قْرَبِیْنَ نازل ہو چکی ہے تو اس کے ایک عرصہ کے بعد عبداللہ شعب میں پیدا ہوئے ہیں. ہجرت کے وقت اُن کی عمر تین یا چار برس کی تھی اور حضور انور ﷺ کی ساری زندگی میں عباس کے ہاں سوائے فضل، عبداللہ اور عبیداللہ کے کوئی بچہ ہی پیدا نہیں ہوا. ان کے علاوہ اور بچے حضور انور کے بعد پیدا ہوئے تھے.

اب رہے حمزہ اور ابولہب ان دونوں کی اولاد کچھ زیادہ نہ تھی حمزہ کے صرف دو بیٹے تھے ابو سفیان اور ربیعہ یہ دونوں ایک عرصہ کے بعد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے ہیں. اسی طرح ابولہب کے بیٹے بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے. ابولہب کے تین بیٹے تھے جن میں سے دو مسلمان ہوئے عتبہ اور مغیث یہ دونوں جنگ طائف اور جنگ حنین میں بھی حاضر تھے. اور تیسرے بیٹے عتیبہ سے حضور انور ناخوش تھے وہ نہ صرف کافر تھا بلکہ حضور انور ﷺ کا کم ظرف دشمن تھا اور خواہ مخواہ جب اُس نے حضور انور کو بہت اذیت دی تو حضور انور نے فرمایا کہ اسے تو کوئی کتا چیر پھاڑ ڈالے چنانچہ ملک شام میں جب وہ زرقا پہنچا تو کسی درندے نے اُسے پارہ پارہ کر دیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا. غرض عبدالمطلب کی کل اولاد کی یہ کہانی ہے جسکی ساری تعداد میں دس مرد بھی نہیں ہوتے چہ جائے کہ چالیس ہوں. چوتھے بنی ہاشم پیٹو مشہور نہ تھے اُن میں کوئی ایسا شخص تھا جو سالم ایک بکرا کھا جاتا ہو اور اُس پر ایک مشک پانی پی لیتا ہو.

پانچویں. بقول شیعی علماء کے حضور انور ﷺ کا حاضرین سے یہ فرمانا کہ جو شخص میرے اس کہنے قبول کر لیگا اور اس پر قائم رہنے کا مجھ سے عہد کرے گا پس وہی میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے" یہ کلام حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ محض شہادتیں ہی بہتان ہی بہتان ہے ایسے کلام کو حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ محض شہادتیں کا اقرار کر لینا اور اس پر کار بند رہنا ان سب امور کا ہرگز باعث نہیں ہوسکتا. اسلیئے کہ ان دو کلموں کا تو سب مسلمانوں نے دل و جان سے اقرار کر لیا تھا اور ہو اس پر ایسے کار بند ہوئے تھے کہ اُنھوں نے حضور انور ﷺ کو مدد دینے اور آپ کی اطاعت کرنے میں آپ جانیں قربان کر دیں اور اپنا مال خرچ کر دیا. اپنے وطنوں کو چھوڑ دیا. اپنے بھائیوں اور کنبہ سے قطع تعلق کر لیا. معزز ہونے کے بعد ذلیل ہونے کو تسلیم کر لیا یعنی اپنی قوم کی سرداری پر تین حرف بھیجے اور حضور انور کے حلقہ

غلامان میں شامل ہو گئے. غنی ہونے کے بعد فقیری اختیار کر لی. عیش و عشرت میں رہنے کے بدلہ تنگی قبول کر لی غرض ان کی خصلتیں ایسی مشہور و معروف ہیں کہ مثل آفتاب نصف النہار کے روشن ہیں. باوجود ان سب باتوں کے آپ کا خلیفہ کوئی نہیں ہوا. اس کے علاوہ اگر حضور انور نے یہ امر ان چالیس آدمیوں پر پیش کیا تھا تو ممکن تھا کہ وہ سب کے سب اُسے قبول کر لیتے یا اُن میں سے چند ہی قبول کر لیتے اب دیکھو ان میں سے چند آدمی قبول کر لیتے تو پھر ان میں سے خلفیہ آپ کے بعد کونسا ہوتا. بلا کسی اور سبب کے اسکی تعئین کس طرح ہوتی ان سب کو تو ایک ہی وقت میں حضور انور خلیفہ نہیں کر سکتے تھے. پس معلوم ہوا کہ وصیت، خلافت، اخوت، اور موازرت کو حضور انور ﷺ نے اس سہل امر یعنی کلمہ شہادتیں کا اقرار کر لینے اور اس پر کار بند ہونے پر معلق نہیں کیا تھا اِسکے علاوہ جس شخص کا اللہ پر، اللہ کے رسول پر اور روز قیامت پر ایمان ہے اُسے اس میں سے پُورا پورا حصہ ملا ہوا ہے اور جسے اس میں حصہ نہیں ملا وہ مسلمان نہیں منافق ہے. بس ایسے کلام کو حضور انور سے نسبت دینا کو نکر جائز ہو سکتا ہے. چھٹے امیر حمزہ، جعفر اور عبیدہ حارث نے علی کی طرح شہادتیں کو قبول کر لیا تھا اور اس پر کار بند ہو گئے تھے کیونکہ یہ اُن سابقین اولین میں سے ہیں جو ابتدائی حالت میں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے تھے بلکہ امیر حمزہ تو اس سے بھی پہلے مسلمان ہو گئے تھے کہ ابھی چالیس آدمی بھی ایمان نہ لائے تھے. دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضور انور ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں رہتے تھے اور یہیں لوگ آپ سے ملنے آیا کرتے تھے اور یہیں مجمع ہوتا تھا باقی آپ اور عبدالمطلب کا سارا خاندان کبھی کسی اور گھر میں جمع نہیں ہوئے. کیونکہ ابولہب آپ کا کُھلا ہوا زہریلا دشمن تھا. جب بنی ہاشم شعب میں محصور ہوئے تو ابولہب اُن کے ساتھ وہاں بھی نہیں کیا گیا تھا. صحاح میں اس آیت کا شان نزول اِس کے بالکل خلاف ہے. صحیحین میں ابن اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو حضور انور نے قریش کو دعوت دی وہ سب جمع ہو گئے. اس وقت حضور انور ﷺ نے عام و خاص سب سے یہ خطاب کیا اے بنی کعب بن لوئی تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو، اے بنی مرہ بن کعب تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو اے بنی عبدالمطلب تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو اے فاطمہ بنت محمد تم بھی اپنی جان دوزخ سے بچاؤ کیونکہ اللہ کے حضور انور ﷺ میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا سوائے اسکے کہ تم سب سے میری قرابت داری ہے اِس تعلق کی وجہ سے میں تمہاری کچھ مدد نہ

کرسکوں گا صحیحین میں ابو ہریرہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور نے بلند آواز سے یہ فرمایا ''اے قریش تم اپنی جانیں اللہ سے مول لے لو'' کیونکہ میں تمھیں اللہ سے نہیں بچاسکوں گا اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا اے فاطمہ بنت محمد ﷺ میں تمھیں اللہ سے نہیں بچاسکوں گا تم دونوں کو اگر مجھ سے کچھ مال لینا ہے تو یہیں لے لو اور وہاں کی اُمید نہ رکھو مسلم نے ابن مخارق، زبیر بن عمرو اور عائشہ صدیقہ کی حدیث نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور انور نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کے فرمایا تھا. اور قبیصہ کی حدیث میں یہ ہے کہ آپ رضمہ کی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھے اور بآواز بلند پکارا اے بنی عبد مناف میں تمہارے لیے نذیر (ڈرانے والا) ہوں میری تمہاری مثال اُس آدمی جیسی ہے کہ جو دشمن کو آتا دیکھ کے اپنے متعلقین کو مطلع کرنے کے لیے ڈر سے دوڑے کہ دشمن اس سے پہلے نہ پہنچ جائے اور پھر چیخے صبا حاہ یاصبا حاہ یعنی اے لوگو میرا کہا مان لو ورنہ صبح ہوتے ہی برباد کر دیئے جاؤ گے. دوسری دلیل یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت آپ کو کسی کا کچھ خوف نہ تھا جس سے حفاظت کرانے کی ضرورت ہوتی بلکہ حجۃ الوادع کے زمانہ میں تو مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور اُن کے نواح کے سب آدمی مسلمان اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کے تابع فرمان ہو چکے تھے. ممکن ہے کہ کوئی منافق مسلمان ہونے سے رہ گیا ہو مگر ایسا کوئی نہ تھا کہ کھلم کھلا آپ کی مخالفت کرسکتا ایسی حالت میں آپ سے ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ الخ. غدیر کے دن جو کچھ ہوا وہ کوئی ایسا امر نہ تھا جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم کیا گیا ہو. یعنی مثل اُن امور کے جن کی تبلیغ حضور انور نے حجۃ الوادع میں کی تھی ایک امر بھی معلوم نہیں ہوتا. جنہوں نے حضور انور کے ساتھ حج کیا تھا وہ سب کے سب حضور انور کے ساتھ واپس مدینہ نہیں آوے تھے. مکہ والے مکہ چلے گئے طائف والے طائف، یمن والے یمن، باقی دیہاتی لوگ اپنے اپنے دیہات کو چلے گئے تھے. جو لوگ حضور انور ﷺ کے ساتھ مدینہ واپس آئے تھے. وہ مدینہ ہی کے یا اُسکے آس پاس کے رہنے والے تھے. پس اگر یہ امر جو آپ غدیر کے دن ذکر کیا ایسا ہوتا کہ اُس کی تبلیغ کرنے کا حکم تھا یعنی مثل اس امر کے جس کی آپ نے حج میں تبلیغ کی تھی تو حجۃ الوداع میں آپ ضرور اس کی بھی تبلیغ کر دیتے جیسے کہ اور امور کی کر دی تھی. حالانکہ حجۃ الوداع میں آپ نے امامت کا بالکل ذکر نہیں کیا نہ امامت کے متعلق کوئی بات فرمائی نہ کسی نے صحیح یا ضعیف سند سے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع میں حضور

انور ﷺ نے علی کی امامت کا ذکر کیا تھا بلکہ کسی نے یہ بھی نہیں بیان کیا کہ حضور انور نے اپنے اس خطبہ میں علی کی کسی بات کا بھی ذکر کیا تھا باوجود یہ کہ عام مجمع تھا جس میں عام تبلیغ کرنے کا آپ کو حکم ہو چکا تھا. اس سے معلوم ہوا کہ علی کی امامت کوئی ایسا دینی امر نہ تھا جسکی تبلیغ کا آپ کو حکم ہوتا.اب رہیں حدیث المواخاۃ اور حدیث الثقلین یہ ایسی حدیثیں نہیں ہیں جو حضرت علی کی امامت کے ثبوت میں پیش ہوسکیں. سنئے غدیر کا واقعہ جو مسلم نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے حضور انور نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو بڑی زبردست چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی پاک کتاب قرآن کریم. اتنا ذکر کر کے حضور انور نے اُسکی بہت کچھ ترغیب دی پھر فرمایا دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں. صرف مسلم ہی نے یہ حدیث بیان کی ہے امام بخاری نے اُسے روایت نہیں کیا. ہاں ترمذی نے اُسے روایت کیا ہے مگر ان کے الفاظ میں یعنی یہ کہ یہ دونوں چیزیں جدا نہیں ہونے کیں یہاں تک کہ مجھ سے عوض کوثر پر مل جائیں ان الفاظ کی زیادتی پر بہت سے حفاظ الحدیث نے طعن کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں. مگر وہ لوگ جو اس کی صحت کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ تمام عترت جو بنو ہاشم ہیں یہ سب کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوں گے اور یہی قول اہلسنت والجماعت میں سے ایک گروہ کا ہے. یہی توضیع قاضی ابویعلی وغیرہ نے کی ہے. اب رہی مسلم کی حدیث اگر حضور انور ﷺ نے ایسا فرمایا ہو تو اس میں فقط کتاب اللہ کے اتباع کرنے کی وصیت ہے اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ وصیت اس سے پہلے حجۃ الوداع میں ہو چکی ہے. وہاں آپ عترت کے اتباع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا ہاں فقط اتنا فرمایا تھا **اذکرکم اللہ فی اھل بیتی** باقی اس کا بھی مفصل بیان غدیر خم سے پہلے ہو چکا تھا. اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا غدیر خم میں آپ نے ایسا شرعی امر کوئی بیان نہیں کیا تھا جو اُس وقت نازل ہوا ہو نہ علی کے حق میں نہ اور کسی حق میں نہ علی امامت کے بارے میں نہ کسی کے بارے میں. پھر مواخاتہ کی حدیث لو اُسے ترمذی نے اور امام احمد نے اپنی اپنی مسند میں حضور انور سے نقل کیا ہے وہ حدیث یہ ہے جیسا حضور انور نے فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** اس میں یار لوگوں نے یہ زیادتی کردی ہے **اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ** یہ محض غلط اور ایجاد بندہ ہے. ابن حزم لکھتے ہیں کہ علی کے فضائل میں جو صحیح طور پر ثابت ہوا ہے. وہ یہ ہے **انت منی بمنزلہ ھرون من موسی الا انہ ، نبی بعدی** دوسرا قول یہ ہے **لا عطینا نزایۃ غدار**

جلایحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ مگر یہ صفت وہ ہے کہ ہر مسلمان مومن فاضل کے لیے ہونی ضروری ہے اسکے علاوہ حضور انور نے یہ بھی کہ علی سے سوائے مومن کے کوئی محبت نہ رکھے گا اور سوائے منافق کے کوئی بغض نہ رکھے گا حضور انور نے یہی ارشاد انصار کے حق میں بھی کیا ہے جو صحیح طور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا کہ جس شخص کا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہوگا وہ انصار سے کبھی بغض نہ رکھے گا. پھر ابن حزم کہتے ہیں باقی یہ حدیث کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ثقہ راویوں کے طریقہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی. باقی ان کے سوا وہ حدیثیں جن سے شیعی علماء استدلال کرتے ہیں سب کی سب موضوع ہیں. جسے حدیث اور نقل حدیث میں ذرا بھی دخل ہو وہ بلا تامل ہماری تائید کرے گا. اب اگر کوئی یہ کہے کہ ابن حزم نے تو وہ حدیث بھی ذکر نہیں جو صحیحین میں ہے کہ انت منی اانا منک اور نہ مباہلہ اور چادر والی حدیث ذکر کی. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن حدیثوں کو بھی صحیح نہیں سمجھتے. یہ بات نہیں ہے. ابن حزم نے حضرت علی کے فضائل میں وہ حدیثیں نقل نہیں کیں جن میں اُن کی کچھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ حضور انور نے جب وہی اوصاف دوسروں کی نسبت فرما دیئے تو خصوصیت جاتی رہی مثلاً آپ نے جعفر طیار سے فرمایا تھا کہ اشبہت خلقی و خلقی اور زید بن حارثہ سے فرمایا تھا کہ انت اخوانا و مولا نا دیکھو حضرت علی کی کچھ خصوصیت اوپر کی حدیثوں میں نہیں رہی. اب دوسری پہلو کی بحث سنئے ہم باور کر لیتے ہیں کہ بے شک حضور انور نے ایسا ہی فرمایا تھا چشم ما روشن دل ما شاد مگر اس سے بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میرے بعد علی ہی خلیفہ بنائے جائیں. اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو حالانکہ ایسے مہتم بالشان کام کے اظہار کے لیے تو بہت صاف صاف اور کھلے الفاظ ہونے چاہیے تھے مفروضہ احادیث میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے ظاہر طور پر خلافت مراد ہو سکے وجہ یہ ہے کہ مولی مثل ولی کے ہوتا ہے یعنی دونوں کے معنی قریب ہی قریب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا پھر فرمایا وَاِنْ تَظَاهَرُوْا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلَائِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَهِیْرًا ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ رسول مومنین کے ولی ہیں اور مومنین رسول کے اولیا اور موالی ہیں اور یہ کہ مومنین آپس میں بھی ایک دوسرے کے اولیا ہیں. خلاصہ یہ نکلا کہ موالاۃ معاواۃ یعنی دشمنی کی ضد ہے اور یہ جانبین سے ہوتی

ہے اگر چہ دونوں متوالیوں میں سے ایک مرتبہ میں بڑھا ہوا ہوا اور اُسکی ولایت احسان اور افضل کرنا ہی ہو اور دوسرے کی ولایت طاعت اور عبادت ہو جیسا کہ کہ اللہ تعالی مومنین سے محبت رکھتا ہے اور مومنین اللہ سے محبت رکھتے ہیں ہم جیسا کہ ابھی کہ چکے ہیں کہ موالاۃ معاداۃ کی ضد ہے اور کفار اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت نہیں رکھتے بلکہ وہ اُن سے عداوت رکھتے ہیں اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّ کُمْ اَوْلِیَاءَ یعنی میرے اور اپنے دشمنوں کے تم دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے. چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

اللہ تعالی یقیناً مومنین کا ولی اور ان کا مولی ہے اس لئے اُنہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کے ایمان کی روشنیوں میں پہنچا دیا ہے. جب یہ بات یوں ہوئی تو اللہ کے اللہ کے رسول کے اور علی کے ولی اور مومنین کے مولی ہونے سے وہی موالاۃ مراد ہے جو معاداۃ کی ضد ہے اور مومنین بھی اللہ سے اور اللہ کے رسول سے وہی موالاۃ رکھتے ہیں جو معاداۃ کی ضد ہے اور یہ حکم اور یہ صفت ہر مومنین کے مولی ہونے سے وہی موالاۃ مراد ہے. جو معاداۃ کی ضد ہے اور مومنین بھی اللہ سے اور اللہ کے رسول سے وہی مولاۃ رکھتے ہیں جو معاداۃ کی ضد ہے اور یہ حکم اور یہ صفت ہر مومن کے لیے ثابت ہے پس علی بھی ان ہی مومنین میں سے ہیں کہ وہ مومنین سے اور مومنین ان سے موالاۃ رکھتے ہیں. اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مومنین میں علی کے سوا اور کوئی مولے ہونے کے قابل نہیں ہے یہ معنی بھلا کیونکر بن سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے اور بہت سے مولی ہیں اور وہ نیک مسلمان ہیں. ہاں یہ بات ضروری ہے کہ علی بطریق اولیٰ مولیٰ ہیں.

اسکے علاوہ حضور انور نے فرمایا تھا کہ اسلم، غفار، مزینہ، حسینہ، قریش اور انصار ان سبا کا اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اور کوئی مولی نہیں ہے اور اُنہیں آپ نے اپنا مولی بھی فرمایا ہے.

اصل یہ کہ ولی، مولی اور روالی میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ وہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے علیحدہ چیز ہے اور جس ولایت کے معنی امارت کے ہیں وہ دوسری چیز یہ دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے. اس حدیث میں ولی اور مولی جو دو لفظ اس سے پہلی ولایت مراد ہے نہ کہ دوسری کیونکہ حضور اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا من کنت والیہ فعلی والیہ یعنی جس کا میں والی ہوں اُسکا علی بھی والی ہے بلکہ حدیث کے لفظ یہ ہیں من کنت مولا فعلی مولاہ اس لحاظ سے مولی کے معنی والی کے لینے

بالکل غلط ہیں. یہ ولایت تو جانبین سے ہوتی ہے. اس لئے مومنین اللہ کے اولیا ہیں اور اللہ ان کا مولی ہے. باقی حضور انور کا ان کی جانوں سے اولی ہونا یہ کچھ حضور انور ہی کے لیے شایاں ہے. یعنی آپ کا ہر مومن کی جان سے اولی ہونا آپ کی نبوت کی خصوصیتیں میں داخل ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور انور نے کسی کے خلیفہ ہونے پر نص کردی تھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلیفہ بھی ہر مومن کی جان سے اولی ہو جیسا کہ خلیفہ ہونے پر نص کردی تھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلیفہ بھی ہر مومن کی جان سے اولی ہو جیسا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خلیفہ کی بی بیاں بھی امہارت المومنین ہو جاویں جیسی حضور انور جیسی حضور اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں. ہاں اگر حضور اللہ ﷺ کا یہ مقصد ہوتا کہ مثل میرے میرا خلیفہ بھی مومنین کی جانوں سے اولے ہے تو حضور انور کو یہ فرمانا چاہیے تھا من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی اولی بہ من نفسہ نہ آپ نے یسا فرمایا اور نہ کسی نے یہ نقل کیا اِسکے یہ معنی ہونے یقیناً باطل ہیں کیونکہ حضور انور کا ہر مومن سے اولی ہونا خیات اور بعد وفات دونوں حالتوں میں تھا. اور علی کی خلافت اگر تسلیم بھی کرلی جائے تو وہ آپ کی وفات کے بعد ہی ہوسکتی ہے آپ کی حیات میں نہیں ہوسکتی. آپ کے زمانہ حیات میں علی کا خلیفہ ہونا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا اس لئے اس وقت علی ہر مومن سے کسی طرح اولی نہیں ہوسکتے. اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اس سے خلافت مراد لیتے ہو تو پھر علی کسی مومن کے بھی مولی نہیں ہوسکتے. اب تو اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اس سے حضور انور کی مراد خلافت نہیں تھی.

شیعی علماء کی تیسری برہان: شیعی علماء مفصلہ ذیل حدیث حضور انور کے بعد حضرت علی ہی کے خلیفہ بننے کے متعلق پیش کرت ہیں اور وہ حدیث یہ ہے انت منی بمنزلۃ ھرون من موسی الا انہ لا نبی بعدی یعنی تم میرے لیے ایسے ہو جیسا موسی کے لیے ہاروں تھے لیکن میرے کوئی نبی نہیں ہے. اس پر شیعی علماء فرماتے ہیں منجملہ ہارون علیہ السلام کے مراتب کے ایک مرتبہ انکا یہ ہے بھی تھا کہ وہ موسی علیہ السلام کے خلیفہ تھے اگر ہارون کے بعد زندہ رہتے تو ضرور خلیفہ ہوتے. اسی طرح دوسری دلیل جناب امیر علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کی یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی موجودگی اور اپنے بعد اپنی رائے زندگی میں حضرت علی کو خلیفہ کر بھی دیا تھا اور آپ کی وفات کے بعد غیبو بیت کا

بہت بڑا زمانہ ہے لہذا اب ان کا خلیفہ ہونا بدرجہا اولیٰ ضروری ہے.
جواب: یہ ہم قبول نہیں کرتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیحین میں ضرور آئی ہیں. بیشک غزوۂ تبوک میں حضور انور نے ایسا فرمایا تھا. آپ کی یہ عادت تھی کہ جب کسی غزوہ یا عمرہ یا حج کے لئے سفر کیا کرتے تھے تو اپنے کسی صحابی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا کرتے تھے اس پر ہم گزشتہ صفحات میں کامل بحث کر چکے ہیں مگر مختصر طور پر یہاں بھی اس کا ذکر کرتے ہیں. علاوہ حضرت علی کے ایک غزوہ میں عثمان کو، غزوہ بنی قنیقاع میں بشیر بن منذر کو خلیفہ کیا تھا. اور جب قریش سے جنگ کا اعلان ہوا اور آپ فرع جانے لگے تو ابن مکتوم کو آپ نے اپنا جانشین کر دیا تھا محمد بن سعیدہ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے. یہ تو سب جانتے ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بغیر جانشین مقرر کئے آپ کبھی مدینہ سے باہر نہیں تشریف لے گئے. ان کے نام ہم اپنے گزشتہ صفحوں میں لکھ چکے ہیں آپ نے اپنے دونوں عمروں یعنی عمرہ قضا اور عمرہ حدیبیہ حجۃ الوداع اور بیس سے کچھ اوپر غزوؤں میں مدینہ منورہ سے سفر کیا اور ان سب میں آپ نے کسی نہ کسی کو اپنا ضرور جانشین بنایا. مدینہ میں ایسے آدمی بہت سے رہے جاتے ہیں تھے جن پر آپ کا جانشین حکومت کرتا تھا لیکن غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی آپ نے کسی کو اجازت نہ دی تھی اور یہ آپ کے کل غزوں میں سب سے اخیر غزوہ ہے. جیسا مجمع آپ کے ساتھ اس میں تھا ایسا اور غزوں میں کبھی نہ ہوا تھا. فقط عورتیں بچے، اپاہج یا جو منافق تھے وہی رہ گئے تھے اور تین آدمی وہ بھی رہے گئے تھے. جنکی توبہ چند روز بعد قبول ہوئی تھی. باقی مدینہ میں اُس وقت اور آدمی ایسے نہ تھے جن پر آپ کا جانشین حکومت کرتا جیسکا ہر دفعہ ہوا کرتا تھا. اس لیے اس جانشینی کو اور جانشینوں سے بہت ہی کم درجہ سمجھنا چاہیے. اس بات کو حضرت علی نے بھی محسوس کیا اور ساتھ ہی ان منافقوں نے جو غزوہ میں حضور اللہ ﷺ کی ہمراہی سے رہ گئے تھے علیؓ کو چھیڑنا شروع کیا کہ رسول اللہ آپ سے سخت بیزار ہیں. اس لیے آپ کو یہاں چھوڑے جاتے ہیں. بھلا عورتوں، بچوں اور لنگڑوں لولوں کی خلافت بھی کوئی خلافت ہے جس میں آپ کو خلیفہ بنایا گیا ہے. یہ سُن کے حضرت علی کا دل ٹوٹ گیا آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے کہ مجھے یہاں چھوڑے جاتے ہیں. میری اس میں سخت بے عزتی ہے اس پر حضور انور نے علیؓ کو دلاسا دیا اور فرمایا اس تمہاری بے عزتی کچھ نہیں ہے. میں نے تمہیں اپنے نزدیک امانت دار ہونے کی وجہ سے جانشین کیا ہے اور جانشین ہونا کچھ نقصان یا عیب کی

بات نہیں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جانشین ہارون کو بنایا تھا لہٰذا اس میں بُرا وی کیونکہ ہوسکتی ہے اگر کوئی بُرائی ہوتی تو موسیٰ ہارون کو اپنا جانشین کس طرح بناتے یہ سُن کے علیؓ خوش ہوگئے اور اُنہیں پورا اطمینان ہوگیا اور آپ سمجھ گئے کہ جانشین ہونا جانشین کی کرامت اور امانت کا سبب ہے نہ کہ اُس کی اہانات، خواری اور خیانت کا۔ صحابہؓ کی سینفتگی اور عشق یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ ہر صحابیؓ کے یہ آرزو رہتی تھی کہ ہر وقت حضور اللہ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتا رہے اور جو شخص حضور کے ہم رکاب نہ جاتا تھا وہ گویا حضور انور کے دیدار سے محروم رہتا تھا لہٰذا یہ خیال بھی حضرت علی کو بہت کچھ ستارہا تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ سفر کرتا ہے اور خصوصاً جنگ کے لئے نکلتا ہے تو اپنے ہمراہ ایسے لوگوں کو رکھتا ہے جو اُسے ہر پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل معاملہ میں مدد دیں اُن کی ہمراہی سے اُسے نفع پہنچے اور وہ اپنی رائے۔ زبان، ہاتھ اور تلوار سے اُس کے پورے مددگار بن سکیں۔ جس وقت علی کو مدینہ میں حضور ﷺ اپنا جانشین بنایا ہے ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ سیاست کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ نہ ایسے پیچیدہ امور بغیر سلجھے باقی بچے تھے صرف آپ کو جانشین بنانے کی ایسے موقع پر یہی ضرورت تھی کہ آپ اہم اور عظیم سیاسی معاملات میں رائے دینے کا ملکہ نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اسکی ضرورت نہ تھی کہ آپ کو ساتھ لیجاتے۔ اور یہی وجہ آپ کو ایک پر امن زمانہ میں عورتوں، بچوں اور اپاہجوں پر حاکم بنانے کی ہوئی۔ اب رہی یہ بات حضور انور ﷺ نے حضرت علی کو مثل ہارون کے فرمایا اس میں کچھ بڑی تعریف اور خصوصیت نہیں ہے کیونکہ آپ اس سے کہیں زیادہ ابوبکر وعمر کی نسبت بھی فرما چکے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو صحیحین میں یہ بات ثابت ہے کہ قیدیوں کے بارے میں جب حضور انور نے ابوبکر سے مشورہ لیا تو آپ نے یہ رائے دی کہ قیدیوں سے فدیہ لیکے اُنہیں چھوڑ دینا چاہیے اور جب فاروق اعظم سے مشورہ لیا تو آپ نے اُنہیں قتل کر دینے کی رائے دی اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ کی کیونکہ اُنہوں نے اپنے اللہ تعالیٰ سے یہ التجاء کی تھی فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (ابراہیم:۳۶) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم۔ اور اے عمر تمہاری مثال مثل نوح کے ہے کیونکہ اُنہوں نے یہ فرمایا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا یا مثل موسیٰ کے ہے کیونکہ یہ کیونکہ یہ دعا اُن کی تھی رَبَّنَا

اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ.

پس حضور انور رسول اللہ کا ایک سے یہ فرمانا کہ تم مثل ابراہیم خلیل اور عیسے مسیح کے ہوا اور دوسرے سے یہ فرمانا کہ تم مثل نوح اور موسی کے ہو اس سے بدر جہا زیادہ ہے جو آپ نے علی سے فرمایا تھا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسی کے لیے ہارون تھے کیونکہ نوح ابرہیم موسی اور عیسے کا مرتبہ ہارون سے کہیں زیادہ تھا حضور انور نے ابوبکر اور عمر کو صاف طور پر موسی عیسے اور ابراہیم کے مثل فرمایا. ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ آپ کا یہ منشا ہر گز نہیں تھا کہ ابوبکر و عمر ہر بات میں ان انبیاء کی مثل ہیں بلکہ جو سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے اس میں تسبیہ دینی تھی یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نرمی اور سختی کرنے میں وہ اُن کے مثل قرار دیے گئے اسی طرح علی کو سمجھنا چاہیے کہ وہ بمنزلہ ہارون کے اس بارے میں ہیں کہ حضور انور کی عدم موجودگی میں آپ کے جانشین ہو گئے تھے اس جانشین ہونے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ اُن کی طرح حضور کے جانشین ہو گئے تھے اس جانشین ہونے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ اُن کی طرح حضور کے جانشین بہت سے بن چکے تھے جن کا اسم وار ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں پھر یہ بات بھی دیکھنی ہے کہ حضور انور کا ایسی حالت میں جانشین ہونا بجائے خود فضیلت نہیں رکھتا کیونکہ بہت سے غزووں میں حضور انور نے ایسے لوگوں کو بھی اپنا جانشین کیا ہے جنسے علی افضل تھے حالانکہ انہیں یہ مرتبہ ملنا کسی طرح بھی علی سے افضل قرار نہیں دیتا جتنے جانشین مثل حضرت علی کے ہوئے وہ حضور انور کے لیے ایسے ہی تھے جیسے ہی تھے جیسے ہارون موسی کے لیے تھے جانشینوں میں بھی باہم ضرور امتیاز سمجھنا چاہیے جنگ تبوک کے سال جتنے جانشین حضور انور کے ہوئے وہ اُن جانشینور سے کم افضل ہیں جو اس سے پہلے ہو چکے تھے کیونکہ اُس وقت کی جانشینی بڑی کھٹن اور ذمہ داری کی تھی مدینہ پر دشمنوں کے حملے کا خوف لگا ہوا تھا مگر جنگ تبوک کے وقت یہ بات نہ تھی سارا عرب مسلمان ہو چکا تھا مسلمان ہی نہیں بلکہ مفتوح ہو جگہ اسلام کا چرچا اور غلبہ تھا. لہذا اس وقت مدینے کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہ رہی تھی جو اُسکے دشمنوں سے قتال کرتے اسی لیے حضور انور نے حضرت علی کے پاس کوئی جنگ جو شخص نہیں چھوڑا تھا جیسا کہ حضور انور اور غزووں میں جاتے وقت اپنے جانشین کے پاس جنگ جو آدمی چھوڑ جایا کرتے تھے اسوقت آپکے ساتھ کل فوج تھی اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو گئی کہ شیعی علماء کی پیش کردہ حدیث میں کوئی بات ایسی نہیں ہے

جس سے یہ معلوم ہو کہ علی کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حضور انور کے آگے وہ حیثیت رکھتا ہو جو ہارون کی موسی کے آگے تھی۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ایک شخص سنگسار ہو چکا ہے لوگ اس پر لعنت کرنے لگے آپ نے فوراً منع کیا کہ خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ شخص جو سنگسار ہوا ہے اللہ سے اللہ کے رسول سے محبت رکھتا تھا بھلا اِسے معنی یہ کیونکر ہو سکتے ہیں کہ اسکے سوا کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت نہیں رکھتا تھا۔ حضور انور نے تو فقط اس ضرورت سے لعنت کرنے کو منع کیا تھا کہ جب اپنے جرم کی یہ پوری سزا پا چکا تو پھر کیوں اس پر لعنت ملامت کی جائے. اسی طرح جب آپ نے عشرہ مبشرہ کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ ان دس آدمیوں کے سوا اور کوئی جنت ہی میں نہ جائیگا. بلکہ آپ نے ایک سبب ذکر کر دیا تھا جسکی وجہ سے وہ جنتی ہونے کے مستحق ہو گئے تھے علی ہذا القیاس جب آپ نے حسن اور اسامہ کے حق میں یہ دعا کی الهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهم یعنی میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اُن دونوں سے محبت رکھ اور اُس سے بھی محبت رکھ جو اُن سے محبت رکھے اس سے یہ کسی طرح بھی لازم نہیں آتا آپکو اور کسی سے محبت نہ تھی حالانکہ آپ کو اور وں کی محبت تو ان دونوں کی محبت سے بھی کہیں زیادہ تھی اسی طرح جب حضور انور نے یہ فرمایا کہ جو لوگ بیعۃ الرضوان میں داخل ہو چکے ہیں. ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہیں جانے کا. اس سے یہ مطلب نہیں نکالا کہ ان کے سوا اور سب دوزخ میں چلے جائیں گے. اسی طرح جب آپ نے ابوبکر کو ابراہیم اور عیسیٰ سے تشبیہ دی تو اس سے یہ لازم نہیں آ گیا آپ کی امت میں ایسا کوئی نہیں ہوگا جسے ان دونوں سے تشبیہ دیجائے اسی طرح عمر فاروق کی مثال کو سمجھنا چاہیے. اگر کوئی یہ کہ کہ آپ کی امت میں یہ دونوں ان سب سے افضل ہیں جنہیں پیغمبروں سے کسی امر میں تشبیہ دیجائے اس کا جواب یہ ہے کہ کمال کی وجہ سے حضور انور نے عروہ بن مسعود کے حق یہ فرمایا کہ یہ مثل صاحب یامین کے ہیں یا عشرین کے حق میں یہ فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں میں اُن سے ہوں تو یہ وصف اُن ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہو گیا کیونکہ اسی طرح آپنے حضرت علی سے بھی فرمایا تھا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اسی طرح زید سے یہ فرمایا تھا تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولی ہو یہ وصف بھی زید ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اُسامہ کے حق میں بھی یہی ارشاد ہوا تھا. قصہ مختصر یہ ہے کہ ایسی مثالیں اور تشبیہیں بہت سی ہیں جن سے کسی طرح بھی مماثلت ہونی ثابت نہیں ہوتی قرآن شریف میں خداوند تعالے نے

بہت سے مثالیں دی ہیں بعض کا قول ہے قرآن مجید میں بیالیس مثالیں ہیں اب کسی کا یہ کہنا کہ حضور انور نے سوائے نبوت کے ہر چیز میں علی کو بمنزلہ ہارون کے کر دیا تھا. بالکل غلط اور بے اصل ہے کیونکہ حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون کے کر دیا تھا. بالکل غلط اور بے اصل ہے کیونکہ حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے اس امر کی صاف دلیل ہے کہ حضور انور نے اُنہیں راضی کرنے اور ان کا دل خوش کرنے کے لیے فرمایا تھا کیونکہ اس جانشینی میں محض خیالات کی وجہ سے ایک رنج پیدا ہو گیا جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں. شیعی علماء کی اس قابلیت کو ملاحظہ کیجئے کہ خود ان ہی کے اقوال میں کس درجے تناقض ہے کیونکہ یہ حدیث تو اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ حضور انور نے سوائے غزوۂ تبوک کے کبھی علی سے ایسا نہیں فرمایا پس اگر علی کی یہ ولی عہدی مشہور ہوتی کہ حضور انور کے بعد یہ خلیفہ کیے جائیں گے جیسا کہ علما کہ شیعی علما پہلے بیان کر چکے ہیں تو علی کو پھر فکر کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ بالکل رہے اس لئے کہ وہ بقول شیعی اصحاب کے نبی کی زندگی بھی اور آپ کے بعد بھی مثل ہارون کے تھے آپ کبھی روتے ہوئے دوڑے نہ آتے اور یہ بات حضور کی خدمت میں نہ عرض کرتے کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں کیا جنگ میں جانے کے قابل نہیں ہوں یا رکھوا گر علی ہر طرح بمنزلہ ہارون کے ہوتے تو مدینے کا خلیفہ اُن کے سوا اور کوئی بھی نہ کیا جاتا حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا آپ مدینے کا خلیفہ اوروں کو بناتے رہے یہاں تک کہ خود علی کی موجودگی میں بھی ایسا ہوا چنانچہ جنگ خیبر میں اپنا خلیفہ کسی دوسرے شخص کو حضور انور نے کیا تھا ان کے ماتحت علی کے ماتحتوں سے ہر طرح افضل واعلے تھے غزوہ تبوک کے بعد حجۃ الوداع میں بھی کسی اور ہی شخص کو خلیفہ کیا تھا مدینہ منورہ میں سب سے آخری حضور انور کی جانشینی یہی تھی جو حجۃ الوداع کے سال ہوئی تھی دنوں حضرت علی یمن گئے ہوئے تھے ہاں حج کے موسم میں آ گئے تھے حالانکہ آپ مدینے میں موجود تھے. اس پر بھی آپ کو خلیفہ نہیں کیا اب اگر اصل قاعدہ یہی ہے کہ جو پہلے خلیفہ ہو گیا ہو وہی ہوا کرے تو جو شخص حجۃ الوداع میں خلیفہ تھا وہ بعد میں خلیفہ ہونے کا اِس سے زیادہ حقدار ہے جو اس سے پہلے ہو چکا تھا.

خلاصہ یہ کہ مدینے کی جانشینیوں میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں نہ ہو افضلیت پر دلالت کرتی ہیں اور نہ امامت پر کیونکہ علی کے سوا آپ نے بہت سے آدمیوں کو جانشین کیا ہے جیسا کہ

اوپر ثابت ہو چکا ہے لیکن شیعی علماء ان فضائل کو جو علی وغیرہ میں مشترک ہیں خاص علی ہی کے لیے کر دیتے ہیں اور یہی طریقہ ہے کہ جو اُمور علی وغیرہ میں مشترک ہیں اُنہیں علی ہی کے ساتھ مخصوص کر کے ان پر ایسی چیزیں مرتب کرتے ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً معصوم ہونا، امام ہونا یا سب سے افضل ہونا حالانکہ یہ سب کی سب متقی اور معصوم ہیں جو شخص حضور انور رسولِ اللہ ﷺ اور سیرۃ صحابہ کے احوال اور قرآن وحدیث کے معنی سے واقف ہوتا وہ ضرور پہچان لیگا کہ یہاں ایسی کوئی خصوصیت نہیں ہے. جو علی کے افضل ہونے اور امام ہونے کو ثبوت کرے بلکہ علی کے سارے فضائل مشترک ہیں اس قسم کے مشترک فضائل سے یہ تو فائدہ ہوتا ہے کہ حضرت علی کے ایمان اور انکی ولایت کی تائید سے اُن فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو علی کو فاسق اور فاجر کہتے ہیں اور انکی شان میں وہی باتیں بناتے ہیں جیسے شیعی علماء خلفاء کی شان میں دل آزار اور بے بنیاد باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کے لگاتے ہیں حضرت علیؓ کے جو فضائل واقعی ثابت ہیں اُن میں اصل یہ ہے کہ ان ہی فرقوں کا رد ہے جیسا کہ خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں شیعی علماء کی خیال آفرینیوں کا پورا جواب ہوتا ہے. مثلاً عثمان کی شان میں شیعہ اور خوارج دونوں فرقے سخت گستاخی کرتے ہیں لیکن شیعان عثمانؓ آپ کے ایمان اور امام ہونے پر پورا عقیدہ رکھتے ہیں اور طرح طرح کے اعتراض علی کی امامت پر کر کے اُنہوں نے ایک طوفان برپا کر دیا ہے لیکن وہ اپنی اس بدعت میں اُن لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو علی کے سوا سب سب کو ہی بڑا کہتے ہیں زیدیہ فرقے کے لوگ جو ابوبکر وعمرؓ کی سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس میں بہت مضطرب ہیں.

اب یہ بات غور کرنے اور سمجھنے کی ہے کہ اپنے زمانہ ءحیات میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا درحقیت ایک طرح کی نیابت ہے جسکی ہر حاکم کو ضرورت پڑتی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو حضور انور کے زمانہ حیات میں بعض لوگوں پر خلیفہ ہونے کے قابل ہوا ہو وہ حضور انور کی وفات کے بعد بھی اس کا ضرور قابل ہو دیکھو حضور انور ﷺ نے اپنی زندگی میں بہت سے آدمیوں کو خلیفہ کیا تھا مگر آپ کی وفات کے بعد ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی طرح خلافت کے قابل نہیں ہو سکتے تھے جیسا کہ بشر بن منذر وغیرہ وجہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں تو آپ سے ان امور کی باز پرس ہو سکتی ہے جو آپ کے ذمہ واجب تھے مثلاً لوگوں کے حقوق وغیرہ کی حافظت کرنی لیکن آپ کی وفات کے بعد ان امور میں آپ سے کسی کی باز پُرس نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ نے تبلیغ رسالت کی امانت ادا کر دی اور اُمت کو ہر

طرح سے نصیحت کر دی. پس آپ کی زندگی میں دشمنوں سے جہاد کرنا مال فی سبیل اللہ تقسیم کرنا. حدود الٰہی قائم کرنا. عاملوں کو مقرر کرنا وغیرہ وغیرہ. آپ پر واجب تھا جیسا کہ آپ کے بعد اور ولاۃ الامور پر واجب ہوا لیکن آپ کی وفات کے بعد ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں رہی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زندگی میں خلیفہ کرنے کی صورت اور ہے مرنے کے بعد خلیفہ کرنے کی صورت دوسری ہے مثلاً اگر کوئی اپنی زندگی میں اپنی اولاد پر اپنا خلیفہ کر دے اور اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنے کی اُسے ہدایت کر دے تو یہ مخصوص وکیل ہوگا جو کچھ اُسکے موکل نے اُسے حکم دیا ہوگا یہ اُسی کا انجام دیگا اور اگر کسی نے پنی اولاد پر اپنے مرنے کے بعد کے واسطے خلیفہ کیا ہے تو وہ وکیل نہ ہوگا بلکہ مستقل ولی ہوگا اُسے اختیار ہوگا ک وہ ہر کام کو مصلحت دیکھ کر اپنی مرضی سے کرے اسی طرح اولوالامر یعنی حاکموں کا حال ہے کہ اگر ا جن میں سے کوئی اپنی میں کسی کو خلیفہ بنا دے تو یہ خلیفہ خاص خاص مقدموں میں اُسے حکم کے مطابق کریگا لیکن اگر کسی نے اپنے مرنے کے بعد کے واسطے کسی کو خلیفہ بنایا تو اُس خلیفہ کو پیش آنے والے اُمور میں اپنے اختیار سے تصرف کرنے کا حق ہوگا. کیونکہ اس تصرف کی نسب خاص اُسی کی طرف کیا جائے گی نہ کہ میت کی طرف جس نے اُسے خلیفہ بنایا ہے. بخلاف اُس وکیل کے جو اپنے موکل کی زندگی میں اُسکے حکم کو انجام دے امور کی اس قسم کی انجام وہی موکل ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اُس کے حکم کو انجام دے امور کی اس قسم کی انجام دہی موکل ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اُس وکیل کی طرف. اس بحث سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان دونوں صورتوں میں بعد المشر قین ہے بالغ نظر اور سمجھ دار آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی نے اپنی زندگی میں بعض کاموں پر کسی کو خلیفہ کر دیا ہو اور وہ خلافت ختم بھی ہو گئی ہو تو پھر اُسکے مرنے کے بعد بھی وہی خلیفہ ہو تعجب ہے کہ شیعی علماء نے اس پر غور نہیں کیا حالانکہ وہ معقول اور منقول کے علم کے سب سے زیادہ مدعی ہیں ایک اچھی سمجھ کا نوجوان لڑکے بھی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے.

شیعی علماء کی چوتھی حدیث: (بقول شیعی علماء) حضور انور رسولِ خدا ﷺ سے جمہور نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے امیر المومنین سے فرمایا تھا انت بمنزلة اخی ووصی وخلیفتی من بعد وقاضی دینی یعنی تم میرے لیے بمنزلہ میرے بھائی میرے وصی بعد میرے خلیفہ اور میرے

قرض کے ادا کرنے والے کے ہو پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس بارے میں نص ہے۔

جواب: اوّل ہم اس حدیث کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ یہ حدیث ان کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہے جن کے مصنفین کے محض نقل کر دینے کی اسناد سے حجت ہو جاتی ہے نہ ائمہ حدیث میں سے کسی امام نے اُسے صحیح کیا اسکے علاوہ شیعی علماء کا یہ فرمانا اُسے جمہور نے روایت کیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ جمہور سے کون لوگ مراد ہیں اگر وہ علماء حدیث مراد ہیں جو اپنی کتابوں میں قابل حجت حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ جیسے امام بخاری اور امام مسلم اور اُنہوں نے اُسے صحیح کہا ہے تو یہ اُن علماء پر یقیناً بہتان اور افترا ہے اور اگر جمہور سے یہ مراد ہے کہ ابونعیم اور خطیب۔ خوارزم وغیرہ نے لکھ مارا ہے تو یہ کسی طرح بھی جمہور نہیں ہو سکتے۔ ان کا کتابوں میں اِس حدیث کا منقول ہونا کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ یہاں تک کہ اصول تو اصول کسی فروعی مسئلے میں بھی ان کا نقل کرنا حجت نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ امامت کے مسئلے میں حجت ہو۔ جس پر شیعی علماء کی طبع آزمائیاں، خیال آفرینیاں اور تراش خراش نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے اور اُسکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر کل محدثین کا اتفاق ہے بقول ابن حزم کے اس قسم کی سب حدیثیں موضوع ہیں جسے احادیث اور ان کی نقل سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ جان سکتا ہے کہ یہ حدیث اور اس جیسی اور حدیثیں ضعیف ہی نہیں بلکہ یقیناً جھوٹی اور موضوع ہیں اسی واسطے محدثین میں سے کسی نے بھی اُسے ان کتابوں میں نقل نہیں کیا جنکی حدیثوں سے حجت قائم کی جاتی ہے ہاں ان لوگوں کی کتابوں میں یہ حدیثیں موجود ہیں جن میں جھوٹی سچی سب حدیثوں سے حجت قائم کی جاتی ہے ہاں ان لوگوں کی کتابوں میں یہ حدیثیں موجود ہیں جن میں جھوٹی سچی سب حدیثوں کا انبار لگا ہوا ہے سچی کم اور جھوٹی زیادہ ثعلبی اور واحد وغیرہ کی تفسیروں کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ان میں اسی قسم کی غلط اور موضوع روایتیں بھری ہوئی ہیں اسی طرح وہ کتابیں ہیں جو لوگوں نے فضائل میں تصنیف کی ہیں خاص کر خطیب خوارزم جو جھوٹی حدیثوں کے نقل کرنے میں سب کا استاد ہے اِس قسم کی روایتوں کے جمع کرنے کا یا ایسے جھوٹے اور بے جوڑ ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کا قرض علی نے کبھی ادا نہیں کیا بلکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضور انور کی وفات ہوئی تو آپ زرہ تیس وثق جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن تھی یہ جو آپ

نے اپنے گھر کے خرچ کے واسطے لیے تھے بس یہی ایک قرض تھا جو آپ کے ذمے تھا اور جو اس زرہ سے ادا کر دیا گیا تھا جسے آپ نے رہن رکھتا تھا باقی اِسکے علاوہ اور قرض حضور انور ﷺ کے ذمے ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے وارث نہ دینار تقسیم کرینگے اور نہ درہم کیونکہ میں اپنی بیبیوں کے خرچ اور عاملوں کی تنخواہوں کے سوا جو کچھ چھوڑوں وہ سب صدقہ ہے پس اگر آپ کے ذمے کچھ اور قرض ہوتا تو آپ کے ترکے میں سے پہلے وہ قرضہ ہی ادا کیا جاتا کیونکہ یہ صدقے ہونے سے مقدم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے.

شیعی علماء کی پانچویں برہان حدیث مواخاۃ: (بقول شیعی علماء) انس روایت کرتے ہیں کہ مباہلہ کے دن جب نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کراوی تو علی خاموش کھڑے ہوئے تکتے رہے اور جب یہ معاملہ ختم ہوگیا تو انہیں سخت مایوسی ہوئی اور وہ روتے ہوئے اپنے گھر واپس چلے آئے. نبی ﷺ نے علی کو جب اس صورت سے واپس جاتے دیکھا تو صحاب سے دریافت کیا کہ یہ بات کیا ہے کہ علی ایسے مفہوم ہو کے واپس گئے ہیں صحابہ نے عرض کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ علی کیوں روتے ہوئے اور آنکھیں ملتے ہوئے واپس گئے جب علی گھر پہنچے تو فاطمۃ الزہرا کو سخت تعجب ہوا کہ علی کی آج کیا حالت ہے. اُنہوں نے تعجب سے دریافت کیا آپ روتے کیوں ہیں علیؑ نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار میں تو مواخاۃ کرادی مگر میری کسی سے مواخاۃ نہیں کرائی اس پر بی بی فاطمہؓ نے فرمایا رونے کی کوئی بات نہیں ہے تم کیوں آرزدہ ہوتے ہو. والد ماجد نے شاید تمہیں اپنے لیے رہنے دیا ہو. یہ گفتگو ہی ہو رہی تھی کہ بلال پہنچے اور اُنہوں نے علی سے کہا کہ رسول اللہ یاد فرماتے ہیں ابھی میرے ساتھ چلو علیؑ اُسی وقت بلال کے ساتھ چلے آئے. جوں ہی حضور انور نے انہیں دیکھا ارشاد کیا اے ابوالحسن تم کیوں روتے تھے. علی نے اپنے رونےکے اس سبب بیان کیا رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تو اپنے لیے رکھ چھوڑا تھا کیا تم اِس سے خوش نہیں ہو کہ نبی کے بھائی ہو عرض کیا کیوں نہیں. پھر رسول اللہ علی کا ہات پکڑ کے ممبر پر کھڑے ہوئے اور یہ دعا کی.

"خداوندا یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"

پھر اپنے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا یاد رکھو علیؓ میرے لیے ایسا ہے. جیسا موسی کے لیے ہارون تھا.

یا ہوجسکا میں مولی ہوں علی بھی اُس کا مولی ہے. جب علی وہاں سے (شادان وفرحان) چلنے لگے تو عمر ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور یہ کہا اے ابوالحسن واہ واہ اب تو تم میرے اور سب مسلمانوں کے مولی ہو گئے پس یہ مواخاۃ افضلیت پر دلالت کرتی ہے. لہذا علیؓ کے سوا اور کون امام ہوسکتا ہے. فقط

جواب: یہ عجیب وغریب کہانی شیعی علماء نے بغیر کسی اصلی یا فرضی سند کے لکھ دی ہے. عموماً اب تَک تو یہ قاعدہ رہا کہ ہر کہانی کو کسی کی طرف ضرور منسوب کیا گیا غلط یا صحیح مگر اس کہانی کو بالکل معلق چھوڑ دیا اور کوئی جھوٹی سچی سند اسکی نقل نہیں کی. جب سند ہی کوئی نہیں تو اب اس پر انسان گفتگو ہی کیا کرے ایسی ایسی کہانیاں بلکہ اس سے متین اور کہیں سنجیدہ تو مشرقی قصہ گو اچھی طرح گھڑ سکتے ہیں. لہٰذا ہمارا یہ سوال باقی رہتا ہے کہ یہ قصہ شیعی علماء نے کہاں اُڑایا اور کس عجیب وغریب کتاب سے نقل کیا. دوسرے اہل حدیث کے نزدیک یہ روایت بالکل موضوع ہے اور محدثین اُسکے موضوع ہونے پر مطلق شبہ نہیں کرتے. جسے علم حدیث سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اُسکے جھوٹ ہونے کی صاف شہادت دیگا. ہم عنقریب اس کا بیان کریں گے. تیسرے یہ تو یہ علی سے مواخاۃ ہونے کی جتنی حدیثیں ہیں سب موضوع ہیں. حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کسی سے مواخاۃ نہیں کی نہ آپ نے ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے کرائی. نہ ابوبکرؓ وعمرؓ میں نہ ایک انصاری کی دوسرے انصاری سے کرائی. اس پر ہم کافی طور پر گزشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں. یہاں چونکہ دوبارہ ذکر آ گیا ہے لہٰذا اس قصہ پر اور روشنی ڈالتے ہیں. اسکی اصلی کیفیت یہ ہے کہ مدینہ میں جب آپ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں بے شک مواخاۃ کرائی تھی.

چوتھے اس حدیث کے جھوٹی ہونے کی کئی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ مباہلہ کے دن مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کرائی گئی تھی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے مباہلہ تو نجران کے نصاریٰ کے وفد (ڈپوٹیشن) کے آنے پر ہوا تھا جو ۹ یا ۱۰ھ ہجری میں مدینہ آیا تھا اور جب ہی آل عمران کی سورۃ نازل ہوئی تھی. اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مباہلہ مواخاہ کے بعد ہوا ہے. اسکے علاوہ نصاریٰ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ نہیں کیا. ہاں اسکی دعوت حضور انور نے نہیں بے شک دی تھی اُنہوں نے اس دعوت پر آپ سے مہلت مانگی اور باہم مشورہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کے کہہ دیا کہ آپ بے شک نبی ہیں اور نبی سے جب کسی قوم نے مباہلہ کیا وہ نیست ونابود

ہوگئی ہے ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرتے بلکہ جزیہ دینے کا اقرار کرتے ہیں. چنانچہ اُنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کرلیا اور مباہلہ پر بالکل آمادہ نہیں ہوئے اور اہل کتاب میں سب سے پہلے لوگ تھے جنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کیا تھا اور اس پر علماء متفق ہیں کہ اُس روز مواخاۃ نہیں ہوئی اور نہ مواخاۃ کی اُس وقت کچھ ضرورت تھی. پانچویں مہاجرین اور انصار ۱ھ ہجری میں بنی نجار کے گھر مواخاۃ ہوئی تھی اس لحاظ سے مباہلہ اور اُس کے درمیان کئی سال کا فاصلہ ہوا. چھٹے مواخاۃ تو مہاجرین اور انصار میں ہوئی تھی جیسا کہ ہم کئی بار ثابت کر چکے ہیں اور حضور انور اور علی مہاجرین میں سے تھے. مہاجرین کی مہاجرین کے ساتھ مواخاۃ کیسی. ہاں حضور انور ﷺ نے علی اور سہل بن حنیف میں مواخاۃ ضرور کرائی تھی اور بس. اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ خود آپ نے علی سے مواخاۃ نہیں کی. صحیحین سے بھی یہی ثابت ہے کہ مواخاۃ مہاجرین اور انصار میں ہوئی تھی ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے کبھی نہیں ہوئی اور نہ اس کی ضرورت تھی.

ساتویں. پھر حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسا موسیٰ کے لیے ہارون تھے محض غلط اور بالکل ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ. غزوۂ تبوک میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں آپ نے فرمایا ایک دفعہ ضرور فرمایا تھا باقی اور کسی موقع پر ایسا نہیں فرمایا. اس پر کل محدثین کا اتفاق ہے. اب رہی موالاۃ کی حدیث اس کی بحث بھی ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں مگر یہاں اور چند الفاظ اس کی نسبت کہنا چاہتے ہیں ملاحظہ ہو.

اس حدیث کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آپ نے فقط ایک مرتبہ غدیر خم کے موقع پر فرمایا تھا. اسکے سوا پھر کبھی نہیں فرمایا.

آٹھویں مواخاۃ پر پہلے بحث ہوچکی ہے. اور یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ اس میں صاف طور پر عموم اور اطلاق ہے. لہٰذا نہ اس سے افضلیت ثابت ہوسکتی ہے اور نہ امامت. بلکہ ابوبکر کے لیے ایسی فضیلت ثابت ہے کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں بن سکتا. حضور انور نے فرمایا ہے ولو کنت متخذ اخلیلا لا تخذت ابا بکر خلیلا اس کے علاوہ حضور انور کا بار بار یہ فرمانا مجھے سب سے زیادہ ابوبکر سے محبت ہے اور پھر صحابہ کا اس پر شہادت دینا کہ بے شک رسول اللہ کو سب سے زیادہ ابوبکر سے محبت تھی ایسی دلیلیں ہیں جو اس بات کو صاف ظاہر کرتی ہیں کہ مواخاۃ کی روایتوں سے

استدلال کرنا نقلاً اور دلالتہً ہر طرح باطل اور سراسر غلط ہے.

نویں: بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ مواخاۃ صرف مہاجرین میں کرائی گئی تھی اس بارے میں بھی بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں لیکن ٹھیک اور یقینی بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا اور اسکی بابت جتنی روایتیں ہیں وہ سب باطل ہیں. یا تو ان کے راویوں نے قصداً جھوٹ بولا ہے اور یا اُن سے غلطی اور خطا ہوگئی ہے اس وجہ سے اہل صحیح نے ان روایتوں میں سے کوئی روایت نقل نہیں کی یہ امور ایسے ہیں کہ جسے احادیث صحیحہ، سیر متواترہ اور حضور انور کے احوال و مواخاۃ کے سبب مقصود اور فائدہ سے کچھ بھی واقفیت ہو تو وہ اُنہیں بخوبی معلوم کرسکتا ہے. بات یہ ہے کہ حضور انور نے مہاجرین اور انصار میں صلہ رحمی پیدا کرنے کے خیال سے مواخاۃ کرائی تھی اس تعلق کی وجہ سے یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی. وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الخ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت محکم ہے یا نہیں اس کی وجہ سے نسبی رشتہ دار ہونے پر بھی وارث ہوسکتا ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں پہلا قول امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، دوسرا امام مالک اور شافعی کا۔ اور امام احمد سے یہ دونوں روایتیں ہیں۔

شیعی علماء کی چھٹی حدیث یا روایتی بُرہان:

(بقول شیعی علماء) تمام جمہور نے یہ روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے ۲۹ روز خیبر کا محاصرہ کئے رکھا تو جھنڈا علی کے پاس تھا مگر اتفاق سے اُن کی آنکھیں ایسی دُکھنے آگئیں کہ جھنڈا نہ رکھ سکے مخالفوں کی طرف سے ایک شخص مرحب نامی گرجتا ہوا اور کڑکتا ہوا باہر نکلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہوا اور کہا آؤ اگر کسی کو میرے مقابلہ کی تاب ہے. رسول اللہ نے ابوبکر کو بلایا اور کہا جھنڈا لو اور اس پہلوان کے مقابلہ میں جاؤ چنانچہ بادل نخواستہ ابوبکر نے جھنڈا لے لیا اور تھوڑی دور جا کے اُلٹے واپس چلے آئے اور مرحب کے مقابلہ میں جانے کی ہمت نہ ہوئی پھر عمر کو بلا کے رسول اللہ نے جھنڈا دیا وہ بھی تھوڑی دور گئے مگر مرحب کے مقابلہ کی تاب نہ لا کے بھاگے. اخیر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا آدمی دکھاؤں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں وہ کبھی بھاگنے والا نہیں ہے.

علی آئے رسول اللہ نے اپنا آب دہن علی کی آنکھوں پر مل دیا علی کی آنکھیں فوراً کھل گئیں آپ ﷺ نے اپنا جھنڈا علی کو دے دیا۔ اللہ نے ان ہی کے ہاتھوں پر فتح کی. مرحب قتل ہوا. رسول اللہ کا یہ تعریف کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف علی کے سوا اور کسی میں نہیں ہے اور یہ ان کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہٰذا وہ امام ہوئے.

جواب: مجھے سخت تعجب ہے کہ خیبر کا فسانہ ابھی تک عوام کے اسی طرح نوک زبان ہے. جس طرح جدّت پسند طبائع نے اُسے تراشا تھا. اس جنگ کی پوری اور اصلی کیفیت پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی قاعدہ جنگ ہے سے ناواقف نہ تھے بلکہ لڑتے وقت اُنہیں دشمن کی حالت اور اُس کی گھاتوں سے مطلق خبر نہ رہتی تھی. اس جنگ میں علی سے ایسی سخت غلطی ہوئی جس سے مسلمانوں کو چشم زخم اُٹھانا پڑا. دوسرے اس جنگ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ علی تنہا لڑنے میں تو بہت مشتاق تھے باقی ان میں یہ بھی قابلیت نہ تھی کہ وہ سو دو سو آدمیوں کو بھی باقاعدہ لڑا سکتے کل مورخ اس پر متفق اللفظ ہیں کہ خیبر کی کل گھاٹیاں علی کے ہاتھ پر فتح نہیں ہوئیں چونکہ اس جنگ میں ان سے سخت غلطی ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے یہ پیچھے رہ گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں بلا لیا اور جھنڈے دے کے کہا کہ تم دروازہ میں داخل ہو جو فتح ہو چکا ہے. چونکہ علی کو سخت رنج پہنچا تھا اُنہیں دلاسا دے کے خوش کر دیا علی جس وقت جھنڈا لے کے اندر داخل ہوئے ہیں اس سے پہلے خیبری اپنے کو سپرد کر چکے تھے اور علی کے داخل ہونے پر نکسیر تک کسی کی نہیں پھوٹی سمجھ نہیں آتا کہ یہ غل وشور محض ہوائی باتوں پر کیوں اس قدر مچا رکھا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ. بات ساری یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ذات کل اوصاف سے خالی ہوتی ہے اور واقعی خوبیاں اس میں نہیں ہوتیں اور اُس کے معتقد اُس کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو وہ دنیا بھر کے فرضی اوصاف زبردستی اُسکے سر چپیک دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے پیر کی بڑی کار گزاری کی حالانکہ اس سے بالغ نظروں میں اس پیر کی وقعت اور کم ہو جاتی ہے اور کچھ ذرا اگر اُس میں کوئی وصف بھی ہوتا ہے تو وہ بھی فرضی اوصاف کی رو میں بہ جاتا ہے. جو روایت شیعی علماء نے بیان کی ہے اُس پر کل محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ بالکل غلط اور موضوع ہے ہاں صحت کے ساتھ جو روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے.

جنگ خیبر میں علی غیر حاضر رہے. عذر یہ کہ اُن کی آنکھیں دکھتی ہیں. مگر زیادہ عرصہ رسول اللہ کی

شرف ملازمت سے غیر حاضری علی کو کٹھن گزری تو آپ خود ہی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اُن کے پہنچے سے پہلے رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ جھنڈا اُسے دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں.

اس سے پہلے نہ جھنڈا ابوبکر کو دیا تھا اور نہ عمرؓ کو، عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ اُس روز سب کی خواہش تھی کہ جھنڈا اُسے ملے چنانچہ میری بھی یہی خواہش تھی. صبح ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے علی کو بلوایا علی آ گئے. آپ نے اپنا دہن اُن کی آنکھوں میں لگا دیا. اُنہوں نے آنکھیں کھول دیں. آپ نے اُنہیں جھنڈا دے دیا کہ کچھ تو علی کی بھی اپنے ہمہ چشموں میں توقیر ہو. پکی پکائی تھی صرف قلعہ میں داخل ہونا تھا اور بس. یہ روایت بیشک صحیح اور ثقہ راویوں نے اُسے روایت کیا ہے مگر واقعات خیبر پر اس سے کچھ بھی روشنی نہیں پڑتی. دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ علی سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اگر صحیح ہے تو فرقہ نواصب پر رد ہے. لیکن جن شیعی علماء کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد صحابہ مرتد ہو گئے تھے وہ اس سے استدلال نہیں کر سکتے. کیونکہ اُن کے مقابلہ میں خوارج کا یہ قول ہے کہ علی بھی مرتدین ہی میں سے تھے. اشعری نے کتاب المقالات میں لکھا کہ علی کے کافر ہونے پر تمام خوارج کا اجماع و اتفاق ہے. اس کا جواب اگر کچھ دیا یا دیں گے تو سُنی ہی دیں گے مگر جو دلیلیں علی کے مسلمان ہونے کی بیان کی جائیں گی وہ مشترک ہونگی یعنی باقی صحابہ ثلثہ کے ایمان اور کامل الایمان ہونے کا ثبوت بھی اِن ہی دلیلوں سے معلوم ہو جائے گا. اب دیکھئے کہ جو دلیلیں صحابہ ثلثہ کے ایمان ثابت کرنے کی دیجاتی ہیں اُن میں شیعی علماء نقص نکالتے ہیں. لہٰذا شیعی علماء خوارج کے مقابلہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکتے کہ علی کی موت ایمان پر ہوئی. جو دلیل علی کے ایمان کی پیش کیجائے اسی میں ایسا نقص ہے جو شیعی اصل قاعدہ ہی کو باطل کر دے گا کیونکہ اصل قاعدہ ہی میں گڑ بڑ ہے.

جو وصف علی کا مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے یہ کسی طرح بھی کوئی خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ اور صحابہ بھی ایسے ہیں جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اُن سے محبت رکھتا ہے. اس حدیث میں خاص علی ہی کے لئے شہادت ہونی بعینہ ایسی ہے جیسی حضور انور نے عشرہ مبشرہ کے لیے جنتی ہونے کی شہادت دی تھی اور جیسا ثابت بن قیس کے لئے جنت کی شہادت دی تھی اور عبدالرحمٰن کے لیے یہ شہادت دی تھی کہ اُنہیں اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت ہے حالانکہ

یہی عبدالرحمٰن کئی بار شرعی حدود میں پٹ بھی چکے تھے. باقی شیعی علماء کا یہ دعوی کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وصف علی کے سوا اور کسی میں نہیں دو طرح سے باطل ہے.

اوّل یہ کہ اِسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے فقط اتنی خصوصیت نکلتی ہے کہ یہ فتح علی کے ہاتھوں ہوگی مگر اس ایک خاص فتح کے علی کے ہاتھوں پر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ علی سب سے افضل ہو جائیں چہ جائے کہ وہ اس خصوصیت سے امامت کے مستحق ہوں.

دوم ہم خصوصیت ہی کو تسلیم نہیں کرتے یعنی ہم اِسے نہیں مانتے کہ اس سے خصوصیت ثابت ہوتی ہے مثلاً اگر کسی نے یہ کہا میں یہ روپیہ ایک فقیر کو یا ایک نیک آدمی کو دوں گا یا یہ کہا کہ آج میں ایک بیمار صالح آدمی کو بلاؤنگا یا یہ جھنڈا ایک بہادر آدمی کو دونگا تو ان سب لفظوں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جو اُسے ثابت کرے کہ یہ صفت فقط ایک ہی آدمی میں پائی جاتی ہے بلکہ یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اِس صفت کے آدمی کے ساتھ ان کی خصوصیت ہے. اب رہا یہ کہ اور کسی میں بھی یہ صفت ہے یا نہیں اِس کا اس میں کچھ ذکر نہیں ہے. فرض کرو کسی نے یہ نذر مانی کہ میں ایک ہزار روپے کسی نیک اور فقیر کو صدقہ دوں گا اور پھر وہ کسی کو دے دے تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ جس شخص کو یہ روپے دیے وہی نیک اور فقیر تھا اور دوسرا زمانہ میں نہ کوئی نیک ہے نہ فقیر.

اسے بھی جانے دو اب نفس معاملہ پر خیال کرو اگر اس وقت ہم علی کا افضل ہونا مان بھی لیں تو اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اسکے بعد بھی ان سے کوئی افضل ہوگا. اسی طرح اگر ہم ان کی افضلیت کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ اُن کے امام معصوم منصوص علیہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا. کیونکہ بہتیرے شیعہ زیدیہ اور متاخرین معتزلہ وغیرہ علی کے افضل ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور پھر ابو بکرؓ ہی کو امام کہتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک مفضول کا امام ہونا جائز ہے ان کے سوا اس کے جواز کے اکثر وہ لوگ بھی قائل ہیں جو خلفائے اربعہ میں ایک دوسرے پر فضیلت دینے میں توقف کرتے ہیں یا جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی یقینی دلیل کسی خاص شخص کی فضیلت پر قائم نہیں ہو سکتی. خلاصہ یہ ہے جنہیں سنت صحیحہ سے کچھ واقفیت نہیں ہے وہ اس میں شک کرتے ہیں باقی مشہور ائمہ مسلمین ہیں کہ ابو بکر اور عمر عثمان اور علی سے بیشک افضل ہیں اور اس اجماع کو بہت سے علماء نے نقل کیا ہے چنانچہ بیہقی نے کتاب مناقب الشافی میں لکھا ہے کہ ابو بکر و عمر کو تمام صحابہؓ سے مقدم اور افضل

ہونے میں صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، امام مالک نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر اور افضل تو ابوبکر ہیں اور اُن کے بعد دوسرے درجہ میں عمر ہیں.

یہ بحث ہمارے گزشتہ صفحات میں بھی ہو چکی ہے. اسی بارے میں خود علی سے ایسی روایتیں متواتر منقول ہیں اور یہ ایک ایسا مسئلہ اہل علم کو اس پر پورا یقین ہے. جو شخص اللہ کے پیغمبر اور اُس کے صحابہ کے سچے حالات سے واقف ہو وہ اُس میں ہرگز شبہ نہیں کرسکتا.

شیعی علماء کی ساتویں حدیث طائر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک شخص بھُنا ہوا پرندہ لایا حضور انور نے اُسوقت یہ دعا کی اے اللہ میرے پاس ایسے آدمی کو بھیج دے جو تجھے اور مجھے تیری ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو تا کہ میرے ساتھ اس بھُنے ہوئے پرندے کے کھانے میں شریک ہو جائے. یہ دعا فوراً درجہ اجابت کو پہنچی اور علی آ حاضر ہوئے اور دروازہ پر دستک دی. انس نے یہ کہہ دیا کہ رسول اپنے کسی خاص کام میں ہیں ابھی دروازہ نہیں کھلتا. علی یہ سن کے چلے گئے. پھر رسول اللہ نے دوبارہ دعا کی پھر علی آئے اور پھر انس نے یہی کہہ کر انہیں واپس کر دیا، سہ بارہ حضور انور نے دعا کی اور معاً علی آ کے پہنچے اور اب کے دروازہ اس زور سے کھٹکھٹایا کہ حضور انور نے بھی اُسکی آواز سن لی دریافت کیا کون ہے. انس نے کہا علی. حکم ہوا اندر بلالو. علی اندر آئے حضور انور نے پوچھا علی اتنی دیر کہاں تھے. علی نے عرض کیا کہ میں تو اِس سے پہلے دو دفعہ ہو گیا تھا انس نے کہہ دیا کہ حضور انور خاص کام میں ہیں میں واپس چلا گیا اس پر انسؓ سے دریافت کیا تم نے ایسا کیوں کیا. عرض کیا محض اس لیے کہ یہ دعا انصار کے حق میں ہو جائے حضور انور نے فرمایا اے انس کیا انصار میں کوئی علی سے افضل ہے؟ پس جب اللہ کو اس کی ساری مخلوق سے علی محبوب ہوئے تو ان کا امام ہونا واجب ہے.

جواب: اِسکے چند جواب ہیں. اوّل تو یہ کہ یہ حدیث محض غلط اور موضوع یا بناوٹی ہے، دوسرے جمہور پر اس کے نقل کرنے کا صرف اتہام ہی اتہام ہے۔ کیونکہ اصحاب صحاح میں سے اس پرند والی حدیث کو کسی نے بھی روایت نہیں کیا، نہ ائمہ حدیث نے اُسے صحیح کہا۔ ہاں یہ ان روایتوں میں سے

ہے جنہیں بعض لوگوں نے نقل کیا ہے جیسا انہوں نے علی کے سوا اوروں کے فضائل میں بھی ایسی ہی روایتیں نقل کی ہیں. امیر معاویہ کے فضائل میں تو بہت سی حدیثیں مروی ہیں یہاں تک کہ لوگوں نے مستقل کتابیں تک لکھ ڈالیں کہ اگر علی کی فضیلت کی کل روایتیں جمع کی جائیں تو معاویہ کی فضیلت کی حدیثوں سے وہ روایتیں 1/16 حصہ تعداد میں نکلیں گی لیکن محدثین نہ اُنہیں صحیح کہتے ہیں نہ انہیں.

دوسرے اہل علم کے نزدیک یہ پرندوالی حدیث مکذوبات موضوعات میں سے ہے کسی نے اس حدیث کی نسبت حاکم منیشاپوری سے پوچھا تھا اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ حدیث کسی سند سے صحیح نہیں ہے۔تماشا یہ ہے کہ حاکم شیعی مذہب کی طرف کافی میل رکھتا ہے۔لوگوں نے چاہا کہ وہ اسی طرح معاویہ کہ فضائل کی حدیثیں بھی روایت کرے جس طرح وہ علی کی کیا کرتا ہے اُس نے یہ جواب دیا کہ میرا دل ہی قبول نہیں کرتا کہ معاویہ کی فضیلت کی ایک حدیث بھی بیان کروں. اربعین میں اُس نے بہت سی ضعیف بلکہ موضوع نقل کی ہیں مگر اس کا اور اس جیسے اور علماء مثل ابن عبدالبر وغیرہ کا شیعہ ہونا اس درجہ کا نہیں ہے. کہ یہ علی کو ابوبکر وعمر پر فضیلت دینے لگیں بلکہ اُن کے شیعی ہونے کی جد یہ ہے کہ علی کو عثمانؓ پر فضیلت دے دیتے ہیں یا اُن کے مقابلین کی تعریف بیان کرنے سے اعراض کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ. تیسرے یہ کہ صرف پرند کے کھانے میں تو کوئی ایسا امر نہیں ہوسکتا اُسکے کھانے کے لیے وہ آدمی طلب کیا جائے جو خدا کی کل مخلوق سے محبوب ہو کیونکہ کھانا کھلانا تو نیک و بدسب کے لیے مشروع ہے اور محض کھانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک کوئی بڑائی اور قربت نہیں ہے نہ اس میں دین ودنیا کی کوئی مصلحت ہے.

چوتھے. یہ حدیث شیعی مذہب کے بالکل خلاف اور مناقض ہے کیونکہ شیعہ قائل ہیں کہ نبی اس بات کو خوب جانتے تھے کہ علی اللہ کے نزدیک اُس کی ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ کہ رسول اللہ نے اپنے بعد علی کو خلیفہ بھی کر دیا تھا مگر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسکی خبر نہ تھی کہ اللہ کے نزدیک اسکی ساری مخلوق میں اس کا محبوب کون ہے۔ پانچویں یا تو رسول اللہ ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ خدا کی ساری مخلوق میں علی محبوب ہیں۔ یا نہیں جانتے تھے۔ اگر اسے آپ جانتے تھے تو ممکن تھا کسی آدمی کو بھیج کے آپ علی کو بلوا لیتے۔ جیسا کہ ضرورت کے وقت آپ کسی صحابی کو بلوا لیتے تھے۔ یا آپ اس طرح دعا کرتے تھے: اے اللہ علی کو بھیج دے کیونکہ وہ تجھے تیری ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا آپ کو اس طرح دعا کرنے اور اس میں ابہام کرنے کی کیا ضرورت تھی. اگر آپ علی کا نام

لے دیتے تو انس بھی اس فضول اُمید کرنے سے بچ جاتے اور نہ وہ علی کو روکنے کے لئے دروازہ بند کرتے.
اور اگر رسول اللہ کو یہ معلوم ہی نہ تھا تو پھر شیعی علماء کا یہ دعوے غلط ہو گیا کہ آپ اسے جانتے تھے.

اِسکے علاوہ شیعی علماء کی نقل کردہ روایت کے تو یہ الفاظ ہیں "کہ جو تیرے اور میرے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو" تو کیا آپکو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ کون محبوب ہے. چھٹے. وہ حدیثیں جو صحاح میں ثابت ہیں اور جن کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے اور جو سب کے نزدیک مقبول ہیں وہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہیں لہٰذا یہ جھوٹی حدیث جس کے صحیح ہونے کے وہ قائل نہیں ہیں ان حدیثوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتی ہے جنکی صحت پر سب کا اتفاق ہے. یہ سب امور بخاری اور مسلم کے دیکھنے والے کو بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لو کنت متخذ امن اھل الارض خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا یہ حدیث مستفیض بلکہ محدثین کے نزدیک متواتر ہے. کیونکہ یہ صحاح میں بہت سے طریقوں سے مروی ہے. مثلاً ابن مسعود، ابوسعید، ابن عباس اور ابن زبیر نے اُسے روایت کیا ہے اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں میں ابوبکر سے زیادہ حضور انور ﷺ کو اور کوئی محبوب نہ تھا کیونکہ خلت جس سے لفظ خلیل مشتق ہے کمال محبت کا نام ہے اور یہ اللہ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہے پس اگر یہ اور کسی کے لئے ممکن ہوا اور ابوبکر کے سوا اور کوئی اس کے قابل نہ ہو تو معلوم ہوا کہ ابوبکر آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں. اِسکے علاوہ صحیح حدیث میں ہے جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب زیادہ کس سے محبت ہے؟ فرمایا عائشہ سے. اُس نے پوچھا اور مردوں میں؟ فرمایا ابوبکر سے، دوسری دلیل یہ ہے صحابہ کا ابوبکر سے یہ کہنا کہ آپ ہم سب میں بہتر اور ہمارے سردار اور رسول اللہ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں عمر نے یہی الفاظ تمام مہاجرین اور انصار کے آگے کہے تھے لیکن کسی نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی جن سے معلوم ہو گیا کہ یہ بات ان سب کے نزدیک مسلم تھی. دوسرے نبی کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہے یعنی جس سے اللہ کو محبت ہوتی ہے اُس سے رسول کو بھی ہوتی ہے. اب چونکہ ابوبکر اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں یہی رسول کو بھی سب سے زیادہ محبوب ہونگے ہم اس کو مفصل طور پر گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں یہاں اسے مختصر اس لئے اور بیان کر دیا ہے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ پرندوالی حدیث یقیناً موضوعات میں سے ہے.

شیعی علماء کی آٹھویں حدیث: (بقول شیعی علماء) رسول اللہ ﷺ نے سب صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب کے سب علی کے امیر المومنین ہونے کو تسلیم کرلیں اور یہ فرمایا تھا کہ علی سید المرسلین ،امام المتقین اور قائد المجلین ہیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد یہ ہر مومن کے ولی ہیں اور علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی ہر مومن مرد اور مومن عورت سے بہتر ہیں. پس ان اوصاف کی وجہ سے اکیلے علی ہی امام ہوئے .اور یہ اوصاف اس بارے میں نصوص ہیں اور اس روایت پر جمہور کا اتفاق ہے. فقط.

جواب: اسکا جواب بھی کئی طرح سے ہے. اول اس کی اسناد صحت کا کہیں پتہ نہیں لگتا اور شیعی علماء نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ حدیث کہاں سے نقل کی گئی ہے. جمہور کا ہرگز اس پر اتفاق نہیں ہے نہ جمہور نے اسے روایت کیا ہے. یہ جمہور پر بہتان عظیم ہے. یہ حدیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے. نہ صحاح نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ اور کسی میں اور اگر کسی نے یوں ہی اٹکل پچو کہیں نقل کردی ہو جیسا اُس جیسی اور روایتیں بھی نقل کی گئی ہیں تو اس حالت میں یہ ایسی حجت نہیں ہوسکتی اتباع کرنا باتفاق تمام مسلمانوں کے واجب ہو. اِسے اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنا ہم حرام کردیا ہے اور یہ بھی کہ ہم ایسی بات کہیں جسکا ہمیں علم ہو. ادھر حضور انور سے متواتر مروی ہے کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرے. دوسرے یہ حدیث باتفاق تمام محدثین کے جھوٹ اور موضوع ہے جسے حدیث میں کچھ بھی معرفت ہے وہ اسکے جھوٹ اور موضوع ہونے کے معلوم کرسکتا ہے. تیسرے یہ حدیث اس قسم کی ہے کہ اُسے حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے. کیونکہ اس کا روایت کرنے والا اس روایت کا خود ہی مصنف ہے. حضور انور جھوٹ سے بالکل منزہ اور مبرا ہیں. وجہ یہ اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سید المرسلین، امام المتقین اور قائد المجلین تو حضور انور کے سوا اور کوئی نہیں ہے. اب اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ کے بعد سب کے سردار علی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے بلکہ وہ الفاظ اس مطلب کے مناقض ہیں. کیونکہ سب مسلمان متقیوں اور محجلین سے افضل وہ لوگ ہیں جو حضور انور ﷺ کے زمانہ میں تھے حالانکہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں آپ کے سوا نہ کوئی اُن کا کوئی سردار تھا نہ امام تھا نہ قائد تھا پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ ایسی چیز کو بیان کریں جو ابھی تک

وجود میں بھی نہیں آئی اور اسے چھوڑ دیں جس کی اُن حاضرین کو سخت ضرورت تھی. یعنی خود ان کا حال بیان کرنا. اسکے علاوہ قیامت کے دن تو قائد رسول اللہ ہونگے پھر علی کس کے قائد بنیں گے دوسرے یہ کہ شیعوں کے نزدیک تمام مسلمان محجلین کافر یا فاسق ہیں لہٰذا علی ان میں سے کس کے قائد رہیں گے. صحیح حدیث میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا تھا مجھے یہ تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں. فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو بعد میں دنیا میں آئیں گے. اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی اُمت کے وہ لوگ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے آپ اُنہیں کیونکہ پہنچائیں گے فرمایا تم بتاؤ اگر کسی کے پچکلیان گھوڑے مشکی گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہ پہچان سکیں گے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ کیوں نہیں پھر حضور انور نے فرمایا تو بس قیامت کے دن میری امت کے آدمی وضو کی وجہ سے پچکلیان ہو کے سب سے علیحدہ معصوم ہونے اور میں اُنہیں حوض کوثر پر ملونگا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جس نے وضو کیا اور اپنے منہ. ہاتھ اور پیر دھوئے وہ بیشک غرالمحجلین یعنی اُن بچکایانوں میں سے ہے اور اس قسم کے سب لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کو مقدم کہتے ہیں. اب اسکے مقابلہ میں شیعوں کو دیکھا جائے وہ نہ پیروں کو نیچے سے دھوتے ہیں اور نہ ٹخنوں کو لہٰذا یہ محجلین میں سے کیونکر ہو سکتے ہیں اور جب کوئی غرالمحجلین نہ رہا تو علی پھر کس کے قائد ہونگے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حجلت پیروں کے اوپر کی سفیدی کو نہیں کہتے بلکہ تحجلت پیروں کے سفید ہونے کو کہتے ہیں. اسی طرح ہاتھوں میں خیال کر لیا جائے تو تحجلت ہاتھوں اور پیروں کے سفید ہونے کا نام ہے اور جب کسی نے دونوں پیر ٹخنوں تک نہ دھوئے تو وہ محجلین میں سے کبھی نہیں ہو سکتا. اب حضور انور کے بعد علی کی سرداری اُن کے امام اور قائد ہونے کی بحث ہے تو دراصل یہ امر بالکل غلط ہے کہ علیؓ کو حضور انور ﷺ کے بعد سب کا امام اور قائد سمجھا جائے اور اس کا غلط ہونا بالاضطرار معلوم ہو جاتا ہے حضور انور نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ علیؓ ابوبکرؓ و عمر سے افضل ہیں بلکہ آپ ہمیشہ علی پر ابوبکر و عمرؓ کو اسطرح فضیلت دیتے تھے کہ عام اور خاص سب کو معلوم تھا کہ آپ کی جس بات سے مشرکین بھی آگاہ ہو گئے تھے چنانچہ جنگ احد کا واقعہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان نے جب پکارا کہ تم میں محمد (صلعم) ہیں اور یہ الفاظ اُس نے تین مرتبہ دھرائے تو اس پر حضور انور نے اپنے صحابہ کو حکم دے دیا کہ کوئی اس کا جواب نہ دو پھر اُس نے پکار کے کہا

کہ تم میں ابن ابی قحافہ ابوبکر ہیں یہ آواز بھی اُس نے تین مرتبہ دی اُس کا جواب بھی سکوت سے ملا پھر اُس نے تین ہی دفعہ ابن خطاب کو پکارا. مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے سردار نے سوائے محمد ﷺ ابوبکر و عمرؓ کے چوتھے کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ اور اُسکے ساتھ کل مشرک اس بات کو جانتے تھے کہ اسلامی خلافت کے سرغنہ یہی تین آدمی ہیں اور اسی سے اُسے قیام ہے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کل مشرکوں کے نزدیک یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی تھی کہ یہ دونوں محمد ﷺ کے وزیر ہیں اور یہی آپ کا کام انجام دیتے ہیں اور ان ہی کو محمد کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت ہے اور یہی اسلام کے اعلان کرنے میں سب سے زیادہ ہیں جب یہ کل حالات کفار تک کو معلوم تھے تو پھر مسلمانوں کو کس طرح نہیں معلوم ہو سکتے. اس قسم کی بہت سی حدیثیں متواتر ہیں اور جیسا کہ صحاح میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب عمر کو نہلانے کے لیے تختہ پر لٹایا گیا تو اُس وقت حاضرین کی عجیب کیفیت تھی کوئی اُن کی تعریف کرتا تھا کوئی اُن کے حق میں دعا کرتا تھا کہ اسی اثناء میں کسی نے پیچھے سے آکر میرے شانے پر ہاتھ رکھا میں نے پھر کے دیکھا تو وہ علیؓ تھے اُس وقت اُنہوں نے عمر کی طرف خطاب کر کے کہا تم نے اپنے بعد ایسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جو تم سے زیادہ مجھے محبوب ہو اور میں اُس کے سے عمل کر کے اللہ کے حضور میں پیش ہوں. قسم ہے اللہ کی میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے میں اکثر سنا کرتا تھا کہ تمہیں اور ابوبکر کو ہر بات میں اپنے ساتھ ہی بیان فرمایا کرتے تھے.

اسی وجہ سے وہ متقدمین شیعہ جنہوں نے علی کا زمانہ پایا تھا ابوبکرؓ و عمرؓ کو علی پر فضیلت دیتے تھے جہاں تک ہماری تحقیق رستہ دیتی ہے سوائے کسی ملحد کے مسلمان تو اس میں خلاف نہیں کیا. ہاں خلافت عثمان کے بارے میں بیشک ہوا کہ آیا علی افضل ہیں یا عثمان. اسی طرح شیعی علماء نے حضور انور کو جو یہ قول نقل کیا ہے کہ علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے یہ درحقیقت حضور انور پر بہت بڑا بہتان ہے. یہ بات یقینی ہے اور ہم اپنے سچے دل اور ایمان سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ جب اپنی زندگی میں ہر مومن کے ولی تھے ایسا اب بھی یعنی بعد وفات بھی ہر مومن کے ولی ہیں اور اسی طرح ہر مومن اپنی زندگی اور مرنے کے بعد بھی حضور انور کا ولی پس وہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہاں وہ ولایت جسکے معنی امارت کے ہیں اس میں بجائے ولی کے والی کا لفظ بولا جاتا ہے لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور انور کا یہ فرمانا کہ علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے آپ پر نرا

بہتان ہے کیونکہ اگر اس سے موالاۃ مراد ہے تو پھر بعدی کے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس سے امارت مراد ہے تو پھر والی کہنا چاہیے تھا نہ کہ ولی۔

ہاں حضور انور ﷺ علی سے یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں صحیح اور حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ یہ آپ نے فتح مکہ پر فرمایا تھا اور یہ وہ موقع تھا کہ جب علی جعفر اور زید بن حارثہ کا اس بات جھگڑا ہوا کہ امیر حمزہ کی لڑکی کس کے پاس رہے اور کون اسکی پرورش کرے تو حضور انور نے اُس لڑکی کو اسکی خالہ کے سپرد کر دیا جو جعفر کے نکاح میں تھیں اور یہ فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اس لیے میں اُس لڑکی کو اس کے پاس رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے جعفر سے فرمایا کہ اشبھت خُلقی و خِلقی اور علی کو تسکین دینے کے لیے فرمایا کہ انت منی وانا منک اور زید سے فرمایا انت اخونا و مولانا صحیحین میں یہ بھی مروی ہے کہ یہی الفاظ حضور انور نے اشعرین وغیرہ اور بہت سے لوگوں کے حق میں فرمائے ہیں جس میں صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ الفاظ امامت پر دلالت نہیں کرتے نہ جسکے حق میں یہ الفاظ کہے جائیں وہ سب صحابہ سے افضل ہوسکتا ہے۔

شیعی علماء کی نویں حدیث :(بقول شیعی علماء) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ولن یفرقا حتی یردا علی الحوض یعنی میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اُس سے تمسک رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب اور میری عترت میری اہل بیت ہیں یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر نہ پہنچ لیں گے کبھی جدا نہ ہونگے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) رسول اللہ نے فرمایا کہ تم میری اہل بیت مثل نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہیں کہ جو اس پر سوار ہوگیا اُس کی نجات ہوگئی اور جو اُس سے رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہلبیت کے قول میں تمسک کرنا واجب ہے اور اہل بیت میں سب سے افضل علی ہیں پس اُنکی اطاعت ہر ایک پر واجب ہوئی لہٰذا وہی امام ہوئے۔ فقط

جواب: اسکے کئی جواب ہیں جن میں سے ہم گزشتہ صفحات میں بعض جواب نقل کر چکے ہیں بات اصل یہ کہ کتاب اللہ کے ساتھ نہ کوئی چیز شریک ہوسکتی ہے اور نہ اُس میں کسی چیز کے شریک کرنے کی ضرورت ہے۔ دین کامل ہو چکا ہے اور اُس کی خبر قرآن مجید میں مل چکی ہے۔ کیسے اہل بیت اور کیسی اُن

کی عترت، امت مرحومہ سوائے قرآن مجید کے اتباع کے ہرگز دوسری چیز کی مکلف نہیں ہے اور نہ قرآن مجید جیسی واضح اور روشن کتاب نے اس کا کہیں اشارہ کیا ہے. یہ ساری کمزور باتیں ہیں. مسلمان کو تو صرف قرآن مجید سے تمسک کرنا چاہیے باقی نہ اِسے کسی صحابی سے غرض ہے اور نہ کسی اہل بیت سے. تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو کہ اہل بیت اور صحابہ کو نسیاً منسیاً کر دیا جائے اور صرف قرآن مجید ہمارا دستور العمل رہے تو بتاؤ اسلام میں کچھ ضعف آ سکتا ہے .حاشا وکلا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں حضور انور ﷺ کی پاک معاشرت پر غور کرنے اور قرآن مجید پر پورا تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ﷺ نے خاندانی لحاظ سے کوئی فضیلت کسی کو نہیں دی تھی .نہ قرآن مجید میں سوائے اعمال حسنہ کے کوئی دوسرا معیار فضیلت وغیرہ فضیلت کا معلوم ہوتا ہے. پھر کسی طرح ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ قرآن مجید کے ساتھ اہلبیت کو ملا دیتے اور اس طرح کلام اللہ کی توہین کرتے .غا بر خم والی حدیث کا بخاری نے کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہاں صرف مسلم نے دوسرے الفاظ کیساتھ جن سے شیعی علماء کے الفاظ میں بہت بڑا فرق ہے اس حدیث کو لکھا ہے مگر خبر احاد کے احاطہ سے حدیث نہیں نکل سکی اور نہ بکثرت راویوں نے اسے روایت کیا ہے کہ یہ متواتر روایتوں میں درجہ پا سکتی .تو بھی ہم مسلم والی روایت کو نقل کر کے کچھ بحث کرتے ہیں مسلم میں تو یہ آیا ہے. زید بن ارقم کہتے ہیں کہ مدینہ کے درمیان ایک تالاب پر جو غدیر کے نام سے مشہور ہے. رسول اللہ ﷺ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا: ”اے لوگو! تم جیسا میں بھی آدمی ہوں فرشتہ نہیں ہوں. عنقریب میرے پروردگار کا قاصد موت کا پیغام لیکے میرے پاس آئیگا تو میں اس پیغام کو ضرور تسلیم کرلونگا اور میں تم میں دو وزن دار چیزیں چھوڑتا ہوں اِن میں پہلی چیز کتاب اللہ کلام مجید ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اسے لو اور اس پر عمل کرو. روای کا قول ہے کہ اس کی آپ نے بہت ترغیب دی. پھر فرمایا کہ دوسری اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے حق میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں.“ اِن لفظوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ جس چیز کے تمسک کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جس کا تمسک کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔ اسی طرح اور حدیثوں میں بھی آیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حجۃ الوداع کے قصے کو جابر سے روایت کیا گیا ہے کہ عرفہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا تو خطبہ ہی میں یہ فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم اگر اس پر قائم رہو گے تو

کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ چیز اللہ کی کتاب ہے قرآن مجید ہے. اگر ہم مسلم کی پہلی روایت کو صحیح بھی مان لیں جب بھی اس میں قرآن مجید کی نسبت جو کچھ الفاظ آئے ہیں وہ الفاظ اہل بیت کی نسبت نہیں ہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی امت سے اپنی اہل بیت کی سفارش کرتے ہیں اور وہ سفارش فقط یہی ہے کہ اُنکی اصلی حالت سے اُنہیں نہ بڑھایا جائے اور نہ گھٹایا جائے. دوسری ازواج پاک کو جو درحقیقت اہل بیت کا بہت بڑا جز ہیں امہات المومنین کا جو لقب دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی مائیں سمجھی جائیں اور انکا یہ لقب عملی طور پر مسلمان تسلیم کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا ہر صدی اور ہر قرن میں قرآن مجید کو ہدایت اور نور سمجھا گیا ہے اُس پر عمل کیا گیا اور نبی کی کل بیبیوں کو سب مسلمانوں نے اپنی سگی ماؤں کے برابر سمجھا اور اس میں ذرا فرق نہیں آیا. باقی شیعی علماء نے جو عترت وغیرہ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا ہے اور حوض کوثر کا ذکر کیا ہے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے صرف ترمذی نے اُسے نقل کیا ہے مگر امام احمد بن حنبل سے کسی نے اُسکے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ یہ روایت ضعیف ہے. نہ صرف امام احمد بن حنبل نے بلکہ اور علماء نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسکے صحیح ہونے سے صاف انکار کردیا. اور باقی یہ قول کہ میرے اہل بیت مثل نوح کی کشتی کے ہیں. اسکی کوئی سند صحیح نہیں ہے نہ حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کا پتہ لگتا ہے اگر کسی ایسے شخص نے جسے موضوع حدیثیں نقل کرنے کا ملکہ ہے اس انگل پچو روایت کو نقل کیا ہو تو یہ قابل استدلال نہیں ہے. پھر عترت اور کتاب اللہ کی روایت کی وہ ساتھ ساتھ رہیں گے کبھی علیحدہ نہ ہونگے جب تک کہ وہ حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں. دیکھنی چاہیے اِسکے متعلق ہم یہ کہتے ہیں (اِسے صحیح تسلیم کرنے کے بعد) حضور انور ﷺ کا سچا ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ عترت کا اجماع ہے اور مسلمان علماء کی ایک جماعت نے بھی اِسے تسلیم کیا ہے قاضی معتمد اِسے نقل کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ عترت تو سارے نبی ہاشم اولاد عباس، اولاد علی، اولاد حارث بن عبدالمطلب اور اولاد ابو طالب ہے. علی کسی طرح بھی اکیلے عترت نہیں ہوسکتے ہاں عترت کے سردار سب سے افضل حضور انور ﷺ ہیں اسکی تشریح اس سے ہوتی ہے کہ علماء عترت مثلاً ابن عباس وغیرہ علی کے ہر قول میں اُنکی پیروی کرنے کو واجب نہیں کہتے اور نہ خود علیؓ ہی اپنے ہر فتویٰ میں اپنی اطاعت لوگوں پر واجب کرتے تھے نہ کہیں آئمہ سلف میں کسی سے مشہور ہوا. اور نہ بنی ہاشم وغیرہ میں سے کسی نے کہا کہ علی کی اُن کے ہر قول میں پیروی کرنا واجب ہے. تیسرے یہ

کہ عترت کا اجماع نہ کبھی علی کی امامت پر ہوا نہ افضلیت پر، بلکہ ائمۂ عترت مثلاً ابن عباس وغیرہ ابوبکر ،عمر کو مقدم اور افضل کہتے اور سمجھتے تھے۔ چوتھے یہ اس دلیل کے معارض سے جو اس سے بھی زیادہ قوی ہے اور وہ یہ کہ امت کا اجماع قرآن، حدیث اور اجماع تینوں سے حجت اور عترت ساری امت کا ایک حصہ ہے پس امت کے اجماع ہونے سے عترت کا اجماع ہونا لازم آئے گا اور ساری امت سے افضل ابوبکر ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے. ساتھ ہی جس فرقہ کا اجماع حجت ہو اُسکے افضل کے قول کی پیروی کرنی واجب ہوگی اگرچہ وہ امام نہ ہو تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ ابوبکر ہی امام ہیں اور اگر اس طرح ہونا واجب نہ ہو تو پھر علی کی امامت کی بابت جو کچھ اُنہوں نے بیان کیا ہے سب باطل ہو جائیگا۔ اصل یہ ہے کہ اس قول پر اس امت کے نبی کے بعد ابوبکر کو اس ساری امت کی طرف ایسی ہی نسبت ہے جیسی علی کو رسول اللہ کے بعد عترت کی طرف نسبت ہے.

شیعی علماء کی دسویں حدیث : (بقول شیعی علماء) علی کی محبت اور موالاۃ کے واجب ہونے کو جمہور نے نقل کیا ہے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن حسین کے ہاتھ پکڑ کے یہ فرمایا جو شخص مجھ سے اور ان دونوں سے اور ان کے والدین سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ایک درجہ میں ہوگا. (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) ابن خالویہ نے ابن خذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یاقوت کے اس قصبہ سے تمسک کرنا چاہے جسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے پھر اُسکے حکم دیا کہ ہو جا وہ ہو گیا تو اُسے چاہیے کہ وہ میرے بعد علی سے ضرور محبت رکھے. (پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) ابو سعید خدری کہتے ہیں. رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا اے علی تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہارا بغض نفاق ہے اور سب سے پہلے جنت میں وہی جائیگا جو تم سے محبت رکھے گا۔ اور دوزخ میں وہی جائے گا جو تم سے بغض رکھے گا اور اللہ نے تمہیں اس کا اصل بنا دیا ہے۔ پس تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے. (پھر شیعی علماء ارشاد کرتے ہیں) شفیق بن سلمہ نے عبداللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ میرا ولی ہے اور میں اس کا ولی ہوں جس سے یہ عداوت رکھے گا اُس سے میں بھی عداوت

رکھونگا اور جس سے یہ راضی خوش رہیگا اُس سے میں بھی راضی خوش رہونگا (پھر شیعی علماء بیان کرتے ہیں)اخطب خوارزم نے جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل میرے پاس ایک سبز رقعہ لائے جس میں سفید روشنائی سے یہ لکھا ہوا تھا کہ اے محمد میں نے علی کی محبت کو اپنی مخلوق پر فرض کر دیا ہے لہٰذا یہ پیغام میری طرف سے اُن تک پہنچا دو. اور اس بارے میں مخالف لوگوں کی سندوں سے بھی اس قدر حدیثیں مروی ہیں جو شمار میں نہیں آ سکتیں اور یہ علی کی فصیلت اور انکی امامت پر صاف دلالت کرتی ہیں.

جواب: اسکے کئی جواب ہیں. اول یہ کہ ان روایتوں کی صحت بیان کرنی چاہیے مگر یقیناً شیعی علماء اس سے عاجز ہیں وہ ہرگز ان روایتوں کی صحت بیان نہیں کر سکتے. اب رہی امام احمد کی مسند وہ ان روایتوں سے خالی ہے بات یہ ہے کہ امامت احمد نے صحابہ کے فضائل میں ایک کتاب ترتیب دی ہے اور اس میں بکثرت ضعیف حدیثیں نقل کر دی ہیں اور چونکہ امام موصوف جانتے تھے کہ یہ ضعیف حدیثیں ہیں اس لیے اُنہوں نے اپنی کتاب مسند میں اُنہیں نقل نہیں کیا. امام احمد کے طرز کلام سے جب وہ صحابہ کے فضائل میں کوئی صغیف حدیث نقل کرتے ہیں یہ صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ اسکو جتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث فضائل میں کوئی ضعیف حدیث ہے اور اسکے نقل کرنے کی یہ وجہ زیادہ تر معلوم ہوتی ہے. اس کے علاوہ اُنکے صاحبزادہ عبداللہ نے بہت کچھ زیادتیاں کی ہیں اور ادھر اُدھر سے موضوع اور ضعیف حدیثیں اکٹھی کر کے اپنے بیگناہ باپ کے سر چپیک دی ہیں. اسکے بعد عبداللہ کے شاگرد قطیعی نے تو غضب ڈھا دیا. پدر تمام نکرد و پسر تمام کند، کا مضمون ہوا. جو کچھ کوڑا کرکٹ بچا تھا وہ سب اسے امام احمد کے سر پر پھینک دیا یعنی تمام دنیا کی روایات کا انبار لگا کے امام احمد پر نثار کر دیا. شیعی علماء کا تکیہ زیادہ تر اسی قطیعی کی روایتوں پر ہے جسکی بحث ہم اپنے گزشتہ صفحات میں بھی کر چکے ہیں ان کی عادت ہے کہ یہ عبداللہ اور قطیعی سے روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں یا بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ہم امام احمد ابن حنبل سے روایتیں نقل کر رہے ہیں. شیعی علماء نہیں جانتے کہ امام احمد کے شیوخ کون تھے اور قطیعی کے شیوخ کون تھے اور پھر تماشہ دیکھیئے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ امام احمد نے اسے نقل کیا ہے تو بغیر تحقیق کیئے جو خود بخود اس کا یقین کر لیتے ہیں کہ امام احمد نے اپنی مسند میں اس کا ذکر کیا ہوگا. ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جو زبردستی امام احمد کے سر چپیکی گئی ہیں حالانکہ امام احمد

نے اُنہیں سُنا تک بھی نہیں. ساری کارستانیاں ابن البطریق اور صاحب الطرائف وغیرہ کی ہیں.

یہ تو آپ نے جان لیا کہ شیعی علماء نے امام احمد کا نام زبردستی لے دیا ہے ان بیچارہ کی مسند ان روایتوں سے بالکل خالی ہے. اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ انہیں امام احمد نے روایت کیا ہے اور اُن کی مسند میں بھی یہ حدیث موجود ہے تو ہم کہتے ہیں خالی احمد بن حنبل کا نقل روایت کرنا واجب العمل ہونے پر تو کجا صحت پر بھی دلالت نہیں کرتا. اب سنئے مذکورہ حدیثوں میں پہلی حدیث تو قطیعی کی زیادات میں سے ہے اسے قطیعی نے نصر بن علی جہنی سے اُس نے علی بن جعفر سے اور اُس نے اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے نقل کیا ہے. دوسری حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور اُسکی موضوع ہونے کو صاف بیان کر دیا ہے. باقی ابن خالویہ کی روایت باتفاق تمام علماء کے اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ حدیث صحیح اور اسی طرح اخطب خوارزم والی روایت ہے جس میں ایسا نو ایجاد جھوٹ ہے جو باتفاق اہل علم کے موضوعات سے بھی قبیح تر ہے. ابن خالویہ کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب ایجاد بندہ میں داخل ہیں. ایسی ایسی باتیں اُس نے دماغ سے تراشی ہیں کہ العظمۃ اللہ. اہل حدیث کے نزدیک اس کی سب روایتیں جھوٹ اور موضوع ہیں اہل معرفت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ پر نرا بہتان ہے اور یہ حدیث کی ان کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہیں جو علماء حدیث کے نزدیک معتبر اور معتمد ہیں نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ معجمات میں اور نہ اس قسم کی دوسری کتابوں میں غرض کہیں بھی ان کا نام ونشان نہیں ملتا. سوائے اسکے کہ ابن خالویہ کے دماغ سے نکلیں اور اس کے احباب نے اُنہیں اپنے دل میں جگہ دے لی اور بس. اِسکے علاوہ ان روایتوں کے الفاظ میں غور تدبر سے کام لو تو تمہیں صاف طور پر کھل جائے گا کہ یہ حضور انور ﷺ پر نرا بہتان ہے. مثلاً یاقوت کے قصبہ کے تمسک کا قصہ دوسرا اللہ کے ہاتھ سے پیدا ہونے کی کہانی یہ ایسی باتیں ہیں جو اپنی آپ تردید کر رہی ہیں. شیعی علماء کے کان میں یہ بات پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے اور مٹی سے پیدا کر کے یہ فرمایا کہ ہوجا وہ ہوگئے تو اُنہوں نے آدم پر اس یاقوت کے قصبہ کو بھی قیاس کر لیا اور وہی کہانی یہاں بھی چسپاں کرنی چاہی جوڑ چاہے بیٹھے یا نہ بیٹھے، وہ تو کھپانے اور زبردستی کھپانے کے لئے تیار ہوگئے. کیسا یاقوت اور کیسا قصبہ یہ مشرقی فسانوں سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی باتیں ہیں. انہیں سچا ہی یقین نہ کرنا بلکہ ان پر ایمان لانا ایک حیرت انگیز تماشا ہے۔ جو چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھا ہوگا۔

پھر ایسا ہی قصہ یہ ہے کہ علیؓ سے بغض رکھنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا یہ تو وہ بات ہوئی کہ کوئی کہدے کہ ابوبکر وعمر وعثمانؓ سے بغض رکھنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائیگا۔ ہماری رائے میں صحابہؓ کے بغض اور محبت کو کسی کی نجات سے کچھ تعلق نہیں۔ نہ اُن سے بغض رکھنے والا جہنمی ہے اور نہ اُن سے محبت رکھنے والا جنتی۔ قرآن مجید میں ان باتوں کا مطلق ذکر نہیں ہے نہ ابوبکر سے غرض نہ عمر سے نہ عثمان وعلی سے۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا اپنے لیے کیا ہم اُن کے اعمال کے جواب دہ نہیں ہیں اور نہ اُن کی بابت ہم سے کچھ دریافت کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ تو ایک طرف رہے خالص رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی کسی کو نجات نہیں دلوا سکتی۔ جب تک نیک اعمال نہ کئے جائیں۔ قرآن مجید نے کوئی فیصلہ علیؓ کے ایمان کے متعلق نہیں کیا ہے اور نہ اُن کا اتباع جائز رکھا ہے ہم تو کسی سے واقف نہیں ہیں۔ قرآن مجید ہدایت پانے کے لیے بس ہے۔ اگر علی دنیا میں پیدا نہ ہوتے تو کیا کتاب اللہ اور دین خدا میں کوئی نقص رہ جاتا توبہ توبہ ہرگز نہیں۔ ہم خدا پرست ہیں اور اسی پر ہمیں ناز ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

اب اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر خیال کرو کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوجہل بن ہشام فرعون اور ابولہب سے پہلے خوارج دوزخ میں جائیں گے؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمن تھے اور جنہیں تم خوارج کہتے ہو وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دوست ہیں۔ جنت میں جانے کا سبب اگر کوئی ہو سکتا ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ہے باقی کوئی نہیں۔ اس سے کوئی بھی ہوشمند انسان انکار نہیں کر سکتا علی کی محبت کو سعادت اور شقاوت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا ابوبکر، عمر عثمان ور معاویہ کی محبت کو۔

شیعی علماء کی گیارھویں حدیث: (بقول شیعی علماء) اخطب خوارزم نے بلا سناد ابوذر غفاری سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جو شخص علی کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا مخالف ہے اور جس نے علی میں شک کیا ہو وہ بھی کافر ہے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) انس کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے علی کو آتے ہوئے دیکھ کے فرمایا قیامت کے دن میں اور یہ اپنی امت پر اللہ کی حجت ہونگے معاویہ بن

حیدۃ القشیری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے آپ علیؓ سے فرماتے تھے کہ جو شخص تم سے بغض و عداوت رکھنے کی حالت میں مرجائے تو وہ یہودی ہو کے مرے گا یا نصرانی ہو کے.

جواب: وہی حضرت اخطب خوارزم صاحب یہاں بھی تشریف رکھتے ہیں جن کی مدح سرائی اوپر ہو چکی ہے اس نقل کی صحت پہلے بیان کرنی چاہیے مگر ہم اپنے یقین اور ایمان سے جانتے ہیں کہ شیعی علماء اس نقل کی صحت بیان کرنے میں عاری ہیں. اسکے علاوہ فقط۔ اخطب خوارزم کا نقل کر دینا اس کی ہرگز دلیل نہیں ہوسکتا کہ یہ حدیث ثابت ہے. یہ بھی اُس وقت ہے جب تک اس کا علم نہ ہو کہ حضرت نے اپنی عمر میں شاید ایک صحیح روایت بھی نقل نہیں کی. معمولی عقل و علم کا شخص بھی اگر اسکی کتاب کو دیکھے گا تو بے ساختہ یہ کہہ اُٹھے گا. سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (نور) دوسرے جو لوگ حدیث سے واقف ہیں وہ سب اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ حدیثیں بالکل جھوٹ اور حضور انور رسول اللہ ﷺ پر نرا بہتان ہیں. تیسرے اگر ان حدیثوں کو صحابہ اور تابعین نے روایت کیا ہے تو وہ کس جگہ کس کتاب میں مذکور ہے کہ ان حدیثوں کو فلاں صحابی اور فلاں تابعی نے روایت کیا ہے نہیں بلکہ جو شخص اُنکے احوال اور اُن کے معاملات سے پورا پورا واقف ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ یہ حدیثیں اُن کے بعد جھوٹے لوگوں نے گھڑ لی ہیں۔ ورنہ سلف میں اُن کا کہیں پتہ نہیں ہے. چوتھے ہمارا یہ جاننا کہ مہاجرین اور انصار بے شک مسلمان تھے وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے دلی محبت رکھتے تھے اور رسول کو اُن سے دلی محبت تھی ان حدیثوں کے جاننے سے بدرجہا زیادہ ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ ہی امام ہیں اب یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو علم ہمیں متواتر یقینی حدیثوں سے ہوا ہے وہ ایسی حدیثوں سے جاتا رہے جو بہت ہی ادنٰے درجہ کی اور اس قابل بھی نہیں کہ اُنہیں اخبار احاد بھی کہا جائے چہ جائے کہ ان پر متواتر کا اطلاق ہو. نہ اُن کا نقل کرنے والا کوئی سچا معلوم ہوتا ہے بلکہ تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیثیں سب جھوٹی حدیثوں سے بڑھ چڑھ کر جھوٹی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ایک حدیث بھی حدیثوں کی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوئی بلکہ سب ائمہ حدیث اُنکے جھوٹ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں.

پانچویں. ان حدیثوں کے خلاف قرآن مجید کی صاف صاف شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالی اُن لوگوں سے راضی ہے اور اُنکی تعریف کرتا ہے جنہیں مذکورہ روایتیں کافر اور جہنمی بناتی ہیں

اُن لوگوں سے راضی ہے اور اُنکی تعریف کرتا ہے جنہیں مذکورہ روایتیں کافر اور جہنمی بناتی ہیں مثلاً قرآن مجید شہادت دیتا ہے. وَالسَّابِقُوْنَ الْاَ وَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَ نْصَارِ وَالَّذِيْنَ تَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً .پھر فرمایا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً . اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں. پس ہمارا ایسا علم جس پر قرآن کی یقینی دلالت ہو ایسی مفترہ حدیثوں سے کیونکر رد ہوسکتا ہے جنہیں ایسے شخص نے روایت کیا ہو کہ نہ اُسے خوف خدا ہے نہ دنیا کی شرم. چھٹے اگر غور سے دیکھو گے تو یہ حدیثیں خود علی ہی میں نقص پیدا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ہوں گی اور یہ معلوم ہوگا کہ علی اللہ اور اللہ کے رسول کو جھوٹا سمجھتے تھے .(معاذ اللہ) مثلاً ان حدیثوں کے صحیح ہونے سے سب صحابہ کا کافر ہونا لازم آتا ہے خواہ علی ہوں یا اور کوئی ۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے علی کی خلافت کا انکار کیا وہ اس مفتری حدیث کی رُو سے سب کے سب کافر ہیں لیکن خود علی نے ان نصوص کے بموجب ذرا عمل نہیں کیا بلکہ وہ ان لوگوں کو مومن اور مسلمان ہی کہتے اور سمجھتے رہے. اس سے بھی زیادہ تو علی کے دشمنوں یا مقاتل میں سب سے زیادہ خوارج تھے مگر علی نے اُن پر بھی کبھی کفر کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ اُن کا مال لوٹنا اور انہیں قید کرنا حرام کر دیا. اُن کے قتال کرنے سے پہلے علی اُن سے کہا کرتے تھے کہ ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم تمہیں اپنی مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں اور نہ اپنی غنیمت میں سے تمہارا حق رکھیں. پھر ابن ملجم کے قتل کرنے پر آپ نے یہ فرمایا تھا اگر میں زندہ رہا تو اپنے خون کا خود ہی مختار ہوں ۔ اپنے قتل کر دینے پر بھی آپ نے ابن ملجم کو کافر نہیں کہا. اہل جمل کی بابت متواتر مروی ہے کہ آپ نے انکے قیدی کو قتل کرنے ان کا مال لوٹنے اور اُنکے بال بچوں کو قید کرنے سے صاف منع کر دیا تھا اب اگر ان نصوص کی وجہ سے یہ لوگ کافر تھے تو ان نصوص کی سب سے زیادہ تکذیب خود علی نے کی لہٰذا اس سے لازم آتا ہے کہ علی کافر ہوں (حالانکہ ہم ایسا نہیں سمجھتے) علی نے دھڑلے سے ان مقتولین کے جنازوں کی نمازیں پڑھی ہیں جو آپ کے مقابلہ میں مارے گئے تھے آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے ہمارے بھائی ہم سے باغی ہو گئے تھے مگر تلوار نے انہیں پاک کر دیا ۔ اگر یہ لوگ علی کے نزدیک کافر ہوتے تو آپ اُن کے جنازہ کی نماز کیونکر پڑھا سکتے تھے اور نہ اُنہیں

اپنا بھائی کہتے نہ اُنہیں تلوار سے پاک کرتے کیونکہ کافر تو تلوار سے پاک نہیں ہوا کرتے. خلاصہ یہ ہے کہ علیؓ کی عادت اور معاملات سے ہم بلا اضطراب یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے مقاتلین کو کافر نہیں سمجھتے تھے بلکہ نہ وہ جمہور مسلمین نہ خلفاء ثلثہ نہ حسن نہ حسین نہ علی بن حسین نہ ابو جعفر کسی کو بھی کافر نہیں جانتے تھے پس اگر یہ سب لوگ کافر تھے تو سب سے پہلے شیعی نصوص کا خلاف کرنے والے علی بنتے ہیں جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں. فرض کرو کوئی شخص یہ کہے کہ ان میں جنگ کرنے کی طاقت نہ تھی تو بھی یہ خوارج کی طرح اتنا ضرور کر سکتے تھے کہ دارالسلام کو چھوڑ کے کہیں اور جا کے آباد ہو جاتے اور دارالاسلام میں رہنے والوں پر کافر اور مرتد ہونے کا حکم کر دیتے جیسا کہ شیعی علماء کے اکثر شیوخ ایسا کر چکے ہیں خیال تو کیجئے جب علی نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ یہ کفار ایمان نہیں لاتے تو آپ پر فرض تھا کہ اپنے اور اپنے شیعوں کے لیے کوئی اور شہر بسا لیتے اور اُن کفار اور مرتد لوگوں کے شہر کو چھوڑ دیتے جیسا کہ مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب اور اُس کی پیروی کرنے والوں کے شہر کو چھوڑ دیا تھا خود حضور انور رسول اللہ ﷺ کو خیال کرو کہ جب مشرکین مکہ نے آپ کو سخت تکلیف دی اور مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستایا تو آپ ﷺ نے اپنے وطن کو چھوڑ کے مدینہ میں قیام کر لیا او آپ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ کل مسلمانوں نے ایسی علیحدگی ظاہر کی تھی کہ ہر شخص مسلم اور کافر کو اچھی طرح پہچان سکتا تھا اسی طرح وہ لوگ ہیں جنھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی.

خیال تو کیجئے کہ ان شیعی نصوص سے یہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص کو علی کی خلافت میں ذرا بھی شک ہو تو وہ علی اور اہل بیت کے نزدیک کافر ہے اور سوائے اُس شخص کے کوئی مومن نہ ہو جو رسول اللہ کے بعد علی کے امام اور معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو مگر جسکا یہ عقیدہ نہ ہو وہ اُنکے نزدیک مرتد ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے دین خداوندی کو علی ہی نے بدلا ہے کیونکہ اُنھوں نے مومنین سے کفار کو علیحدہ نہیں کیا اور نہ مرتدین کو مسلمانوں سے الگ کیا.

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ علی اُن سے جنگ کرنے اور اُنہیں اپنے قابو میں لانے سے عاجز تھے تو اُن سے خود علیحدہ ہو جانے سے تو ہرگز عاجز نہ تھے نہ آپ اُن خوارج سے زیادہ عاجز تھے جنکی آپ کے لشکر کے مقابلہ میں بہت ہی چھوٹی سی جماعت تھی حالانکہ خوارج نے اُنکے شہر کو چھوڑ کے اپنا ایک شہر علیحدہ آباد کر لیا تھا اور جیسا اُنھوں نے دوسرے مسلمانوں کو کافر کہا تھا وہ اپنے اس عقیدہ اور

قول کے مطابق اُن سے علیحدہ بھی ہو گئے تھے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کو مومن سمجھتے اور انھیں مسلمان کہتے تھے. خیال تو کیجئے کہ حسن بن علی کے لئے یہ کس طرح حلال ہو گیا تھا کہ انھوں نے اسلامی سلطنت ایک ایسے شخص کے حوالہ کر دی جو شیعی علماء کے قول کے مطابق نہ صرف مرتدین میں تھا بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر تھا۔ کوئی شخص بھی جسکا اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہو ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں. ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزار بار، وہ جان دے دیتا مگر ایسا سفا کانہ کام کہ امت مرحومہ اور سلطنت اسلامیہ ایک مرتد اور کافر کو سپرد کر دے کبھی نہیں کرنا چاہئے تھا. اِس کے علاوہ وہاں تو یہ بات ہی نہیں تھی. حضرت علی کے قتل ہونے پر معاویہ نے حسن کو لکھا آپ کی کیا مرضی ہے. جو کچھ منشاء ہو اُس کا اظہار کر دیجئے. مجھے کسی طرح بھی عذر نہیں ہے. آپ اپنے باپ علی کے قائم مقام ہو کے کوفہ کو اپنا پائے تخت قرار دے سکتے تھے. حضرت معاویہؓ بھی اُن سے جنگ نہ کرتے نہ اُن کا جنگ کرنے کا ارادہ تھا نہ اُنھوں نے جنگ کی. پھر حضور انور ﷺ کا یہ قول دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اپنے بڑے نواسہ امام حسن کے متعلق یہ فرمایا تھا. ان ابنی هذا سید و سیصلح الله به بین فئتین عظمتین من المسلمین یعنی یہ میرا بیٹا سید ہے اِس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں عنقریب صلح کرائے گا وہ قول کہ حسن نے مسلمین اور مرتدین میں صلح کرائی تھی منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ کیونکہ معاذ اللہ حضور انور پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک جماعت کی نسبت مسلمین کہا اور دوسری کو مرتدین کیوں نہ کہا؟ کوئی مسلمان بھی اِسے گوارا نہیں کرنے کا کہ حضور انور ﷺ پر یہ بہتان عظیم اُٹھائے ادھر حسن کی بھی کچھ تعریف نہیں ہوئی کہ وہ دو جماعتوں میں جن میں ایک مرتدین کی ہے اور ایک مسلمین کی صلح کے محرک ہوئے۔ بلکہ صلح کرادی. یہ سخت غضبناک الزام ہے جو امام حسن جیسے سچے مسلمان پر لگایا جاتا ہے یہ ہے اہل بیت پر فدائیت اور یہ ہے اُن کی عزت. شیعی علماء کا دعویٰ ہے کہ امام معصوم اللہ کی طرف سے بندوں پر لطف و عنایت ہے کیونکہ امام کا ایسا ہونا بندوں کے مطیع بننے کے لئے اعلیٰ درجہ کا سبب ہو جاتا ہے یعنی اُسکے بعد وہ قابل رحمت ہو جاتے ہیں. اِس عجیب و غریب قول کے تسلیم کرنے کے بعد جو خوفناک نتائج اس سے مستنبط ہوتے ہیں وہ قابل دید ہیں منجملہ دیگر نتائج کے ایک بڑا نتیجہ یہ ہے کہ روئے زمین پر علی کا ہونا ایک بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ جنھوں نے ان کی مخالفت کی وہ تو مرتد ہو کے کافر بن گئے اور جنھوں نے موافقت کی وہ سب زیادہ ذلیل و مقہور رہے نہ اُن

کے ہاتھ ہیں نہ زبان ہے یعنی نہ ہاتھ سے کچھ کر سکتے ہیں نہ زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں اسپر بھی اِس کہنے سے باز نہیں آتے کہ علی کے پیدا کرنے میں ایک بڑی مصلحت اور رحمت ہے. اور خدا پر واجب تھا کہ وہ علی کو ضرور پیدا کرتا بغیر علی کے ہوتے دین و دنیا کی کوئی مصلحت پوری نہیں ہو سکتی تھی عجیب. بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ یہ فرمائیں کہ جو شخص علی سے بغض رکھنے کی حالت میں مر جائے تو وہ یہودی یا نصرانی ہو کے مریگا. جبکہ خود حضرت علی نے خوارج کو جو متفق اللفظ آپکو کافر کہتے اور آپ سے دلی بغض رکھتے تھے کبھی یہود و نصاریٰ کی مثل نہیں ٹھیرایا بلکہ اُنھیں مسلمان اور اہل قبلہ قرار دیا اور اُن میں اُس کے خلاف حکم کیا جو آپ یہود و نصاریٰ کے درمیان کرتے تھے. خیال کیجئے کہ جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھے. رمضان کے روزے رکھے. بیت اللہ کا حج کرے اور زکوٰۃ ادا کرے وہ یہود و نصاریٰ کی مثل کس طرح ہو سکتا ہے. زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے کہ علی کا امام ہونا اسے معلوم نہ ہوا یا معلوم ہونے پر وہ اس کا مخالف ہو گیا ہو لیکن یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل دین اور جمہور کو علی سے کوئی غرض نہیں ہے نہ رسول کی تکذیب کرنے میں ان کا کوئی فائدہ ہے اگر اُنھیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ علی کو رسول اللہ نے امام کر دیا تھا تو یہ اُسکی تصدیق کرنے میں سب سے مقدم رہیں. انتہا درجہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ حکم اُنھیں معلوم نہ ہوا تھا تو دین کا صرف ایک مسئلہ کسی سے پوشیدہ رہنا اس بات پر دلالت نہیں کر سکتا کہ وہ شخص یا وہ جماعت مثل یہود و نصاریٰ کے ہے. یہاں ہمارا مقصود تکفیر پر بحث کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ شیعی علماء کی ان حدیثوں کو دیکھنے سے بالاضطرار یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور انور ﷺ پر یقینی بہتان ہے اور یہ حدیثیں دین اسلام کے بالکل مناقض ہیں اور اُن سے خود علی کی تکفیر نکلتی ہے. ہم حضرت علی کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار راستباز مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور ﷺ آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے. آپ کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور مثل اور حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں جھوٹے ہیں اسطرح دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے آپکو نبی سے ملا دیا ہے دروغگو ہیں. رسول اللہ ﷺ نے کبھی آپ کو امام نہیں بنایا کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی اس قدر کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپ کا مطیع ہو کے نہیں رہا. دوسری کمی یہ تھی کہ آپنے اپنے نالائق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمے داری کے عہدے سونپ دیئے تھے. چونکہ انتظامی مادہ آپ میں

بہت کم تھا، آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے. آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کی بھرتی کہنا بیجا نہ ہوگا کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت علی کے رونے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے عیش اُڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں اب کیا تو اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کروں گا نہ کسی کی حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا. زاہد تھے عابد تھے. متقی تھے. سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بخشا تھا. آپ بالکل مجبور تھے اچھا دماغ کیونکر پیدا کر سکتے تھے حضرت فاروق اعظم تو ایک طرف انتظامی قابلیت میں تو حضرت معاویہ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی. کیونکہ حضرت معاویہ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی کل رعایا آپ سے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے اس کی تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر حضرت معاویہ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ مجھ سے کئی کئی سپاہی لے لیں تو میں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا. ہر مقام پر جو اُنھوں نے اپنے فوجی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے. اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی قابلیت آپ میں نہ تھی. یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. اس زمانہ میں سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے تعصب میں اندھا دھند جو چاہتے ہیں اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلام ہیں اور فی الحقیقت کسی کی ناک بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا. ہمارے دل میں حضرت علی کی اتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صادق مسلمان کی ہو سکتی ہے. ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزّت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کی کمزوریوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں. وہ شیر دل تھے. جان باز تھے. حضور انور رسول اللہ ﷺ کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لئے ان کا دماغ قدرت کی طرف سے موزوں نہیں بنایا گیا تھا. وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا مادّہ اُن میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا. چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علیؓ نہج البلاغۃ میں کرتے ہیں کہ بہ نسبت خلیفہ ہو. کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں. مطلب یہ ہے کہ اپنی قابلیت کا احساس خود

حضرت علی کو بھی تھا. اور آپ چونکہ راستباز تھے اس لئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے.

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے. جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے پڑھنے والا بالاضطرار اسکی داد دے گا. کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے. ہاں یہ مجھے دعویٰ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور تمام شیعی دنیا مل کے بھی کسی ایک بات کی معقول تردید نہیں کر سکتی. انشاءاللہ فقط

دوسرا مقدمہ ختم ہوا
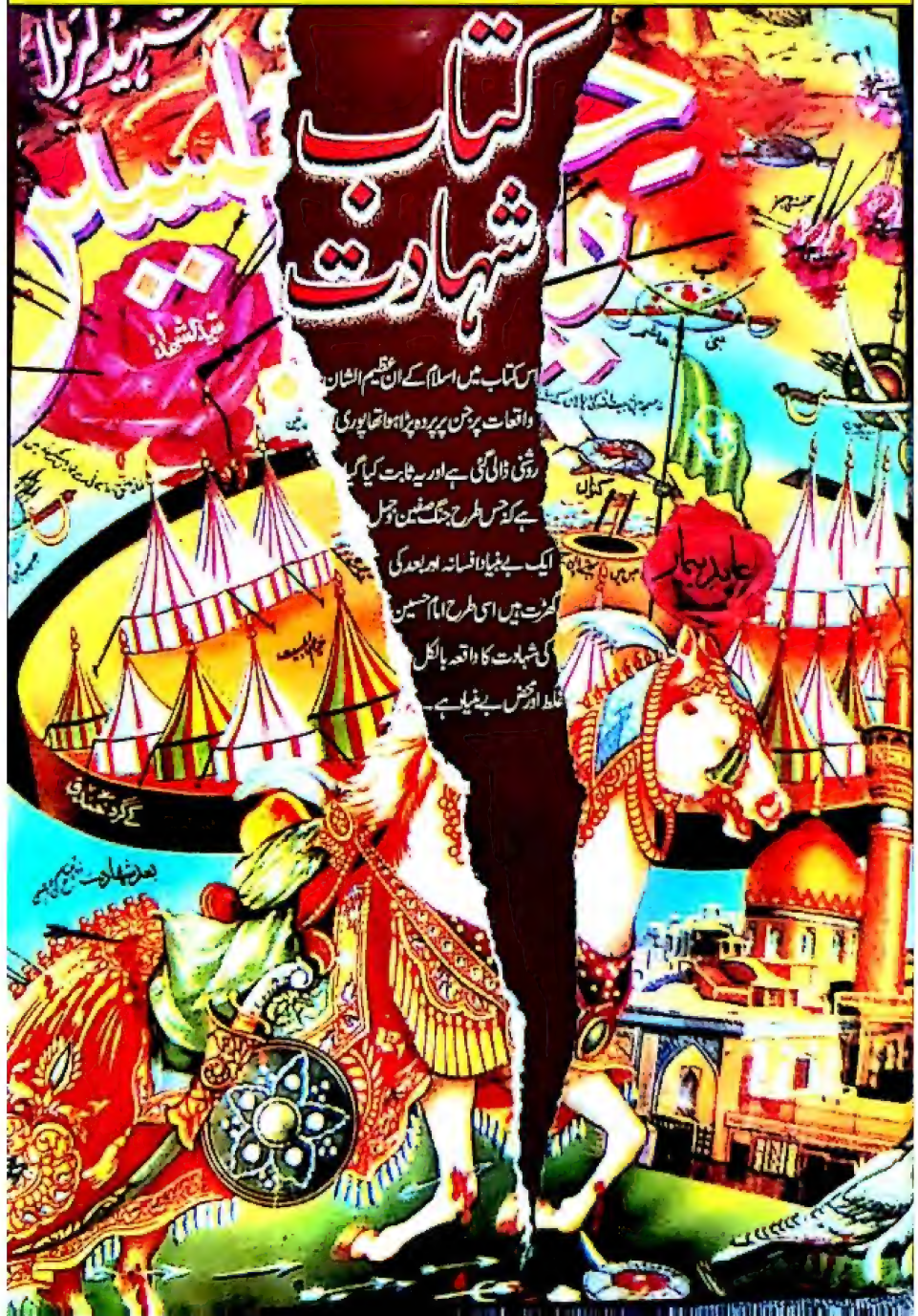
کتاب شہادت (جلد 2) صفحہ 742 تا 958
کتاب شہادت
اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گ
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔

يُرِيدُ اللهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷،۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

حضرت علیؓ کے مفروضہ اوصاف اور ان کی تحقیق

تیسرا مقدمہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

المطبوعہ ۱۴۲۵ھ

کرزن پریس دہلی انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تیسرا مقدمہ

حضرت علی کے مفروضہ اوصاف اور اُنکی تحقیق

شیعی علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی سب سے بڑے زاہد تھے. اس کا جواب یہ ہے کہ محض غلط ہے. کیونکہ وہ اہل علم جو ان سب باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اِس امر کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد شرعی زہد میں سب سے بڑھے ہوئے ابوبکر و عمر تھے. اِسکی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر کے پاس اپنی ذاتی کمائی کا بہت کچھ مال تھا. اور آپ نے سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا تھا. اِس لیے جب آپ خلیفہ ہوئے ہیں تو آپ نے اپنے بال بچوں کی پرورش کی واسطے اپنا تجارتی کام جاری رکھا. ایک دن آپ بازار میں فروخت کرنے کے لیے چادریں لیے جا رہے تھے. راستہ میں عمر مل گئے پوچھا کہاں جاتے ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے خلیفہ ہو کے اپنے بال بچون کے لیے روزی کمانی چھوڑ دی نہیں میں تو اُن کی پرورش کے لیے وہی کام کرتا ہوں جو پہلے کیا کرتا تھا. یہ سُن کے عمر خاموش ہو رہے اور سیدھے ابوعبیدہ اور مہاجرین کے پاس جا کے یہ ساری کیفیت بیان کی کہ ابوبکر بیت المال میں سے اپنے بچوں کی پرورش کے لیے بھی ایک پائی نہیں لیتے اور اب بھی اپنی تجارت ہی سے گزر اوقات کرتے ہیں سب صحابہ کا اِس معاملہ میں مشورہ ہوا اور اخیر یہ بات قرار پائی کہ بیت المال میں سے ابوبکر کو دو درہم روز ملنے چاہیں اس مشورہ کے بعد کل صحابہ مل کے ابوبکر کے پاس آئے اور اپنی تجویز بیان کی. ابوبکر نے کسی قدر وقفہ کے بعد دریافت کیا کہ تم لوگ قسم کھا کے کہتے ہو کہ یہ دو درہم روز بیت المال سے لینے میرے لیے مباح ہیں سب نے آپ کے آگے قسمیں کھائیں آخر آپ نے صحابہ کی تجویز کو منظور کر لیا۔ اللہ اکبر اتنی بڑی مملکت کا خلیفہ یا حاکم چادریں بیچ کے تو اپنی گزر کرے اور اپنے بال بچوں کو پالے اور جب صحابہ اُس سے دو درہم روزانہ لینے کی درخواست کریں تو انہیں قسمیں دے کے پوچھے کہ یہ دو درہم کیا میرے لیے مباح ہیں. کیا دنیا میں کسی قوم میں بھی ایسی نظیر مل سکتی ہے؟ اور سنیئے جب ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے

اپنی صاحبزادی عائشہ صدیقہؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کا جس قدر مال میرے مال میں آ گیا ہو وہ سب بیت المال ہی میں واپس کر دینا۔ بزرگ اور زاہد باپ کے اِس حکم کی تعمیل صدیقہؓ نے وفات کے بعد فوراً کی۔ آپ کو صرف ایک پھٹی ہوئی چادر ملی جو ایک درہم کی بھی مشکل سے ہو گی اور ایک حبشیہ لونڈی تھی جو صدیقہؓ کے شیر خوار بھائی کو دودھ پلاتی تھی۔ اور ایک حبشی غلام تھا اور ایک آب کش اونٹ تھا اور بس یہ دونوں لونڈی غلام، اونٹ اور پھٹی ہوئی چادر صدیقہ نے فاروق اعظم خلیفہ وقت کے پاس بھجوا دی، عبدالرحمٰن بن عوف کو جوں ہی یہ خبر ہوئی وہ فوراً دوڑے ہوئے فاروق اعظم کے پاس آئے اور کہا ہائے ابوبکرؓ کے بال بچوں کے پاس سوائے اُن چیزوں کے اور رکھا ہی کیا ہے تم اُن سے انہیں بھی چھین لیتے ہو۔ فاروق اعظم نے جو جواب دیا۔ سنو عبدالرحمٰن! قسم ہے رب کعبہ کی ابوبکر نے اپنی زندگی بھر میں بھی اس سے کسی قسم کا گناہ نہیں کمایا اب اِن کی وفات کے بعد میں اس کا متحمل ہوتا ہوں غرض وہ چیزیں سب بیت المال میں داخل رہیں۔ علیؓ کے زاہد ہونے کا ہم انکار نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور علیؓ کے زہد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ علیؓ کی کوئی ہستی زہد میں ابوبکر کے آگے نہیں تھی۔ سنو اور خوب توجہ سے میری طرف دھیان کرو کہ ابوبکر ابتداءِ اسلام میں بڑے مالدار تھے۔ ان کی تجارت کا معقول پیمانہ پر کاروبار ہوتا تھا اور اُنہوں نے اپنا کل مال متاع راہ خدا میں دے دیا اور اخیر اُن کی مالی حالت ایسی کمزور ہوگئی کہ بعد وفات سوائے ایک پھٹی ہوئی چادر اور ایک اونٹ کے اُنکے پاس کچھ نہ نکلا اور اخیر وہ بھی مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا۔ اب اُسکے مقابلہ میں حضرت علی کو دیکھا جائے جیسا کہ ابن زنجویہ نے لکھا ہے کہ علی ابتداء اسلام میں بہت تنگ دست تھے اپنے بال بچوں کا خرچ بھی بمشکل چلاتے تھے مگر چند سال کے بعد آپ زرعی زمین اور باغات کے مالک بن گئے۔ اور جب آپ شہید ہوئے ہیں تو آپ کے ۱۹ غلام اور چار بیویاں تھیں۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب کچھ مباح ہی تھا مگر علیؓ نے اپنے مال کو بیت المال میں داخل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ کی وفات کے بعد امام حسنؓ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا۔ اور اُس میں یہ بیان کیا کہ ہمارے باپ نے سوائے سات سو درہم کے جو اُن کی کمائی کے ہیں زر نقد اور کچھ نہیں چھوڑا پھر اسود بن عامر نے شریک نخعی سے اور اُنہوں نے عاصم بن کلیب سے انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ علی نے خود اِس

بات کا اقرار کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھوکا رہنے کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رکھتا تھا اور اب میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار درہموں تک پہنچتی ہے. یہ روایت امام احمد بن حجاج سے اور اُنہوں نے شریک سے نقل کی ہے انکے علاوہ ابراہیم بن سعید جوہری نے بھی اُسے نقل کیا ہے اس میں فرق اتنا ہے کہ بجائے چالیس ہزار درہم کے چار ہزار اشرفیاں زکوٰۃ کی بیان کی گئی ہیں. اب آپ انصاف سے بلا رورعایت ابوبکرؓ اور علیؓ کے زہد کا موازنہ کر کے دیکھ لیں اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے نہ بحث کرنے کی۔ اس بات کے لیے دلیل کی بھی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ ابتداء اسلام میں علی مفلس محض تھے اور ابوبکر قبل از اسلام بڑے مالدار تھے. آپ چالیس ہزار اشرفیوں کے مالک تھے جو آپ نے راہِ خدا میں دے دیں اور بہت سے بے کس اور بے بس مظلوم مسلمان غلاموں کو جو ایمان لانے کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا تھے رہا کرایا. یہ سب مظلوم اور کمزور تھے اِن رہاشدہ غلاموں کا تنکے توڑنے کا بھی احسان ابوبکر پر نہیں ہے. جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوبکر نے ہجرت کی ہے تو چالیس ہزار اشرفیوں میں سے صرف چھ ہزار درہم آپ کے پاس رہ گئے تھے ا. اور یہ کل درہم آپ اپنے ساتھ ہی لے آئے تھے. اپنی بی بی بچوں کے لیے اس میں سے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا. مدینہ پہنچ کے وہ بھی سب راہ خدا میں دے دیئے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا. آپ کے پاس صرف ایک قمیض رہ گئی تھی. جب لیٹتے تو اُسے اُتار کے بچھا لیتے اور جب اُٹھتے تو اُسے پہن لیتے. آپ کے سوا اور صحابہ خاصے دولتمند ہو گئے تھے بڑی بڑی زمینیں پیدا کر لی تھیں اور صاحب جائیداد بن گئے تھے مانا کہ یہ سب حلال تھا مگر تو بھی جس نے اُسکے عوض میں صرف اللہ ہی کو اختیار کیا اور سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اُس شخص سے بیشک زیادہ زاہد ہے جس نے خرچ بھی کیا اور جمع بھی کیا. اب اور سنئے پھر آپ خلیفہ کئے گئے تو اس حالت میں بھی نہ لونڈیاں بھریں نہ مال دولت جمع کیا. مرتے دم تک اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کر دی جسکا ذکر آپ ابھی اُوپر پڑھ چکے ہیں. مگر یہ یاد رکھئے کہ ابوبکر کی جتنی چیزیں بیت المال میں داخل ہوئیں اُن کی ذاتی ملک تھیں کیونکہ وہ ان کے ان حصوں میں آئی ہوئی تھیں جو اُنہوں نے رسول اللہ کی ہمرکاب ہو کے اور آپ کے بعد جہاد کئے تھے اور حصہ رسد آپ کو ملی تھیں کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی زہد میں ابوبکر کی

برابری کرسکتا ہے؟ ہاں آپ کے بعد مہاجرین اولین میں ابان اور ابوعبیدہ کی بیشک تعریف کی جاتی ہے یہ دونوں اسی طریقے پر رہے جس طریقہ پر اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا. ابوبکر کے قدم بقدم اگر کوئی رہا تو وہ عمر فاروق تھے. کیونکہ مال اور عیش وعشرت سے اعراض کرنے میں وہ علی سے ہزاروں درجہ زیادہ بڑھے ہوئے تھے. سب اس پر متفق ہیں اور یہ بات بتواتر ثابت ہے کہ جس وقت حضرت علی کا انتقال ہوا تو آپ کے خادموں اور غلاموں کی ایک بہت معقول تعداد تھی. ان کے علاوہ چار بیویاں. اُنیس ام ولد، چوبیس لڑکے لڑکیاں. یہ تو آپ کا انسانی کنبہ تھا اب جائیداد دیکھی جائے تو وہ بھی اتنی تھی کہ آپ اپنے خاندان میں سب سے بڑے دولتمند مشہور تھے۔ منجملہ ان کی زمینوں کے ایک ینبع زمین تھی جو آپ نے وقف کردی تھی جس میں علاوہ اور پیداوار کے ایک ہزار وسق چھوہارے آیا کرتے تھے لہٰذا اس ثروت کو ابوبکر کے زہد سے کیا نسبت ہے. باقی بال بچوں کی محبت اور ان کی طرف میلان ہونا یہ بھی دیکھ لیا جائے. ابوبکر کے قرابت دار تو ایسے لوگ تھے جیسے مہاجرین اوّلین میں سے طلحہ بن عبداللہ جو اسلامی فضائل میں ایک خاص حصہ رکھتے تھے اور آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھے جو ابتداء سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کی فیض بخش مبارک صحبت میں رہے اور ہجرت سابقہ کی مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ابوبکر نے اِن میں سے کسی کو کہیں کامل نہیں بنایا. حالانکہ سلطنت بہت وسیع تھی. عمان، حضرموت، بحرین، یمامہ، طائف، مکہ اور حجاز کے تمام صوبے آپ کے ماتحت میں تھے اگر آپ اپنے رشتہ داروں میں سے یا عبدالرحمٰن اپنے بیٹے کو اِن میں سے ایک صوبہ کا عامل بنا دیتے تو قباحت ہی کیا تھا. مگر آپ مہاباۃ سے ڈرے اور یہ خیال کیا کہ ایسا کرنے میں کہیں میری ذاتی خواہش شامل نہ ہو جائے۔ پھر فاروق اعظم کا خیال کرو، آپ نے باوجود اتنی وسعت سلطنت کے بنی عدی بن کعب میں سے کس کو عامل نہیں کیا سوائے ایک نعمان بن عدی کے جو میان کا گورنر بنا دیا گیا تھا لیکن چندروز کے بعد اُسے معزول کر دیا اِس لیے اس کا گورنر ہونا نہ ہونا یکساں ہے. اب بنی عدی پر خیال کیا جائے کہ وہ کیسے اسلام کے شیدا تھے اور اُن کی ہجرت سب سے بہتر اور اعلیٰ تھی. واقعی یہ سُنکے تعجب ہوتا ہے کہ قریشی خاندانوں میں صرف ایک یہی بنی عدی خاندان تھا جسکا ایک متنفس بھی مکہ میں نہ رہا تھا اور سب کے سب حضور انور ﷺ کے بعد مدینہ چلے آئے تھے. اِن ہی مہاجرین

اولین میں سے سعید بن زید، ابوالجم بن حذیفہ، خارجہ بن خدافہ، معمر بن عبداللہ وغیرہ ہیں. اور یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ نہ ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو نہ عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے بعد خلیفہ بنایا. خلیفہ بنانا تو کیسا کہیں عامل بھی تو نہیں کیا. حالانکہ یہ فضلاء صحابہ اور بہترین صحابہ میں تھے اکثر صحابہ ان کی خلافت پر رضامند بھی تھے اور اگر یہ دونوں یا ان میں سے ایک خلیفہ بنا دیا جاتا تو کوئی معترض نہ ہوتا. اب ان کے مقابلہ میں علی کو دیکھا جائے کہ جب وہ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے گورنری جیسے مہتم بالشان عہدہ پر اپنے رشتہ داروں کو اندھا دھند بھر دیا. مثلاً ابن عباس بصرہ کے گورنر بنائے گئے عبیدہ اللہ ابن عباس یمن کے اور عباس کے دو بیٹے قثم اور سعید کو مکہ اور مدینہ کا گورنر کیا گیا. اور اپنے بھانجے یعنی اُم ہانی بنت ابوطالب کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کا گورنر بنا دیا اور اپنے گیلڑ یعنی بیوی کے بیٹے محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری سونپ دی اور ساتھ ہی اسکے برخلاف ابوبکر وعمر کے علی کی یہ خواہش تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا حسن خلیفہ بنایا جائے. اِن سب باتوں کے دیکھنے کے بعد صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زہد میں ابوبکر وعمر کے مقابلہ میں علی کی کوئی ہستی نہیں ہے اور یہ دونوں سب صحابہ سے زیادہ زاہد تھے اور اُس پر سب کا اتفاق ہے.

حضرت علی کے زہد کا دوسرا بیان: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علی نے دنیا کو تین طلاقیں دے دی تھیں. آپ کی خوراک نیم کوفتہ جو تھے. اُنہیں بھی آپ مہر لگا کے رکھتے تھے کہ کہیں ابوبکر وعمر ان میں نمک وغیرہ نہ ڈلوا دیں. آپ بہت موٹے کم قیمت اور ادنیٰ درجہ کے کپڑے پہنا کرتے تھے اور ان کپڑوں میں اس قدر پیوند لگواتے تھے کہ پیوند لگانے والا بھی شرما جاتا تھا آپ کی تلوار کا پرتلہ اور آپ کے جوتے کھجور کی چھال کے ہوتے تھے. (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) اخطب خوارزم نے عمار سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ علی سے فرماتے تھے کہ تمہیں اللہ نے ایسی زینت سے مزین کیا ہے کہ اس سے اپنے اور بندوں کو مزین نہیں کیا اور تمہاری زینت سے زیادہ اللہ کو اور کوئی زینت محبوب نہیں ہے دنیا میں تمہارا ہی زہد بس زہد ہے. سب فقراء کے دلوں میں تمہاری محبت بھر دی گئی ہے میں ان فقراء سے اس بناء پر راضی ہوں کہ وہ تمہارے

پیرو ہیں اور تمہارے امام ہونے سے خوش ہیں اے علی اس شخص کو خوشی کرنی چاہیے جسے تم سے محبت ہوا اور تمہاری تصدیق کرے اور وہ بد بخت ہے جو تم سے بغض رکھے اور تمہاری تکذیب کرے. جو لوگ تم سے محبت رکھیں اور تمہاری تصدیق کریں وہ تمہارے دین میں تمہارے بھائی ہیں اور جنت میں تمہارے پاس رہیں گے. اور جو تم سے بغض رکھیں اور تمہاری تکذیب کریں تو اللہ کو واجب ہے کہ قیامت کے دن انہیں جھوٹوں میں کھڑا کرے. (پھر شیعی علماء گوہرافشانی کرتے ہیں) سوید بن غفلہ کہتے ہیں میں ایک روز عصر کے وقت علی کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ آپ تشریف رکھتے ہیں اور آپ کے آگے گرم دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا ہے. وہ دودھ اس قدر کھٹا اور سڑا ہوا تھا کہ اسکی بدبو دور ہی سے میری ناک میں آئی. آپ کے ہاتھ میں ایک روٹی بھی تھی. میں نے دیکھا کہ جو کی بھوسی آپ کے لبوں پر لگی ہوئی ہے. آپ کبھی تو اس روٹی کو ہاتھوں سے توڑتے تھے اور جب ہاتھوں سے نہ ٹوٹ سکتی تھی تو اپنے گھٹنوں سے توڑ کے اوپر والے دودھ میں ڈبو دیتے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ سوید آؤ ہمارے اس کھانے میں سے کچھ تم بھی کھا لو میں نے عرض کیا میں روزے سے ہوں فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کا روزہ اُسے ایسے کھانے سے روکے جسکے کھانے کو اُس کا دل چاہتا ہو تو اللہ پر واجب ہے کہ وہ بہشتی کھانے کھلائے اور وہاں کی شرابیں پلائے. وہیں آپ کی لونڈی بھی کھڑی تھی میں نے اس سے کہا اے فضہ (لونڈی کا نام) بڑے افسوس کی بات ہے کیا تجھے خدا کا خوف نہیں کہ تو اس بڑھاپے میں انکی خبر گیری نہیں کرتی انکی روٹی میں بھوسی صاف معلوم ہو رہی ہے کیا اس آٹے کو چھانا نہیں تھا۔ اُس نے جواب دیا یہ آپ کیا فرماتے ہیں ہم سے تو جناب امیر نے عہد لے لیا ہے کہ ہم اُن کے آٹے کو چھانا نہ کریں. اِس کے علاوہ علیحدگی میں جو کچھ باتیں میری فضہ سے ہوئیں میں نے جناب امیر کی خدمت میں عرض کیں فرمایا میرے ماں باپ اُس پر قربان ہوں جس کے لیے کبھی آٹا چھانا نہیں گیا نہ اُس نے کبھی تین روز گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کے کھائی یہاں تک اللہ عزوجل نے اُس کی روح قبض کر لی. ایک دن آپ نے گاڑھے کے دو کپڑے خریدے پھر آپ نے غلام قنبر کو اختیار دے دیا کہ ان میں سے جو تو چاہے لے لے۔ چنانچہ ایک اس نے لے لیا اور دوسرا آپ نے پہن لیا. آپ کی آستین انگلیوں سے نکلی ہوئی تھی آپ نے اُس آستین کو

اُسی وقت کتر دیا.ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں امیر المومنین علی کے قتل ہو جانے کے بعد میں ایک دن معاویہ کے پاس گیا. اُنہوں نے مجھ سے کہا علی کے اوصاف بیان کرو میں نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے معاویہ نے کہا نہیں ضرور بیان کرنے ہوں گے میں نے کہا اچھا آپ مجھ پر اتنا اصرار کرتے ہیں تو میں خدا کی قسم کھا کے بیان کرتا ہوں کہ وہ بڑے عاقل اور قوی شخص تھے منصفانہ حکم دیتے تھے فیصلہ کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے.ان کے ہر طرف سے حکمت بولتی تھی وہ دنیا سے اور دنیا کی زینت سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اُس کی تاریکی سے انہیں انس تھا.وہ ہر وقت خوف خدا سے روتے اور سوچ وفکر میں رہتے تھے. انہیں موٹا جھوٹا لباس پسند تھا. وہ بہت ہی ادنیٰ درجہ کے کھانے خوش ہو کے کھایا کرتے تھے وہ ہم میں ہماری ہی طرح بے تکلف رہتے تھے.جس وقت ہم ان سے کچھ دریافت کرتے تھے فوراً جواب دیتے تھے اور جب ہم باتیں کرتے تھے باتیں کرنے لگتے تھے.اللہ کی قسم باوجود دیکہ ہم ہر وقت اُن کے پاس بیٹھتے اُٹھتے تھے لیکن ان کا رعب ایسا تھا کہ اُن سے بات کرتے ہوئے ہمارا دم بند ہوتا تھا وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے. مساکین کو اپنے پاس بٹھاتے تھے.قوی کی کچھ رعایت نہ کرتے تھے اور ضعیف پر ظلم نہ کرتے تھے میں اللہ کو حاضر ناظر جان کے کہتا ہوں بیشک میں نے سُنا ہے آپ یہ فرمایا کرتے تھے اے دنیا مجھے چھوڑ اور کسی اور کو فریب دے تو مجھ سے منہ موڑتی ہے یا میری شایق ہے خبردار میں تو تجھے تین مغلظ طلاقیں دے چکا ہوں۔اب میں تجھ سے رجعت نہیں کر سکتا.تیری عمر تھوڑی ہے ترے فریب لاتعداد ہیں.تیرے عیش وعشرت حقیر ہیں. ہائے افسوس زادراہ تھوڑا ہے اور سفر دور کا ہے.راستہ خطرناک ہے.میں یہاں تک کہنے پایا تھا کہ معاویہ رونے لگے اور کہا ابوالحسن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اُن کی مغفرت کرے.بیشک وہ ایسے ہی تھے.پھر حضرت معاویہ کہنے لگے اے ضرار تجھے اُنکا کیسا غم ہے؟ میں نے کہا مجھے ایسا غم ہے جیسا اُس عورت کو ہو جسکا بچہ اُسکی گود میں ذبح کر دیا جائے کہ اُس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ اُسے رنج سے کبھی تسکین ہوتی ہے.

جواب: مال ودولت کے بارے میں علی کے زاہد ہونے میں کوئی شک نہیں مگر بحث ہے کہ آیا علی ابوبکر سے زیادہ زاہد تھے یا نہیں جو کچھ شیعی علماء نے بیان کیا ہے اُس میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو اس پر

دلالت کرتا ہو کہ علی ابوبکر سے زیادہ زاہد تھے جو باتیں اس میں حق ہیں وہ ہم پہلے ہی سے تسلیم کر چکے ہیں اور باقی باتیں کیا تو جھوٹی ہیں یا ایسی ہیں کہ کچھ زیادہ تعریف کے قابل نہیں ہیں حضرت علی سے مشہور تو فقط اتنا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے یہ فرمایا اے چاندی سونے میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اب تو مجھے چھوڑ اور کسی اور ہی کو فریب دے میں اب تجھ سے رجعت نہیں کر سکتا فقط۔

مگر یہ اس پر دلالت نہیں کرتا وہ اس سے زیادہ زاہد تھے جس نے یہ الفاظ نہیں کہے اس لئے کہ ہمارے نبی اور ان سے پہلے اور پیغمبر نے کبھی یہ الفاظ نہیں کہے باوجودیکہ وہ زہد میں علی سے بدرجہا زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے جب انسان زہد کرتا ہے تو منہ سے یہ نہیں کہتا میں زاہد ہو گیا ہوں اور یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ جس نے زبان سے کہہ دیا کہ میں زاہد ہوں وہ تو زاہد شمار کیا جائے اور جس نے زبان سے نہ کہا ہو وہ زاہد نہ گنا جائے اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علی نیم کوفتہ جو کھایا کرتے تھے اور ان میں نمک نہ پڑتا تھا اس میں بھی زہد کی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اول تو یہ کہ یہ کہانی یقیناً جھوٹ ہے۔ دوسرے اِس میں کوئی تعریف کی بات نہیں ہے اس لئے کہ حضور انور رسول اللہ کل زاہدوں کے پیشوا تھے مگر ماحضر کو کبھی رد نہ کیا کرتے تھے اور جو نہ ہوتا اُسکے نہ ہونے کا تکلف نہیں کرتے تھے مرغ کا گوشت ہوا تو وہ نوشِ جاں فرما لیا اور اگر بکرے کا گوشت ہو تو وہ تناول فرما لیا حلوہ یا شہد یا کسی قسم کا میوہ ہوا تو وہ کھا لیا اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو اُس میں کچھ تکلف نہیں کیا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جس وقت کھانا آتا تھا بھوک ہوئی تو کھا لیا نہ بھوک ہوئی نہ کھایا بعض اوقات بھوک کی شدت سے آپ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے مہینہ دو مہینے ایسے بھی گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھر میں چولھا نہ سُلگتا تھا صحیحین میں ثابت ہے کہ چند آدمی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ زاہد اور دین داری کے بڑے شائق تھے ایک کہنے لگا میں تو ہمیشہ روزے ہی رکھا کروں گا کبھی افطار نہ کرونگا دوسرا بولا میں تو ہمیشہ رات کو نماز ہی پڑھا کروں گا کبھی نہ سوؤں گا تیسرا بولا میں کبھی شادی نہیں کرنیکا چوتھا بولا میں کبھی گوشت نہ کھاؤں گا حضور انور رسول اللہ نے چاروں کی یہ باتیں سن کے ارشاد کیا میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں میری بیویاں بھی

ہیں اور گوشت بھی کھاتا ہوں جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے اور میرے طریقہ پر نہیں ہے خیال تو کیجئے کہ حضرت علیؓ جیسے فدائی اسلام پر کیونکر گمان ہوسکتا کہ اُنہوں نے اپنے نبی ﷺ کی سنت سے اعراض کیا کیا غضب کی بات ہے کہ اس خطرناک حالت یعنی سنت سے اعراض کرنے کو حضرت علی کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ. اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ جب علی عراق کے حاکم تھے آیا اُس وقت بھی بے نمک نیم کوفتہ جو کھایا کرتے تھے نہ گیہوں کی روٹی کھاتے تھے اور نہ گوشت حالانکہ متواتر روایتیں اِس کے بالکل خلاف ہیں کیا صحابہ میں کوئی ایسا ہوا جس نے خلاف سنت یہ کیا ہو یا ان میں سے کسی نے ایسا کہا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے.

فضہ چھوکری کی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس نام کی کوئی لونڈی نہ حضرت علی کے پاس تھی اور نہ حضرت خاتون محشر کے پاس یہاں تک کہ مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی لونڈی کسی مہاجر یا انصار کے پاس نہ تھی شیعی علماء کے دماغ نے اِس لونڈی کو پیدا کیا اور پھر انہوں نے اپنی طرف سے روایتیں تصنیف کر کے اِس فرضی ہیولے کے سر چپیک دیں۔ اب شیعی علماء کا یہ قول کہ علیؓ کی تلوار کا پرتلہ اور اُن کے جوتے کھجور کے پتوں کے ہوتے تھے یہ بھی محض غلط ہے اور اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں بھی کسی قسم کی تعریف نہیں ہے. کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور انور کے جوتے چمڑے کے ہوتے تھے اور حضور انور کی تلوار کا پرتلہ سونے چاندی کا تھا جب چمڑے وغیرہ کا سامان میسر آ سکتا ہے تو کونسی تعریف کی بات ہے کہ اُس سے نفرت کی جائے اور کھجور کی چھال کو کام میں لایا جائے یہ سامان میسر نہ ہو تو بات اور ہے ابوامامہ باہلی نے کہا ہے۔ لقد فتح البلاد اقوام کانت ختم خیلھم لیفاور کبھم العالبی. یعنی ایسی قوموں نے بہت سے ملک فتح کر لیے جن کے گھوڑوں کی ڈوریں لیف کی تھیں اور جنگی سواریاں مریل اونٹ تھے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے) اب نفس ان حدیثوں پر خیال کرو کہ عمار کی حدیث موضوعات میں سے ہے اسی طرح سوید بن غفلہ کی حدیث بھی حضور انور رسول اللہ ﷺ تک مرفوع نہیں ہے۔ باقی کپڑے والی روایت جو حضرت علی نے خریدا تھا معروف ہے اور ضرار بن ضمرہ کی حدیث بھی نقل کی گئی ہے لیکن ان دونوں حدیثوں

میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ علی ابوبکر و عمر سے زیادہ زاہد تھے اور اصل میں گفتگو اسی میں ہے جو شخص عمرؓ کی سیرت ان کے انصاف اور ان کے زہد سے واقف ہوگا اور اس سے بھی کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو کسی قسم کی حکومت نہیں دی اور اپنے بیٹے کی تنخواہ ان کے ہم عمروں سے بھی کم کر دی تھی اسی طرح اپنی بیٹی سے بھی یہی سلوک کیا۔ باوجودیکہ قیصر و کسریٰ کے خزانے آپ نے فتح کر کے مسلمانوں کو تقسیم کر دئے تھے مگر اپنی فقیرانہ وضع اور سادی معاشرت میں ذرا فرق نہیں آنے دیا تھا۔ اُسکے مقابل میں جو کچھ علی نے تقسیم کیا وہ عمر کی فتوحات کا ایک جز تھا اور جس وقت عمر کا انتقال ہوا اسی ہزار درہم ان کے ذمہ تھے تو اس شخص کو متعدد یقینوں سے یہ یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ عمر علی سے بیشک زیادہ زاہد تھے اور عمر سے ابوبکر زیادہ زاہد ہونے میں تو کسی کو بھی شک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کے زہد کا تیسرا بیان: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ زہد میں نہ کوئی علی کے برابر ہو سکا تھا نہ کوئی اِن سے بڑھ سکا اور سب سے زیادہ زاہد یہی ہیں تو بس وہی امام ہوئے کیونکہ مفضول فاضل سے مقدم نہیں ہوا کرتا فقط

جواب: یہ دونوں قضیے باطل اور غلط ہیں علیؓ ابوبکرؓ و عمرؓ سے زیادہ ہرگز نہ تھے اور نہ یہ کوئی قاعدہ ہے کہ جو سب سے زیادہ زاہد ہو وہی امامت کا حقدار ہو۔ سنو اور غور کرو کہ علی کے پاس مال و دولت، لونڈی غلام اور بال بچے اتنے تھے کہ نہ ابوبکرؓ کے پاس تھے نہ عمرؓ کے عبداللہ بن احمد نے کعب قرظی سے مرفوعاً روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے علیؓ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا اور آج میرے مال کی زکوۃ چالیس ہزار آدمیوں پر تقسیم ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تو بھی اُس کا مقابلہ ضرور کرتی ہے جو کہتا ہے کہ عراق میں علی صرف جو ہی کی روٹی کھایا کرتے تھے اور وہ بھی بے نمک اس میں ذرا شک نہیں کہ ابوبکر و عمر سے زیادہ علی کے پاس مال و دولت تھی آمدنی کی کئی صورتیں تھیں ایک تو وہ تنخواہ تھی جو عمر علی کو اور ان کے بال بچوں کو دیا کرتے تھے۔ اور وہ بہت معقول رقم تھی اتنی کہ اگر یہی اکیلی آمدنی ہوتی جب بھی بہت کافی تھی کیونکہ قریش کے کل قبائل سے علی اور اُن کے بچوں کو زیادہ دیا جاتا تھا عمرؓ نے نہ اتنا ہی

عدی کو دیا اور نہ بنی تیمی کو نہ عرب کے دوسرے خاندانوں کے کسی آدمی کو دیا۔ غرض عمر رسول ﷺ کے قرابت داروں کو سب سے زیادہ دیا کرتے تھے ایک تنہا عمر کا علی کو دینا اُن کی دولتمندی کو کافی طور پر ثابت کرتا ہے۔ مگر اس آمدنی کے علاوہ وہ صاحب جائیداد تھے کھجوروں کے باغات، زرعی زمینیں ان کی ملک تھیں انہیں کافی طور پر ان سے آمدنی تھی آپ نے ایک بہت بڑی جائیداد بھی وقف کر دی تھی جس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ آپ کیسے صاحب ثروت تھے عمر نے بھی اپنا خیبر والا حصہ وقف کر دیا تھا مگر ان کے پاس سوائے اسکے اور کچھ نہ تھا کہ وقف کرتے علی کے پاس غیر وقف شدہ جائیداد وینبع وغیرہ میں اتنی تھی جس سے ایک شخص مالدار بن سکتا تھا۔

حضرت علیؓ کی عبادت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی سب سے زیادہ عابد تھے۔ دن کو روزے رکھتے تھے رات کو نمازیں پڑھتے تھے۔ رات کو نمازوں کی نفلیں اور اکثر عبادتیں لوگوں نے ان ہی سے سیکھی ہیں اور آپ کا باقی سارا وقت ادعیہ ماثورہ ہی میں گزرتا تھا۔ آپ ایک رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے سوائے لیلۃ الحصیر کے۔ آپ کی رات کی نماز میں کبھی خلل نہیں آیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک جنگ میں دیکھا کہ آپ آفتاب کو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا اے امیر المومنین کیا ملاحظہ ہو رہا ہے؟ فرمایا زوال کو دیکھ رہا ہوں وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لوں میں نے کہا اس وقت جبکہ میدان کارزار گرم ہے فرمایا ہم تو شدید سے شدید جنگ میں بھی اپنی نمازیں قضا نہیں کیا کرتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ ایسے نازک اوقات میں بھی عبادت کو اول وقت ادا کرنے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے۔ اگر کسی جنگ میں آپ کے جسم مبارک میں نیزہ یا تلوار وغیرہ گھس جاتی تھی اور لوگ اُس کے نکالنے کا ارادہ کرتے تھے اور اتنے میں نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو آپ اُسے یوں ہی چھوڑ دیتے تھے اور نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے تھے لوگ نماز کی حالت میں اُس چبھے ہوئے نیزے کو نکال لیتے تھے اور آپکو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے نماز اور زکوۃ دونوں کو جمع کر دیا تھا یعنی رکوع کرتے ہوئے خیرات کی تھی اس پر اللہ نے ایک آیت نازل فرمائی جو قرآن میں اب بھی پڑھی جاتی ہے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا

سارا کھانا تین روز تک خیرات کیا تھا یہاں تک کہ ان ہی کے حق میں اللہ نے یہ نازل فرمایا۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ. آپ نے رات کو اور دن کو خفیہ اور علانیہ صدقہ دیا تھا اور رسول اللہ سے کچھ راز کی باتیں کی تھیں اور اس سے پہلے اُنہوں نے ہی صدقہ دیا تھا اس بارے میں بھی اللہ نے ایک آیت نازل فرمائی ہے آپ نے اپنی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب ابوطالب میں پناہ گزیں تھے تو حضرت علیؓ مزدوریاں کر کے آپ کو کھلاتے تھے. جب آپ ﷺ سب سے زیادہ عابد ہوئے تو سب سے افضل بھی ہوئے اور جو افضل ہو وہی امام ہوتا ہے.

جواب: شیعی علماء نے جو کچھ فرمایا ہے افسوس ہے کہ اس میں رائی کے دانہ کے برابر بھی صداقت نہیں ہے جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایسے مختلف جھوٹ ہیں جو ایسے لوگوں سے بھی مخفی نہیں رہ سکتے جو ان کے احوال سے بالکل ناواقف اور بے علم ہیں. اور پھر لطف یہ ہے کہ ان بے نظیر اور شاندار غلط بیانوں میں بھی کوئی بات قابل تعریف نہیں ہے. علی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے عالی درجہ کا آپ پر بہتان ہے اور درحقیقت یہ کوئی خوبی بھی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا جنون ہے کہ آدمی اپنی طاقت سے زیادہ کم کرے اور پھر چند روز میں جا کے بیکار ہو جائے اور عبادت الٰہی کا اصل مقصد پورا نہ ہو. اس کے علاوہ حضور انور کا ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میری بیویاں بھی ہیں اور جو کوئی میری امت سنت سے منہ موڑے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اس کے علاوہ صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے سُنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ جب تک میں زندہ رہوں گا ساری عمر روزے رکھے جاؤں گا اور ساری رات نماز پڑھا کروں گا میں نے عرض کیا ہاں بے شک یا رسول اللہ میں نے یہ عہد کر لیا ہے فرمایا خبردار ایسا کبھی نہ کرنا. ایک روایت میں یہ ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم روزانہ روزے رکھتے ہو اور ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیتے ہو عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں صرف اپنی بہتری کی غرض سے ایسا کیا کرتا ہوں آپ نے فرمایا اتنی مشقت

اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس سے زیادہ بھی میں رکھ سکتا ہوں اس پر آپ نے ارشاد کیا دیکھو اپنی طاقت اسی میں صرف مت کرو۔ کیونکہ تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے تمہارے مہمانوں کی میزبانی کا بھی حق ہے تمہارے بدن کا بھی حق ہے لہٰذا ان سب حقوق کی رعایت کرنی چاہیے پھر فرمایا اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو داؤد کی طرح روزے رکھ لیا کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ روزے رکھنے والے تھے مگر پھر بھی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے اور قرآن مجید کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو میں نے عرض کیا میں اِس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا اچھا بیس روز میں ہی مگر میرے مزید اصرار پر آپ ﷺ نے انقطاعی لہجے میں فرمایا کہ دیکھو سات روز سے کم میں کبھی قرآن شریف ختم نہ کیا کرو صحیحین میں حضرت علی سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کو میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سو رہے تھے کہ یکا یک رسول اللہ ہمارے ہاں تشریف لے آئے فرمایا کہ تم دونوں سو رہے ہو نماز کیوں نہیں پڑھتے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہماری جانیں تو اللہ کے قبضے میں ہیں وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہے گا نماز کے لیے اُٹھا دے گا یہ سنتے ہی حضور انور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر مارے اور فرمایا۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا اور یہ فرما کے آپ تشریف لے گئے۔ اس حدیث سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ حضرت علی شب کو سویا کرتے تھے اور باوجود حضور انور ﷺ کے جگانے کے بھی آپ نے حجت کی اور اُٹھ کے نماز نہ پڑھی۔ پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ رات کی نماز اور دن کی نفلیں لوگوں نے حضرت علی سے سیکھی ہیں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ بعض مسلمانوں نے آپ سے سیکھی تھیں تو یہ کوئی تعریف کے قابل بات نہیں ایسے تو سب صحابہ ہیں۔ جن سے بعض مسلمانوں نے دین کے احکام سیکھے ہیں اور اگر شیعی علماء کی اِس سے یہ غرض ہے کہ کل مسلمانوں نے حضرت علی سے رات کی نماز اور دن کی نفلیں سیکھی ہیں تو یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ سارے مسلمان تو درکنار اکثر مسلمانوں نے بھی حضرت علی کو نہیں دیکھا حالانکہ وہ راتوں کو برابر نماز پڑھتے اور دن کو نفلیں ادا کرتے تھے مسلمانوں کے اکثر شہر جو فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوئے جیسے شام، مصر، مغرب اور خراسان وغیرہ اِن کے باشندوں نے نہ حضرت علی کو دیکھا نہ حضرت علی کی تعلیم ان تک پہنچی پھر یہ بھلا

حضرت علی سے کیونکر سیکھ سکتے ہیں حضور انور کی مبارک زندگی میں جیسے علی تھے ایسے ہی اور صحابہ تھے یہ سب کے سب حضور ہی سے سیکھتے تھے ہاں اگر اہل کوفہ کی نسبت کہا جائے کہ اُنہوں نے راتوں کی نمازیں اور دن کی نفلیں حضرت علی سے سیکھی تھیں تب بھی کچھ بات بن سکتی ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد اہل کوفہ کے حق میں بھی یہ دعویٰ صادق نہیں آسکتا کیونکہ وہاں کے باشندے اس عبادت کو ابن مسعود وغیرہ سے سیکھ چکے تھے حضرت علی تو اُس وقت تک عراق تشریف بھی نہیں لے گئے تھے. پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ حضرت علی ان ہی دعاؤں کو پڑھتے رہتے تھے جو ان سے منقول ہیں یہ بھی غلط اور محض غلط ہے کیونکہ ان میں اکثر ایسی دعائیں بھی موجود ہیں جو حضرت علی پر جھوٹ اور ان کے ذمے بہتان ہیں حضرت علی کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ ایسی دعاؤں کے ذریعہ سے دعا مانگی جو خود ان کے اور تمام صحابہ کے حال کے ہرگز لائق نہیں ہیں نہ ان میں کسی کی کوئی سند ہے ہاں وہ دعائیں جو حضور انور سے ثابت ہیں وہ ان دعاؤں سے یقیناً افضل ہیں جو اپنی طرف سے کسی نے بنالی ہوں جو دعائیں حضور انور ﷺ سے ثابت ہیں اس امت کے اولین اور آخرین سے بہترین لوگ ان ہی دعاؤں کے ذریعہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا حضرت علی ایک رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ایسا صریح جھوٹ ہے جس سے زیادہ اور جھوٹ نہیں ہوسکتا نہ اس سے کوئی تعریف نکل سکتی ہے دیکھو حضور انور رسول اللہ ﷺ کی رات دن میں کل نماز مع فرض اور نفلوں کے صرف چالیس رکعتیں ہوتی تھیں خیال کرنے کی بات ہے کہ جو شخص حکومت کرتا ہو مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اُسکے ذمے ہو اور ایک وسیع سلطنت کے امورِ جہاں داری کو طے کرتا ہو اور سلطنت کا سارا بار اُسی پر ہو اُدھر اپنے بیوی اور بچوں کے حقوق کا بھی اُسے پاس ہو۔ وہ کس طرح رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ ہزار رکعتیں وہ اس طرح سے پڑھے جیسے پہلوان بیٹھکیاں لگاتا ہے تو بیشک ہزار رکعتیں پوری کر لینی ممکن ہیں۔ مگر خلفائے راشدین کی ایسی نماز نہیں ہوتی تھی۔ ان کا قیام ان کا رکوع ان کا سجدہ کامل نہایت سکون اور سچی عاجزانہ صورت سے ہوتا تھا۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جلدی نماز پڑھنی منافقوں کا طریقہ ہے حضرت علی اِس سے بالکل منزہ و مبرا تھے۔ باقی لیلۃ صفین کی بابت خود حضرت علی سے صحیح ثابت ہے آپ لوگوں سے فرماتے تھے کہ وہ وظیفہ جو نبی ﷺ نے

فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا اسی کا میں وِرد رکھتا ہوں میں نے اُسے کبھی نہیں چھوڑا کسی نے پوچھا کہ لیلۃ صفین میں آپ نے نہیں چھوڑا کہا نہیں میں صبح اُٹھتے ہی پڑھ لیا کرتا تھا. پھر شیعی علماء کی یہ گوہرافشانی کہ جب کوئی بھالے کا ٹکڑا یا تلوار کا پیپلا یا پیکان آپ کے بدن میں گھس جاتا تھا اور وہ کسی طرح نہ نکل سکتا تھا تو لوگ اس وقت کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے آپ کے بدن سے نکال لیتے تھے اور آپ کو خبر نہ ہوتی تھی یہ بھی محض غلط بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے کہیں کسی صحیح تاریخی نوشتے میں یہ پتہ نہیں لگتا کہ کبھی بھی حضرت علی کے جسم میں تلوار یا نیزہ ٹوٹ کے رہ گیا ہو یہ ایک دل خوش کن کہانی ہے ایسی جھوٹی باتوں سے حضرت علی کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے جتنی عزت انکو ملی ہے وہی کافی ہے یہ جھوٹی باتیں کسی صورت سے بھی ان کی وقعت کہ نہیں بڑھا سکتیں. باقی شیعی علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت علی نے نماز کی حالت میں زکوۃ دی یعنی نماز اور زکوۃ کو جمع کرلیا بھی کذب محض بہتان عظیم اور سفید جھوٹ ہے اِس پر ہم پہلے مفصل بحث کرچکے ہیں یہاں صرف اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی تعریف نہیں نکل سکتی اگر یہ فعل مستحب ہوتا تو سب مسلمانوں کے لے جائز اور مشروع ہوتا اور پھر مسلمان نماز پڑھنے کی حالت میں ضرور خیرات کیا کرتے لیکن جب شرعی طور پر مستحب نہیں ہے نہ آج تک کسی مسلمان نے ایسا کیا لہٰذا صاف طور پر اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ عبادت نہیں ہے اور نماز میں ایسا کرنا بالکل مکروہ ہے اسی طرح شیعی علماء کی یہ رام کہانی کہ حضرت علی نے اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے ایک ہزار غلام آزاد کیے تھے ایسا صاف جھوٹ ہے کہ وہ نفس جھوٹ کی انتہاء سے بھی گزر چکا ہے ایک ہزار غلام تو ایک طرف رہے حضرت علی نے تو کبھی سو غلام بھی آزاد نہیں کیے سو تو سوا اُن کی ذاتی کمائی تو اتنی بھی نہ تھی کہ وہ دس غلام بھی آزاد کرتے نہ انہوں نے کبھی کوئی تجارت کی نہ ایسا کوئی ہنر انہیں آتا تھا کہ جس سے وہ بھی اپنی کمائی میں کوئی وسعت پیدا کرتے۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ شعب میں حضرت علی مزدوریاں کرکے رسول اللہ پر خرچ کیا کرتے تھے یہ بھی محض جھوٹ اور سراسر غلط ہے اور اسکے غلط ہونے کی کئی وجوہات ہیں. اوّل تو یہ کہ یہ لوگ شعب سے باہر کبھی نہیں گئے اور خاص شعب میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو حضرت علیؓ کو نوکر رکھ کے اُن سے کام لیتا یا زدوری کراتا دوسرے حضورِانور کا کل خرچ ابوطالب کے ذمے تھا. تیسرے خدیجۃ الکبری سے آپ کو

بہت مدد ملتی تھی. چوتھے مکے میں حضرت علی نے کبھی مزدوری نہیں کی کیونکہ جسوقت حضورِ انور شعب میں تھے علی صغیر سن تھے اور ابھی تک بالغ بھی نہیں ہوئے تھے اس چھوٹی سی عمر کا یہ تقاضا تھا کہ اُن کا خرچ یا تو ان کے باپ ابوطالب اُٹھائیں یا حضور انور کیونکہ اس صغیر سن بچے کی ذاتی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ جب وہ اپنا خرچہ خود نہیں اُٹھا سکتے تھے تو حضور انور کا خرچ کیونکر اٹھا سکتے تھے۔ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب حضورِ انور شعب میں جا کے مقیم ہوئے تھے تو اس وقت ابوطالب زندہ تھے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور کے طائف تشریف لے جانے سے پہلے ابوطالب کا انتقال ہو چکا تھا ابوطالب اور خدیجۃ الکبری کی وفات کا زمانہ بہت قریب ہی قریب ہے اور حضور انور شعب میں ابتداء سلام میں مقیم ہوئے تھے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس وقت ابن عباس پیدا ہوئے تو یہ لوگ شعب میں تھے اور جس وقت حضور انور کی وفات ہوئی ہے تو ابن عباس مراہق تھے یعنی زمانہ بلوغ کے قریب تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی حضور انور کی ہجرت کی بعد چالیس برس تک زندہ رہے۔ اور حضور انور کو نبوت ہجرۃ سے تیرہ برس پہلے ملی تھی اور حضور کی عمر زیادہ سے زیادہ ۶۳ برس کی شمار ہوئی ہے اِس حساب سے اسلام لانے کے وقت علی کی عمر زیادہ سے زیادہ دس برس کی ثابت ہوتی ہے بھلا خیال کرنے کی بات ہے کہ دس برس کا بچہ کیا مزدوریاں کرتا کیا اپنا پیٹ پالتا کیا حضور کی مدد کرتا فقط۔

حضرت علی کا علم: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑے عالم علی تھے فقط

جواب: ہم اس کا صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ جس بات پر کل علماء اسلام کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد سے بڑے عالم سب سے زیادہ جاننے والے اوّل ابوبکر ہیں پھر عمر ،اس اجماع کا ذکر اکثر لوگوں نے کیا ہے۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں سوائے ابوبکر کے کوئی ایسا نہ تھا کہ حضورِ انور کے سامنے قضاۃ کرتا خطبہ پڑھتا اور فتوے دیتا ہو دینی مسائل میں سے کبھی کوئی ایسا مسئلہ صحابہ کو پیش نہیں آیا جسکی ابوبکر نے حق کے مطابق تفصیل نہ کر دی ہو مثلاً وفات کے بعد حضور انور کے دفن کرنے میں لوگوں کو فکر ہوا کہ کہاں دفن کریں آخر یہ مسئلہ بھی ابوبکر نے بیان کیا پھر

زکوۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنے میں شک ہوا تو اُسے بھی ابوبکر ہی نے صاف کیا کلالہ کی تفسیر کی تو اِس میں کسی نے اُن کا خلاف نہیں کیا علی وغیرہ بہت سے صحابہ نے ابوبکر سے رُوایت کی ہے چنانچہ سنن میں علی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب میں نبی ﷺ سے کوئی حدیث سُنتا تو اس سے جو کچھ اللہ کو منظور ہوتا وہ مجھے نفع دیتا باقی جس وقت کوئی اور مجھ سے حدیث بیان کرتا تھا تو میں اُس سے قسم لیتا تھا اگر اُس نے قسم کھالی تو میں اُسے سچا سمجھتا تھا ورنہ اُس کے قول پر مجھے اعتبار نہ ہوتا تھا۔ ابوبکر نے مجھ سے جب کوئی حدیث بیان کی تو وہ واقعی سچ بیان کی مثلاً ایک حدیث میں اُنہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان احیاناً گناہ کرنے کے بعد وضو کرکے دو نفل پڑھ لے اور اللہ تعالی سے استغفار کرے تو اللہ تعالی ضرور اُس کا گناہ بخش دیگا۔

یہ اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ابوبکر نے کوئی فتوی ایسا نہیں دیا جو نص کے مخالف ہو اِس کے مقابلے میں عمر اور علی کے بہت سے فتوے نصوص کے خلاف ہوجاتے تھے امام شافعی نے علی اور ابن مسعود کے خلاف میں ایک بہت بڑی کتاب تالیف کی ہے اور اسی بارے میں محمد بن نصر مروزی نے بھی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے صحابہ نے جد کو میراث ملنے میں ابوبکر کا خلاف کیا تھا مگر جب زیادہ غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ صدیق ہی کا قول ٹھیک تھا دس سے زیادہ جلیل القدر صحابہ اس پر متفق ہیں صرف زید اور ابن مسعود نے اِس کا خلاف کیا ہے مگر ان دونوں کے اقوال اِس مسئلے میں کچھ ایسے مضطرب ہیں جس سے صاف یقین ہوجاتا ہے کہ اُن کا قول ٹھیک نہیں ہے بلکہ صدیق ہی کا قول ٹھیک ہے بہت سے ائمہ نے اِس پر اجماع ہونا نقل کیا ہے کہ ابوبکر علی سے بہت زیادہ عالم تھے منجملہ ان کے ایک امام منصور بن عبدالجبار سمعانی مروزی ہیں جو ائمہ شافعیہ میں ایک معتمد علیہ امام ہیں اِس فاضل نے اپنی کتاب تقدیم الادلہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ علماء اسلام کا اِس پر اجماع ہے کہ ابوبکر علی سے زیادہ عالم تھے اِسکی وجہ سے ظاہر ہے اور اُسکے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ابوبکر حضور انور رسول اللہ ﷺ کے سامنے فتوے دیتے امر و نہی کرتے اور نصیحت کرتے تھے اور جب حضور انور کے ہمرکاب کہیں باہر جاتے تو ابوبکر ہی لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور اُنہیں ہدایت کیا کرتے تھے یہ مرتبہ اور کسی کو نصیب نہ تھا جب حضور انور بڑے بڑے ذی رائے اور عقلمندوں سے مشورہ لیتے تھے تو اِس مشورے میں ابوبکر

اور عمر کی رائے سب سے مقدم رکھتے تھے یہی دونوں علمی باتوں میں گفتگو کرتے تھے اور یہی دونوں حضور انور کے دربار میں اور سب صحابہ سے زیادہ مقدم سمجھے جاتے تھے جیسا کہ بدر وغیرہ کے قیدیوں کے معاملے میں بھی اُن ہی کی رائے مقدم رہی تھی یہاں تک کہ حضور انور نے صاف فرمادیا تھا کہ جس بات پر تم دونوں کا اتفاق ہوجائے گا میں اِسکے خلاف کبھی کرنے کا۔ سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم ابوبکر وعمر کا اقتدا کرنا یہ مرتبہ ان دونوں کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ایک طویل حدیث راویت کی ہے جسکا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ صحابہ سفر میں آپ کے ہمرکاب تھے حضور انور ﷺ نے ایک موقع پر ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میرے بعد اگر تم لوگ ابوبکر وعمرؓ کی اطاعت میں رہو گے تو راہ راست پر رہو گے. ابن عباس سے ثابت ہے کہ وہ قرآن شریف سے فتوی دیتے تھے اور اگر کسی مسئلے کا جواب قرآن شریف سے نہیں ملتا تھا تو رسول اللہ کی حدیث سے دیتے تھے اور اگر حدیث میں نہیں ملتا تھا تو پھر ابوبکر وعمر کے قول سے فتوے دیتے تھے مگر عثمان اور علی کے قول کو اُنہوں نے کبھی مس تک نہیں کیا ابن عباس اپنے زمانہ میں سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے ہمیشہ اُنہوں نے ابوبکر وعمر کا قول سب صحابہ پر مقدم رکھا حضور انور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے ابن عباس کے حق میں یہ دعا کی تھی **اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل** یعنی خدا ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا کر اور قرآن کے معنی سکھا۔ حضور انور کو سب صحابہ سے زیادہ ابوبکر وعمر سے ایک خاص خصوصیت تھی کیونکہ یہ دونوں اکثر راتوں کو حضور انور ﷺ کی خدمت رہتے اور علم دین اور مصالح مسلمین کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ صحیحین میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ فقیر آدمی تھے انکی نسبت حضور انور ﷺ نے ایک دفعہ یہ فرمادیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کی بھوک کا کھانا ہو تو وہ ان صفہ والوں میں سے تیسرے کو لیجایا کرے اور جسکے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو اور جس کے پاس چار کا ہو وہ پانچویں اور چھٹے کو ایک دن اسی ارشاد کے مطابق ابوبکر تین آدمیوں کو لائے اور حضور انور دس آدمیوں کو لے گئے ابوبکر شام کا کھانا حضور انور ﷺ کے ساتھ تناول کر کے وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ عشا کی نماز ہوئی نماز پڑھنے کے بعد بھی حضور انور ہی کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ حضور انور خواب استراحت فرمایا جب زیادہ

رات گزر گئی تو اب وبکر گھر آئے آپ کی بیوی نے کہا تم نے اپنے مہمانوں کی بھی خبر نہیں لی یہ سُنتے ہی آپ چونک پڑے آپ نے فرمایا کیا تم نے ابھی تک انہیں کھانا نہیں کھلایا وہ بولیں میں نے چاہا تھا وہ کھانا کھالیں لیکن اُنہوں نے کہا بغیر ابوبکر کے آئے ہم کھانا نہیں کھانے کے۔ایک اور روایت میں یہ ہی عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے والد نبی ﷺ سے اکثر رات رات گئے تک باتیں کیا کرتے تھے اور ہجرت کے سفر میں سوائے میرے والد کے حضور انور کے ساتھ کوئی اور نہ تھا اسی طرح جنگ بدر کے دن عریش میں حضور انور ﷺ کے پاس ابوبکر کے سوائے اور کوئی نہ رہا تھا صحیحین میں ابوداؤد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ یکا یک ایک ابوبکر اپنی تہمد کا پلہ اِس طرح پکڑے ہوئے آئے کہ ان کے دونوں گھٹنے کھُل گئے تھے حضور انور نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا خدا خیر کرے آج ابوبکر کو کوئی فکر لاحق ہے ابوبکر نے آ کے سلام کیا اور پھر یہ عرض کیا کہ مجھ میں اور ابن خطاب میں کچھ بات ہوگئی تھی مگر پہل میری طرف سے ہوئی تھی پھر میں نادم ہوا اور ان سے بہت التجا کی کہ میری خطا معاف کردو مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اب میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں آ گیا ہوں حضور انور ﷺ کو اختیار ہے یہ سُن کے حضور انور نے دوبار یہ فرمایا اے ابوبکر تمہاری خطا تو اللہ معاف کر دیگا تم ایسے پریشان کیوں ہوتے ہو پھر عمر بھی نادم ہوئے کہ میں نے ابوبکر کی خطا کیوں نہ معاف کر دی اس خیال سے وہ دوڑے ہوئے پہلے ابوبکرؓ کے گھر گئے مگر وہاں انہیں نہ پایا پھر وہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عمر کو دیکھ کے حضور انور کا چہرہ سُرخ ہوگیا آپ اس قدر غصے ہوئے کہ ابوبکر بھی کانپ گئے اور دست بستہ عرض کیا یارسول اللہ خطا میری ہے حضور انور ﷺ نے سب صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب اللہ نے مجھے نبی بنا کر تمہاری طرف بھیجا تو تم نے میری تکذیب کی سوائے ابوبکر کے اُس نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے ہر طرح میرا ساتھ دیا کیا اب تم میرے ایسے ساتھی کو چھوڑتے ہو کیا تم اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہو۔اگرچہ یہ روایت ہم پہلے کہیں نقل کر چکے ہیں مگر چونکہ اس سے ایک خاص گہرا تعلق نبی اور صدیق میں ظاہر ہوتا ہے اور یہاں یہی دکھانا مقصود ہے اس لئے ہم نے اس جگہ بھی اسے نقل کر دیا ہے۔ بخاری لکھتے ہیں کہ خیبر میں ابوبکر سب سے سبقت لے گئے جنگ اُحد میں قریشوں کے سردار نے محمد ﷺ ابوبکر اور عمر ہی کو پُکارا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ہاروں رشید نے امام مالک بن انس سے یہ دریافت کیا کہ ابو بکر و عمر کا نبی ﷺ کے نزدیک کیسا مرتبہ تھا مالک نے جواب دیا حضور انور کی زندگی میں حضور انور ﷺ کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ تھا جیسا آپ کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ہے۔ رشید خوش ہو گئے اور یہ فرمایا کہ اے مالک واقع تم نے سچ کہا بے شک میری اس سے تسکین ہو گئی باوجود کمالِ مودت کمالِ اسلام اور علم و دین کمال مشارکت ہونے کے پھر سب سے زیادہ حضور انور ﷺ کا خاص ہونا اور آپ کا ہر طرح ہر بات میں ساتھ دینا یہ چاہتا ہے کہ یہ دونوں اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے جسے صحابہ کے احوال کی کچھ بھی خبر ہے اُسکے لیے یہ امر روزِ روشن کی طرح صاف ہے علم وفقہ میں صدیق اکبر کا ایسا مرتبہ ہے کہ اُس سے علی تو علی عمر بھی عاجز ہیں یہاں تک کہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ ابو بکر کا کوئی قول ایسا معلوم نہیں ہوتا جو نص کے خلاف ہو اور یہ اُن کی انتہاء درجے کی معرفت علم دین کی دلیل ہے ہاں ان کے سوا اور صحابہ کے بہت سے ایسے قوال ہیں جو نصوص کے خلاف پڑے ہیں۔ اس پر بھی عمر کے اقوال میں جو نصوص کی موافقت دیکھی جاتی ہے وہ علی کے اقوال کی موافقت سے کہیں زیادہ ہے یہ بات مسائل علم، علماء کے اقوال ادلہ شرعیہ اور ان کے مراتب کو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے مثلاً جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اُسکی عدت کا مسئلہ ہے اس میں فاروق اعظم ہی کا قول نصوص کے موافق ہے علیؓ کا قول نصوص کے موافق نہیں ہے اسی طرح مسئلہ حرام میں عمر ہی کا قول نصوص کے موافق ہے نہ کہ علی کا اسی طرح اِس عورت کا مسئلہ ہے جسے اُسکے شوہر نے اختیار دے دیا۔ غرض اِس قسم کے بہت سے فقہی مسائل ہیں جن میں علی کا قول نصوص کے خلاف آ کے واقع ہوا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور نے نماز پر جو عمودِ اسلامؑ ہے ابو بکر اپنا خلیفہ بنایا تھا پھر ابو بکر ہی نے یہ اعلان کرایا تھا کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج کرنے نہ پائے گا۔ نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرنے پائے گا۔

اِس کے علاوہ علی ابو بکر کے شاگرد بھی ہیں کہ اُنہوں نے بعض حدیثیں آپ سے سیکھیں تھیں مگر ابو بکرؓ نے علیؓ سے کچھ نہیں سیکھا اِن اُمور کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ علماء کوفہ جو عمر اور علی کی صحبت میں رہے ہیں مثلاً علقمہ، اسود اور شریح وغیرہ یہ سب عمر کے قول پر ترجیح دیتے تھے یعنی عمر کے قول کے سامنے علی کے قول کو نہیں مانتے تھے باقی مدینے مکے اور بصرے والے علماء تو باتفاق عمر ہی کے

قول پر فتوے دیتے تھے ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ علی کا علم فقہ بیشک کوفے میں مشہور تھا۔ وہ بھی اِس وجہ سے کہ اُنہوں نے اپنی خلافت کا زمانہ وہیں گزارا تھا۔ تو بھی علی کے تمام شیعہ جنہوں نے اُنکا ساتھ دیا اور انکی صحبت میں رہے ان میں سے ایک شخص نے بھی علی کو ابوبکر و عمر پر مقدم نہیں کیا نہ فقہ میں نہ علم میں نہ دین میں بلکہ وہ سب شیعہ جنہوں نے علی کا ساتھ دیا تھا ابوبکر اور عمر کے مقدم ہونے پر متفق تھے۔ ہاں وہ چند آدمی جو بظاہر اپنے کو شیعانِ علی کہتے تھے لیکن ہمیشہ انہوں نے حضرت علی کو ستایا انہیں پریشان کیا اُن کا حکم نہیں مانا وہ بیشک اس سے اختلاف رکھتے تھے اِن میں تین فرقہ ہیں ایک فرقہ تو وہ ہے کہ اُنہوں نے غلو کر کے علی کو معبود بنا دیا اُن لوگوں کو جتنے گرفت میں آسکے حضرت علی نے زندہ آگ میں جلوا دیا دوسرا فرقہ وہ ہے جو ابوبکر کو بُرا کہتا تھا انکا سردار عبداللہ بن سبا تھا علی نے اُسے بھی قتل کرنا چاہا تھا مگر وہ گرفتار نہ ہو سکا اور مدائن بھاگ کے چلا گیا تیسرا فرقہ وہ ہے جو علی کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اس کی بابت حضرت علی نے فرمایا تھا جس شخص سے میں نے یہ سُن لیا کہ علی ابوبکر و عمر سے افضل ہے تو میں اُس کے حد قذف لگاؤں گا یعنی وہ سزا دوں گا جو تہمت لگانے والے کو ملتی ہے۔ اتنی روایتوں کے قریب ہیں جو حضرت علی سے مروی ہیں کہ آپ کوفے میں ممبر پر بیٹھ کے علی الاعلان یہ فرمایا کرتے تھے کہ امت مرحومہ اُسکے نبی کے بعد سب سے بہتر اول ابوبکر ہیں پھر عمر صحیح بخاری وغیرہ میں ہمدانی راویوں سے مروی ہے کہ محمد بن حنیفہ نے اپنے باپ علی سے دریافت کیا تھا کہ نبی کے بعد سب سے بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر پھر اُنہوں نے پوچھا کہ ان کے بعد فرمایا عمر پھر محمد بن حنفیہ بولے کہ ان کے بعد آپ ہیں حضرت علی نے فرمایا اے بیٹا تیرا باپ ایک معمولی مسلمان ہے ان کے مرتبے کا ہرگز نہیں ہے۔ بخاری کہتے ہیں ہم سے محمد بن کثیر نے ان سے سفیان ثوری نے ان سے جامع بن شداد نے ان سے ابویعلی منذر ثوری نے بیان کیا انہوں نے محمد بن حنیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے باپ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر کون ہے اُنہوں نے تعجب سے دریاف کیا اے بیٹا کیا تمہیں اتنی بھی خبر نہیں میں نے کہا نہیں فرمایا سب سے بہتر ابوبکر ہے میں نے کہا پھر کون فرمایا عمر یہ بات بتواتر ثابت ہے کہ جو شخص آپ کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اُسے آپ سزا دیتے اور مفتری خیال کرتے تھے اگر کوئی یہ کہے کہ آپ محض تواضعاً یا انکساری کے طور پر ایسا کہہ دیا کرتے

تھے تو یہ بھی محض غلط ہے کیونکہ متواضع کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر کوئی اُسے حق کے موافق افضل کہے تو یہ اُسے سزا دے اور اُس کا نام مفتری رکھے۔ اب ملاحظہ ہو نیچے آنے والی حدیث جسکی نہ صرف شیعوں میں بلکہ عوام سنیوں میں بھی بہت شہرت ہے اور وہ سب اسے صحیح حدیث سمجھتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے انا مدینة العلم و علی بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہے یہ حدیث بالکل جھوٹ سرتاپا غلط اور محض واہی تباہی ہے کہیں اِس کا پتہ نہیں چلتا اگر چہ بعض اہل مطابع نے اپنی لاعلمی اور نادانی سے اسے کسی حدیث کی کتاب کے حاشیے پر لکھ دیا ہے مگر یہ کھلم کھلا موضاعات میں شمار کی گئی ہے ابن جوزی نے اِسے ذکر کر کے کہا ہے کہ اس کے سب طریقے موضوع ہیں اور اس روایت کا جھوٹا ہونا خود اُس کے متن اور مضمون سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب نبی علم کا شہر ہوئے اور اس شہر کا دروازہ ایک ہی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ علم دین فقط ایک ہی شخص کو حاصل ہوا تو اِس بناء پر اسلام کی بنیاد اُکھڑ جائے گی اِسی لئے سب مسلمانوں کا اسپر اتفاق ہے کہ آپ کے علم کو پہچاننے والے وہ اہل تواتر ہوں یعنی اس قدر لوگ ہوں جنکے خبر دینے اور بیان کرنے پر بعد کے آنے والی نسلوں کو یقین ہو جائے۔ یہ بات قرآن مجید اور سُننِ متواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایک کی شہادت کوئی شہادت نہیں ہے نہ کسی صورت سے اُسے تسلیم کیا جا سکتا ہے نہ ایک کے خبر دینے اور بیان کرنے سے کسی کو یقین آ سکتا ہے اس پر اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ علی اگر چہ اکیلے ہیں لیکن وہ معصوم ہیں۔ اس لئے ان کی خبر سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اُن کے معصوم ہونے کا علم ضروری ہے ان کی عصمت فقط ان کے خبر دینے سے ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ یہ اجماع سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اِسکی بابت کبھی اجماع نہیں ہوا کہ حضرت علی کو سب نے معصوم گردان لیا ہو اور امامیہ کے نزدیک اجماع حجت ہے اِس لئے کہ اس اجماع میں اِن کے خیال کے مطابق امام معصوم بھی ہے لیکن پھر عصمت کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر علی کی عصمت حق ہوتی تو ضرور تھا کہ ان کی خبر کے سوا وہ کسی اور طریقے سے بھی معلوم ہو جاتی مگر ایسا نہیں پس اگر علم کے شہر کا دروازہ سوائے علی کے اور کوئی نہیں ہے تو نہ اُن کی عصمت ثابت ہو گی اور نہ اُمور دین میں سے کوئی اور امر ثابت ہو گا اِس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کسی جاہل زندیق نے افترا کر لی ہے جس سے بظاہر اُس نے تعریف نکالی

ہے مگر یہ درحقیقت تعریف نہیں ہے بلکہ زندیقیوں کو دین اسلام میں قدع کرنے کا طریقہ بتانا ہے یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ تمام اسلامی شہروں کو رسول اللہ کا علم بغیر علی کے پہنچا۔ چنانچہ اہل مدینہ اور اہل مکہ میں تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اُنہوں نے علیؓ سے کوئی بات نہیں سیکھی اسی طرح شام اور بصرے کا حال ہے کہ اُن کے رہنے والوں نے علی سے کوئی روایت نقل نہیں کی الا ماشاء اللہ ہاں علی کے علم کا شہرہ کوفہ میں کسی قدر بیشک تھا اور باوجود اِس کے اہل کوفہ بھی قرآن اور حدیث کو عثمان کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی سیکھ چکے تھے چہ جائے کہ علی سے سیکھتے جو ان کے بعد ہوئے فقہائے اہل مدینہ دین کو فاروق اعظم کی خلافت میں سیکھ چکے تھے اور اہل یمن کو معاذ کا تعلیم دینا اور ان میں رہنا علی سے بدرجہا زیادہ ہے اِسی وجہ سے اہل یمن کی وہ روایتیں جو اُنہوں نے معاذ بن جبل سے نقل کی ہیں اور ان روایتوں سے کہیں زیادہ ہیں جو انہوں نے علی سے نقل کی ہیں؟ شریح وغیرہ اکابر تابعین میں سے ہیں انہوں نے فقہ معاذ بن جبل ہی سے حاصل کیا تھا جس وقت علیؓ کوفہ گئے ہیں تو شریح وہاں قاضی تھے اُنہوں نے اور عبیدہ السلمانی نے علی سے کچھ نہیں پڑھا خلاصہ یہ ہے کہ علی کے کوفہ جانے سے پہلے علمِ اسلام تمام شہروں میں پھیل چکا تھا۔

حضرت علیؓ کی ذکاوت اور علم حاصل کرنے کا شوق: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام یعنی علی ابن ابی طالب انتہاء درجہ کے ذکی اور علم حاصل کرنے کے بڑے شائق تھے رات دن بچپنے سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ کی خدمت میں رہے فقط۔

جواب: بات یہ ہے کہ حضرت کی ذکاوت اور تحصیلِ علم کے شوق سے ہم انکار نہیں کرتے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر سے زیادہ علی ہرگز ذکی نہیں تھے۔ اور نہ انہوں نے ابوبکر و عمر کی نسبت حضور انور سے کچھ زیادہ حاصل کیا۔ صحیحین میں حضور انور ﷺ سے مروی ہے کہ اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہو تو وہ عمر ہے محدث ملہم کو کہتے ہیں۔ جس پر اللہ الہام کرے۔ صحیحین میں دوسری حدیث دودھ کے پیالے کی ہے جو حضور انور نے خواب میں فاروق اعظم کو دیا تھا۔ اس حدیث کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ صحیحین مین ایک تیسری روایت ہے جو ابوسعید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں حضور انور نے فرمایا کہ میں

نے خواب میں دیکھا میرے صحابہ میرے روبرو پیش کئے جاتے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں بعض کے کرتے چھاتی تک ہیں بعض کے کچھ نیچے ہیں مگر جب عمر پیش کئے گئے تو اُن کا کرتہ اس قدر نیچا تھا کہ وہ گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسکی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا دین۔ یہ تینوں حدیثیں صحیح ہیں جو فاروق اعظم کے علم اور دین کی شاہد ہیں مگر علی کے حق میں کوئی ایسی روایت منقول نہیں ہوئی۔ جب عمر کا انتقال ہوا تو ابن مسعود نے کہا تھا میں یہ خیال کرتا ہوں کہ علم کے نو حصے ہیں اور باقی کے دسویں حصے میں ہم سب لوگ شریک ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابوبکر حضور انور ﷺ کی خدمت میں نہ صرف علی سے بلکہ اور سب سے بہت زیادہ رہتے تھے اور ابوبکر وعمر کا حضور انور ﷺ کے ساتھ اکٹھا رہنا علی کے رہنے سے بدرجہا زیادہ تھا جیسا کہ صحیحین میں ابن عباس سے مروی ابن عباس کہتے ہیں کہ جب فاروق اعظم تختے پر لٹائے گئے تو جنازہ اُٹھنے سے پہلے لوگوں کی عجیب کیفیت تھی کوئی ان کے حق میں دعا کرتا تھا کوئی ان کی تعریف کرتا تھا کوئی اُن کے لیے استغفار کرتا تھا اسی اثناء میں یکا یک کسی نے پیچھے سے آ کے میرے مونڈھے پر ہاتھ رکھا میں نے پھر کے دیکھا وہ علی تھے علی کو عمر کی وفات سے بہت ہی صدمہ تھا وہ بے اختیار عمر کی طرف خطاب کر کے یہ کہنے لگے تم نے اپنے بعد ایسا کوئی نہیں چھوڑا جو تم سے زیادہ مجھے محبوب ہو کہ میں اس جیسے عمل کر کے اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں خدا کی قسم میں یقین کرتا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں دوستوں ہی کے ساتھ کر دے گا کیونکہ نبی ﷺ اس طرح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ابوبکر وعمر چلے ہیں۔ ابوبکر اور عمر اندر گئے میں ابوبکر وعمر باہر گئے غرض تم دونوں کو رسولِ خدا ہر بات میں اپنے ساتھ ہی بیان فرمایا کرتے تھے فقط (یہ حدیث بہ تبدیل الفاظ اور بھی بیان کر آئے ہیں) یہ تواتر سے ثابت ہے کہ ابوبکر وعمر بہت رات گئے تک مسلمانوں کے بارے میں حضور انور سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ وہ مسائل جن میں عمر و علی کا اختلاف ہے ان میں سے اکثر عمر ؓ ہی کا قول ارجح وغالب ہے جیسا کہ اِس حاملہ مسئلہ جس کا شوہر مرگیا ہو وغیرہ۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ اہل مدینہ کا مذہب اہل عراق کے مذہب سے راجح ہے یہ لوگ اکثر مسئلوں میں عمر اور زید کی پیروی کیا کرتے تھے ان کے مقابلہ میں عراقی اور ابن مسعود کی پیروی کرتے تھے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فاروقِ اعظم نے بہت سی باتوں میں عثمان اور علی سے مشورہ لیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بات

سمجھنے کی ہے کہ علی کا ان کے ساتھ ہونا علی کے اکیلے ہونے سے بہت زیادہ قوی ہے چنانچہ ان کے قاضی عبیدۃ السلمانی نے علی سے کہا تھا کہ آپ کی رائے عمر کے ساتھ جماعت میں ہونی ہمیں زیادہ محبوب ہے آپ کی اُس رائے سے جو آپ تنہا ظاہر کریں. اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سعید بن میتب تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے ان کا خلاصہ فقہ عمر ہی کے فیصلے تھے ابن عمر بھی وہ فیصلے اُن سے دریافت کیا کرتے تھے. ترمذی میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہی ہوتا (اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے) یہ بات عجیب وغریب ہے کہ کوفہ جسے علی نے اپنا دارالخلافہ بنا دیا وہ بھی زیادہ تر ان کے اثر میں نہ رہا سب کوفے والے اور ابن مسعود کے شاگرد مثلاً علقمہ، اسود، شریح، حارث بن قیس عبیدۃ السلمانی، مسروق، زر بن حبیش، ابو وائل وغیرہ سب کے سب عمر اور ابن مسعود کے علم کو علی کے علم سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر مسائل میں عمر اور ابن مسعود ہی کا قول لیتے اور اُسی پر عمل کرتے تھے نہ کہ علی کے قول پر فقط۔

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر یعنی بچپنے کا علم اِس طرح سے دل پر جم جاتا ہے جیسے پتھر پر نقش پس علی کے علوم اوروں کے علوم سے بہت زیادہ ہوئے کیونکہ ان کے حق میں قابل کلی اور فاعل تام حاصل ہے فقط۔

اِس کا جواب یہ کہ شیعی علماء کا یہ قول صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ علوم حدیث سے ناواقف ہیں یہ خبر نہیں کسی شاعر کا قول ہے یا کسی تیز طبیعت شیعہ نے یہ بے معنی اور بھونڈا قول وضع کر لیا ہے حضور انور کے ساتھ اس قول کی نسبت دینی درحقیقت حضور انور ﷺ کی بہت بڑی توہین کرنی ہے۔ حضور انور کے صحابہ کی اللہ نے تائید کی تھی جس سے اُنہوں نے قرآن مجید کو اچھی طرح حاصل کر لیا اِن صحابہ میں ایک علی بھی تھے۔ اب ایک اور تماشے کی بات سُنئے قرآن مجید اس وقت کامل ہوا تھا کہ جب علی کی عمر تیس برس کے قریب ہو گئی تھی قرآن مجید کا زیادہ حصہ آپ نے جوانی ہی میں حفظ کیا تھا۔ بچپنے میں آپ کو ایک سورۃ بھی حفظ نہیں تھی سارے قرآن مجید کے حافظ بھی حضرت علی نہیں تھے۔ اگرچہ بعض کا یہ قول ہے کہ آپ نے اخیر میں سارا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا. مذہبی دنیا میں یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء ساری خلقت سے زیادہ عالم ہوتے ہیں حالانکہ سوائے مسیح کے کسی نبی کو اللہ تعالی نے چالیس برس سے پہلے نبوت عطا

نہیں فرمائی اس سے بچپنے کے نقش فی الحجر کا کلیہ ٹوٹ گیا۔ یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ حضور انور ﷺ کی تعلیم عام تھی اس میں کسی کی عمر وغیرہ کی تخصیص نہ تھی ہاں طالب کی استعداد کے بے شک شرط تھی ابو ہریرہؓ کو دیکھو جس نے صرف تین برس اور چند مہینے میں اتنا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا کہ اور کسی نے اتنا نہ کیا تھا۔

علم نحو کی ایجاد: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم نحو کی ایجاد کرنے والے حضرت علی ہی ہیں آپ نے ابوالاسود سے فرمایا تھا کہ کل کلام کی تین قسمیں ہیں. اسم، فعل، حرف، اسکے علاوہ وجوہ اعراب بھی آپ ہی نے سکھائے تھے۔

جواب: اصل یہ ہے کہ یہ علم علوم نبوت سے نہیں ہے بلکہ ایک مستنبط علم ہے اور یہ اس زبان کے قواعد جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یاد کرنے میں وسیلہ ہوتا ہے۔ خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں بے شک یہ علم نہ تھا نہ اسکی کوئی ضرورت تھی جب علی کوفہ میں رہنے لگے تو لوگوں نے بیان کیا ہے کہ علی نے ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ میں نے ابوالاسود دئلی سے کہا کہ کلام اسم، فعل اور حرف ہی اتنا کہہ دینے سے کسی بڑی علمیت کا اظہار نہیں ہوتا. ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف اتنی سی بات پر شیعی علماء کیوں بغلیں بجاتے ہیں تعریف تو ان کی کرنی چاہیے جنہوں نے نحو کو مبسوط کر دیا بڑے بڑے نحوی کوفے اور بصرے میں گزرے ہیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں مثلاً خلیل نے علم عروض ایجاد کیا. اسی طرح اعراب وغیرہ اوروں نے ایجاد کیئے۔

حضرت علی کی فقہ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام فقہا حضرت علیؓ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ ہے ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام یا فقیہ ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی فقہ میں کبھی حضرت علی کی طرف رجوع کیا ہو بلکہ انہوں نے اپنا اپنا فقہ فقہائے سبعہ یعنی عمر، زید، ابن عمر وغیرہ سے حاصل کیا تھا. چنانچہ امام مالک اہل مدینہ کے شاگرد تھے اور مدینہ حضرت علی کے قول کے قریب بھی کبھی نہیں گئے تھے. اسی طرح امام شافعی نے اوّل ابن جریج کے مکی شاگردوں سے پڑھا یعنی سعید بن سالم قداح اور مسلم بن خالد زنجی سے اور ابن جریج نے ابن عباس کے شاگردوں

یعنی عطا وغیرہ سے پڑھا تھا اور ابن عباس خود مستقل مجتہد تھے وہ جب کبھی صحابہ کے قول سے فتویٰ دیتے تھے تو ابو بکر و عمر ہی کے قول سے دیتے تھے علی کے قول سے اُنہوں نے کبھی فتویٰ نہیں دیا بلکہ وہ علی کی اکثر باتوں کا انکار اور اُن سے خلاف کیا کرتے تھے امام شافعیؒ نے امام مالک رحمۃ اللہ سے بھی پڑھا ہے اور اہل عراق کی کتابیں بھی لکھی ہیں اور اپنے لیے محدثین کا مذہب اختیار کیا اب رہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تو اُن کے خاص اُستاد حماد ابوسلیمان ہیں اور حماد ابراہیم کے شاگرد ہیں ابراہیم علقمہ کے اور علقمہ ابن مسعود کے شاگرد ہیں ہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے عطا وغیرہ سے بھی پڑھا. اب رہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ وہ بھی محدثین کے مذہب پر ہیں اُنہوں نے ابن عیینہ سے تعلیم پائی اور ابن عیینہ نے عمر بن دینار سے اور اُنہوں نے ابن عباس ابن عمر اور ہشام بشیر سے اور ہشام نے حسن کے شاگردوں سے اور ابراہیم نخعی سے تعلیم پائی اسی طرح اسحٰق بن راہویہ ابوعبیدہ اوزاعی اور لیث وغیرہ اُن کا اکثر فقہ اہل مدینہ سے ہوتا تھا نہ کہ کوفیوں سے. شیعی علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ مالکیہ نے اپنا علم صرف علی اور اُن کی اولاد ہی سے حاصل کیا ہے ہم کہتے یہ بھی محض غلط ہے اور بالکل سفید جھوٹ ہے امام مالک کی کتاب موطا موجود ہے اُسمیں کوئی روایت نہ علی سے ہے نہ اُن کی والاد سے الا ماشاء اللہ اس کی سب روایتیں اوروں ہی سے ہیں ہاں امام جعفر سے کل نو حدیثیں ہیں اس سوائے امام جعفر کے علی کی اولاد میں کسی سے امام مالک نے کوئی روایت نہیں لی اسی طرح وہ حدیثیں جو صحاح، سنن اور مسانید میں ہیں ان میں حضرت علی کی اولاد میں سے بہت ہی کم روایتیں پائی جاتیں ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور امام جعفر صادق: شیعی علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے امام صادق سے پڑھا ہے یہ سب سے زیادہ سفید جھوٹ ہے اور ایسا جھوٹ کہ جسے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اُس کے سفید جھوٹ ہونے کی فوراً شہادت دیگا. امام ابوحنفیہ امام جعفر صادق کے ہم عصروں میں سے ہیں یہ اُن کی شاگردی کس طرح کر سکتے تھے امام صادق کا انتقال ۱۴۸ھ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابوحنیفہ کا انتقال ۱۵۰ھ ہجری میں امام ابوحنیفہ امام جعفر کے والد ابوجعفر کی زندگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک مسئلہ بھی امام جعفر صادق یا اُن کے والد سے سیکھا ہو بلکہ امام ابوحنیفہ نے ان لوگوں سے تعلیم پائی تھی جو ان دونوں سے بڑے تھے جیسے

عطاء بن ابی صباح اور ان کے اصلی استاد حماد بن ابی سلیمان اور جعفر بن محمد مدینے میں تھے۔

امام شافعی اور محمد بن حسن: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے محمد بن حسن سے تعلیم پائی ہے یہ بھی محض غلط ہے شافعی نے محمد بن حسن سے کچھ نہیں پڑھا۔ ہاں ان کے حلقے میں بیٹھے ہیں اور ان کا طریقہ معلوم کر کے اُن سے مناظرہ کیا ہے۔ سب سے پہلے امام شافعی ہی نے محمد بن حسن کی غلطیوں پر روشنی ڈالی ہے محمد ابن حسن امام مالک اور اہل مدینے کا رد کیا کرتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نہایت انصاف اور آزادی سے محمد بن حسن کے کلام کا اور اہل مدینے کے قول کا موازندہ کیا۔ جب انہیں اہل مدینے کا قول حق معلوم ہوا تو انہوں نے بلا تامل اہل مدینہ کے قول کی تائید کی پھر عیسٰی بن ابان نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اُس نے دل کھول کے امام شافعی کا رد کیا ہے اس کا جواب الجواب ابن سریج نے ایسا دندان شکن دیا کہ عیسٰی بن ابان کے پرخچے اُڑ گئے۔ اب امام احمد کو لو اُنہوں نے امام شافعی سے کچھ نہیں پڑھا لیکن ان کے حلقے میں شریک ہوئے ہیں جیسا کہ امام شافعی محمد بن حسن کے حلقے میں شریک ہوئے تھے مگر یہ عجیب بات ہے کہ اکثر مسائل میں امام شافعی اور امام احمد کا اتفاق ہے اور محمد بن حسن سے ان میں سے ایک کا بھی اتفاق نہیں ہے۔ امام شافعیؒ عمر میں امام احمد سے دس برس سے کچھ زیادہ بڑے تھے اصل یہ ہے کہ ان ائمہ اربعہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے فقہ کے قواعد میں کوئی بات بھی امام جعفر صادق سے سیکھی ہو۔ حدیثیں ان سے روایت کی ہیں جیسا کہ ان کے سوا اوروں سے بھی روایت کی ہیں مگر اوروں کی حدیثیں ان کی حدیثوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اسکے علاوہ زہری اور صادق کی روایت میں کوئی نسبت نہیں ہے نہ قوت میں نہ کثرت میں امام بخاری نے جب یہ سنا کہ یحیٰی بن سعید قطان نے امام جعفر صادق کی روایتوں پر اعتراض کیا ہے۔ تو اُن کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے جب مزید تحقیقات کی تو انہیں بھی جعفر صادق کی روایتوں میں شک ہو گیا۔ اِسی لیے امام بخاری نے جعفر صادق کی کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ راویتوں کا ایک طوفان ہے جو زبردستی امام جعفر سے سر چپکا گیا ہے حالانکہ وہ اس سے بالکل بری تھے جھوٹ کا یہاں تک مبالغہ ہوا اور وہ اس قدر بڑھا کہ کوئی امور جعفر صادق کی طرف منسوب کر دئے گئے یعنی علم بطاقہ ہفت، جدول،

اختلاج اعضاء، منافع، ان حوادث پر گفتگو کرنا قرآن کی تفسیریں اشارات کی قسمیں نکالنا وغیرہ۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ سب امور ان کے ذمہ لگانے محض بہتان اور طوفان ہیں۔

مالک اور ربیعہ وغیرہ: شیعی علماء کہتے ہیں کہ امام مالک ربیعہ کے شاگرد ہیں اور ربیعہ عکرمہ کے اور عکرمہ ابن عباس کے اور ابن عباس علی کے شاگرد ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی صریح جھوٹ ہے کیونکہ ربیعہ نے عکرمہ سے کچھ نہیں پڑھا بلکہ امام مالک نے اپنی کتابوں میں سوائے ایک یادو اثر کے ربیعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا اور نہ عکرمہ کا کہیں نام لیا کیونکہ ابن عمر اور سعید بن مسیب کی طرف سے انہیں یہ خبر لگ گئی تھی کہ انہوں نے ان پر کچھ اعتراض کئے ہیں اس لیے امام مالک نے انہیں ترک ہی کر دیا۔ اسی طرح مسلم نے بھی اِن کی کوئی حدیث روایت نہیں کی ہاں ربیعہ نے اہل مدینہ کے فقہا یعنی سعید بن مسیب وغیرہ سے پڑھا ہے مگر سعید ہمیشہ عمر فاروق ہی کی شاگردی کا فخر کرتے تھے۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی تعلیم پائی ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مالک کے موطاء کے اصول ربیعہ سے لیے گئے ہیں اور ربیعہ نے سعید بن مسیب سے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے ہارون رشید نے ایک دن امام مالک سے کہا کہ تم اپنی موطاء میں ابن عمر کی حدیثیں بہت لکھیں ہیں اور ابن عباس کی کم اِس کا کیا سبب ہے تو انہوں نے یہ جواب دیا اے امیر المؤمنین ابن عمر عباس سے زیادہ پرہیزگار تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کی موطاء موجود ہے اُسے اوّل سے آخر تک دیکھ جاؤ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کس قدر غلط ہے۔ اب رہا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابن عباس علی کے شاگرد ہیں یہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ ابن عباس نے حضرت علی سے جتنی روایتیں کی ہیں وہ بہت ہی کم ہیں ان کی اکثر روایتیں صحابہ میں حضرت عمر زید بن ثابت اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے ہیں۔ ابن عباس ہمیشہ ابوبکر و عمر کے قول پر فتوئی دیتے تھے علی کی تو انہوں نے بہت سے مسئلوں میں مخالفت کی جیسا کہ امام بخاری نے لکھا ہے کہ جب علی کے پاس زندیق لوگ گرفتار ہو کے آئے تو علی نے انہیں آگ میں جلوا دیا جب اِس ہولناک خبر کی ابن عباس کو اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے صاف طور پر کہا

کہ علی نے بُرا کیا اگر میں اُسوقت ہوتا تو انہیں کبھی نہ جلانے دیتا کہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسکی سخت ممانعت کر گئے ہیں۔

علیؓ اور قرآن مجید کی تفسیر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم تفسیر بھی حضرت علی ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ اس علم میں ابن عباس ان کے شاگرد ہیں. بقول شیعی علماء ابن عباس فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ب کی تفسیر حضرت امیر المومنین علی نے مجھ سے شام سے لے کے صبح تک بیان کی تھی فقط۔ ہم اس سے بھی صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ ہمیں کوئی سند ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابن عباس نے ایسا کہا ہے. یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ منقولات سے دلیل بیان کرنے والے پر کم سے کم یہ بات بہت ضروری ہے کہ وہ ایسی اسناد کو صاف بیان کردے جس سے اس نقل کی صحت ثابت ہو جائے ورنہ محض اتنی سی بات سے کہ یہ منقولات کی کتابوں میں مذکور ہے ان سے استدلال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ جب یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کتابوں میں بہت سی باتیں جھوٹی بھی ہیں۔ دوسرے محدثین خوب جانتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ کیونکہ یہ اثر جو ابن عباس اس سے نقل کیا جاتا ہے ان کے ذمے نرا اتہام ہے اس روایت کی اُن سے منقول ہونے کی کوئی سند نہیں ہے خوش اعتقاد یا اپنے فرضی پیر کو آسمان پر چڑھانے والے ہمیشہ ایسی حکائتیں بلا اسناد بیان کر دیتے ہیں اور ان حکایتوں کو اکثر وہ جہلا نقل کیا کرتے ہین جو بے حقیقت باتوں میں گفتگو کرتے ہیں اور انکا مقصد اعظم ناواقف آدمیوں کو گمراہ کرنے کا ہوتا ہے. ابن عباس صحیح صحیح سندوں کے ساتھ بہت سی تفسیر منقول ہوئی ہے مگر اُس میں علی کا کہیں ذکر تک نہیں آیا ہاں اور صحابہ سے ابن عباس نے روایت کیا ہے مگر علی سے اِن کی روایتیں بہت ہی کم ہیں. اصحاب صحاح نے ابن عباس کی کوئی ایسی حدیث روایت نہیں کی جو علی سے مروی ہو بلکہ اُن کی ایسی حدیثیں بہت سی روایت کی ہیں جو عمر فاروق عبدالرحمٰن بن عوف اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے منقول ہیں. اِسکے علاوہ ابن عباس، عمر فاروق اور ابن مسعود وغیرہ ایسے صحابہ سے تفسیر کی ہے جنہوں نے علی سے کوئی بات اخذ نہیں کی. نہ مسلمانوں کے پاس کوئی تفسیر ہے جو علی سے ثابت ہوئی ہو اور جو حدیث اور تفسیر کی کتابیں صحابہ اور تابعین کے آثار سے بھری ہوئی ہیں علی کی روایت ان میں بہت ہی کم ہے. چالاک آدمیوں نے اپنی طرف سے کتابیں تصنیف کیں اور علی اور اُن کی اولاد کے سر چپیک دیں۔ جہلا میں یہ بات یقین کر لی گئی کہ یہ کتابیں انہیں بزرگوں کی

ہیں۔ مثلاً نہج البلاغۃ کے جتنے خطبے ہیں وہ سب یار لوگوں کی جدت پسند طبیعت کا نتیجہ ہیں۔ مگر غضب دیکھیے ! کہ اِن خطبوں کو حضرت علی کے سر چپیک دیا۔ اِس طرح حقائق السلمی میں امام جعفر صادق سے جو تفسیر نقل کی گئی ہے اس در حقیقت جعفر کے ذمے نرا اتہام ہی اتہام ہے بیچارے جعفر کو اس تفسیر سے کچھ تعلق نہیں۔

حضرت علی اور علم طریقت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم طریقت بھی جناب امیر علی بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب ہے کیونکہ صوفیہ سب کے سب خرقہ کو اُنہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں. ہم کہتے ہیں یہ بھی محض غلط ہے عام طور پر سنیوں کو بھی ایک عرصے سے یہ دھوکہ ہو رہا ہے کیونکہ ان میں بہت سے سنی نما صوفی یا صوفی نما شیعہ اصحاب اس کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں کہ بیچارے جاہل انہی کے ہو کے رہ گئے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر وہ آمنا وصدقنا کہنے کے لیے سب سے پہلے تیار ہیں.

آج کل ہندوستان میں بہت بڑی آفت پھیلی ہوئی ہے صوفی نما شیعوں کا ایسا داؤ چل گیا ہے کہ انہوں نے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی عظمت کو مسلمانوں کے دلوں سے بالکل نسیاً منسیا کر دیا ہے وہ جھوٹی اور موضوع روایتیں اپنے مریدوں کے جلسوں اور اپنے وعظوں میں نہایت بے باکی سے بیان کرتے ہیں اور اُن میں حضرت علی کی فرضی فضیلت کا راگ گایا جاتا ہے. جاہل مرید معاذ اللہ اپنے پیر کے کلام کو کلام خدا سمجھ کے اُس کا یقین کر لیتے ہیں اب اُسکی حقیقت سنئے اور غور سے سنئے کہ اہل معرفت جوامت مرحومہ میں لسانِ صدق کیساتھ مشہور ہیں وہ سب کے سب ابوبکر صدیق کے مقدم ہونے پر متفق ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ حقائق ایمانیہ اور احوال عرفانیہ میں ابوبکر ساری امت سے بڑھے ہوئے تھے پس ایسے شخص سے جسکو لسان صدق ان حقائق میں مقدم کہیں جو ان کے نزدیک تمام امور سے افضل ہیں اُس شخص کو کیا نسبت ہو سکتی ہے جس کی طرف لباس خرقہ کو منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے. ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم واما ینظر الی قلوبکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہر صورتوں اور تمہارے مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے. اِس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حقائق قلوب کو لباس ابدان سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے. اب خرقہ کو دیکھا جائے تو آپ کو

یہ معلوم ہوگا کہ خرقے متعدد ہیں ان میں زیادہ تر مشہور دو ہیں ایک اویس قرنی تک دوسرا ابو مسلم خولانی تک باقی وہ خرقہ جو علیؓ کی طرف منسوب ہے اُس کا سلسلہ حسن بصری تک ہے اور متاخرین اُسے معروف کرخی کے سلسلے سے مانتے ہیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ جنید، سری سقطی کی صحبت میں رہے اور سری سقطی نے معروف کرخی سے فیض پایا لیکن معروف کرخی سے اوپر سلسلہ ٹوٹتا ہے اسے ماننے والے کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ معروف کرخی نے علی بن موسی رضا کی صحبت سے فیض اُٹھایا ہے مگر یہ یقیناً غلط ہے اِس کا ذکر اِن مصنفین نے کہیں نہیں کیا جو معروف خبروں کو متصل سندوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں جیسے ابونعیم اور ابوالفرح ابن جوزی اس نے کرخی کے فضائل میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے اس کے علاوہ معروف کرخی کرخ میں سب سے علیحدہ رہتے تھے۔ اور علی بن موسیٰ کو مامون نے اپنے بعد ولیعہد مقرر کردیا تھا اور ان کا شعار سبز لباس ٹھہرادیا تھا پھر اُس نے اس سبز شعار کو بدل دیا اور سیاہ لباس قرار دیا معروف ہرگز ان لوگوں میں نہیں ہیں جو علی بن موسی کے ساتھ رہے ہوں نہ کسی معتبر راوی نے یہ نقل کیا کہ معروف کا اور موسی رضا کا ساتھ رہا ہو یا انہوں نے اِن سے کچھ فیض اٹھایا ہو ہم صحبت ہونا تو دوسری بات ہے

''دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے''

کہیں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ معروف کرخی نے علی بن موسی کو دیکھا بھی ہو. یاد رکھو یہ ساری باتیں اختراعی اور جھوٹی ہیں. باقی دوسرا سلسلہ دیکھو لوگ کہتے ہیں کہ معروف کرخی داؤد طائی کی صحبت میں رہے ہیں یہ بھی محض بے اصل ہے معروف خبروں میں انکا کہیں ذکر نہیں ہے پھر لوگ یہ کہتے ہیں کہ داؤد طائی حبیب عجمی کی صحبت میں رہے ہیں یہ بھی محض غلط اور بالکل غلط ہے ہاں یہ بات صحیح ہے اور ہم اُسے مانتے ہیں کہ حبیب عجمی حسن بصری کی صحبت میں رہے ہیں. حسن بصری کے ان کا علاوہ بہت سے شاگرد تھے مثلاً ایوب سختیانی، یونس بن عبید، عبداللہ بن عوف، محمد بن واسع، مالک بن دینار، اور حبیب عجمی وغیرہ لوگ بصرے کے عابد مشہور ہیں.

اسی سلسلے میں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ بصری علی کی صحبت میں رہے ہیں مگر یہ قول باتفاق

تمام اہلِ معرفت کے بالکل باطل ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حسن بصری کی علی سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے ہاں حسن نے علی کے شاگردوں سے کچھ حاصل کیا ہے۔ مثلاً احنف بن قیس اور قیس بن عباد وغیرہ یہ دونوں حضرت علی کے شاگرد ہیں۔ اہل صحیح نے اسے اسی طرح نقل کیا ہے. حسن بصری عمر فاروق کی شہادت سے دوسال پہلے پیدا ہوئے تھے اور جب عثمان شہید ہوئے تو یہ مدینہ منورہ میں تھے اُن کی والدہ اُم سلمہ کی خادمہ لونڈی تھیں عثمان شہید ہوئے تو یہ مدینہ منورہ میں تھے عثمان کے شہید ہونے کے بعد یہ بصرے چلے گئے تھے علی اُس وقت کوفے میں تھے یہ زمانہ حسن کی نوعمری کا تھا نہ وہ کسی سے واقف تھے نہ انہیں کوئی جانتا تھا. علی سے جو یہ اثر نقل کیا جاتا ہے کہ آپ بصرے کی جامع مسجد میں گئے اور سوائے حسن کے سب قصہ گویوں کو نکال دیا یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے اور اُسکے جھوٹ ہونے پر سب کا اتفاق ہے ہاں جو جو بات ٹھیک ہے وہ یہ ہے کہ علی جب مسجد میں گئے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کوئی قصہ بیان کررہا ہے آپ نے دریافت کیا تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا ابو یحیے علی نے کہا تو ناسخ ومنسوخ میں تمیز کرسکتا ہے؟ اُس نے کہا نہیں. آپ نے فرمایا کمبخت تو خود بھی تباہ ہوا اور تو نے اوروں کو بھی تباہ کیا. پھر آپ نے فوراً اُسے مسجد سے نکلوادیا. ہم نے جو خرقہ کی سندیں بیان کی ہیں اُسکی دو وجہ ہیں اوّل یہ کہ یہ سندیں ہمیں معلوم ہیں دوسرے یہ کہ ہمارے بیان کرنے سے حق میں باطل تمیز ہوجائیگی باقی جن لوگوں کے پاس اس خرقہ کی سندیں ہیں جو جابر کی طرف منسوب ہیں وہ سندیں بالکل منقطع ہیں. نقل متواتر سے یہ ثابت ہوتا ہے کے صحابہ نے اپنے مریدوں کو کبھی خرقہ نہیں پہنایا نہ کبھی انکے بال کترے نہ یہ فعل تابعین نے کیا ہاں متاخرین میں سے بعض مشرقی مشائخ نے ایسا کیا ہے. حسن بصری کے قصے صحیح صحیح سندوں کے ساتھ بہت سی کتابوں میں مذکور ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اِن سے یہی ثابت ہوتا ہے ان سب سے ضعیف تر حضرت علی کی طرف فتوۃ کی نسبت کرنی ہے اِس کی اسناد میں بہت سے راوی مجہول ہیں جنکا ہمیں کہیں پتہ نہیں لگا. جو شخص صحابہ اور تابعین کے حال سے واقف ہوگا وہ یقیناً جان لیگا کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے نمک پیا ہو یا ایسی ہی کوئی بات کی ہو نہ اُن میں سے کوئی شخص کسی طریقے کے ساتھ مخصوص ہوجسکا

نام فتوۃ رکھا گیا ہے بلکہ وہ سب صحابہ سے مستفید ہوتے اور بیعت ہوتے تھے اور ایک کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے دوسرے صحابی یا تابعی سے آزادی کے ساتھ فیض اُٹھاتے تھے مثلاً ابن مسعود کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے عمر، علی اور ابودردا، وغیرہ سے فیضیاب ہوتے تھے اسی طرح معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابن مسعود وغیرہ سے فیض لیتے تھے اسی طرح ابن عباس کے ابن عمر اور ابوہریرہ وغیرہ سے اور زید بن ثابت کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابوہریرہ وغیرہ سے فیض حاصل کرتے تھے یہ سب کے سب ایک ہی دین ایک ہی طریق اور ایک ہی سبیل پر متفق تھے اللہ کی عبادت کرتے اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں سرگرم رہتے اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو بات اُنہیں سچے راویوں کے ذریعہ سے پہنچتی تھی اسے فوراً بدل و جان قبول کر لیتے تھے قرآن وحدیث سے جو انکی سمجھ میں آتا تھا برابر مستفید ہوتے تھے جو انہیں نیکی اور خیر کی نصیحت کرتا اُسے فوراً تسلیم کر لیتے تھے ان میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنے پیر یا اپنے شیخ کو خدا سمجھ لیا ہو اُس سے کسی قسم کی فریاد کی ہو یا اُسے مثل اُس معبود کے سمجھ لیا ہو جس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں جس سے امید کی جاتی ہے. جس کی عبادت میں سر خم کیا جاتا ہے. جس پر توکل کیا جاتا ہے اور موت وحیات غرض ہر حال میں جس سے فریاد کی جاتی ہے نہ اُسے وہ مثل اُس نبی کے سمجھتے تھے جسکی اطاعت کرنی واجب ہے. مطلب تو یہ ہے کہ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا ہو اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا ہو. باقی اِس کے خلاف جو شخص عقیدہ رکھے وہ مسلمان نہیں ہے. صحابہ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کے معاون تھے نہ کہ گناہ اور عداوت پر. وہ ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی نصیحت کرتے تھے. امام اور شیخ اِن کے نزدیک بمنزلہ نماز کے امام اور معلم حج کے تھا۔ مقتدی امام کے پیچھے نماز پڑھتے اور اس کی اقتدا کیا کرتے ہیں اِس کی نماز ان کی طرف سے نماز نہیں ہو جاتی. وہ اُنھیں وہی نماز پڑھاتا ہے. جس کا اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے. اگر وہ اس سے سہواً یا عمداً عدول کرے تو یہ اسکا اتباع نہیں کرتے. اسی طرح معلم حج حاجیوں کو حج کے طریقے بتاتا ہے اور یہ اپنی طرف سے حج کرتے ہیں معلم کا حج انکی طرف سے نہیں ہو جاتا. اگر وہ بتانے میں خطا کرے تو یہ اس کی پیروی نہیں کرتے اور جب

دو معلموں اور دو اماموں میں اختلاف ہوتا ہے تو غور کیا جاتا ہے کہ ان میں حق پر کون ہے پھر اس کا اتباع کیا جاتا ہے اور ان میں فیصلہ قرآن وحدیث سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. یٰـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:۵۹) یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اگر تم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اس (معاملہ) کو اللہ اور اللہ کے رسول کے پاس لے جاؤ. جتنے صحابہ مختلف شہروں میں بود و باش رکھتے تھے وہاں کے لوگوں نے اُن سے علم دین حاصل کیا مگر مشرق ومغرب کے اکثر مسلمانوں نے علی سے کچھ بھی نہیں سیکھا، کیونکہ علی جب مدینہ میں رہتے تھے تو مدینہ کے لوگ ان کے زیادہ محتاج نہ تھے، اور اگر تھے بھی تو اتنے ہی تھے جتنے اُن کے اور ہمعروں کے تھے مثلاً عثمان غنی وغیرہ۔ اور علی کوفہ گئے تو وہاں کے لوگ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے دین کو اُن لوگوں سے سیکھ چکے تھے جنھیں عمر فاروق نے کوفہ بھیجا تھا یعنی سعد بن ابی وقاص ابن مسعود. حذیفہ. عمار اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ. اب رہے اہل بصرہ انھوں نے عمران بن حسین ابوبکر. عبدالرحمٰن بن سمرہ اور انس وغیرہ. سے علم دین حاصل کیا تھا اِس کے علاوہ اہل شام معاذ بن جبل. عبادہ بن صامت. ابودردا اور بلال وغیرہ کے علم دین میں شاگرد تھے. ان شہروں کے عابد زاہدین کو اُن ہی صحابہ سے حاصل کر لیتے تھے جو انھیں ملتے تھے. کوئی کسی کی کچھ خصوصیت نہیں سمجھتا تھا. بھلا یہ کہنا کیونکر ٹھیک ہوسکتا ہے کہ اہل زہد اور اہل تصوف کا طریقہ علی ہی سے تعلق رکھتا ہے. زہد کی کتابیں موجود ہیں انھیں غور سے پڑھو کسی کتاب میں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طریقہ کا تعلق خاص علی ہی سے ہے۔ امام احمد کی کتاب موجود ہے ابن المبارک. وکیع بن حراح کی کتابیں. حلیۃ الاولیاء. صفۃ الصفوہ وغیرہ جن میں صحابہ اور تابعین کے قصے بہت ہیں اب بھی دستیاب ہوسکتی ہیں. ان کتابوں میں علی کے تصوّف کی بابت کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ ابوبکر. عمر. معاذ. ابن جبل. ابن مسعود. ابی بن کعب. ابوذر. ابوالدرداء اور ابوامامہ وغیرہ سے بڑھے ہوئے تھے.

حضرت علی کا علم فصاحت : شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علی علم فصاحت کے تو منبع تھے بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ علی کا کلام مخلوق کے کلام سے اوپر اور خالق کے کلام نیچے ہے اسی لئے تمام خطیب اِن ہی سے فیضیاب ہوئے ہیں. فقط

جواب: یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ علی بعض صحابہ میں اچھا خطبہ پڑھنے والے تھے مگر ابوبکر کے خطبہ کو ان کا خطبہ نہیں پہنچ سکتا تھا ان کے علاوہ ثابت بن قیس بن شماس تو خطیب رسول اللہ کے نام سے مشہور تھے. یقیناً اور بلا شک ابوبکر کا درجہ ان میں بڑھا ہوا تھا کیونکہ وہ حضور کی موجودگی اور عدم موجودگی غرض ہر حالت میں خطیب ہوتے تھے۔ جب حضور موسم حج میں باہر تشریف لیجاتے تھے تو آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اور حضور انور کے لئے ہر جگہ خطبہ پڑھتے تھے۔ جس خطبہ میں آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور حضور انوار ابوبکر کا خطبہ خاموشی سے سنتے تھے اور اسی پر بس کر لیتے تھے۔ ابوبکر کا خطبہ حضور انور کی معنوبت کے لئے آپ کی تبلیغ کا توطیہ تمہید ہوتا تھا نہ یہ کہ وہ اللہ کے رسول سے پیش قدمی کرتے تھے اس طرح ثابت ابن قیس بھی بعض اوقات حضور انورا کی طرف سے خطبہ پڑھ دیتے تھے جس سے اس کا نام خطیب رسول اللہ پڑ گیا تھا۔ جب حضور انور اور ابوبکر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ مدینہ آئے ہیں تو حضور کی طرف سے سب سے پہلے ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا آپ کی فصاحت و بلاغت آپ کا رحمانی جوش اُس وقت موجزن ہوا کہ جن لوگوں نے آپ کا خطبہ سُنا اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ محمد رسول اللہ یہی ہیں مگر بعد ازاں اُن کی غلطی کی اصلاح ہو گئی۔

حضور انور کی وفات کے بعد بھی ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا سقیفہ کے دن بھی ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا اور یہ ایسا خطبہ تھا. جس سے تمام حاضرین کو بہت بڑا فائدہ ہوا یہاں تک کہ عمر فاروق نے یہ فرمایا کہ میں نے اپنے دل میں ایک نہایت عمدہ تقریر سوچی تھی میں چاہتا تھا کہ اُسے ابوبکر کے بیان کرنے سے پہلے ہی بیان کر دوں کیوں کہ مجھے وہ بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی اور میں اُس کے جملوں کی اُلٹ پھیر کر رہا تھا تا کہ اسمیں کسی قسم کی کوئی بات غیر مناسب نہ ہو جائے مگر جب میں نے بولنا چاہا تو ابوبکر نے مجھے منع کر دیا کہ ذرا ٹھہرو اس وقت اُن پر خفا ہونا مجھے مناسب نہ معلوم ہوا میں خاموش ہو

کے بیٹھ گیا پھر ابو بکرؓ نے بیان کیا تو واقعی وہ مجھ سے زیادہ باوقار ہوشیار تھے قسم ہے اللہ کی جو باتیں میں نے غور وخوض کے بعد پیدا کی تھیں وہ سب بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ ابو بکر نے فی البدیہ بیان کر دیں کوئی بات ان میں ایسی نہیں رہی جو ابو بکر نے نہ بیان کی ہو. انس کہتے ہیں کہ ابو بکر نے ہمیں خطبہ سنایا اُس سے پہلے ہم پریشانی کی وجہ سے مثل لومڑیوں کے تھے وہ برابر ہماری دل جمعی کرتے رہے یہاں تک کہ ہم مثل شیروں کے ہو گئے ۔ زیاد بن ابیہ بھی بہت سلیس اور بلیغ خطبہ پڑھتے تھے. اُن کی نسبت شعبی کا قول ہے کہ میں جس کا کلام سُنتا تھا اُس کے خاموش ہو جانیکی تمنا کیا کرتا تھا اِس اندیشہ سے کہ زیادہ کہنے کی وجہ سے کہیں اکتا نہ جائے اور پھر اُس کے کلام کا لطف جاتا رہے سوائے زیاد کے کہ وہ جتنا زیادہ کہتے تھے اُسی قدر بیان پُر لطف ہوتا جاتا تھا اسی وجہ زیاد کے خطبے بہت سے لوگوں نے لکھے ہیں اب سُنیے! حضرت معاویہ اور عائشہ صدیقہ کے بھی بہت بلیغ خطبے ہوتے تھے احنف بن قیس کا قول ہے کہ میں نے ابوبکر عمر فاروق عثمان اور علیؓ کے خطبے سُنے ہیں لیکن عائشہ صدیقہ سے زیادہ مؤثر اور بلیغ خطبہ میں نے کسی مخلوق کا اپنی عمر میں نہیں سنا اِس کے علاوہ عرب میں اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بڑے بڑے خطیب ہوئے ہیں لیکن ان سب نے علی سے کچھ نہیں سیکھا پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علم فصاحت کے منبع علی ہی تھے صریح جھوٹ ہے اس کی بڑی دلیل یہ ہی کہ حضور انور یقیناً علی سے زیادہ فصیح و بلیغ خطبہ پڑھتے تھے حالانکہ آپ نے علیؓ سے کبھی کچھ نہیں سیکھا تھا بعض لوگ نادانی اور بےوقوفی سے کلام کی فصاحت محض لفاظی میں سمجھتے ہیں خطبائے عرب لفاظی کو جانتے بھی نہ تھے. اُن کا کلام مختصر اور پُر مغز ہوتا تھا مگر ایران میں اِس فصاحت نے لفاظی کا جامہ پہن لیا وہ خطبے جو حضرت علی کے نام سے مشہور کئے جاتے ہیں اور جنکا اصلی مصنف ایک ایرانی ہے پوری لفاظی کا جلوہ دے رہے ہیں اہلِ عرب کی سادگی کی اُنہیں مطلق ہوا تک نہیں لگی. یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کلام میں تشدق کرنے اور سجع لانے کا نام ہرگز فصاحت نہیں ہے حضرت علی کے اصلی خطبوں میں کہیں ان بیہودہ باتوں کا مطلق اثر نہیں پایا جاتا خطباء عرب یعنی صحابہ کے خطبے سجع کے بیہودہ تکلف سے بالکل پاک تھے اور نہ تکلفِ تحسین جسے علم بدیع کہتے ہیں جو محض الفاظ میں ہوتا ہے ان میں پایا جاتا تھا متاخرین شعراء وغیرہ میں یہ آفت موجود ہے قرآن مجید میں جو اس قسم کی آیتیں پائی جاتی ہیں مثلاً وَهُمْ يَحْسَبُونَ اِنَّهُمْ

یُحۡسِنُوۡنَ وَاِنَّ رَبَّھُمۡ بِھِمۡ وغیرہ میں صنعتِ تجنیس کی وجہ سے تکلف نہیں کیا گیا۔

یہ بیان خود مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا تابع ہے جیسا قرآن مجید میں اشعار کے اوزان پائے جاتے ہیں یعنی اکثر جملے اشعار کے مصرعے معلوم ہوتے ہیں مگر مقصود ان سے شعر نہیں ہے مفصلہ ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں۔

وَقَدۡ وَرَ رَاسیات اِنَّ عِبَادِیۡ اَنِّیۡ اَنَا الۡغُفُوۡرُ الرَّحِیۡمَ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ الَّزِیۡ اَنۡقَضَ ظَھۡرَکَ بلکہ وہ بلاغت جس کا اِس آیتہ میں حکم ہے وَ قُلۡ لَّھُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِھِمۡ قَوۡلاً بَلِیۡغًا۔

اس سے مراد علمِ معنی اور بیان ہیں جسکا مطب یہ ہے کہ معنی ایسے بیان کئے جائیں جو مطلوب کے بالکل مناسب ہوں اور الفاظ بھی ایسے ذکر کئے جائیں جو ان معنی کے بیان کرنے میں اعلیٰ درجہ کے ہوں پس بلاغت سے غایت مقصود کو پہنچنا یا عمدہ بیان سے معنی کی غایت کو پہنچنا یا مراد ہے لہذا ابلغ وہی ہے جسمیں یہ دونوں باتیں ہوں یعنی معنی مقصود کی تکمیل اور اسکی غایت کو عمدہ طریقہ سے ظاہر کردے بعض لوگ اپنے مافی الضمیر معنی کو بیان کرتے ہیں لیکن یہ معنی اِس موقع کے مقصود و مطلوب کے ساتھ چسپاں نہیں ہوتے یعنی اس معنی سے ان کا مقصود مطلوب حاصل نہیں ہوتا باقی اُسکے سوا سجع اوزان تجنیس اور تطبیق وغیرہ کا تکلف کرنا متاخرین، شعراء، خطباء، مترسلین اور واعظ کا تکلف ہے جیسا کہ ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں۔ صحابہ تابعین اور فصحاے عرب کا یہ طریقہ نہیں تھا نہ اس کا اہتمام کسی عرب نے آج تک کیا جن لوگوں نے اپنے کلام میں یہ غیر ضروری تکلف کیا اُنہوں نے بغیر کسی مطلوبہ معنی کے الفاظ پر ملمع کردیا ایسے لوگ مثل اس مجاہد کے ہیں جو اوّل درجہ کا بزدل ہو کے تلوار کو ہوا میں پھرانے لگے اسی وجہ سے جب کوئی شاعر مدح یا ہجو میں مبالغہ کرتا ہے تو وہ اُسکے ذریعہ سے جھوٹ میں افراط کرنے کی طرف نکل جاتا ہے تخیلات یا تمثیلات سے مدد لیتا ہے اسی لیے شائستہ جلسوں اور مہذب انجمنوں میں شعراء کے کلام کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اس بیہودہ مبالغے اور جھوٹ بولنے سے مشرقی دنیا میں شعراء بھانڈوں کے پہلو بہ پہلو شمار کئے گئے ہیں قومی تمدن، محسوسات اور جذبات پر اُن کا کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بالکل ایک کم وقعت چیز ہیں اگر تمام شعراء یک قلم ملک سے بدر کردئے جائیں تو قوم کسی قسم کا نقصان

اُس سے نہیں اُٹھا سکتی واقعات پر بحث کرنا انہیں مطلق نہیں آتا وہ اپنے خیال کی پیروی کرتے ہیں جنکا خیال محدود ہے اور اس پر تمدن کا مطلق اثر نہیں پڑا ہم نہج البلاغۃ کی نسبت کئی دفعہ اشارۃً لکھ چکے ہیں جو خطبے حضرت علی کے نام سے اس میں درج کئے گئے ہیں یقیناً اور بلاشک حضرت علی کے ذمے محض بہتان اور جھوٹ لگایا گیا ہے۔ اِس قسم کے کلام سے حضرت علی کی شان کہیں ارفع و اعلیٰ تھی مگر تیز طبع موجدوں نے طرح طرح کی جھوٹی باتیں خود گڑھ کے اپنے دل ہی دل میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم حضرت علی کی بہت بڑی مدح کر رہے ہیں حالانکہ وہ مدح نہیں ہے اور درحقیقت نہ وہ حق ہے اور نہ مدح ہے۔ جس شخص نے یہ کہا کہ انسانوں میں حضرت علیؓ کا کلام ساری مخلوق سے فوقیت رکھتا ہے۔ اُس نے بڑی بھاری غلطی کی کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کلام سے بدرجہا فوقیت رکھتا ہے اور یہ دونوں مخلوق ہیں اسکے علاوہ وہ معنیٰ صحیحہ جو علی کے کلام میں پائے جاتے ہیں وہ اوروں کے کلام میں بھی بکثرت ہیں لیکن نہج البلاغہ کے مصنف اور اس کے ہم خیالوں نے اور لوگوں کا اکثر کلام لے لے کے اُسے علی کا کلام ٹھہرا دیا ہے۔ نہج البلاغۃ کے دو حصے کرنے چاہیں ایک حصہ تو وہ ہے جس میں خاص حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ خود آپ نے ایسا فرمایا تھا ان میں بعض باتیں حق بھی ہیں یعنی یہ کہ علی ایسا کہہ سکتے تھے لیکن درحقیقت وہ علی کا کلام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جاحظ وغیرہ کی کتابوں میں بہت سا کلام اور فصیح فصیح جملے اور لوگوں سے منقول ہیں۔ حضرت علی کا وہاں نام بھی نہیں ہے لیکن نہج البلاغۃ کے مصنف کی دلیری دیکھئے کہ وہ اسی کلام اور جملوں کو زبردستی حضرت علی کے سر چپیک دیتا ہے۔ یاد رکھیے! یہ خطبے جو نہج البلاغۃ میں منقول ہیں اگر یہ سب کے سب علی ہی کا کلام اور اُن ہی کی طرف سے ہوتے تو اس کتاب سے پہلے بھی ضرور موجود ہوتے اور سندوں اور بغیر سندوں کے حضرت علی سے برابر منقول ہوتے مگر جسے منقولات سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ یقیناً شہادت دیگا کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبے اس کتاب کی تصنیف سے پہلے کہیں نہ تھے پھر ان خطبوں کے جھوٹا ہونے میں کیا شک ہے نہج البلاغہ کے مصنف نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ یہ خطبے اس نے کس کتاب سے نقل کئے ان کو علیؓ سے کس نے نقل کیا ہے اور اُن کی اسناد کیا ہیں اب رہا محض دعویٰ ہی دعوی یہ تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ چاہے جو کچھ کردے

کسی کی زبان نہ کبھی پکڑی گئی نہ پکڑی جا سکتی ہے۔

حضرت علی کا آسمانی علم: شیعی علما فرماتے ہیں کہ جناب امیر نے ایک دن یہ ارشاد کیا تھا کہ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو میرے مرنے سے پہلے پوچھ لو اور مجھ سے آسمان کے راستے دریافت کرلو کیونکہ میں اُن راستوں کو زمین کے راستوں سے زیادہ جانتا ہوں۔

جواب: حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ میں کبھی بھی مہاجرین اور انصار کے سامنے ایسی باتیں نہیں فرمائیں کیونکہ حضرت علیؓ کو جتنا علم تھا اسی قدر بلکہ اُس سے بھی زیادہ مہاجرین اور انصار کو تھا ہاں جب آپ عراق چلے گئے اور دین اسلام میں ایسے لوگ داخل ہوئے جو دین سے بالکل ناواقف تھے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا تھا کیونکہ اُس وقت امام آپ ہی تھے ان لوگوں کو تعلیم دینا آپ پر فرض تھا اسی طرح اور صحابہ بھی برابر مسلمانوں کو جو ناواقف تھے تعلیم دیا کرتے تھے مثلاً جو صحابہ حضور انور کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے اور لوگوں کو اُن کے علم کی ضرورت ہوئی تو اُنہوں نے رسول اللہ سے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں جو خلفائے اربعہ اور اکابر صحابہ نے روایت نہ کی تھیں۔ اِسکی وجہ صرف یہ تھی کہ انہیں ان ہی حدیثوں کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ جو لوگ اُن کے زمانہ میں تھے وہ مثل اُن کے اُن حدیثوں کو جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ ابن عمر ابن عباس عائشہ صدیقہ انس جابر اور ابوسعید وغیرہ صحابہ سے اس قدر حدیثیں مروی ہیں نہ اتنی علی سے مروی ہیں نہ عمر سے حالانکہ عمر اور علی دونوں مذکورہ بالا صحابہ سے زیادہ جاننے والے تھے جبکہ انکی وفات دیر میں ہوئی۔ یعنی ان کے بعد وہ عرصے تک زندہ رہے اس لئے لوگ ان کے زیادہ محتاج ہوئے اور انھوں نے ایسا زمانہ دیکھا جو ان سابقین نے نہ دیکھا تھا اس لئے ناواقفوں کو اُن سے پوچھنے کی ضرورت ہوئی اور ان جاننے والوں کو انہیں بتانے کی حاجت پڑی پس کوفے میں علی کا اپنے پاس رہنے والوں سے یہ فرمانا جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو یہ آپ نے نہ کبھی ابن مسعود سے فرمایا نہ معاذ بن جبل سے نہ اُبی بن کعب سے نہ ابوالدرداء اور سلمان وغیرہ سے چہ جائیکہ آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ان لوگوں میں سے ایک نے بھی علی سے کچھ نہیں پوچھا اگر کوئی ان میں سے علی فتویٰ لیتا تھا تو وہ

فتویٰ لینا ایسا ہی تھا جیسا اُن کے اور ہمسر صحابی سے فتویٰ لیا جاتا تھا اِسی طرح عمر اور عثمان علی سے ایسا ہی مشورہ لیتے تھے۔ جیسا اُن کے اور ہمسروں سے لیتے تھے عمرؓ اکثر امور میں عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف ابن مسعود زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ سے مشورہ لیتے تھے بعض اوقات ابن عباس بھی باوجود اپنی کم سنی کے مشورے میں داخل ہو جاتے تھے یہ مشورہ کرنا اللہ کے حکم کی تعمیل تھی اسی وجہ سے عمر فاروق کی رائے ان کا حکم اور ان کی سیاست سب سے بڑھی رہی ایسی سیاست عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد کسی میں نہیں دیکھی گئی تمام دنیا جانتی ہے کہ جیسا اعزاز ان کے زمانے میں اسلام کا ہوا اور جیسی اشاعت اسلام کی ہوئی نہ ایسا کسی زمانے میں اعزاز ہوا اور نہ اشاعتِ دین کیسرے، قیصرا کی تمام سلطنتوں کو فتح کیا آپ کے شامی لشکر کے سپہ سالار ابوعبیدہ تھے اور عراقی لشکر کے سعد بن ابی وقاص ابوبکر کے بعد نہ کسی کو ایسے افسر ملے نہ خلفاء نہ اہلکار نہ ایسا کسی کا لشکر ہوا نہ اہل شوریٰ۔ اب رہی شیعی علماء کی یہ کہانی کہ حضرت علی نے فرمایا تھا کہ میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستے جانتا ہوں محض غلط اور بالکل لغو ہے۔ جس شخص میں کچھ بھی عقل ہوگی وہ کبھی ایسی بات نہیں کہنے کا۔ صحابہ اور تابعین میں سے کوئی شخص آسمان پر اُڑ کے نہیں گیا کہ وہاں کے راستوں کی پیمائش کرتا خود حضور انور ﷺ کی معراج میں بھی کلام ہے کہ آیا جسم کے ساتھ ہوئی یا روح کے ساتھ یعنی آسمان پر جسم بھی گیا تھا یا فقط روح ہی گئی تھی۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ حضور انور کو مع جسم کے معراج ہوئی تھی تو سلف میں سے کوئی شخص بھی یہ شہادت نہیں دیتا کہ حضور انور کے سوا کوئی دوسرا شخص بھی مع جسم آسمان پر گیا تھا۔ اگر حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے کسی کا مشائخ یا اہلبیت کی بابت یہ عقیدہ ہو جائے تو یقیناً یہ اسی قسم کی گمراہی ہے جیسے غالیہ فرقے کے لوگ اہل بیت وغیرہ میں سے کسی کو نبوت دیتے ہیں اور کسی کو خدا بنا رکھا ہے۔ یہ تمام امور صریح کفر ہیں ان کے کفر ہونے میں علماء اسلام میں سے کوئی بھی شک نہیں کرتا یہ میمون قداح کی اولاد کا عقیدہ ہے۔ جنکا جدِ امجد ایک یہودی اور ایک آتش پرست کا تربیت یافتہ تھا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کی اولاد ہیں اور ان کے اکثر متبعین نے ان کی بابت نبوت بلکہ الٰہیت کا اعتقاد کر لیا تھا ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر نے محمد

ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسی طرح ان غلاۃ میں ایک اور فرقہ ہے۔ یہ لوگ علی اور بعض اہل بیت کے حق میں نبوت اور الٰہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسے ہی نساک میں ایک فرقہ ہے یہ لوگ بھی بعض شیوخ کی بابت ایک قسم کی الٰہیت یا نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ انبیاء سے افضل تھے خاتم الاولیاء کو خاتم الانبیاء سے افضل ٹھہراتے ہیں اسی طرح ایک اور فرقہ ہے جو تمام اولیاء کو کُل انبیاء سے افضل قرار دیتا ہے اور محی الدین ابن عربی کو خاتم الاولیاء بتاتا ہے اور یہ بھی اِس فرقے کا عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیا و خاتم الاولیاء سے مستفید ہوتا ہے اِن کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کامل فلسفی حقائق علمیہ اور معارف الٰہیہ میں نبی سے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اقوال باتفاق کل علماء اسلام کے کفر میں داخل ہیں. فقط

علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے:۔ شیعی علماء کہتے ہیں کہ سب صحابہ اپنے تمام مشکل مشکل مسئلوں میں علی ہی کی طرف رجوع کیا کرتا تھے اور وہی اُن کی مشکلات کو حل کرتے تھے۔ عمر نے اپنے بہت سے فیصلے رد کر دیئے اور یہ کہا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا فقط.

جواب: صحابہ دینی امور میں اکیلے علی یا اور کسی کی طرف رجوع نہ کرتے تھے نہ ظاہر مسئلہ میں نہ مشکل میں جب کوئی بڑا حادثہ پیش آتا تھا تو عمر فاروق سب صحابہ سے مشورہ لیتے تھے جسکا ذکر ابھی ہم اوپر کر چکے ہیں مثلاً عثمان، علی، عبدالرحمٰن، ابن مسعود زید ثابت اور ابو موسی سب ان کے مشیر ہوتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جسے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا وہ کبھی علیؓ سے دریافت کر لیا کرتا تھا، کبھی ابی بن کعب اور کبھی عمر فاروق سے ہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ علی کی بہ نسبت ابن عباس سے مسئلے زیادہ دریافت کئے جاتے تھے اور یہ ابن عباس ہی تھے جو علی کی بہ نسبت بڑی بڑی مشکلات حل کر دیا کرتے تھے۔ یہ بات اس لیے نہ تھی کہ ابن عباس علی سے زیادہ جانتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ جو لوگ علی سے نہ مل سکے اور ابن عباس تک اُن کی رسائی آسانی سے ہوگی اُنہوں نے ابن عباس ہی سے دین کا علم سیکھا اور مسئلے دریافت کئے۔ اب رہے ابو بکر ان کی نسبت کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ انہوں نے علمی امور میں علی سے کوئی بات حاصل کی ہو بلکہ بہت سی جگہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی کو ابو بکر کی شاگردی کا فخر

حاصل تھا چنانچہ صلاۃ توبہ وغیرہ کی حدیثیں اسکی صریح دلیل ہیں. عمر بذات خود علی اور دیگر صحابہ سے زیادہ جاننے والے اور سمجھ دار تھے اور اکثر فیصلوں میں پہلے ہی سے اپنی رائے فرمادیا کرتے تھے۔ اور وہ رائے ایسی صائب ہوتی تھی کہ لوگ آپ کی پیروی کرتے تھے جیسا عمرتین اور عول وغیرہ میں ہاں مشورہ سے انکا نہیں کیا جاتا جس کا بیان اپنی جگہ کئی بار ہو چکا ہے۔ اب رہا شیعی علماء کا یہ کہنا علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے یہ جملہ ایک نحوی کتاب میں آنے سے کچھ ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ ہر شخص خواہ کوئی ہو اُس کا یقین کر چکا ہے شیعی علماء کی چالا کی داد دینے کے قابل ہے کہ انہوں نے قواعد عربی کی کتاب میں اُسے داخل کر دیا تا کہ جو بچہ پڑھے اسکی نظر سب سے پہلے اُسی جملہ پر پڑے۔ اِس جملہ یا قول کی کہیں سند نہیں ہے اور جس نے اُسے نقل کیا ہے اُس نے سخت جھوٹ بولا ہے۔ اب دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے عمر فاروق کی نسبت یہ یقین کر لیتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کہا تو اس میں علی کی فضیلت کی کونسی بات ہوگئی۔

گاہ باشد کہ کود کے ناداں بغلط برہدف زند تیرے
گاہ باشد کہ پیر دانشمند برنیا ید درست تدبیرے

اگر ایسا ایک بار اتفاق ہو گیا کہ عمر فاروق کو کوئی بات نہ سوجھی اور علیؓ نے بتادی تو اُس میں تیس مار خانی کونسی ہوئی عمر فاروق تو ایسی باتیں علی سے بھی کم درجہ لوگوں کے حق میں فرمادیا کرتے تھے یہ آپ کی انتہائی راستبازی، حق پروری اور دین داری کی دلیل ہے۔ مثلاً ایک عورت نے مہر کی بابت جو آپ کے سامنے دلیل پیش کی تو آپ نے فرمایا مرد سے غلطی ہوگئی اور عورت کا کہنا ٹھیک ہوا. اس قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ عمر فاروق کی یہ رائے تھی کہ مہر شریعت سے مقرر ہونا چاہیے جس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازاوج مطہرات اور آپ کی صاجزادیوں کے مہر سے کسی عورت کا مہر نہ بڑھایا جائے جیسا کہ اکثر فقہا کی یہ رائے ہے کہ کم سے کم مہر کی مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے اس سے کم نہ ہو غرض جب مہر شریعت سے مقرر ہو گیا اور اُسکے بعد پھر کسی نے مہر بڑھا دیا تو عورت اُس کی مستحق نہیں ہے اس لیے اس زیادتی کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے جیسا کہ اس شراب کی قیمت

جو کسی مسلمان نے بیچی ہو یا کسی مسلمان نے شراب کے اُٹھالے جانے کی مزدوری لی ہو وغیرہ وغیرہ. تو اس میں ظاہر قول علماء کا یہی ہے کہ ایسا روپیہ بیت المال میں داخل کیا جائے کیونکہ جس نے کچھ عوض دے کے حرام فائدہ اُٹھالیا وہ مثل اُس شخص کے ہے جو خرچی دے کے عورت سے کالا منہ کرے یا کچھ روپیہ دے کے گانا بجانا سنے یا مول لے کے شراب پیئے. اب اگر اسکی غرض پوری ہونے کے بعد یہ روپیہ پھر اُسی کو دے دیا جائے تو یہ معصیت پر اسکی اعانت کرنی ہے اور اگر مے فروش یا کسی وغیرہ کو دیا جائے تو یہ ناپاک عوض اُسکے لیے مباح کیا جائے گا بھلا شریعت اس قسم کی داد و ستد کو کیونکر گوارا کرسکتی ہے۔ عمر فاروق امام عادل تھے اِس لیے ان کی رائے ہوئی کہ شرعی مہر سے جو کوئی مہر بڑھائے اُس میں میں بھی یہی حکم دیا جائے اُس فیصلہ کے ہونے کے بعد ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ ہمیں ایسی چیز سے محروم نہ کیجئے جو اللہ پاک نے اپنی کتاب میں ہمیں عطا کر دی ہے یعنی جس کا اُس نے اپنی کتاب میں حکم دے دیا ہے آپ نے دریافت کیا کہ کتاب اللہ میں کہاں ہے. عورت بولی سنئے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔا‌ؕ دوسری روایت یہ ہے کہ اُس عورت نے آپ سے یہ کہا آپ کی بات مانیں یا کتاب اللہ کی عمر فاروق بہت آمادگی سے بولے نہیں کتاب اللہ کے مقابلہ میں میری بات ہرگز نہ مانو یہ سن کے اُس عورت نے آپکے آگے قرآن مجید کی مذکورہ آیت پڑھی اِس پر آپ نے فرمایا بے شک مرد سے غلطی ہوگئی اور عورت کا کہنا ٹھیک ہوا. باوجود اِسکے علم دین اور الہام کی بابت جیسا حضور انور نے عمر فاروق کے حق میں فرمایا ہے ایسا نہ کبھی عثمان کے حق میں فرمایا نہ علی نہ طلحہ اور زبیر کے حق۔ ترمذی میں ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عمر کی زبان اور دل پر اللہ نے حق کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ ابن عمر کہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب کوئی بات پیش آتی تھی اور اس مین سب اپنی اپنی رائے دیتے تھے اور عمر بھی اپنی رائے دیتے تھے تو بسا اوقات عمر کی رائے کے مطابق آسمان سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ سنن ابوداؤد میں ابوذر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے حق کو عمر کے لیے نوک زبان بنا دیا ہے۔ ترمذی میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول

اللہ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا. صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ فرماتے تھے تم سے پہلی امتوں میں بہت آدمی محدث ہوا کرتے تھے اگرچہ انبیاء نہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہوا تو وہ عمر ہوگا ابن وہب نے کہا ہے کہ محدث کے معنی ملہم کے ہیں یعنی جسے الہام ہو. صحیحین میں مروی ہی رسول اللہ ﷺ نے عمر فاروق سے فرمایا اے ابن خطاب قسم ہے اُس ذات کی جسکی قبضہ قدررت میں میری جان ہے تمہیں جس گلی میں شیطان پھرتا ہوا مل جاتا ہے تو وہ تمہارا رستہ چھوڑ کے دوسری گلی میں بھاگ جاتا ہے (مطلب یہ کہ عمر فاروق کا جس طرف گزر ہوا وہاں شیطانی باتوں کا نام ونشان مٹ جاتا ہے) عمر فاروق کے فضائل میں اِس قسم کی باتیں بہت سے ہیں جنکے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

حضرت علی کی بہادری: شیعی علماء کا قول ہے کہ جناب امیر علیہ السلام سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے آپ کی تلوار سے اسلام کی بنیادیں قائم ہوگئیں اور ایمان کے ستون مضبوط ہوگئے آپ کسی جنگ میں کبھی نہیں بھاگے جیسا کہ آپ کے سوا سب بھاگ گئے تھے آپ نے اپنی جان آڑ کر کے نبی ﷺ کو بچایا تھا یعنی اس وقت کہ آپ بستر پر آپ چادر اوڑھ کے لیٹ گئے تھے اور مشرکین نے یہ سمجھا تھا کہ آپ محمد ﷺ ہی ہیں اور آپ کے قتل پر کل مشرکین نے اتفاق کرلیا تھا علی رسول اللہ ﷺ کے خون کی حفاظت کرنے اور آپکی سلامتی کا سبب ہوئے اِسی کے ذریعے مذہب اسلام کی دعوت کرنے کی غرض بھی پوری ہوگئی صبح کو جب مشرکین نے علی کی صورت کو دیکھا تو منتشر ہوگئے ان کے سب منصوبے غلط ہوگئے اور اُن کی تدبیریں خاک میں مل گئیں۔

جواب: حضرت علیؓ کی بہادری سے کوئی انکار نہیں کرتا وہ منجملہ ہزارہا صحابہ کے ایک بہادر صحابی تھے بیشک حضور انور ﷺ کی ہمراہی میں آپ مشرکین حملہ آوروں سے لڑے جیسا کہ اور صحابہ لڑے مگر کوئی امتیاز ان لڑائیوں میں آپ نے پیدا نہیں کیا کل صحابی نہایت بہادر جفاکش جری اور حضورِ انور پر جان قربان کرنے والے تھے سب کی کوشش سے اور اللہ تعالی کے فضل سے اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں کوئی نادان سے نادان شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا اکیلے علی ہی نے اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ حضرت

علی کی بہادری کے متعلق جو یہ کہا گیا وہ سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے۔ ہاں حضور انور ﷺ سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے اور کسی صحابی کی بہادری یا شجاعت آپ کی بہادری کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ ہر جنگ میں ہمیشہ آپ ہی آگے رہتے تھے یہاں تک کہ خطرناک سے خطرناک موقعوں پر بھی جبکہ دشمن برابر دباتا چلا آتا ہے آپ کا گھوڑا آگے رہتا تھا ایک دفعہ مدینہ میں ایک خوفناک آواز سے کل صحابہؓ چونک پڑے اور جس طرف سے وہ آواز آتی تھی اُس طرف شب کو بہت سے بہادر صحاب شمشیر بدست روانہ ہوئے انہیں راستے میں حضور انور رسول اللہ ﷺ ملے جوان سے پہلے حادثے کے موقع پر پہنچنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ اور آپ اُسوقت تنہا تھے جس قدر مسلمانوں اور کافروں میں لڑائیاں ہوئیں کسی لڑائی میں بھی حضرت علی نے ایسا کام نہیں کیا کہ جس میں امتیاز ہوتا خیبر کا ایک واقعہ ہر بار دوہرایا جاتا ہے خیبر کشا، خیبر شکن ایسے ایسے القاب حضرت علی کو دیئے گئے ہیں مگر ان کچی گھاٹیوں پر جو خیبر کے نام سے مشہور تھیں ہم پہلے اچھی طرح روشنی ڈال چکے ہیں خیبر کی کچی گھاٹیاں بہت ہی معمولی تھیں وہ فتح ہو چکی تھیں۔ صرف اندر جانا باقی رہا تھا۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت علی کسی لڑائی میں نہیں بھاگے اور دوسرے صحابہ بھاگ گئے تھے محض غلط اور سرتاپا جھوٹ ہے حنین کی ہزیمت میں جبکہ ابوبکر و عمر حضور انور کے ہمرکاب تھے حضرت علی کا تو میلوں پتہ نہ تھا میدانِ جنگ سے فرار ہونا اور دشمن کے مقابلے سے پیچھے ہٹنا اس میں بہت بڑا فرق ہے سپاہی خواہ کسی قوم و ملک کا ہو میدانِ جنگ سے کبھی نہیں بھاگنے کا۔ باقی ایک فریق کا چہرہ دست ہو جانا اور دوسرے فریق کو دبانا اور فریق مغلوب کا دبنا اور ذکے پیچھے ہٹنا یہ کسی قسم کی نامردی اور بزدلاپن نہیں ہے۔ بلکہ عین شجاعت یہی ہے کہ بیکار اپنی جانیں نہ برباد کی جائیں اور دشمن کی زد سے اپنے کو بچالیا جائے یہ ہرگز شجاعت نہیں ہے کہ ایک شخص ہزاروں آدمیوں میں جا پڑے کبھی کوئی صحیح الدماغ ایسا نہیں کرسکتا یہ درحقیقت ایک جنون ہے اور مجانین ہے ہمیشہ ایسے دیکھے گئے ہیں جو جلتی آگ میں گر پڑیں چلتی ریل سے کود پڑیں جہاز سے سمند میں گر پڑیں کسی بلند مقام سے نیچے آ پڑیں یا بازار میں تلوار لیکے لوگوں پر وار کریں یہ بہادری نہیں ہے اور اسے شجاعت نہیں کہتے حضرت علی اس میں شک نہیں ایک بہادر سپاہی تھے اور وہ کسی صورت سے بھی بلا مبالغہ دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیرنے والے

نہیں تھے مگر یہی کیفیت ان ہزار ہا صحابہ کی بھی تھی جنہوں نے حضور انور ﷺ کے ہمرکاب ہو کے مکہ فتح کیا تھا۔ ہم نے کہیں بھی کسی کتاب میں کسی شعر میں خواہ وہ زمانہ جاہلیت سے تعلق رکھتا ہو یا زمانہ اِسلام سے یہ نہیں دیکھا کہ صحرا کے فرزند اور سنگلاخ چٹانوں کے رہنے والے کبھی بزدل ثابت ہوئے ہوں۔ وہ سچے مچ شیر تھے شیر ممکن ہے کہ کبھی خوف کھا کے دُم دبا لے مگر یہ ایسے شیر تھے کہ خوف و ہراس کبھی ان کے پاس ہو کے بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ تنہا لڑائی میں تو حضرت علی بیشک بعض صحابہ میں ممتاز تھے اور فوج کے ایک آدھ دستے کو بھی لڑا سکتے تھے۔ مگر سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ اور خالد جیسے سپہ سالارانِ اسلام کی سی اُن میں مطلق قابلیت نہ تھی۔ یہ سپہ سالار بیس بیس اور پچیس پچیس ہزار فوجوں کو لڑانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مگر حضرت علی کو کبھی ایسا موقع نصیب نہیں ہوا۔ اگر جمل کی کہانی کو تسلیم کر لیا جائے تو ہاں بھی حضرت علی کی فتح انکی سپہ سالاری کی قابلیت سے نہیں ہوئی بلکہ اُنکے لشکر کی تعداد عائشہ صدیقہ کے لشکر سے چوگنی بچوگنی تھی جنگِ صفین وغیرہ کی کہانیاں اگر جنگ جمل کی طرح تسلیم کر لی جائیں تو وہاں سوائے ہزیمتوں کے اور کچھ بھی نہیں رکھا یقیناً حضرت علی سپہ سالاری کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں ہمیشہ مخالفوں کے مقابلے میں ناکام رہنا پڑا اپنے فوجی سپاہیوں کا تو انہوں نے بہت کچھ رونا، رویا ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے اور بلاخوف تردید ہم کہے سکتے ہیں کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھے مگر قابل جنرل نہیں تھے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت علی کی تلوار سے اسلام کی بنیادیں قائم ہوگئیں ایک ایسا لغو استدلال ہے جسکی لغویت کی نظیر نہیں ملتی ایک علی ہی کی تلوار سے نہیں بلکہ کسی کی تلوار سے بھی دین اسلام کی بنیادیں مضبوط نہیں ہوئیں اسلام کی بنیادیں اُسکے پیروان کی سچائی راست بازی خوش معاملگی نیک نیتی اور خدا پرستی سے مضبوط ہوئی ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ آج تک ایک کافر بھی کسی مسلمان کی تلوار سے مسلمان نہیں ہوا نہ مذہب پھیلانے کے لیے ایک فرد واحد نے بھی کبھی دنیا میں تلوار اُٹھائی یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تلوار گردنوں کو تسخیر کر سکتی ہے۔ مگر دلوں کو تسخیر نہیں کر سکتی انسانی سالہا سال کے عقائد اور آبائی خیالات کے نقوش کبھی تلوار نہیں مٹا سکتی۔ وہ جھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا مگر وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو اتنا قوی بنا دیا کہ وہ دست بہ شمشیر ہو گئے۔ قرآن مجید

اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ دین میں کبھی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔اس آیت کے خلاف جس شخص نے کیا ہم اُسے مسلمان نہیں سمجھتے ہمارا تو خیال ہے کہ مسلمان ہو کے کوئی کلام اللہ سے انحراف نہیں کرنے کا۔صحابہ نے تلواریں چلائیں اپنی حفاظت کے لیے جب صحابہ لڑے جنگ مدافعت لڑے جب تک وہ ستائے نہیں گئے یا اُن سے عہد شکنی نہیں کی گئی انہوں نے کبھی خصم کے مقابلے میں تلوار نہیں اُٹھائی چونکہ مسلمانوں کا ہر سپاہی تلقین دین اپنا فرض سمجھتا تھا لہٰذا جب کبھی وہ کسی شہر کو فتح کرتے تو وہ ضرور خالقِ ارض وسما کی اس عظیم الشان نعمت یعنی اسلام کو نافرمان مخلوق کے آگے پیش کرتے اور یہ کہتے کہ اگر تم اس نعمت یا آسمانی ہدیہ کو قبول کرلو تو ہمارے بھائی ہو پھر تم میں اور ہم میں کچھ فرق نہیں رہنے کا اور اگر تم اِس نعمت سے روگردانی کرتے ہو تو ہمیں اِس حفاظت کا جو تمہارے دشمن سے تمہاری کریں گے کچھ معاوضہ مقرر کردو جس معاوضے کا نام جزیہ رکھا گیا۔تمام دنیا مسلمان ہوگئی وہ کیوں؟ تلوار سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی راست بازی اور صادق الوعدی کی وجہ سے لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت علی نے دین اسلام کی بنیادیں مضبوط کردیں محض غلط اور بالکل غلط ہے۔اگر آپ محض آزادی اور سچائی سے ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو کہ حضرت علی کی تلوار جب وہ خلفیہ ہوئے ہیں ہمیشہ مسلمانوں پر اُٹھی اور ابوبکر اور عمر کی تلواریں ہمیشہ کسری اور قیصر کے تاجوں پر بجیں یہ واقعات مثل مشاہدات کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا اسلام کو کتنا نقصان پہنچا اگر جمل اور صفین وغیرہ کہانیوں کو مان لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت علی یا ان کے سپاہیوں کی تلواروں نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے تیس چالیس ہزار صحابہ کو کس طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں خاک وخون میں لٹا دیا مگر ہم ان کہانیوں کو نہیں مانتے اس پر بھی اسکا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اگر حضرت علی دس بارہ برس زندہ رہتے تو پھر مسلمانوں کا خدا حافظ تھا۔

اب دوسری بہت بڑی بات یہ ہے کہ شیعی علماء اکثر اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ بعض لڑائیوں میں ابوبکر وعمر حضور انور کو تنہا چھوڑ کے فرار ہوگئے یہ ایسا نہ معقول فسانہ ہے جس کی لغویت کی کوئی انتہا نہیں کسی معتبر نوشتے اور کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ لوگ حضور انور ﷺ سے علیحدہ ہوئے ہوں ہاں اُحد کی لڑائی میں جبکہ مسلمانوں کو اپنی بیوقوفی سے اور حضور

انور رسول اللہ ﷺ کا کہنا نہ ماننے سے چشم زخم اُٹھانی پڑی اور غنیم نے حملہ کیا اور دبایا تو حضور انور ﷺ کا گھوڑا ایک پہاڑی کے نیچے آ گیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ حضور انور ﷺ کو صحابہ سے علیحدہ ہوئے گزرا تھا کہ اُسی حالت میں صحابہ میں ایک انتشار پیدا ہو گیا اور وہ اپنے نبی کی تلاش میں پریشان اِدھر اُدھر پھرنے لگے اور بہت جلدی انہوں نے اپنے نبی کو پالیا اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے اس وقت بھی دشمن برابر حملے کر رہا تھا۔ جسکا مفصل ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر آئے ہیں۔

اب رہا حضرت علی کا حضور کی جگہ لیٹ جانا اس کی مفصل بحث بھی ہو چکی ہے۔ جس کا اعادہ کرنا غیر ضروری ہے۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی نے بہت دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بڑی بڑی تکلیفوں سے بچایا ہے بالکل غلط اور محض لغو ہے۔ کہیں بھی اِس کا پتہ نہیں لگتا کہ علی نے حضور انور ﷺ کی کسی تکلیف کو کبھی رفع کیا ہو حضور انور ﷺ نے اپنے صحابہ کی ہمیشہ بڑی بڑی تکلیفیں رفع کی ہیں اور آپ ہی کے احسان سب پر زیادہ ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ابوبکرؓ کی نسبت یہ کہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کی کسی تکلیف کو رفع کیا تھا تو زیبا ہے۔ کیونکہ جب مشرکین مکہ نے حضور انور ﷺ کو مارنا اور قتل کرنا چاہا تو ابوبکر نے سینہ سپر ہو کے مشرکین سے یہ کہا ہائے بدنصیبو تم ایسے آدمیوں کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے یہ سنکر انہیں غصہ آ گیا۔ اور انہوں نے ابوبکر کو خوب مارا اور سخت ایذا پہنچائی مگر یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ علیؑ کو کبھی اس حمایت کا بھی موقعہ پیش آیا مخالفوں نے حضور انور ﷺ کو گھیر لیا ہو اور علی یا ابوبکرؓ یا اور کسی صحابی نے حضور انور ﷺ کو اپنی تلوار کے بل پر دشمنوں سے نجات دلوائی ہو۔ صدہا بلکہ ہزار ہا چڑے چڑیاں کی کہانیاں بکری جیسے کذاب مصنفوں نے گھڑلی ہیں مثلاً منقلات الانور وغیرہ کتابیں جو جھوٹی اور محض جھوٹی اور غلط روایتوں سے بھری ہوئی ہیں ایسے واقعات ان میں بیان کئے گئے ہیں اہل علم اس پر متفق ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور سراسر بہتان ہے بیوقوفوں نے اِن کتابوں کی روایتوں کو دیکھ کے اپنا اعتقاد خراب کر لیا اور ان ہی کے ہو کے رہ گئے فقط۔

حضرت علی کا قتال: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سب غزووں میں پہلا غزوہ بدر کا ہے رسول اللہ ﷺ کو مدینے آئے ہوئے اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ یہ غزوہ ہوا اس وقت حضرت علی کی عمر ستائیس برس کی تھی اُنہوں نے تنہا چھتیس آدمیوں کو قتل کیا جتنے مشرک غزوہ بدر میں مارے گئے علی کے مقتولین کی

تعداداُن میں نصف سے بھی زیادہ ہے اِسکے علاوہ صحابہ کے ساتھ حضرت علی نے جو مشرکوں کا قتل کیا وہ علیحدہ ہے۔

جواب: یہ بھی محض غلط بالکل غلط اور سراسر لغو ہے۔ وہ تمام علماء جو سیر اور مغازی میں ماہر ہیں۔ اسکی لغویت پر متفق ہیں اِس کا ذکر کسی ایسے راوی نے کبھی نہیں کیا جس پر نقل میں اعتماد کیا جائے۔ صحیح روایت میں یہ ہے کہ کئی حملہ آور مشرک ایسے قتل ہوئے کہ ان کے قتل میں علی کی مطلق شرکت نہ تھی جیسے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، ربیعہ کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا یا تو عتبہ بن ربیعہ یا شیبہ بن ربیعہ اور ابی بن خلف وغیرہ اِس کی کیفیت یہ ہے کہ جب مشرکین میں سے تین آدمی لڑنے کے لیے میدان جنگ میں آئے یعنی عتبہ، شیبہ، اور ولید تو ان کے مقابلے کے لیے لشکر اسلام سے تین انصاری نکل کے آموجود ہوئے انہوں نے دریافت کیا تم کون ہو انصاریوں نے اپنے نام بتائے مشرکوں نے کہا تم شریف خاندان تو ہو مگر ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کی اولاد سے لڑنا چاہتے ہیں تم سے ہمیں کچھ مطلب نہیں ہے حضور انور ﷺ نے جب یہ سُنا تو آپ نے کہا حمزہ اٹھو، عبیدہ اُٹھو، علی اُٹھو ان کے مقابلے میں جاؤ مشرکین حملہ آوروں میں ولید سب سے کم عمر کا تھا اِسی طرح مسلمانوں میں علی کم عمر کے تھے لہٰذا عمر کے لحاظ سے علی اور ولید کا مقابلہ ہوا علی نے ولید کو قتل کر دیا حملہ بھی اپنے مقابل پر غالب آئے کوئی کہتا ہے حمزہ کے مقابلے میں عتبہ تھا کوئی کہتا ہے شیبہ تھا۔ عبیدہ اپنے مقابل کو قتل نہ کر سکے ہاں فقط زخمی کر دیا حمزہ نے اُسکے قتل کرنے میں عبیدہ کو مدد دی بعض کا قول ہے کہ علی نے اُس دن دس آدمی قتل کیے مگر اس میں اختلاف ہے ابن ہشام نے علی کو مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی ہے اور یہی رائے موسیٰ بن عقبہ اور اُموی کی ہے چھ مقتولین میں اختلاف ہے کہ اُنہیں علی نے قتل کیا تھا یا کسی اور نے تین مقتول تو حضرت علی کی تلوار کی نذر ہوئے تھے اور باقی تین میں دوسرے شریک تھے بس یہ ساری کہانی ہے نہ چھتیس کا کسی روایت سے پتہ لگتا ہے نہ بیس کا جو اصلیت تھی وہ ہم نے لکھ دی کہ یہ ساری کارروائیاں طرفیہ کی ہیں ان ہی کے صدقے میں جھوٹی روایتوں کا سیلاب تمام دنیا میں پھیل گیا اور افسوس ہے کہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا حصہ ابھی تک اسی سیلاب میں غوطے مار رہا ہے انشاء اللہ اس سیلاب کی بھی عمر پوری ہو جائیگی اور یہ جدید تحقیق کے ارضِ مقدس میں جذب ہو کے رہ جائے گا اور

پھر صدق و کذب آنکھوں سے دکھائی دینے لگے گا۔ فقط

حضرت علی اور غزوہ اُحد: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں سوائے جناب امیر علی علیہ السلام کے سب بھاگ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ دیا تھا بعد ازاں جو چند آدمی لوٹ کے رسول اللہ کے پاس آئے ان میں سب سے اوّل عاصم بن ثابت ابو دجانہ اور سہل بن حنیف تھے۔ اب رہی عثمان وہ تو تین دن کے بعد آئے تھے اُن کی صورت دیکھ کے رسول اللہ نے فرمایا کہ اے عثمان تم نے تو اس غزوہ میں بالکل اپنی آبرو کھو دی اِسکے برخلاف علی کی شان پر فرشتوں تک کو تعجب ہوا چنانچہ جبرائیل آسمان پر چڑھتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے۔ **لا فتی علی لا سیف الا ذوالفقار** پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں اس غزوہ میں علی نے بہت سے مشرکین قتل کئے تھے اور یہ غزوہ ان ہی کے ہاتھ پر فتح بھی ہوا تھا۔ پھر شیعی علماء فرماتے ہیں قیس بن سعد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے غزوہٗ احد کے دن میرے سولہ زخم آئے تھے جن میں سے چار زخم کھا کے میں زمین پر گر پڑا تھا اسی عالم میں کہ میں زمین پر پڑا ہوا ہوں کہ ایک خوبصورت شخص میرے پاس آیا اور اُس نے میری پٹی پکڑ کے مجھے کھڑا کر دیا اور کہا اے علی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں اُن پر حملہ کرو انہیں قتل کرو اللہ اور اللہ کے رسول تم سے بہت خوش ہیں۔ اِس قصہ کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری عرض کر دی رسول اللہ نے مجھ سے دریافت کیا علی تم نے پہچانا یہ کون آدمی تھا میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ وحیہ کلبی کی شباہت سے اُس شخص میں معلوم ہوتی تھی رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا علی اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے اور تمہیں خوش و خرم رکھے یہ جبرئیل تھے۔ فقط

جواب: علی اور جبرئیل کی کہانیاں اس کثرت سے بیان ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے۔ تو ایک ایسا قصہ تیار ہو جس سے زیادہ لذیذ مشرقی فسانوں میں تو کوئی فسانہ نہ نکلے انشاء اللہ کہیں آگے ہم مختصر اس دلکش کہانی کو لکھیں گے۔ اب تو فقط واقعات احد پر بحث کرتے ہیں اور شیعی روایتوں کو جانچتے ہیں کہ وہ کیا وزن رکھتی ہیں شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہے ممکن ہے کہ وہ شخص جو غزووں کے حالات

سے محض ناواقف ہو شاید یقین کر لے مگر جسے اِن غزووں کے حالات کا علم ہے وہ اِن چڑے چڑیاں کی کہانیوں کو چانڈو بازوں کی گپوں اور مجذوبوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دینے کا بلکہ اُن سے گرا ہوا سمجھے گا۔ کیا تماشہ کی بات ہے (جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس غزوہ میں علی نے بہت سے مشرکین کو قتل کر دیا تھا۔ اور فتح بھی اُن ہے کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔ افسوس صد افسوس۔ واقعی بات سچ ہے جھوٹ کی آفت اور اِسکا سبب جہل ہوتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ اس غزوہ میں فتح ہوئی تھی. لاحول ولاقوۃ بچہ بچہ جو واقعات اسلام سے واقف ہے اِسے جانتا ہے کہ احد کی گھاٹی میں پہلے تو مسلمانوں نے مشرکین کو بھگا دیا تھا۔ مگر بعد ازاں جنگجو مسلمانوں نے یہ سمجھ کے کہ ہماری فتح ہوگئی ہے۔ اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن جبیر جو تیر اندازوں کے اِس پرے کی کمان کر رہے تھے اُنہوں نے بھتیرا چاہا کہ اُنکے سپاہی جگہ نہ چھوڑیں مگر وہ اِس ہنگامہ میں کامیاب نہیں ہوئے. دشمن کو یہ غنیمت ہوا وہ پلٹ کے اُن پر آ پڑا اِس وقت دشمن کے اِس دستہ کی کمان خالد بن ولید کر رہا تھا۔ وہ یہ مورچہ خالی دیکھ کے مسلمانوں پر آ پڑا اور اُنہیں دبانا شروع کیا اُس روز ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور حضور انور ﷺ رسول اللہ کے پاس سوائے بارہ آدمیوں کے اور کوئی نہ رہا تھا۔ اِن ہی بارہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے یہ دن حقیقت میں بہت سخت آزمائش کا تھا دشمن فتح یاب ہو کے واپس گئے. مشرکین میں سے صرف چند آدمی قتل ہوئے قریش نے رسول اللہ کے قتل کرنے کی بھتیری تدبیریں کیں مگر کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ جاں نثار صحابہ کا چھوٹا سا دستہ جو بطور باڈی گارڈ کے حضور انور ﷺ کے ساتھ تھا۔ اِس نے قریشوں کے دھاوے کو نہیں چلنے دیا اِس دستے میں ابوبکر و عمر علی نہیں تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے دستے سے جنگ کر رہے تھے حضور انور ﷺ کی مبارک پیشانی زخمی ہوگئی تھی۔ شیعی علماء کا یہ کہ اُس روز علی کے سولہ زخم آئے جن میں سے چار زخم کھا کے آپ زمین پر گر پڑے یہ علی کے ذمہ نرا بہتان ہے اہل علم کے نزدیک مشہور و معروف کتابوں میں سے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں ہے شیعی علماء کو بتانا چاہیے کہ اس کی اسناد کہاں ہیں اور اہل علم میں سے اُسے کس نے صحیح کہا ہے اور ان کتابوں میں سے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے. ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اِس مورچے کے قریب پہنچے تو علی تھوڑی دیر کے بعد نمودار ہوئے اور اپنی ڈھال میں مہراس بھر کے حضور انور ﷺ کی خدمت میں لائے تا کہ آپ پی لیں اس میں آپ کو کچھ بدبو

معلوم ہوئی آپ نے اُسے نہ پیا۔ ہاں اپنے چہرے کا خون دھولیا ابن اسحاق وہ شخص ہے کہ شیعیت کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے پس غزوہ اُحد کے یہ واقعات ہیں جو ہم نے بیان کئے. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ عثمان تین دن کے بعد آئے تھے محض جھوٹ اور غلط ہے اور ایسے ہی یہ قول بھی ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ جبرئیل آسمان پر اُڑتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے لافتـی الا علـی الـــخ کیسی مضحکہ خیز اور بے بنیاد باتیں ہیں کیسی ذوالفقار اور کیسے علی کو ذوالفقار سے تعلق ہی کیا تھا ابوجہل کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا اُسی کی یہ تلوار تھی جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی تھی اور وہ حضورانور کے حصے میں آئی تھی اور اُحد کے دن بھی آپ ہی کے پاس تھی. امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابن عباس سے یہی روایت کی ہے حضورانور ﷺ نے خواب دیکھا تھا اور وہی خواب صحابہ سے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنی تلوار ذوالفقار میں شکستگی دیکھی ہے اور اسکی تعبیر میں نے یہ لی ہے کہ تمہیں شکست ہوگی چنانچہ غزوہ اُحد واقع ہوا اور اسمیں مسلمانوں کو شکست ہوئی. ذوالفقار کی کہانیاں بھی عجیب وغریب ہیں مثلاً بہت سے اصحاب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب آپ اس سے کسی کو مارتے تھے تو وہ کئی کئی ہاتھ بڑھ جاتی تھی. صحیح الدماغ پڑھے لکھے اور علماء اسے خوب جانتے ہیں کہ ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا نہ علی کی تلوار میں نہ کسی اور کی تلوار میں. ان کہانیوں پر بحث کرنا بھی عبث ہے یہ کہانیاں تو ایسی ہیں کہ انہیں فقط نقل کر دیا جائے اور کچھ نہ لکھا جائے کیونکہ ایک معمولی عقل کا شخص بھی ان کی لغویت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے. پھر حضرت علی کے ہاتھ کی کہانی اور وہ یہ ہے کہ خیبر کے دن آپ کا ہاتھ اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ سارا لشکر اُس پر چڑھ بیٹھا تھا پھر خچر کی کہانی ہے کہ آپ نے ایک خچر کے حق میں بددعا کی تھی کہ اللہ تعالے تیری نسل قطع کردے اُسی روز سے اُسکی نسل قطع ہوگئی. یہاں بھی خوب پیٹ بھر کے جھوٹ بولا گیا ہے علیؓ کے پاس خیبر کے معرکہ میں کوئی خچر ہی نہ تھا یہاں تک کہ حضورانور ﷺ کی زندگی میں کسی مسلمان کے پاس کوئی خچر نہیں تھا ہاں حضورانور ﷺ کے پاس صرف ایک خچر تھا جو مقوقش شاہ مصر نے حضور ﷺ کے لیے تحفتاً بھیجا تھا۔ مگر یہ خچر غزوۂ خیبر کے بعد آیا تھا. خچر کی نسل حضرت علی سے پہلے ہی کی یونہی چلی آتی ہے صرف اُن کی بددعا سے خچر کی قطع نسل نہیں ہوئی اگر اُن کی بددعاء کو مان بھی لیں تو صرف ایک خچر کے حق میں مان سکتے ہیں. نہ کہ جنس کے حق میں ان کہانیوں میں اُونٹ کے کوہان کی

کہانی بھی بہت ہی دلکش ہے بعض دل چلوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اہل بیت کے چند آدمی کہیں قید ہو گئے ظالمو! نے اُنھیں ننگا کر کے اونٹوں پر سوار کر دیا تھا اُن کی ستر پوشی کے لیے اونٹوں کی پیٹھ پر کوہان پیدا کر دیئے اس کہانی کی حقیقت آپ پر خود روشن ہو گئی ہو گی کس دلیری سے جھوٹ بولا جاتا ہے اسلام کے زمانے میں اہل بیت میں سے کبھی کوئی قید نہیں کیا گیا نہ اُن کی عورتوں کو ننگا کر کے کبھی اونٹوں پر سوار کیا گیا تا کہ اُن کی ستر پوشی کے لیے کوہان کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوتی کبھی مسلمانوں کے زمانے میں بنی ہاشم کو کسی نے بُری نگاہ سے نہیں دیکھا ہاں بد قسمتی سے اِس ہندوستان جنت نشان میں اہل بیت کے سچے عاشق اور جوشیلی محبت کا دم بھرنے والے یعنی ہمارے شیعی بھائیوں کی عام مجالس میں کھلے بندوں خاندان نبوت کی بے گناہ خواتین اور معصوم بچیوں پر جس طرح تبرے کی بھر مار ہوتی ہے پناہ بخدا کہیں اُن کے شامی سپاہیوں کے ہاتھ سے بال کھنچوائے جاتے ہیں کہیں اُن کی چادریں کھنچوائی جاتی ہیں کہیں اُن کے کلوں پر تھپڑ لگوائے جاتے ہیں کہیں بھُس اُڑوایا جاتا ہے غرض لغت میں توہین کے جتنے الفاظ مل سکتے ہیں اُن سے مطلق دریغ نہیں کیا جاتا۔

غزوۃ الاحزاب اور حضرت علی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوۃ الاحزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں جب اِس کی تیاری سے نبی ﷺ فارغ ہوئے تو قریش نے دس ہزار جوانوں سے مسلمانوں پر چڑھائی کی اِن کا سپہ سالار ابوسفیان تھا کنانہ اور اہل تھامہ بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ ہو لئے جب اہل نجد نے غطفان قبیلے میں دیکھا کہ اس وقت مسلمانوں پر عام چڑھائی ہو رہی ہے تو وہ بھی اُن کے ساتھ ہو لئے اور مسلمانوں کے بلندی اور نشیبی مقامات میں اُتر آئے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اِذْ جَاۤئُكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں نبی ﷺ تین ہزار آدمیوں کو لیکر میدانِ کارزار میں آئے پہلے آپ نے اپنے اور دشمن کے بیچ میں ایک خندق کھدوائی اِس اثناء میں یہودی بھی حملہ آوروں کے ساتھ ہو گئے اب مشرکوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اِس تعداد پر ان کی یہاں تک جرأت ہوئی کہ عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کے خندق کی ایک گھاٹی سے نکل کے مسلمانوں کی طرف آئے اور جنگ کی

درخواست کی اُسی وقت علی اُن سے لڑنے کو کھڑے ہوگئے مگر نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ عمرو ہے آپ خاموش ہو کے بیٹھ گئے اُس نے پھر دوبارہ اور سہ بارہ جنگ کی درخواست کی ہر دفعہ علیؓ ہی کھڑے ہوتے تھے اور نبی کے اِس کہنے سے کہ یہ عمرو ہے بیٹھ جاتے تھے جب چوتھی بار اُس نے یہ درخواست کی تو نبی نے علی کو اجازت دے دی حضرت علی نے اُس سے فرمایا کہ تو نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ قریش کا کوئی آدمی اگر تجھے دو امروں میں سے ایک امر کی طرف بلائے گا تو تو اُسے ضرور اختیار کرے گا۔لہٰذا میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اسلام قبول کرلے عمرو نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں اس پر علی نے کہا اچھا تو تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جا اُس نے کہا میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا حضرت علی نے فرمایا اگر تو مجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا تو میں تو تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں یہ سُن کر عمرو کو غصہ آ گیا اور اُسی وقت گھوڑے سے اتر پڑا اور اب تلواریں چلنی شروع ہوئیں حضرت علی نے فوراً اُسے قتل کر دیا عکرمہ اپنے ساتھی کو مقتول پا کے بھاگ گیا اسی طرح چالیس پچاس ہزار حملہ آوروں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ سب سر پر پاؤں رکھ کے فرار ہو گئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علی کا عمر بھر میں صرف دو کا فر قتل کر دینا ثقلین کی ساری عبادت سے بہتر اور افضل ہے۔

جواب: آپ بغیر کسی تحقیق کے اور بغیر کسی سند کے اگر غور سے اس حکایت کو دیکھیں گے تو بے ساختہ منہ سے نکل جائیگا کہ اِس سے زیادہ جھوٹ دنیا اور کوئی نہیں بول سکتا. خیال کیجئے کہ دس ہزار تو مشرکین کی تعداد بیان کی جاتی ہے اور اُن کے ساتھ تین بڑے بڑے قبیلے ذکر کئے گئے ہیں اور پھر یہودی علیحدہ رہے تو کم سے کم کل تعداد مخالفوں کی چالیس پچاس ہزار ہوگی اور یہ چالیس پچاس ہزار فوج تین چار میل کے فاصلہ پر تو ضرور ہی پھیلی ہوئی ہوگی۔حملہ آوروں میں سے ایک شخص نے بھی عمرو بن ود، اور علی کی لڑائی نہیں دیکھی کیونکہ وہ سب لوگ خندق کے پرے تھے اور مقتول اور اُسکا ساتھی عکرمہ خندق کے اس پار تھے عمرو کا قتل ہونا اور عکرمہ کا گھاٹی سے اُتر کے اپنے کیمپ میں پہنچ جانا یہ کسی صورت سے کل فوج کی پریشانی کا باعث نہیں ہوسکتا اور کسی غزوہ میں بھی قریش کی طرف سے ایسی نامردی ظاہر نہیں ہوئی کہ انکا صرف ایک شخص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے اور وہ دو ہزاروں کی تعداد میں بھاگ جائیں ایک بزدل سے بزدل اور نامرد سے نامرد جماعت بھی ایسا نہیں کر سکتی ہے. یاد

رکھیے کہ ایسی من گھڑت کہانیاں کسی صورت سے بھی حضرت علی کا وقار نہیں بڑھا سکتیں یہ کذب جو اس دلیری سے بولا گیا ہے اِسے کذب بار دکھانا چاہیے عمرو بن ود کے قتل ہونے کے بعد بھی قریش مسلمانوں کا اسی طرح محاصرہ کئے رہے مگر جب قہر خداوندی تند اور تیز آندھی کی صورت میں ان پر نازل ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اِسکے متعلق صاف اور کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا. وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ٥ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (الاحزاب:۹،۱۰) یعنی اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم پر کافروں کے لشکر آ پہنچے تو ہم نے اُن پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے آئے اور تمھارے نیچے سے آئے اور جب اُن کی کثرت دیکھ کر تمھاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تمھارے دل حلق کو آ گئے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر تے تھے۔ فقط اِس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے قتال نہیں کیا اور نہ قتال کی وجہ سے مشرکین کو اللہ نے پھیرا بلکہ اُن کو بھگانے کی ایک اور صورت کر دی اہل علم کے ہاں حدیث تفسیر، مغازی اور سیر سے یہی متواتر و مشہور ہے اب کوئی یہ کیوں کر کہ سکتا ہے کہ علی کے ہاتھ سے عمرو بن ود کے قتل ہونے سے سارے مشرک بھاگ گئے تھے پھر شیعی علماء نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس قتل کرنے پر نبی ﷺ نے علی کو ثقلین یعنی تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر و افضل قرار دیا ہے۔ محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے۔ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے اِسی واسطے علماء مسلمین میں سے کسی نے اِسے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا جس پر اعتماد کیا جاتا بلکہ اسکی اسناد بھی معروف نہیں ہیں نہ صحیح نہ ضعیف یہ کیونکر ہو سکتا کہ ایک کافر کا قتل کرنا تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہو جائے اسلئے کہ اُس میں تو انبیاء کی عبادت بھی داخل ہے کیونکہ ثقلین میں وہ بھی ہیں۔ اسی کو دوسرے پہلو سے غور کیجئے کہ ایسے بہت سے کافر قتل کئے گئے جن کا قتل کرنا عمرو بن ود کے قتل کرنے سے بدر جہا بڑھ کے تھا اُس شخص کو رسول اللہ ﷺ سے ایسی عداوت بھی نہ تھی نہ اُس کی ذات سے حضور ﷺ کو اور مسلمانوں کو کوئی

ایذا پہنچی جیسے اور صنادیدِ قریش سے پہنچی تھی جو جنگِ بدر میں قتل کئے گئے تھے. جیسے ابو جہل. عقبہ بن ابی معیط. شیبہ بن ربیعہ اور نضیر بن حارث وغیر. جنکی ایذا رسانی کی بابت قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہیں مگر اِس عمرو کے بارے میں تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی نہ کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ عمرو بن ود حضور انور اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے میں یکتا ہے. نہ اِس کا غزوۂ بدر میں کچھ ذکر ہے نہ اُحد میں نہ اُن کے سوا قریش کے اُن مغازی میں جن میں قریشیوں نے حضور انور ﷺ کا مقابلہ کیا ہے نہ کسی سریہ میں اس کا ذکر ہے. سوائے قصہ خندق کے حالانکہ کتب صحاح اِس قصہ سے بالکل خاموش ہیں حدیث اور تفسیر کی کتابیں ان مشرکین کے ذکر سے. جنھوں نے حضور ﷺ کو ایذا دی ہے بھری پڑی ہیں. عمرو بن ود کا تو کہیں بھی ذکر نہیں. نہ یہ قریش کے جنگی افسروں میں سے تھا پھر بھلا یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے اور کس طرح زیبا ہے کہ ایسے شخص کا قتل کرنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے. لاحول ولاقوۃ. ثقلین کی شیعی علماء نے کیا قدر کی ہے. سبحان اللہ. قتل کریں ایک فرضی شخص کو حضرت علی اور ثقلین کی عبادت کا پلڑہ اونچا ہو جائے.

حضرت علی اور غزوۂ بنی نضیر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ بنی نضیر میں علی نے اِس تیرانداز کو قتل کر دیا تھا جس نے نبی ﷺ کے دانت شہید کئے تھے. اس کے بعد دس آدمیوں کو اور قتل کیا اور بقیۃ السیف کافور ہو گئے.

جواب: جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی! کس طرح آفتاب کی روشنی کو باریک جالی کی چادر سے روکا جاتا ہے اور کس دلیری سے چاند پر خاک ڈالی جاتی ہے بنی نضیر سے حضور انور ﷺ اور مسلمانوں کی کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی. حضور کے دندان مبارک اُحد میں شہید ہوئے تھے. نہ غزوہ بنی نضیر میں. انصاف سے خیال کیجئے کہ فرضی اوصاف حضرت علی کے سر تھوپنے سے شیعی علماء نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں اور کذب کو کس بلند درجہ پر پہنچا دیا ہے. جو روایت یہ حضرات بیان فرماتے ہیں نہ اُسکی کہیں سند بیان کرتے ہیں نہ اُسے صحیح ثابت کرتے ہیں محض جہلا کو دھوکا دینے کے لئے جو چاہا لکھ مارا. کیونکر ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی جزئی مسئلہ میں نقل کو حجت بنانا چاہے اور اس نقل کی اسناد نہ پیش

کرے تو اسکی وہ حجت کس طرح مقبول ہو سکتی ہے. پھر بھلا اصولی مسائل میں ایسی نقل کا حجت ہونا تو خیال میں بھی نہیں آ سکتا اب سنئے بنی نضیر کی حقیقت اِس پر سارے جہان کا اتفاق ہے کہ سورۂ حشر بنی نضیر ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ یہودی تھے ان کا واقعہ اُحد اور غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا. اِس میں نہ کسی نے مقابلہ ہونے کو ذکر کیا نہ کسی کے بھاگنے کو اور نہ کسی نے اِس میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دانت شہید کئے. ہاں اس غزوہ میں حضور انور ﷺ اور مسلمان بیشک شریک ہوئے تھے اور بنی نضیر کا فقط محاصرہ کر لیا تھا باقی اور کچھ نہیں. اِسی بیان میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے . مَـــا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ (حشر:۵) بنی نضیر جب محصور ہو گئے تو وہیں ہاتھ پیر مارتے تھے اور رہ جاتے تھے باہر نکل کے اُنہوں نے جنگ نہ کی. حضور انور نے انہیں اخیر میں جلاوطن کر دیا تھا. صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ سے جنگ کی ٹھان لی تھی اخیر حضور انور نے بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریظہ کو ان کی جگہ رہنے دیا.

غزوۂ سلسلہ اور حضرت علی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک دہقانی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اُس نے یہ خبر دی کہ عربی قبائل مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ اس نیت سے فلاں مقام پر جمع ہو رہے ہیں دہقانی کی اس خبر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میرا جھنڈا کون لیتا ہے. ابوبکر بولے میں لیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے انہیں جھنڈا دے دیا اور سات سو نبرد آزما مسلمان اُن کے ساتھ کر دئے جب یہ وہاں پہنچے تو اُن لوگوں نے ابوبکر سے کہا تم جس طرح آئے ہو اُسی طرح واپس چلے جاؤ کیونکہ ہماری تعداد بہت بڑی ہے تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ سن کے ابوبکر واپس چلے آئے ان کے آنے پر صحابہ سے پھر دریافت کیا گیا. جواب میں عمر نے جھنڈا مانگا چنانچہ وہ گئے اور واپس ہو کے چلے آئے تیسرے روز رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ علی کہاں ہیں. علی بولے یا رسول اللہ میں تو یہیں حاضر ہوں اسی وقت آپ نے اُنہیں اپنا جھنڈا دے دیا آپ وہاں پہنچے نماز صبح کے بعد اُن سے آپ کا مقابلہ ہوا. حضرت علیؓ نے چھ ساتھ آدمیوں کو

فوراً قتل کر دیا اُن کے قتل ہوتے ہی باقی سب بھاگ گئے. اس پر اللہ تعالے نے امیرالمومنین علیؓ کے فعل کی قسم کھا کے یہ فرمایا وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا.

جواب : نہ اس غزوہ کا کبھی حال سنا نہ کسی کتاب میں پڑھا نہ اہل علم میں سے کسی نے اِس کا ذکر کیا سوال یہ ہے کہ اسکی اسناد کیا ہیں جن سے اس نقل کی صحت وغیر صحت پوری معلوم ہو جائے یہ ایک بہتان عظیم ہے جو راشدین صحابہ پر اٹھایا گیا ہے. لاحول ولا قوۃ الا باللہ. یقیناً ویسا ہی جھوٹ ہے جیسا طرقیہ نقل کیا کرتے ہیں عنتر اور بطال کی ایسی حکایتیں بہت ہیں ان ہی میں اس غزوہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے مغازی اور سیر کی مشہور کتابوں میں کہیں بھی اس غزوہ کا نام ونشان نہیں ہے. نہ اِس فن کے ائمہ نے کہیں اِسکا ذکر کیا. موسی بن عقبہ، عروہ بن زبیر، زہری ابن اسحاق، واقدی، سبید بن یحیٰی اموی، ولید بن مسلم اور محمد بن عائدہ وغیرہ اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کل غزوے اور خاص کر وہ غزوے جن میں قتل وقتال تک نوبت آئی مشہور ومعروف اہل علم کے نزدیک متواتر اور استوار ہیں. حدیث، فقہ، تفسیر، مغازی اور سیر کی کتابوں میں حضور انور ﷺ کے حالات کے ساتھ ان کا تذکرہ صاف الفاظ میں پایا جاتا ہے. عادتاً اور شرعاً یہ بات بالکل ممتنع ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوے میں اِس قسم کے امور ظہور میں آتے اور اہل علم میں سے کوئی اُنہیں نقل نہ کرتا اور یہ ممتنع ہونا بعینہ ایسا ہے جیسے ایک دن رات میں پانچ نمازوں سے زیادہ فرض ہونا یا ایک سال میں رمضان شریف کے ایک ماہ کے روزوں سے زیادہ فرض ہونے ممتنع ہیں. اِس کے علاوہ سورۂ والغادیات میں دو قول ہیں ایک یہ کہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور یہ ابن مسعود عکرمہ اور عطاء وغیرہ سے مروی ہے جس سے مذکور قول کا کذب صاف ظاہر ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اِسے ابن عباس اور قتادہ نے نقل کیا ہے تفسیر کی کتابوں میں حضرت علی سے یہ منقول اور مشہور ہے کہ عادیات کی تفسیر آپ حجاج کے اونٹوں سے کرتے تھے اس سے بھی شیعی علماء کی گھڑنت کی عقدہ کشائی ہوتی ہے. سب سے بڑے تماشہ کی بات یہ ہے کہ ایک قوم پر جو لڑنے کے لیے تیار ہو حملہ کیا جاتا ہے مگر دشمن یہ کہتا ہے ہم بہت ہیں اور تم تھوڑے ہو جاؤ ہم سے نہ لڑو حملہ آور سن کے چپکا چلا

آتا ہے اور دشمن بھی ہوں ہاں کچھ نہیں کرتا. یہ ایسی ناپاک کہانی ہے کہ ایک سمجھ دار بچہ بھی اُسے نہیں تسلیم کرنے کا دشمن فطرتاً اپنے دشمن پر قابو پانا چاہتا ہے اور وہ اپنے دشمن کا کمزور پہلو ڈھونڈتا رہتا ہے بھلا اس مسخرے پن کا کچھ ٹھکانا ہے کہ وہ اپنے حملہ آور دشمن سے کہے کہ تم تھوڑے ہو ہماری تعداد زیادہ ہے تم ہم سے مقابلہ نہ کرسکو گے لہذا واپس چلے جاؤ اور وہ شخص ان کی یہ اُلٹی منطق سن کے واپس چلا آئے لاحول ولاقوۃ الا باللہ. ابوبکر وعمرؓ نے کسی غزوہ میں پیٹھ نہیں پھیری. غزوہ حنین میں بعض بدمعاشوں نے جوان کے بھاگنے کی کہانیاں بنالی ہیں اہل علم ان کہانیوں کو چانڈو خانہ کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں غزوہ سلسلہ ایک من گھڑت غزوہ ہے اور اس کے موجد شیعی علماء ہیں باقی ذات السلاسل بیشک ایک سریہ ہے. جس میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن العاص کو افسر بنا کے بھیجا تھا اس لیے کہ اس میں بنی عذرہ سے مقابلہ تھا کہ شاید وہ بغیر جنگ کے مطیع ہو جائیں اور خونریزی کی نوبت نہ آئے. پھر ابوعبیدہ بن جراح کو بھی ابن عاص کے پیچھے روانہ کر دیا تھا. اس سریہ میں علی کا کہیں ذکر نہیں ہے یہ واقعہ مدینہ منورہ سے بہت دور شام کی حدود میں ہوا تھا.

غزوہ بنی مصطلق اور حضرت علیؓ : شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر نے بنی مصطلق سے مالک اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کرلیا تھا. قیدیوں میں جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بھی تھیں جو مسلمان ہو کے رسول اللہ سے نکاح کرنا چاہتی تھیں اسی اثناء میں جویریہ کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ شریف زادی کو تو قید نہیں کیا کرتے آپ نے ارشاد کیا کہ تم جویریہ کو اختیار دے دو کہ خواہ وہ یہاں رہے یا تمہارے ساتھ چلی جائے یہ سنکے جویریہ کا باپ بہت خوش ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے اِس احسان پر شکر گزار ہوا یہ اپنی بیٹی جویریہ کے پاس آیا اور کہا اے بیٹی اپنے خاندان اور قوم کو رسوا نہ کرو میرے ساتھ اپنے گھر چلی چلو. جویریہ نے جواب دیا میں نے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو اختیار کرلیا مجھے تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے.

جواب : یہ سب سے ضروری بات ہے کہ جس نقل سے حجت کی جائے پہلے اُسکی اسناد بیان کر دینی

ضرور ہیں یا کسی ایسی کتاب کا حوالہ دینا چاہیے جس سے حجت ہو سکے ورنہ اس نقل کی صحت وغیر صحت کا علم کیونکر ہوسکتا ہے جو شخص سیرت سے واقف ہے وہ ضرور کہہ سکتا ہے کہ سب باتیں ان ہی جھوٹے قصوں میں کی ہیں جو شیعی علماء نے گھڑ لیے ہیں کیونکہ کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ بنی مصطلق کے غزوہ میں علی نے ایسا کیا تھا علی اور جویریہ بنت حارث کی گرفتاری کیسی انہوں نے ہرگز اس خاتون کو قید نہیں کیا اِس غزوہ کے بیان میں صرف اتنا منقول ہے کہ جویریہ میدان جنگ میں گرفتار ہو کے جب حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر کی گئیں تو حضور انور ﷺ نے اُنہیں آزاد کر دیا اور پھر حضور انور ﷺ کا نکاح اُن سے ہوگیا اس نکاح کا یہ اثر ہوا کہ جویریہ کے قبیلہ کے کل مرد و عورت فوراً رہا کر دیئے گئے. مسلمانوں نے ان کی بہت خاطر مدارات کی اِس خیال سے کہ ہمارے آقا کی سسرال کے یہ لوگ ہیں نکاح کا منشاء بھی بہت بڑا ہی تھا کہ دو قومیں باہم شیر و شکر ہو جائیں چنانچہ ایسا ہو گیا اب یہ کہانی جویریہ کا باپ آیا اور اُس سے حضور انور ﷺ اور لڑکی سے یہ یہ باتیں ہوویں محض فسانہ اور بعد کی گھڑت ہے.

غزوۂ خیبر اور حضرت علیؓ : خیبر کے ساتھ حضرت علیؓ کو لوگوں نے بہت کچھ جھوٹی تعریف کر کے آسمان پر چڑھا دیا ہے مگر اِس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے نہ اِس میں حضرت علیؓ کی کچھ شجاعت ثابت ہوتی ہے نہ فنونِ جنگ کی مہارت یہ ایک فسانہ ہے اور بے جوڑ فسانہ ہے جسکی بابت ہم پہلے لکھ چکے ہیں. یہاں صرف شیعی علماء کی گوہر فشانی پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں.

شیعی علماء فرماتے ہیں. خیبر حضرت امیر المومنین علی ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا. اس جنگ میں پہلے ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا دے کے بھیجا تو وہ بھاگ آئے پھر عمر کو دیا تو وہ بھی بھاگ آئے پھر علی کو دیا اُنہوں نے میدان کارزار میں آتے ہیں مرحب پہلوان کو قتل کر دیا اس کے قتل ہوتے ہی خیبر یئے بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں گھس کے مفرورین نے دروازہ بند کر لیا. امیر المومنین نے اِس قلعہ کا دروازہ اکھیڑ ڈالا وہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ اُس قلعہ کی خندق پر بطور پل کے آپ نے رکھ دیا اِس دروازہ کو بیس بیس آدمی مل کے بڑی مشکل سے بند کیا کرتے تھے دروازہ اُکھیرتے ہی سب مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے. رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کے کہا کہ یہ دروازہ پانسو آدمیوں کی قوت سے

بھی نہیں اُکھڑ سکتا تھا لیکن علی نے قوت ربانی سے اُسے اُکھیر لیا ہے. یہی ذریعہ مکہ فتح ہونے کا تھا.
لعنت الله علی الکاذبین کہنے کے بعد ہم شیعی علماء سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ علماء نقل میں سے اس حکایت کو کس نے نقل کیا ہے اور اس کی سند کہاں ہے اور اُس کا ثبوت کیا ہے خیبر کی مفصل کیفیت سنیے! خیبر سارا ایک ہی دن فتح نہیں ہوا تھا. بلکہ خیبر میں متفرق گڑھیاں تھیں جن میں سے بعض تو بزور شمشیر فتح کی گئی تھیں اور بعض صلح سے صلح ہونے کے بعد جب خیبریئے اپنے معاہدہ سے پھر گئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگئے تو اُن سے خفیف سی جنگ ہوئی اور وہ مغلوب ہوگئے اس جنگ میں نہ ابوبکر بھاگے نہ عمرؓ یہ قصہ چند شریر النفس لوگوں کی ایجاد ہے. ہاں یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ علی نے ایک گڑھی کا دروازہ بیشک اُکھیر لیا تھا مگر اُسکا پُل بنانا یہ چانڈوخانہ کی گپ سے بھی زیادہ ہے. اسی طرح یہ بھی چانڈوخانہ کی گپ ہے کہ مکہ فتح ہونے کا بھی یہی ذریعہ تھا. مکہ کے فتح ہونے میں علیؓ کی کوئی کاروائی نمایاں نہیں ہوئی. جیسا اور حاضرین نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق کیا ایسا ہی علیؓ نے بھی کیا تھا بلکہ فتح مکہ میں بعض باتیں علیؓ سے ایسی ظہور میں آئی تھیں کہ اگر حضور انور دست اندازی نہ کرتے تو علیؓ کے ہاتھ سے کئی خون ناحق ہوجاتے مثلاً علی نے اپنی بہن کے دیوروں کو قتل کرنا چاہا تھا حالانکہ وہ لوگ آپ کی بہن ام ہانی کی پناہ میں آچکے تھے. جس وقت حضور انور ﷺ کو علیؓ کے ارادہ کی اطلاع ملی آپ نے فوراً اُنہیں روک دیا اور حضور انور نے صاف طور پر کہدیا کہ ام ہانی نے جنہیں پناہ دی ہے اُنہیں میری پناہ میں سمجھنا چاہیے علیؓ نے دشمن خدا اور رسول ، ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تھی اس سے فاطمہؓ کو اِس قدر رنج ہوا کہ وہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سخت شکایت کی یہ سن کے حضور انور ﷺ سخت غضبناک ہوئے. فقط.

غزوۂ حنین اور حضرت علی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کے نکلے تھے. ابوبکر نے جنگجو مسلمانوں کو ڈرا دیا اور کہا آج تو ہم اس کثرت تعداد پر بھی کبھی غالب نہیں آسکتے یہ سنتے ہی مسلمانوں کا سارا لشکر فرار ہوگیا. رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف نو آدمی ہاشمی قبیلہ کے رہ گئے ان ہی میں ایمن بن ام ایمن بھی تھے امیر المومنین علی تلوار لیے ہوئے رسول اللہ کے آگے آگے چلتے تھے آپ نے چالیس مشرکین کو قتل کیا باقی سب بھاگ گئے.

جواب : شیعی علماء کی اِس حمیت اسلام اور غیرت مسلمین کی انتہا ہے کہ صرف ابوبکر کی عداوت میں وہ خیر القرون کے بہادر صحابہ کو کیسا بزدل بنارہے ہیں. دس ہزار مسلمانوں کی فوج اور حضور ﷺ اُس کے سرکردہ مگر وہ ایک فقرہ پر سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگ جائے. کسی غیر قوم کا متعصب سے متعصب شخص بھی یہ کبھی نہیں کہنے کا کہ جوشیلے عرب جن کے سپاہ سالار حضور انور رسول اللہ ﷺ ہوں وہ ایسے بزدل نکلیں کہ صرف ایک فقرہ سے اپنے نبی کو چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوں ـ نہ علی اُنہیں روک سکیں اور نہ خود حضور انور پھر تنہا علی چالیس مشکروں کو قتل کر کے میدان کارزار فتح کر لیں اور دس ہزار مسلمان ایک مشرک کو بھی قتل نہ کرسکیں. ہر روایت بغیر کسی سند کے بیان کی گئی ہے. ابوبکر نے کبھی ایسا نہیں کہا. گو بعض ناواقف آدمیوں نے یہ لکھا ہے کہ ابوبکر نے یہ کہا تھا. آج ہم تھوڑے ہونے کی وجہ سے غالب نہ آسکیں گے. مگر یہ بھی محض غلط ہے. بعض آدمیوں نے فوج میں اپنی تعداد کی کمی پر گفتگو کی تھی اور بس. ابن اسحاق نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ اس غزوہ میں رسول اللہ کے پاس مہاجرین انصار اور ہاشمیوں میں سے چند آدمی رہ گئے تھے مہاجرین میں ابوبکر وعمر وغیرہ تھے بنی ہاشم میں علی. عباس اور ان کے صاحبزادے فضل، ابوسفیان بن حارث، ربیعہ بن حارث، اُسامہ بن زید اور ایمن بن ام ایمن تھے. بعض علماء نے قثم بن عباس کو بھی لکھا ہے کہ وہ بھی موجود تھے. مگر ابوسفیان بن حارث کو شمار نہیں کیا. یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابن اسحاق وہ شخص ہے جس کا میلان خاطر بالکل شیعیت کی طرف ہے. وہ یہ تحریر کرتا ہے اُسے خوب دیکھو اور سمجھو کہ ابوبکر وعمر کی نازک سے نازک موقعوں پر موجودگی کیا کہتی ہے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی تلوار لیے ہوئے رسول اللہ کے آگے آگے چل رہے تھے. اور انہوں نے چالیس آدمیوں کو قتل کیا تھا محض جھوٹ اور بالکل غلط ہے اس کے غلط ہونے پر علماء سیر اور مغازی وغیرہ کا اتفاق ہے.

حنین کی جنگ کی اصلی کیفیت یہ ہے کہ مخالفین نے کئی ہزار نبرد آزما گھاٹیوں میں چھپا رکھے تھے اور ہر مقام سے ایسی ناکا بندی کر رکھی تھی کہ زد پر آنے کے بعد پہلو بچانا مشکل تھا مسلمان بالکل بے خبری میں یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھے چلے آئے جب دشمن نے دیکھا کہ وہ ان کی زد پر

آ گئے ہیں اُنہوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا اور ایسا برسایا کہ ٹھکانا نہ رہا. مسلمان اس اچانک حملے سے سخت پریشان ہوئے اور یکا یک قدم پیچھے ہٹ گیا مگر عباس کی آواز نے انہیں پھر واپس بلالیا اور وہ یا لبیک یـــا لبیک کہتے ہوئے اس طرح دشمن پر جھپٹے جیسا بپھرا ہوا غضبناک شیر گورخر پر جھپٹتا ہے اور دم بھر میں اُنہوں نے مخالفوں کا تیا پانچا کر دیا مخالف اپنا سامانِ برداری اور سامانِ حرب چھوڑ کے بھاگے حضور انور ﷺ نے وہ کل سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا.

حضرت علی اور علم غیب: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی عالم الغیب تھے یعنی آئندہ وقعات کو ہونے سے پہلے بتا دیا کرتے تھے. مثلاً جب طلحہ اور زبیر نے عمرہ کرنے کے لیے جانے کی آپ سے اجازت چاہی تو آپ نے قسم کھا کے یہ فرمایا کہ تم عمرہ کرنے نہیں جاتے بلکہ بصرے جانا چاہتے ہو چنانچہ ایسی ہی ہوا. (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) ایک دفعہ آپ بعیت لینے کی غرض سے ذیقار میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں آپ نے یہ فرمایا کہ کوفے کی طرف سے ایک ہزار آدمی تمہارے ہاں آئیں گے اس سے کم ہونگے نہ زیادہ وہ مجھ سے موت پر بیعت کرینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا. اِن میں سب سے پچھلے اویس قرنی تھے. (بقول شیعی علماء) ایک دفعہ آپ نے یہ بیان کیا تھا کہ شہر بان لعین کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور اُسے سولی دی جائے گی چنانچہ معاویہ نے اُسکے ساتھ ایسا ہی کیا. ایک دفعہ آپ نے مسمار التمار سے فرمایا تھا کہ عمرو بن حریث کے دروازے کے پاس تجھے سولی دیجائے گی اور اُسے آپ نے وہ کھجور کا درخت بھی دکھایا تھا جس پر اُسے سولی دینی تھی. یہ واقعہ بھی اِسی طرح ہوا. ایک دفعہ آپ نے فرمایا تھا کہ کہیل بن زیاد کو حجاج قتل کریگا اِسی طرح قمبر کو حجاج ذبح کرے گا. پھر براء بن عازب سے فرمایا کہ میر الختِ جگر حسین شہید کیا جائے گا اور تو اُسکی مدد نہ کرے گا. اور آپ نے حسینؓ کے شہید ہونے کی جگہ بھی بتا دی تھی وغیرہ وغیرہ.

جواب: جتنی باتیں شیعی علماء نے بیان کی ہیں ان باتوں میں انسانی خون کرب و بلا اور قتل وغارت کا رنگ ملا ہوا ہے کوئی پیشین گوئی آپ نے ایسی نہیں کی کہ فلاں ملک مسلمان فتح کر لیں گے وہاں اسلام کا ڈنکا بجے گا فلاں مشرک یا کافر پر اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا اور اُسے ایمان کی دولت عطا کریگا

ان باتوں پر ادبدا کے ایک شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ کیا حضرت علیؓ خونی لباس میں مخلوقِ خدا کو قتل وغارت کرنے کی پیشنگوئیاں کرنے آئے تھے اور آپ کی پیشینگوئیوں میں سوائے انسانی نسل کی بربادی کے اور کسی قسم کی پیشینگوئی نہیں ہے اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے ان پیشنگوئیوں کو صحیح تسلیم کرلیں تو اُن سے حضرت علیؓ کی کچھ برتری ثابت نہیں ہوتی بعض عائبہ امور کو بیان کردینا تو اُن لوگوں سے بھی ہوا ہے جو حضرت علیؓ سے بہت کم درجے کے تھے کیونکہ ابوبکر، عمرؓ اور عثمانؓ کے متبعین میں بعض لوگوں نے اس سے کئی گنا غیب کی خبریں بیان کردی تھیں اور وہ صحیح بھی ہوگئی تھیں ایسی غیب کی خبروں کے بیان کردینے سے راشدین صحابہ پر ان کی فضیلت نہیں تسلیم کی گئی. یہاں تک کہ اپنے زمانے کے بزرگوں سے بھی وہ افضل نہیں قرار دئے گئے ہر زمانے میں اِس قسم کے لوگ موجود تھے اور ہیں اب ہمارے زمان میں بھی اِس قسم کے بہت سے آدمی ہیں جو پیشینگوئیاں کیا کرتے ہیں اور ان کی پیشینگوئیوں کا بہت سا حصہ سچ ہوجاتا ہے. گزشتہ زمانے میں بھی ایسے آدمیوں کے ہونے کا پتہ لگا ہے صحابہ میں سے حذیفہ بن الیمان اور ابوہریرہ وغیرہ نے اِس سے کئی گناہ زیادہ خبریں حاضرین کے روبرو بیان کردی تھیں خود فاروق اعظم نے اِس قسم کی بہت سی باتیں بیان کیں ہیں آپکے علاوہ مختلف اولیاء کے حالات اور کرامات میں بہت سی کتابیں تصنیف ہیں جن میں اِس قسم کی پیشینگوئیاں موجود ہیں اور جنکا اُن کے وقت پر پورا ہونا بیان کیا گیا ہے مثلاً امام احمد کی کتاب الزہد، حلیۃ الاولیا، صفوۃ الصفوہ اور ابومحمد خلال کی مصنفہ کتاب کرامات الاولیا وغیرہ انکے علاوہ ابن ابی الدنیا اور لال کالی کی کتابیں ہیں جن میں ابوبکر وعمر کے بعض متبعین کی کرامتیں مذکور ہیں مثلاً ابوبکر کے نائب علاء بن حضرمی، ابومسلم خولانی، ابوالصہباء اور عامر بن عبدقیس وغیرہ جن سے علی بدرجہا بڑھ کے ہیں لیکن ان سے کرامتیں صادر ہونے میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ یہ لوگ کسی صحابی سے افضل ہیں چہ جائیکہ خلفاء راشدین سے افضل ہوجائیں.

اب شیعی علماء کی حکایتوں پر غور کیجئے جو اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں سے ایک حکایت کی سند بھی شیعی علماء نے ذکر نہیں کی ممکن ہے انمیں بعض صحیح ہوں اور بعض جھوٹی ہوں مگر جب تک ان کی سند نہ بیان کی جائیں ہم کیوں کہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحیح ہیں اس کے علاوہ وہ کتابیں جو آئندہ حالات کے

بیان کرنے میں علی یا اہل بیت کی طرف منسوب ہیں وہ سب جھوٹی اور بالکل غلط ہیں مثلاً کتاب الجفر اور بطاقہ وغیرہ اسی طرح یہ ادعا بھی محض غلط ہے کہ علی کو رسولِ خدا نے ایک خاص علم کی تعلیم کی تھی اور وہ علم آپ نے کسی دوسرے شخص کو نہیں بتایا۔ صحیح بخاری میں حذیفہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے پوچھا تھا کہ تمہارے پاس وحی میں کیا کوئی ایسا امر ہے جو قرآن شریف میں نہ ہو آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس نے بے جان اور جاندار کو پیدا کیا ہے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی امر نہیں ہے سوائے ایک فہم کے اور اُس میں بھی ہماری کوئی خصوصیت نہیں ہے اللہ تعالے جسے چاہے قرآن کے سمجھنے کی فہم عطا کر دے پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس یہ صحیفہ ہے میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے فرمایا یہ ایک یاداشت کے طور پر ہے اِس میں خون بہا کا بیان ہے قیدیوں کو چھڑانے کی فضیلت ہے وغیرہ وغیرہ فقط۔ بعض بیباک آدمیوں نے نہ صرف حضرت علی کو بلکہ بعض دیگر صحابہ کو بھی اس امر میں مخصوص کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین باطن کے کچھ احکام اُنہیں سکھا دئے تھے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں بالکل غلط اور جھوٹی ہیں۔

صحیحین میں ابو ہریرہ کی ایک روایت ہے مگر وہ بھی ہماری اس تحقیق کی منافی ہے مثلاً ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ دو باتیں میں نے آنحضرت ﷺ کی لکھ لیں ان میں سے ایک تو میں نے بیان کر دی اور دوسری بیان نہیں کی۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر میں دوسری بیان کر دوں تو تم میری گردن اُڑا دو گے یہ حدیث بیشک صحیح ہے مگر اِسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو بات ابو ہریرہ کو بتائی گئی تھی وہ اور کسی نہیں بتائی گئی۔ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ کا حافظہ اوروں سے اچھا تھا اِس لیے اُنہیں بہ نسبت اوروں کے بہت سی باتیں یاد رہ گئیں اسی طرح ابو حذیفہ نے کہا تھا خدا کی قسم میں اُس فتنے کو سب سے زیادہ جانتا ہوں جو مجھ میں اور لوگوں میں ہوگا۔ اِسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اس کی بابت کوئی خفیہ بات مجھ سے کہی ہو اور اوروں سے نہ کہی ہو بلکہ رسول اللہ نے تو عام جلسے میں بیان فرمایا تھا جس میں میں بھی شریک تھا اِس جلسے میں جتنے لوگ شریک تھے سوائے میرے اب کوئی نہیں رہا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض صحابہ اور صالحین کو بعض آئندہ واقعات کا معلوم ہو جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ کل ہی واقعات سے واقف ہوں لہذا بعض واقعات کے جاننے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور سب واقعات کو

جاننا نہ علی کے لیے ثابت ہے نہ کسی اور کے لیے اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ خود علی کے واقعات پر نظر کرو اگر اپنی آئندہ باتوں کا علم ہوتا تو وہ ہرگز مختلف موقعوں پر زک نہ اُٹھاتے وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اپنی خلافت کو کامیاب اور مضبوط بنانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے مگر ان کی ایک تدبیر بھی نہ چلتی تھی اور سب الٹ جاتی تھیں جب تک انہوں نے امیر معاویہ سے مخالفت نہ کی تھی اُس وقت تک ہزاروں آدمی اُن کے ساتھ تھے بہت سے شہر اُنکے زیر نگین تھے لیکن جب وہ معاویہ سے بگاڑ بیٹھے تو روز بروز اُن کی حکومت میں ضعف آتا گیا یہاں تک وہ بیدردی سے قتل کر ڈالے گئے. قتل ہونے سے پہلے مصر، یمن، حجاز وغیرہ سب اُنکے قبضے سے نکل چکے تھے بہت سے دور اندیش مسلمانوں نے آپ کو مشورہ بھی دیا تھا کہ جب تک آپ کی خلافت کو پورا استحکام نہ ہو جائے آپ معاویہ سے نہ بگاڑئے یہ لوگ بلاشک وشبہ حضرت علی کے بہت دوست تھے اور یقیناً آپ سے محبت رکھتے تھے. مگر آپ نے اُنکے مشورے کو نہیں مانا اور پھر جو کچھ نتیجہ ہوا سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا.

حضرت علی اور آپ کا مستجاب الدعا ہونا: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی جو دعا کرتے تھے قبول ہو جاتی تھی بسر بن ارطاۃ کے حق میں آپ نے یہ بدعا کی تھی کہ اللہ عزوجل اُس کی عقل خبط کر دے. چنانچہ وہ مخبوط الحواس ہو گیا. پھر آپ نے عیزار کو بددعا دی کہ تو اندھا ہو جا. چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور جب انس نے آپ کی گواہی چھپائی تو آپ نے بدعا کی خدا کرے تو مبروص ہو جائے چنانچہ دعا کرتے ہی اُس میں برص کا مرض پیدا ہو گیا اسی طرح زید بن ارقم کو بھی اندھے ہونے کی بدعا دی تھی چنانچہ وہ بھی اندھا ہو گیا.

جواب: یہاں بھی شیعی علماء نے محض محبت اہل بیت کی بناء پر حضرت علی کو ویسا ہی خونخوار اور ویسا ہی خونی ثابت کیا ہے کسی مسلمان کو آپ نے اندھا کر دیا کسی کو مبروص بنا دیا اور کسی کو مخبوط الحواس ایسے نبی کا داماد جو دنیا میں رحمت بنا کے بھیجا گیا تھا. اُسکا جانشین کسی کو اندھا کرتا ہے اور کسی کو مبروص بناتا ہے یہی محبت ہے یہی اہل بیت کا عشق ہے کہ فرضی باتیں ایجاد کر کے وہ زبردستی حضرت علی کے سر چپکی

گئیں اگر چہ یقیناً یہ حضرت علیؓ کی ذات پر بہت بڑا حملہ ہے مگر اِس حملے کو اعلے درجے کی تعریف تصور کیا گیا ہے۔ مستجاب الدعا کی صفت تو صحابہ میں اِس سے بھی زیادہ موجود تھی ہم کہتے ہیں صحابہ پر کیا موقوف ہے جب تک کوئی مسلم دنیا میں باقی رہے گا یہ فضیلت برابر رہے گی سعد بن ابی وقاص کی کوئی دعا کبھی خطا نہ کرتی تھی جو دعا کرتے تھے فوراً ہی قبول ہوجاتی تھی صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے سعد کے حق میں یہ دعا کی تھی۔ الھم سدد رمیتہ واجب دعوۃ . یعنی اے اللہ انکا نشانہ ٹھیک رکھیو اور اُن کی دعا قبول کرنا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب فاروق اعظم نے ایک آدمی کو کوفے بھیجا کہ وہاں جا کے سعد کے حال کی تحقیق کرے وہ وہاں گیا اور جس سے اُسنے دریافت کیا اسی نے ان کی تعریف کی اخیر میں بنی عبس کے ایک شخص سے جو دریافت کیا تو اُسنے کہا بھائی میں ان کی بات کبھی ظاہر کرتا لیکن تم مجھے قسم دیتے ہو اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ سعد نہ تو کسی لشکر کے ساتھ جنگ میں جاتا ہے نہ رعایا میں انصاف کرتا نہ غنیمت کا مال سب میں برابر تقسیم کرتا ہے جب یہ باتیں سعد نے سنیں تو اُسکا دل پکڑا گیا اُسے سخت صدمہ ہوا اور اُسنے بلبلا کے یہ دعا کی کہ اگر یہ جھوٹا ہو اور اُسنے محض شرارت سے مجھ پر یہ الزام لگایا ہو تو اُسکی عمر دراز کیجیو اور اُس کے فقر و فاقے میں ترقی دیجیو اور اُسے مصیبتوں میں مبتلا رکھیو چنانچہ ایسا ہی ہوا اِس کی اتنی عمر ہوئی کہ بڑھاپے کی وجہ سے دونوں بھویں جھک گئی تھیں گھٹنوں نے جواب دے دیا تھا پیر رہ گئے تھے اور انہیں جنبش نہ ہو سکتی تھی بچے اُسے گلی کوچوں میں گھسیٹے گھسیٹے پھرتے تھے اور وہ کہتا تھا ہائے میں مصیبت زدہ بڈھا ہوں مجھے سعد کی بددعا لگ گئی۔

اسی طرح سعید بن زید مستجاب الدعوات تھے حماد بن نے ہشام بن عروہ سے اُنہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اُس کی بیٹی اروی نے مروان کی عدالت میں سعید پر نالش کی اور عرضی دعوے میں یہ لکھا کہ میں نے اپنی زمین میں جو تخم ریزی کی تھی وہ تخم سعید نے چرالیا ہے سعید نے جب یہ سنا تو اُسی وقت اُس نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی کہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اُسے اندھا کر کے اُسی زمین پر اُسے غارت کر دے اور چنانچہ اسی وقت وہ اندھی ہوگئی اور اُسی زمین پر پڑ کے مرگئی براء بن مالک کی یہ کیفیت تھی کہ جب کسی بات میں اللہ کی قسم کھا لیتے تھے تو اللہ انکی قسم کو پورا کر دیتا

تھا جیسا کہ صحیحین میں لکھا ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہے. براء بن مالک بھی اُنہیں میں سے ہیں. علاء بن حضرمی رسول اللہ کے نائب بڑے مستجاب الدعوات تھے آپ ابوبکر کی خلافت میں بحرین کے گورنر بھی تھے. ابن ابی الدنیا نے بالاسناد، روایت کی ہے کہ سہم بن سنجاب کہتے تھے ہم نے علاء بن حضرمی کے ساتھ ہو کے دارین پر حملہ کیا اس موقع پر اُنہوں نے تین دعائیں کی تھیں تینوں اللہ نے قبول کر لیں ان دعاؤں کو اُنہوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم ان کے ہمراہ چل کے ایک پڑاؤ پر اُترے ہمیں وضو وغیرہ کے لیے پانی کی ضرورت ہوئی مگر کہیں پانی نہ ملا ہم نے علاء سے کہا کہ اِسکا کچھ بندوبست کیجئے اُنہوں نے دو رکعت نفل پڑھ کے یہ دعا کی **اللھم یا علیم یا حکیم یا علی یا عظیم الخ** ہم تیرے غلام ہیں تیرے راستے میں امن اور وراستی کے دشمن سے لڑنے جاتے ہیں ہمیں پانی کی سخت ضرورت ہے ایسی بارش کر دے کہ ہم پی بھی لیں نہا بھی لیں اور ہماری ساری ضرورتیں اُس سے پوری ہو جائیں. چنانچہ فوراً مینہ برسنے لگا اور ہمارے پاس ہی ایک کنواں اُبل آیا ہم نے اِس سے اپنی ساری ضرورتیں پوری کر لیں اور حسب خواہش پانی بھر کے اپنے ساتھ لے لیا. جب ہم دارین کے قریب پہنچے تو ہمیں ایک دریا ملا دریا کے پار ہمارا دشمن تھا اور ہم اِدھر تھے دریا سے پار ہونا ہمارے لیے محال تھا علاء نے پھر دعا کی کہ **اللھم یا علیم یا حکیم یا علی یا عظیم** ہم تیرے عاجز بندے ہیں تیرے راستے میں راستی اور امن کے دشمن سے لڑنے جا رہے ہیں تو ہمارے لیے کوئی راستہ نکال دے کہ ہم دریا پار ہو جائیں یہ دعا کر کے علاء ہمیں لے کے دریا میں گھس گئے دریا ایسا پایاب ہو گیا کہ گھوڑوں کی زینیں تک بھی نہ بھیگیں. ہم دشمن تک بآسانی پہنچ گئے اور جب ہم واپس آنے لگے تو علاء کے پیٹ میں درد اُٹھا کوئی صورت نجات کی نہ ہوئی اور وہیں انکا دم نکل گیا ہمارے پاس اتنا پانی نہ تھا کہ انہیں غسل دیتے ہم نے اُنہیں کفنا کے ویسے ہی دفن کر دیا جب ہم تھوڑی دور آگے بڑھے تو ہمیں افراط سے پانی مل گیا ہم نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ یہاں سے پانی لے کے چلیں اُنہیں قبر سے نکالیں اور نہلا دھلا کر پھر دفن کر دیں ہم واپس آئے مگر ہمیں قبر کا نشان نہ ملا بہتیرا ہم نے تلاش کیا مگر ہم قبر کی تلاش میں ناکام رہے ہم سخت متعجب تھے کہ یہ کیا بات ہے اسی اثناء میں ہم میں سے ایک شخص کو یاد آیا اُس نے کہا اُن کی قبر

کی تلاش کا عبث فکر کرتے ہو وہ قبر نہیں ملنے کی میں نے خود اُنہیں یہ دعا کرتے سنی تھی کہ میری قبر کو پوشیدہ کر دینا اور میرا استر کسی کو نہ دیکھنے دینا اللہ نے اُن کی یہ دعا بھی قبول کر لی تھی یہ سنکے ہم اُنہیں وہیں چھوڑ کے چلے آئے. فاروق اعظم نے بھی بہت سی دعائیں کیں اور وہ سب قبول ہوئیں. منجملہ اُنکے ایک دعا یہ تھی آپ نے اللہ تعالی کے حضور میں عرض کیا تھا بار الہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری رعیت پھیل گئی ہے. اب ان پریشانیوں میں پڑنے سے پہلے ہی میری روح کو قبض کر لے چنانچہ اُسی سال آپ کا انتقال ہو گیا. اِسی قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں مستجاب الدعوات لوگوں کے بیان میں ابن ابی الدنیاء نے ایک مستقل کتاب تصنیف کر دی ہے. جو اس وقت موجود ہے باقی شیعی علماء نے جو کہانیاں حضرت علیؓ کے نام سے نقل کی ہیں اُن کی کہیں بھی سند نہیں انس کا مبروص ہونا اور زید بن ارقم کا اندھا ہونا یہ ایسی نامعقول کہانیاں ہیں جو سرتاپا جھوٹ اور غلط ہیں. فقط.

حضرت علی کی کرامت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے امام ہونے کی بہت بڑی بُرہان یہ ہے کہ جب آپ صفین جانے لگے تو راستے میں آپ کے ساتھیوں کو پیاس لگی پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا سامنے ایک خانقاہ نظر آئی جس میں ایک راہب رہتا تھا. حضرت علی کے ساتھ والوں نے اِس راہب سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے اُس نے جواب کہ پانی یہاں چھ سات کوس پر ملتا ہے میں تو ہر مہینے کا پانی اکھٹا جمع کر لیتا ہوں اِسی سے زندہ ہوں ورنہ اب تک میرا فیصلہ ہو جاتا یہ سن کے حضرت علی کے ساتھ والے آزردہ، دل ہوئے اس پر حضرت علی نے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا جو اس خانقاہ سے قریب تھا اور وہاں کھودنے کا حکم دیا جب وہ زمین کھُدی تو ایک پتھر نکلا اور وہ پتھر اتنا وزنی تھا کہ سب آدمی مل کے بھی اُسے جنبش نہ دے سکتے تھے حضرت علیؓ نے تنہا اُس پتھر کو اُکھیڑ لیا اِس کے اُکھیڑتے ہی پانی نکل آیا سب نے سیر ہو کے پیا یہ دیکھ کے راہب کو سناٹا آ گیا وہ سیدھا امیر المومنین علی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نبی مرسل ہیں یا مقرب فرشتے ہیں. حضرت علیؓ نے کہا نہ میں فرشتہ ہوں نہ نبی ہوں ہاں محمد رسول کا وصی ہوں راہب نے اُسی وقت دین اسلام قبول کیا پھر حضرت علی سے کہنے لگا یہ خانقاہ جس میں میں رہتا ہوں اِس اِس پتھر کے طالب

کے نام پر بنائی گئی تھی اور پانی کا چشمہ اُسکے نیچے تھا آپ سے پہلے یہاں بہت سے لوگ آئے مگر کسی کو اُسکا پتہ نہ ملا۔ وہ راہب اخیر عمر تک آپ کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ آپ کے جھنڈے کے نیچے شہید ہو گیا بقول شیعی علماء اِس قصے کو حمیری نے اپنے قصیدے میں نظم کیا ہے.

جواب: جہاں تک اِس قصے پر غور کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی کرامت حضرت علی کی نہیں معلوم ہوتی اتفاق سے کسی مقام پر چشمے کا نکل آنا کسی کی کرامت پر دلالت نہیں کرتا ایسے ہزاروں موقعے ہر شخص کی زندگی میں ہو جاتے ہیں جن میں اِس قسم کے انکشافات کثرت سے حادث ہوتے ہیں.

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قصہ بھی اُن ہی جھوٹے فضائل میں سے ہے جن میں بے علموں نے حضرت علی کے سر چپیک دیا ہے جن اشخاص نے یہ قصے گھڑے ہیں سچے مچ وہ حضرت علی کے فضائل و مناقب سے بالکل بے بہرہ اور بے خبر ہیں اب رہا خانقاہ کے پتھر کا طالب کے نام پر بننا یہ بھی ایک بیہودہ کہانی ہے اسلام کو ایسی باتوں سے کچھ تعلق نہیں نہ اسلام میں یہ طریقہ جاری ہے گرجے خانقاہیں اور شوالے بیشک خاص خاص ناموں پر بنائے جاتے ہیں مسلمانوں کے عبادت خانے یعنی مسجدیں جن میں اللہ کے پاک نام کا ذکر اذکار کیا جاتا ہے وہ تو اللہ ہی کے نام پر بنائی جاتی ہیں مخلوق کے نام سے اُنہیں کچھ تعلق نہیں جب کوئی بات دین اسلام کے بالکل خلاف ہو تو اُس سے کسی کی منقبت کیونکر نکل سکتی ہے. اب رہی راہب کی کہانی کہ اُس نے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم نبی ہو یا مقرب فرشتے ہو محض غلط بالکل غلط اور سراسر جھوٹی ہے. راہب سخت گدھا تھا کہ اُس نے بغیر سمجھے بوجھے جو کچھ چاہا بک دیا علی کو فرشتہ اُس نے کس لحاظ سے سمجھا جبکہ دیکھ چکا تھا کہ علیؓ نے پانی پیا. فرشتوں کو پانی پینے سے کیا کام. اسی طرح اُس نے علی کو نبی کس طرح سمجھ لیا جبکہ محمد رسول ﷺ کے بعد دوسرا نبی ہو نہیں سکتا انجیل یا توراۃ میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چشمہ کا پتہ لگا لے تو اُسے نبی سمجھنا یہ تو ایسی غلط منطق اور بیہودہ استدلال ہے کہ کبھی مسلّم نہیں ہو سکتا. چشمے تو درکنار رہے لوگوں نے تو نئے نئے ممالک کا پتہ لگا لیا لہذا اس استدلال کی بناء پر وہ اللہ ہوئے. معاذ اللہ اب اِس کہانی کے آخری الفاظ یہ رہ گئے کہ حضرت علی نے کہا نے کہا نہ میں فرشتہ ہوں نہ نبی ہوں بلکہ رسول اللہ کا وصی ہوں. ہم علی

الاعلان کہتے ہیں کہ حضرت علی پر یہ نرا بہتان ہے اُنہوں نے کہیں اور کبھی ایسا نہیں کہا مخالفوں سے آپ بہت مناظرہ کر چکے ہیں مگر کسی مناظرہ میں علی نے یہ دعویٰ نہیں کیا. نہ آپ کی بابت آپ کے دوستوں یا ساتھیوں میں سے کسی نے یہ دعوے کیا.

علیؓ نے ابن عباس کو خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا اُنہوں نے اس میں علیؓ کے بہت کچھ فضائل اور مناقب بیان کئے لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ علی رسول اللہ کے وصی ہیں اگر یہ بات حق ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اِس کے نقل نہ کرنے کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حق نہیں ہے.

خیال تو کیجئے! جن لوگوں نے آپ کے ایسے ایسے فضائل نقل کئے ہیں مثلاً رسول اللہ نے ایک غزوہ میں یہ فرمایا تھا کہ کل میں ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں. اسی طرح جنگ تبوک میں حضور انور ﷺ کا یہ فرمانا. کیا تم اِس سے خوش نہیں ہوتے کہ میرے لیے تم ایسے ہو جیسے موسے کے لیے ہارون تھے. ہاں اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا. پھر آپ کا یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو میں تم سے ہوں وغیرہ وغیرہ بھلا کون عقل کون عقل کا دشمن یہ خیال کر سکتا ہے کہ جن لوگوں نے ایسے ایسے فضائل تو نقل کر دئے وہ وصی ہونے کا ذکر نہ کرتے. یہ وصی ہونے کی کہانی من جملہ اُن امور کے ہے جو کذاب لوگوں نے افترا کر لی ہیں اور صحیح احادیث کی کتابوں میں اُن کا کہیں پتہ نہیں.

حضرت علی اور افواج جنات کا قتل عام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ جب نبی ﷺ نبی مصطلق سے جہاد کرنے چلے تو ایک ویران جنگل کے قریب پہنچ کے آپ کو شام ہو گئی اندھیرے کی وجہ سے آپ راستہ بھول گئے. اُسی وقت جبرئیل آسمان سے نازل ہوئے اور رسول اللہ سے بیان کیا کہ کفار جنوں کی فوج کثیر اور جرار لشکر جنگل میں چھپا بیٹھا ہے. جس وقت آپ اور آپ کی فوج اُسکی زد پر آ گئی بس پھر وہ حملہ کر دیں گے اور آپ کو چشم زخم اُٹھانی پڑے گی یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ نے علی کو بلا لیا اور سارا ماجرا بیان کر دیا. آپ نے سنتے ہی کہ دیا کہ میں ابھی جا کے اُنہیں قتل کر آتا ہوں. چنانچہ آپ گئے اور سب جنوں کو قتل کر کے چلے آئے.

جواب: اِس میں شک نہیں کہ اِس قسم کی دلکش مگر بے جوڑ کہانیاں ایک عرصہ تک کسی خاص قوم کا عملدر آمد رہیں اور ابھی تک مذہبی اصول خیال کی جاتی ہیں. اپنا اپنا مذاق ہے جب تک کوئی شخص ہوا کے تخت پر بیٹھ کے نہ اُڑے اور جب تک عالم جنات کو زیروز بر نہ کرڈالے. جب تک کئی لاکھ من کا دروازہ ایک ہاتھ سے نہ اُٹھالے اور جب تک کل پیغمبروں کے ساتھ نہ پیدا ہو۔ اور ہر بار نہ مر مر گیا ہوا۔ اور ہر عصر میں نہ جی جی اُٹھا ہو۔ وہ نہ خلیفہ بن سکتا ہے نہ رسول اللہ ﷺ کے وصی بننے کے قابل ہے نہ امام متقی ہوسکتا ہے اور نہ معصومیت کا ہار پہن سکتا ہے. بیشک اگر یہی بات ہے تو ہم اِس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بھان متی یا بہروپے کی صفتیں بیشک رسول اللہ کے کسی صحابی میں نہیں تھیں. اگر ان صفتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ خلافت امامت اور معصومیت سے خارج ہوتے ہوں تو بیشک خارج کر دینا چاہیے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے جہاں تک ٹٹولا جاتا ہے حضرت علی کے انسانی فضائل کا ہمیں پتہ نہیں لگتا. ہاں خدائی فضائل کا ذکر ہر نوشتہ اور کتاب میں موجود ہے. ادھر اُنہیں انسان تسلیم کیا جاتا ہے اُدھر ان کی عمر عالم کے برابر ہی نہیں بلکہ کائنات کی برابر تسلیم کی جاتی ہے ایک طرف اُنہیں سخت عاجز بے شرم بے حمیت، کمزور، بزدل، ظالم کہا جاتا ہے اور دوسری طرف بڑا مرد میدان، جری، غیور صاحب جبروت وجلال بیان کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسد اللہ یعنی شیر خدا کا نام رکھ دیا گیا بس اِس سے زیادہ ان کی شجاعت کی علامت اور کیا ہوسکتی ہے. ایک غیر طرف دار شخص جب اس رنگارنگی اور بوقلمونی کو دیکھے گا اور پھر علی کی بیگناہ ذات پر خیال کریگا اُسے اُس مرد باخدا کی مظلومانہ حالت پر سخت افسوس ہوگا کہ ناحق جنوں کو قتل کرا کے اس سے مذاق کیا گیا اور ناحق لاکھوں من کا دروازہ اُٹھوا کے اُسکی ہنسی اُڑائی گئی. یہ ساری باتیں اُس پر نری بہتان ہیں. اُس نے کبھی ایسا نہیں کیا وہ ایک کمزور انسان تھا مسلمان تھا سچا تھا. نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا اور بس. مصریوں کی بغاوت اور عثمان کے قتل سے کچھ ابتری مدینہ میں چھا گئی تھی اور ہر شخص مقتول بوڑھے خلیفہ کی خون میں تر تبر گدی پر بیٹھتا ہوا گھبراتا تھا ایسی حالت میں بغیر کسی امیدواور بغیر کسی حق یعنی قابلیت جہانداری وغیرہ کے خلیفہ بن گئے سوائے باغیوں یا مصری ڈاکوں کے کسی نے بیعت نہ کی اور جن دو ایک صحابہ نے بیعت کی وہ بُری خیال کی گئی

اور اُس سے کچھ بدشگونی سی سمجھی گئی. چند ہزار آدمی مہیا کئے گئے اور نہایت نادانی سے بغیر سوچے سمجھے کا رآزمودہ گورنروں کو معزول کر کے اپنے نالائق اور سخت نالائق رشتہ دار بھر دیئے شراب خوری اور عیاشی کی صوبوں کے عاملوں یا گورنروں میں کثرت ہوگئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ رعایا نے بغاوت کی اور علی کی خلافت سے سخت بیزاری ظاہر کی اور خود مختار بن بیٹھی. اسی طرح حضرت معاویہؓ ایک آزمودہ کار اور مدبر اعظم سے بھی بدسلوکی برتی گئی اور اُسے سخت بے عزتی سے معزول کرنا چاہا اُس نے انکار کیا کہ سلطنت کی باگ ایک ناتجربہ کار شخص کے ہاتھ میں دینا علانیہ اسلام کو برباد کرنا ہے ایسا کبھی نہ ہوگا. چنانچہ جواب سے دم بخود ہو گئے. قصہ مختصر یہ کہ مدینہ میں نہ رہ سکے. کوفہ آباد کیا اور حکومت سمٹ سمٹا کے صرف کوفہ ہی میں رہ گئی مگر وہاں بھی ایک مسلمان ہی نے آپ کو قتل کر ڈالا. آپ کے رفیق خوف کے مارے لاش اُٹھا کے لے گئے اور کہیں چھپا کے دفن کر دیا. بس یہ زندگی ہے یہ واقعات زندگی ہیں. یہ حالات ہیں یہ زمانہ خلافت ہے یہ بعیت ہے اور یہ اُس کی بہار ہے. اب نفس مذکور حدیث پر خیال کیا جائے محدثین کے نزدیک یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہیں جو حضور انور رسول اللہ ﷺ اور علی پر جھوٹی بنالی گئی ہیں بنی مصطلق کے غزوہ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی نہ جن آئے نہ جبرئیل نے جنوں کی خبر دی اور نہ جن قتل کئے گئے. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اُسے جمہور نے نقل کیا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہ حدیث سند ثابت سے مروی ہے یا ایسی کتاب میں ہے جس کے محض نقل ہونے پر اعتماد کر لیا جائے یا کسی ایسے محدث نے اُسے صحیح کہا ہے جس کے صحیح کہنے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ نہ اُس کی کوئی سند ثابت ہے نہ یہ کسی معبتر کتاب میں منقول ہے نہ کسی نے اُسے صحیح کہا ہے. اور اگر شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ جمہور علماء نے اِس روایت کیا ہے تو یہ بھی سراسر جھوٹ ہے. ہاں ممکن ہے ایسے شخص یا اشخاص نے اُسے روایت کیا ہو جنکی روایت سے حجت نہیں ہوسکتی تو ایسا نقل کرنا نہ کرنا یکساں ہے. یہ روایت مثل اُس روایت کے ہے یا دونوں روایتوں کو دو سگی بہن کہا جائے جن میں جنوں سے لڑنے کی کہانی ہے. ایک روایت تو غزوۂ بنی مصطلق والی جس پر بحث ہو رہی ہے اور دوسری چاہ ذات العلم والی، ذات العلم کسی کوئیں کا نام ہے کہتے ہیں. حضرت علی نے اُس کوئیں میں لاکھوں جنوں کو ذوالفقار سے قتل کر دیا تھا. آدمیوں نے تو آج تک جنوں سے جنگ نہیں کی

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ علی کو جنوں سے جنگ کرنے کا موقع ہوا ہو. کوئیں سے ایک مشک پانی لانے کی حکایت بیشک بیان کی گئی ہے مگر صحیح تسلیم ہونے کے بعد بھی وہ بہت ہی معمولی سی بات ہے. مثلاً غزوہ حدیبیہ میں ایک کوئیں سے پانی لانے کو ایک آدھ سپاہی گیا اُسے کچھ خوف سا معلوم ہوا وہ واپس چلا آیا مگر علی ڈرتے ڈرتے گئے اور پانی بھر لائے. پس اللہ خیر سلا. ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں علیؓ کی جنوں سے جنگ کرنے کے بیان میں ایک بڑی طول طویل حدیث روایت کی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جنگ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ جانے لگے تو گرمی کی شدت کی وجہ سے صحابہ کو پیاس لگی آپ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی ایسا بہادر ہے کہ ذات العلم کے کوئیں سے پانی لا سکے تو لے آئے ایک صحابی اِس کہنے پر گئے مگر جنوں کے ڈر کے مارے واپس چلے آئے. پھر علیؓ بن ابو طالب گئے اُنہوں نے ہاتھ پیر بچائے ڈرتے ڈرتے اُس کوئیں سے مشک بھر لی. شیخ ابو الفرح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث یقیناً محالات میں سے ہے اِس کی سند میں محمد بن جعفر اور احمد سکونی راوی مجروح اور مشتبہ ہیں. ایک راوی اسمیں عمارہ بن یزید ہے جسکی بابت ابو الفتح نے لکھا. ہے کہ یہ حدیث گھڑا کرتا تھا. اس حدیث کو ابن اسحاق نے لکھا ہے اور ان سے بہت سے آدمیوں نے روایت کی ہے لیکن ان باتو ل میں سے اُن میں ایک بھی نہیں ہے.

حضرت علی اور سورج: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر علی علیہ السلام کے لیے دو مرتبہ سورج لوٹا ایک مرتبہ نبی ﷺ کے زمانے میں اور دوسری مرتبہ آپ کے بعد، پہلی مرتبہ کا ذکر جابر اور ابو سعید خدری نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک دن جبرئیل رسول اللہ کے پاس آئے اور آہستہ آہستہ عالمِ بالا کی باتیں کرنے لگے جب رسول اللہ وحی میں بالکل مستغرق ہو گئے تو آپ نے امیر المومنین علی کی ران پر سر رکھ دیا اور سورج غروب ہونے تک سر نہیں اُٹھایا امیر المومنین نے عصر کی نماز وہیں بیٹھے بیٹھے اشاروں سے پڑھی جب رسول اللہ کی آنکھ کھلی تو آپ نے علی سے فرمایا تم اللہ دعا کرو کہ وہ سورج کو لوٹا دے تا کہ تم نماز عصر پڑھ لو علی نے دعا کی دعا کرتے ہی سورج لوٹ آیا اور آپ نے پھر کھڑے ہو کے نماز عصر پڑھی. دوسری مرتبہ آفتاب کے لوٹنے کا قصہ یہ ہے کہ جب بابل میں آپ

دریائے فرات سے پار اُترنے لگے تو آپ کے بہت سے ساتھی اپنے اپنے جانورروں کی دیکھ بھال میں لگ گئے اور آپ نے تھوڑے آدمیوں کو عصر کی نماز پڑھائی باقی سب کے سب رہ گئے جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہماری عصر کی نماز جاتی رہی تو وہ اس میں اسکے متعلق کچھ کہنے لگے حضرت علیؓ نے اُن کی گفتگو سے پہچان لیا کہ یہ عصر کی نماز کے جانے کا افسوس کر رہے ہیں آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے سورج کے لوٹنے کی دعا کی اور فوراً سورج لوٹ آیا جمیری نے اس قصے کو نظم بھی کیا ہے. چنانچہ وہ لکھتا ہے.

ردت عليه الشمس لمافاته وقت الصلوة وقددنت للمغرب

حتى تبلج نورها فى وقتها للعصر ثم هوت هوى الكوكب

وعليه قدر دت ببابل مرة اخرى وماردت لخلق مغرب

یعنی علی کے لیے آفتاب اُس وقت لوٹا دیا گیا جب عصر کا وقت نکل گیا اور مغرب کا وقت ہونے کو تھا جب آفتاب لوٹا تو اُس کی دھوپ ویسی ہی ہوگئی جیسی کہ عصر کے وقت ہوتی ہے. اور پھر وہ ستارے کی طرح پھر گیا. دوسری مرتبہ علی کے لیے آفتاب بابل میں لوٹا گیا تھا حالانکہ غروب ہونے کے بعد کبھی کسی کے لیے نہیں لوٹایا گیا.

جواب: علی کی فضیلت اور ولایت جو اللہ کے نزدیک ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے اور اُسکا شکر ہے کہ صحیح صحیح طریقے کے ذریعے سے ہمیں بھی اُسکا یقینی علم ایسا حاصل ہوگیا ہے کہ اب اُسے ہوتے ہوئے نہ ہمیں کسی جھوٹ کے بنانے کی ضرورت ہے نہ ایسے قصوں کی جنکی صحت کا کہیں پتہ نہ لگے. علیؓ کے لیے آفتاب لوٹنے کی کہانی طحاوی اور قاضی عیاض وغیرہ نے نقل کی ہے اور انہوں نے بجائے علیؓ کی کرامت ظاہر کرنے کے اس سے حضور انور کا معجزہ ظاہر کرنا چاہا ہے حالانکہ علماء محدثین میں سے محققین اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیشک وشبہ محض جھوٹ اور موضوع ہے اسی لیے ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں ابوجعفر عقیلی کی کتاب سے یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن موسی سے روایت ہے وہ فضیل بن مرزوق سے وہ ابراہیم بن حسن سے وہ فاطمہ بنت حسین سے وہ اسماء بنت

عمیس سے روایت کرتے ہیں اسماء کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ پر وحی اتر رہی تھی اور حضور انور کا سر مبارک علی کی گود میں تھا اسی طرح بیٹھے رہے اور عصر کی نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا جب حضرت وحی سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا اے علی تم نے نماز پڑھ لی عرض کیا نہیں نہیں اُس وقت آپ نے یہ دعا کی اللھم انہ کان فی طاعتک وطاعت رسولک ماردوا علیہ الشمس اسماء کہتی تھیں کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر دعا ہونے کے بعد واقعی وہ پھر طلوع ہوا اُسے بھی میں نے آنکھوں سے دیکھا. ابوالفرح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث یقیناً موضوع ہے اس میں راوی بھی بہت ہی مضطرب ہیں. اِن میں کوئی اِس قابل نہیں جسکی روایت اِس بارے میں حجت ہو سکے. اب رہا بابل کا قصہ اسکے جھوٹ ہونے میں بھی ہرگز شک نہیں حمیری کا شاعر کا اُسے نظم کر دینا اُس کی صداقت پر کیونکر دلیل ہوسکتی ہے. شعرا کا قاعدہ ہے کہ وہ عموماً مدح وذم میں مبالغے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اسی مبالغہ سے وہ اپنے اشعار کو چار چاند لگاتے ہیں۔ حمیری تمام جھوٹے شاعروں کا استاد اعظم ہے اور وہ ٹٹولا ہی کرتا ہے کہ اسی قسم کے دور از قیاس قصے اُسے ہاتھ لگ جائیں تو وہ اُنہیں نظم کر دے. تا کہ وہ نظم جھوٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ شوق سے پڑھی جائے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ کی زبانی ایک روایت لکھی گئی ہے جس میں گزشتہ انبیاء کے قصے کہانیاں ہیں یہودیوں میں چونکہ یہ بات مشہور تھی کی یوشع کی وجہ سے آفتاب دیر میں غرور ہوا تھا لوٹا یا نہیں گیا تھا یہودیوں کی یہ کہانیاں علی کے آفتاب لوٹنے کے لیے حجت نہیں ہوسکتیں۔ ابو ہریرہ نے یہودیوں کی زبان سے جو کہانی سنی وہ بیان کردی اُن کی بلا سے صحیح ہو یا غلط تعجب ہے کہ حجت میں ایسی روایت پیش کی جائے جو مسلمانوں کی نہ ہو بلکہ یہودیوں کی ہو. اب عصر کی نماز کے فوت ہونے کا مسئلہ سنئے! عصر کی نماز فوت ہونا دو حال سے خالی نہیں اگر محض پڑھنے والے کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے فوت ہوئی تو وہ ضرور گنہگار ہوگا اور اُسکا یہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا اور جب کسی نے آئندہ ایسی سستی اور کوتاہی کرنے سے توبہ کرلی تو پھر آفتاب کے لوٹ آنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور اگر اُس کی سستی سے فوت نہیں ہوئی بلکہ سونے اور فراموشی سے فوت ہوگئی ہے تو اُس پر غروب کے بعد بھی پڑھ لینے میں کوئی گناہ نہیں دوسرے یہ کہ وہ وقت تو محض غروب ہونے ہی سے نکل جاتا ہے جو نماز کے لیے مقرر کیا گیا ہے اب

اگراس وقت کے بعد نماز پڑھی تو اُس کی نماز شرعی وقت پر ہرگز نہیں ہوسکتی اگر چہ آفتاب پھر لوٹ بھی آئے اللہ تعالےٰ کے اِس ارشاد. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. میں یہی مشہور غروب مراد ہے نہ کہ لوٹنے کے بعد کا غروب پس بندوں پر اسی غروب سے پہلے نماز پڑھنی واجب ہے اگر چہ آفتاب دوبارہ طلوع ہوکر پھر غروب ہوا کرے جو احکام آفتاب کے غروب ہونے کے ساتھ متعلق ہیں وہ اسی غروب سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اس دوسرے غروب سے مثلاً اگر کسی نے آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا اور اُسکے بعد آفتاب لوٹ آیا تو اُس کا روزہ ہرگز نہ جائیگا باوجود کہ یہ صورت نہ کبھی کسی کے لیے واقع ہوگی اور نہ اب تک ہوئی اِس صورت کو فرض کرنا بعینہ ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جسکا کبھی وجود نہ ہو یہی وجہ ہے کہ فقہائے دین اور علماء مفرعین کے کلام میں ایسے مسئلے کا کہیں کچھ ذکر نہیں پایا جاتا کیونکہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے. اب سنئے! جنگ خندق کا واقعہ کہ حضور انور ﷺ کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تھی حضور انور اور آپ کے اکثر صحابہ نے وہ نماز قضا پڑھی مگر آپ نے آفتاب کو لوٹانے کی تکلیف نہیں دی. صحیح میں ہے کہ جب حضور انور اپنے صحابہ کو بنی قریظہ کی طرف بھیجنے لگے تو اُنہیں یہ ارشاد کیا کہ عصر کی نمازیں قریظہ میں پہنچ کے پڑھنا۔ یہ حکم سن کے صحابہ چلے گئے اتفاق سے راستے میں عصر کا وقت ہوگیا آپس میں گفتگو ہونے لگی کے پڑھنا کہ آیا یہیں پڑھ لیں یا بنی قریظہ میں چل کے پڑھیں. تھوڑی سی گفت وشنید کے بعد نصف صحابہ نے تو راستہ ہی میں پڑھ لی اور نصف نے بنی قریظہ پہنچ کے. مگر یہاں آفتاب غروب ہو چکا تھا. اس پر حضور انور فریقین میں سے ایک کو بھی تنبیہ نہیں کی ہماری غرض یہ ہے کہ یہ لوگ حضور انور کے صحابہ تھے جنہوں نے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد عصر پڑھی تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ علی اور اُن کے ساتھیوں کے لیے ایسی کونسی بات مانع تھی کہ وہ بعد غروب آفتاب پھر نہ پڑھ سکے اگر یہ کہا جائے کہ غروب کے بعد نماز عصر ہوتی ہی نہیں اسی لیے آفتاب لوٹایا گیا تھا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضور انور اور آپ کے صحابہؓ نے غروب کے بعد نماز کیوں پڑھی اور کیوں نہ اُن کے لیے آفتاب لوٹایا گیا.

جس شخص نے آفتاب لوٹنے کی روایت بیان کی ہے خواہ وہ یوشع کی نسبت ہو یا علی کی نسبت ایسی مضحکہ خیز اور لغو کہانی جسکا ثانی مشکل سے ملے گا. روایت کرنے والا نہ تو آفتاب سے واقف ہے نہ اُسکے جسم

سے .وہ سمجھتا ہے کہ روشنی کا ایک گولہ جتنا بڑا اسے دکھائی دیتا ہے آسمان پر ادھر سے ادھر روزمرہ پھر کرتا ہے وہ آج زمین کے کسی گڑھے میں غرق ہو جاتا ہے اور کل اسمیں سے نکل آتا ہے نادان نے اپنی اسی نادانی اور اسی علم پر یہ روایت بھی گھڑ لی ہے. مگر مرحبا ہے ان عقلائے زمانہ جنہوں نے اِس روایت کے آگے اپنے سر جھکا دیئے اور اُسے حضرت علیؓ کی بہت بڑی کرامت قرار دیا. ہم اس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جو روایت خود بخود اپنی آپ تکذیب کرے اُس کی تکذیب کرنے سے کیا فائدہ ۔مگر تو بھی ہم اُس پر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں کیونکہ خاص اس ایک حدیث کے لیے یاروں نے ایک مستقل کتاب تصنیف کر دی ہے اور اس کتاب میں اُسکی مختلف طریقوں کی سندوں کو جمع کیا ہے اِس کتاب کا مصنف ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ بن احمد مکانی ہے اس کتاب کا نام مصنف نے مسئلہ فی تصحیح رد الشمس وترغیب النواصب الشمس رکھا ہے اِس کتاب میں اس حدیث کے متعلق عجیب وغریب بحث ہے لکھا ہے کہ یہ حدیث اسماء بنت عمیس خثعمیہ نے اور امیر المومنین علی بن ابوطالب نے اور ابو ہریرہ اور ابوسعید نے روایت کی ہے اور اسماء کی حدیث کو اِس طرح ذکر کیا ہے مثلاً اسماء کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو کسی کام کیلیئے بھیجا تھا علی وہاں سے اتنی دیر میں آئے کہ حضور انور نے عصر کی نماز پڑھ لی پھر آپ انکی گود میں سر رکھ کہ سو گئے اور ایسے سوئے کہ آفتاب کے غروب ہونے تک ذرا حرکت بھی نہ کی آفتاب غروب ہونے کے بعد اُٹھے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ علی تیرہ بندہ ہے اسنے تیرے نبی کی خاطر سے اپنے آپ کو روک لیا تھا اُسکا کچھ قصور نہیں. لہذا تو اُس کو پھر طلوع کر دے اُسی وقت آفتاب طلوع کر آیا یہاں تک کہ پہاڑوں پر آ گیا. علی اُٹھے اور وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اِسکے بعد آفتاب غروب ہو گیا.

پھر اسماء کی ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ نے صہبا میں ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو کسی کام کی لیے بھیجا اِسکے آگے پھر وہی آفتاب کے لوٹ آنے کا ذکر ہے اِس روایت سے یہ قصہ صہبا سے خصوصیت رکھتا ہے جو غزوۂ خیبر میں ہوا تھا. اِسی قصہ کو ابن ابی فدیک نے اِس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے خیبر کے حدود صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی تھی پھر آپ نے علی کو کسی کام کے لیے بھیجا جس وقت وہ واپس آئے رسول اللہ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے علی بیٹھ گئے رسول اللہ نے انکی گود میں اپنا سر

کھ دیا پھر ذرا حرکت نہ کی یہاں تک آفتاب غروب ہوگیا۔ اسکے بعد آپکی آنکھ کھلی پوچھا تم نے عصر پڑھی ہے علی نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے آفتاب کے لوٹ آنے کی دعا کی۔

اب اور سنئے! ابراھیم بن حسن نے فاطمہ سے اُنہوں نے اسماء بنت عمیس سے اسطرح روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ کے عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد جبرئیل آپ پر نازل ہوئے آپ کا سر علی کی گود میں تھا اور آپ سو رہے تھے اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا پھر آگے کا واقعہ مثل سابق روایتوں کے ہے۔ مگر طحاوی نے اسی سند سے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے کہ رسول اللہ پر وحی آرہی تھی اور آپ کا سر مبارک علی کی گود میں تھا اِس لیے علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ آپ ذرا اس پر توجہ فرمایئے کہ طحاوی کے الفاظ پہلی روایتوں کے بالکل مناقض ہیں ان روایتوں میں تو یہ تھا کہ رسول اللہ علی کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہے تھے اور اتنے سوئے کہ آفتاب بھی غروب ہوگیا۔ اور عصر کی نماز بھی جاتی رہی اور پھر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ یہ قصہ غزوہ خیبر کا ہے۔ جو صہبا میں ہوا ہے۔ طحاوی کی روایت میں آپ کا جاگنا مذکور ہے اور جبرئیل کا وحی لے کے آنا یہ تناقض اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ روایت محفوظ نہیں ہے کیونکہ ایک یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ سوتے تھے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ آپ جاگتے تھے اور آپ کی طرف وحی کی جاتی تھی یہ دونوں قول محض بالکل غلط اور سرتاپا غلط ہیں۔ اس لئے کہ عصر کے بعد سونا مکروہ ہے اس سے حضور انور نے منع فرمایا ہے اِس کے علاوہ حضور انور کی فقط آنکھیں سویا کرتی تھیں دل نہیں سوتا تھا پھر علی سے عصر کی نماز کیونکر فوت ہوجاتی؟ اب بحث کا دوسرا پہلو لیجئے نماز فوت کرنیکی دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ یہ جائز ہو، یا جائز نہ ہو، پس اگر یہ جائز تھا اور علی نے آفتاب غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی تو اُن پر کوئی گناہ نہ رہا کیونکہ حضور انور غزوۂ خندق میں ایسا کر چکے تھے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی مگر آفتاب آپ کے لیئے نہیں لوٹایا گیا اسی طرح ایک دن خود رسول اللہ، علی اور تمام صحابہ صبح کے وقت سوتے رہ گئے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا پھر سب نے بعد میں نماز پڑھی مگر اُن کے لیے آفتاب کو شرق کی طرف نہیں لوٹایا گیا۔ اگر نماز کا فوت کرنا حرام تھا تو عصر کا فوت کرنا کبیرہ گناہ ہوا کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اُس کا گھر بار

سب چھین لیا گیا۔ علی خوب جانتے تھے کہ عصر کی نماز صلوۃ الوسطیٰ ہے پھر وہ اُسے کیونکر فوت کر سکتے تھے۔ صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ سے نماز عصر فوت ہوگئی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تو آپ نے اُن دشمنان دین کو جنہوں نے عصر کی نماز فوت کرادی بددعا دی تھی. یہ واقعہ غزوۂ خندق کا ہے اور غزوہ خیبر اُسکے بھی بعد ہوا ہے پس علی کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ ایسا کبیرہ گناہ کرتے اور جبرئیل یا رسول اللہ اُنہیں ایسا کرنے دیتے یاد رکھو جس نے ایسی بیہودگی کی تو یہ اُسکے گناہوں میں شمار ہوگی نہ کہ مناقب میں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ علی بیشک اُس سے مبرا تھے نماز کے فوت ہوجانے کے بعد اگر آفتاب لوٹ کے آ بھی گیا تو یہ گناہ اُسکے ذمے ساقط نہیں ہوسکتا.

اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب یہ قصہ جنگ خیبر میں سارے لشکر کے سامنے ہوا تھا اور لشکریوں کے تعداد ۱۴۰۰ سے زیادہ تھی تو ضرور ہے کہ ساری فوج اُسے دیکھا ہوگا ایسے عجوبہ حادثات کا مشاہدہ کرنا اور پھر خاموش ہوجانا یہ انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے وہاں تو اس سرے سے اُس سرے تک غل مچ جاتا اور ہر شخص اس واقعہ کو بیان کرتا تعجب ہے کہ نظام فلکیات میں ایسا تغیر عظیم واقع ہو اور پھر کُل کُرے اپنی اصلی حالت پر رہیں اور ہمارا یہ چھوٹا سا سیارہ یعنی زمین بالکل بے حس وحرکت رہے یہاں تک اُن ۱۴۰۰ لشکریوں کے منہ پر بھی مہر لگ جائے کہ وہ اِس حادثہ عظیمہ کی نسبت ہوں ہاں کچھ نہ کریں اور فقط ایک یا دو آدمی اُسے نقل کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں حقیقت میں ایک عجائب و غرائب داستان ہے جس کو بوالعجبی لاثانی ہے. خود صحابہ اگر اس روایت کو نقل کرتے تو اُن سے اہل علم ضرور لیتے جیسا کہ اُنہوں نے ان تمام واقعات کو لیا ہے جن واقعات کو مجہول لوگوں نے نقل نہیں کیا بخلاف ان مفروضہ اوصاف کے راویوں کے جن کے نہ حافظے کا کچھ ٹھیک ہے نہ عدالت کا پتہ چلتا ہے نہ اس حدیث کی اسناد میں کوئی ایسی سند ہے جس سے اُسکے ناقلین کے عمدہ حافظے اور عادل ہونے کا یقین ہوجائے نہ اُس کی اسناد کا اتصال معلوم ہوتا ہے یہ حدیث نہ حدیث کی معتبر کتابوں میں سے کسی میں ہے نہ اسے محدثین نے نقل کیا ہے نہ اہل سنن نے نہ اہل مسانید نے بلکہ وہ سب کے سب اُسکے ترک کرنے اور اُس سے اعراض کرنے پر متفق ہیں.

حضرت علی اور مچھلیوں کا سلام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام اہل سیر نے یہ روایت کی ہے کہ کوفہ میں ایک مرتبہ اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ غرق ہونے کے خوف سے مرے جاتے تھے۔ اخیر سب نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے فریاد کی تو آپ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار ہو کے نکلے۔ یہ کل فریادی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے فرات کے کنارے پر اُتر کے دعا کی اور پانی پر وہ چھڑی ماری جو آپ کے ہاتھ میں تھی اُسی وقت چڑھاؤ جاتا رہا اور پانی اُتر گیا. صاف زمین نکل آئی بہت مچھلیوں نے آپ کو سلام کیا مگر جری اور مراہی اِن دو قسم کی مچھلیوں نے سلام نہ کیا۔ یہ دیکھ کے لوگوں کو سخت تعجب ہوا سب نے امیر المؤمنین سے دریافت کیا ان دو قسم کی مچھلیوں کا سلام نہ کرنا یعنی چہ حضرت علی نے جواب میں ارشاد کیا کہ جن مچھلیوں کو خدا نے حلال کیا ہے اُنہیں تو گویائی دے دی اور جنہیں ناپاک اور حرام کیا ہے اُنہیں نہیں دی. فقط.

جواب: یہ اور بھی سب سے زیادہ مزے دار کہانی ہے اور ایسی کہانی ہے جسکی لذّت وہی جانتے ہیں جنہیں مشرقی فسانے پڑھنے کا شوق ہے اور اپنے اِسی شوق میں وہ بوستان خیال دیکھ چکے ہیں. ایک چھڑی مارنے سے پانی کا اُتر جانا۔ زمین کا نقل آنا اور پھر مچھلیوں کا عربی بولنا اور حضرت علی کی زبان میں سلام کرنا یہ ساری کائنات کو درہم برہم کرنے والی کرامتیں حضرت علی کے ساتھ اُن میں دیکھتے تھے مگر پھر بھی اپنے خلیفہ یعنی علی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور اُنہیں ہر طرح ستاتے اور پریشان کرتے تھے اور علی کے شیعوں کی نظروں میں علی کی کچھ بھی وقعت نہ تھی جس کا رونا نہج البلاغت کے مصنف نے ضرورت سے زیادہ رونا رویا ہے پھر اس روایت کی اسناد دریافت کی جاتی ہیں جو اُسکے صحیح اور ثابت ہونے پر دلالت کریں ورنہ بلا اسناد محض حکایتیں بیان کر دینی کچھ مشکل نہیں ہیں یہ ہر شخص کر سکتا ہے لیکن ایسی حکایتیں حُجت نہیں ہو سکتیں دوسرے حضور انور رسول اللہ کا کوئی خچر علی کے پاس نہ تھا تیسرے اِس حکایت کو اِن کتابوں کے مؤلفوں میں سے کسی نے نقل کیا جو معتمد سمجھی جاتی ہیں اگر یہ قصہ صحیح ہوتا تو اُسے ناقلین ضروری نقل کرتے خود شیعی علماء اِس حکایت کی اسناد بیان کرنے میں ساکت ہیں۔ بھلا جس حکایت کی اسناد نہ ہوں اُسے کیونکر تسلیم کیا جائے چوتھے یہ مچھلیاں سب کی سب مباح

اور حلال ہیں۔ جیسا کہ حضور انور رسول اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے آپ نے دریا کی بابت فرمایا تھا کہ دریا کا پانی پاک ہوتا ہے اور اُس کی مچھلیاں حلال ہوتی ہیں. اسکے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے. اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ. اسکے علاوہ سب قسم کی مچھلیاں حلال ہونے پر ساری امت اور سارے ائمہ کا اتفاق ہے خود علی مع تمام صحابہ کے سب قسم کی مچھلیوں کو حلال سمجھتے تھے. پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ خاص خاص مچھلیوں کو اللہ تعالے نے حرام کر دیا اُس سے زیادہ ظالم و جاہل کون ہوگا کہ اللہ تعالے نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہو وہ اُسے حرام قرار دے. پانچویں مچھلی کا گویا ہونا عادتاً اُس کی قدرت سے باہر ہے ہاں یہ تسلیم کرتے ہیں. کہ اللہ تعالے اگر چاہے تو مچھلی کو گویا کر سکتا ہے پھر جو مچھلی گویا نہ ہوئی اُس بیچاری کا کیا قصور ہے کہ اِس جرم میں وہ حرام قرار دی جائے کیا یہ ایک جنون ہے کہ ایک جانور کو کوئی شخص اس لیے گنہگار ٹھہرائے کہ وہ انسان کی طرح باتیں نہیں کرتا اب ایک پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ اللہ نے تو اُس مچھلی کو گویا کیا تھا مگر وہ اپنی شرارت سے بولی نہیں اس لیے اُسے حرام قرار دیا گیا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کا اُسے گویائی کی قدرت دے دینا اگر صحیح ہے تو یہ علی کی کرامت کی وجہ سے ہوگا مگر کرامت اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب وہ آپ کو سلام کرے نہ کہ محض اس میں گویائی کی قدرت پیدا ہونے سے اظہار کرامت ہوسکتا ہے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ مچھلیوں سے سلام کرانے کی علی کو کوئی ضرورت نہ تھی وہاں کوئی ایسا سبب نہ تھا جو ایمان کی تقویت کے لیے خرقِ عادت یعنی خلاف عادت ہونے کا مقتضی ہوتا کیونکہ یہ تو کسی حجت کے قائم کرنے کے لیے ہوا کرتا ہے وہاں کسی ایسی حجت کی ضرورت نہ تھی. صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے رتی رتی حالات کتابوں میں موجود ہیں۔ کسی صحابہ کو کسی مچھلی نے کبھی سلام نہیں کیا ہم تو پھر بھی کہتے ہیں کہ ایسی حکایتوں کے تصنیف کرنے سے علی کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے اِن جانڈو خانوں کی گپوں سے حضرت علی کی فضیلت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا نہ انہیں ایسے اضافے کی ضرورت ہے۔

حضرت علی اور ایک سانپ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اہل سیر کی ایک جماعت نے روایت

کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابو طالب کوفے میں ممبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک سانپ نکل کے ممبر پر چڑھنے لگا لوگوں نے اُسے مارنا چاہا امیر المومنین نے انہیں منع کر دیا جب آپ خطبہ ختم کر کے ممبر سے اُترے تو لوگوں نے دریافت کیا حضرت یہ کیا اسرار تھا آپ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنوں کا بادشاہ تھا وہ ایک مقدمہ میں مجھ سے رائے لینے آیا تھا میں نے اُسے رائے دے دی جس دروازے سے یہ سانپ آیا تھا اُسے اہل کوفہ باب الثعبان کہتے ہیں بنوامیہ نے اِس فضیلت کے مٹانے کے لیے اِس دروازے کا نام بدل دیا۔

جواب: یہ بھی محض غلط اور بالکل غلط ہے کیسا سانپ اور کیسا جنوں کا بادشاہ بیوقوف کو عین اُس وقت جبکہ علی خطبہ پڑھ رہے تھے مشورہ لینے کی ضرورت ہوئی اُس میں اتنی عقل نہ تھی کہ علی خطبہ ختم کر چکیں تو میں اپنے مقدمہ میں ان سے مشورہ لوں اور جب وہ ہر قسم کی تبدیل ہیت پر قادر تھا تو اُس بیوقوف جن کو سانپ کی صورت میں آنا نہیں چاہئے تھا بلکہ وہ آدمی کی صورت میں سائل بن کے آتا اور اپنا مطلب حاصل کر لیتا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک راز رکھنا چاہتا تھا تا کہ کسی پر ظاہر ہو کہ جنوں کا بادشاہ مشورہ لینے کے لیے آیا تھا۔ مگر حضرت علی جیسے شخص کے لیے کسی طرح زیبا نہ تھا کہ یہ راز افشاں کر دیا جاتا۔ اب دوسرا پہلو اس روایت کا خیال کیجئے اگر اسے تسلیم کر لیں کہ ایسا واقعہ ہو کہ شہنشاہ جن سانپ کے برن میں آیا اور اُس نے حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُس میں حضرت علی کی کوئی فضیلت نہیں نکلتی کیونکہ اِس قسم کی سینکڑوں حکایتیں ان لوگوں کی نسبت مشہور ہیں جو حضرت علی سے بہت ہی کم درجے تھے پھر ایسی باتوں سے اُن کی افضلیت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ ایسی باتیں خود ہمارے مقابلے میں بھی علی کی فضیلت پر حجت نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ ابوبکر و عمر کے مقابلے میں حُجت ہو سکیں ایسی بہت سی کتابیں مسلمانوں کی کرامتوں کے بیان میں تصنیف ہوئی ہیں۔ جن میں ایک ایک کرامت اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کے ہے مثلاً ابن ابی الدنیا کی کتاب خلال کی کتاب لالکائی وغیرہ کی کتابیں ابونعیم کا حلیہ اور صفوۃ الصفوۃ وغیرہ ایسے ہی خرق عادات سے بھری ہوئی ہیں اور وہ خرق عادات اُن لوگوں سے ظہور میں آئے ہیں جو علی سے بہت ہی کم درجے پر ہیں علاء بن حضرمی کا پانی کے اُوپر سے

چلا جانا پانی کے خشک ہو جانے سے بیشک بڑھ کے ہے اسی طرح وہ گائے جس نے قادسیہ کے واقعہ میں سعد بن ابی وقاص سے باتیں کی تھیں اسی طرح فاروق اعظم کا یا ساریۃ الجبل کی آواز دینا حالانکہ آپ اُس وقت مدینہ منورہ میں تھے اور فوج نہاوند میں تھی پھر خالد بن ولید کا زہر پی لینا اور ابو مسلم خولانی کو آگ میں ڈال دینا پھر آگ کا یک لخت بجھ جانا یہ کُل واقعات ایسے ہیں جو حضرت علی کی اُن خرقِ عادات سے بڑھ چڑھ کے ہیں مگر تو بھی یہ لوگ سوائے فاروق اعظم کے حضرت علی سے کم درجے پر ہیں۔ اِس سے ایک معمولی عقل کا شخص بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایسی کہانیاں جو حضرت علی کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے تراشی گئی ہیں محض بے سود ہیں۔

حضرت علی کا جامع فضائل: شیعی علماء فرماتے ہیں فضائل تین قسم کے ہیں نفسانی، بدنی اور خارجی پہلی دو قسموں کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اُسی کی ذات کے ساتھ متعلق ہیں یا غیر کے ساتھ مگر امیر المؤمنین علی ان سب قسموں کے جامع تھے وہ فضائل نفسانی جو آپ کی ذات سے متعلق تھے اُن سے آپ کا علم، زہد، کرم اور بردباری وغیرہ پائے جاتے تھے۔ اور وہ ایسے مشہور ہیں کہ بیان کی ضرورت نہیں اور جو غیر سے متعلق تھے وہ بھی ایسے ہی مثلاً آپ سے علم کا ظاہر ہونا اوروں کا آپ سے فیض اُٹھانا ظاہر و باہر ہے اسی طرح آپ کے فضائل بدنی ہیں مثلاً عبادت، شجاعت، سخاوت اب رہے فضائل خارجی مثلاً نسب اس میں رسول اللہ سے قرابت داری ہونے کے باعث آپ کے برابر کوئی بھی نہیں ہے آپ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہم آپ کے نکاح میں دے دیں تھیں (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) اخطب خوارزم نے کتاب السنۃ سے سند کے ساتھ جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب علی کا فاطمہ رضی اللہ عنہم سے نکاح ہوا تو یہ نکاح اللہ تعالے نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر خود ہی کر دیا تھا۔ خدا قاضی بنا تھا اور براتی ستر ہزار فرشتے تھے جو جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ ان سب کے سامنے اللہ نے نکاح پڑھایا تھا پھر اللہ نے طوبے کے درخت کی طرف وحی کی کہ تجھ میں جتنے موتی اور جواہرات ہیں سب جھاڑ دے اُس نے فوراً حکم کی تعمیل کی پھر اللہ نے حور عین کی طرف وحی کی کہ اس شادی کی خوشی میں تم موتی اور جواہرات پہن لو۔ چنانچہ وہ قیامت

تک پہنچے رہیں گی اِس کے علاوہ اس بارے میں اور بھی بہت سی روایتیں ہیں (پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) کہ امیر المومنین علی کی اولاد ورسول اللہ اور آپ کے والد کے بعد سب سے زیادہ شریف ہے۔حذیفہ یمانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ کو دیکھا آپ حسین بن علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرما رہے تھے اے لوگو یہ حسین ہے اسے اچھی طرح پہنچان لو اور اسے افضل سمجھو قسم ہے اللہ کی اسکا نانا اللہ کے نزدیک یوسف بن یعقوب کے دادا ابراہیم خلیل اللہ سے زیادہ معزز اور مکرم ہے یاد رکھو یہ حسین ہے اسکا نانا بھی جنتی ہے اِس کی نانی بھی جنتی اسکی ماں بھی جنتی اسکا باپ بھی جنتی اسکا ماموں بھی جنتی اِسکی خالہ بھی جنتی اِسکا چچا بھی جنتی اسکی پھوپی بھی جنتی اور اسکا بھائی بھی جنتی اور یہ خود بھی جنتی اور اس سے محبت رکھنے والے بھی جنتی اور جن سے اِسے محبت ہو وہ بھی جنتی ہیں (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) حذیفہ سے دوسری روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک رات کو میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں سو گیا تھا وہاں ایک شخص دیکھا جسے میں پہچان نہ سکا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا تم نے اِسے دیکھا میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ دیکھا لیکن میں اِسے پہنچانتا نہیں کہ یہ کون ہے فرمایا کہ یہ فرشتہ ہے جب سے میں پیغمبر کیا گیا ہوں یہ کبھی میرے پاس نہ آیا تھا آج اللہ تعالے کی طرف سے یہ مجھے خوشی سنانے آیا ہے کہ حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں اُن کے علاوہ محمد بن حنیفہ بھی بڑے عالم فاضل تھے یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں نے اُن کے امام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔فقط۔

جواب: وہ امور جو نفسِ ایمان اور تقویٰ سے خارج ہیں اُن سے اللہ کے نزدیک کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی ہاں اُس وقت اُن سے فضیلت حاصل ہوسکتی ہے کہ جب یہ اُس پر معین ہوں کیونکہ یہ وسائل میں داخل ہیں نہ کہ مقاصد میں جیسے مال، قوت، صحت وغیرہ یہ وسائل ہیں۔وجہ یہ ہے کہ انکے سبب سے انسان اللہ کے نزدیک افضل نہیں ہوسکتا۔ہاں جب یہ اللہ کی اطاعت پر اُسکے مقصود کے موافق اُس کی اعانت کریں اللہ تعالی فرماتا ہے. يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۳) یعنی اے

لوگو! بیشک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تم باہم پہچان رکھو (اور نسب وغیرہ پر غرور نہ کرو) بیشک اللہ کے نزدیک تم سب میں بزرگ وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کسی نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے فرمایا جو تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ عرض کیا ہم یہ آپ سے نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا تو ایسے بزرگ یوسف ہیں کہ خود بھی نبی ہیں یعقوب نبی کے بیٹے اسحاق نبی کے پوتے ابراہیم خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں سائل نے عرض کیا حضور ہم سے بھی نہیں دریافت کرتے آپ نے فرمایا کیا تم عرب کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو کہا ہاں فرمایا جو زمانہ جاہلیت میں بہتر اور شریف تھے وہی اسلام میں بھی بہتر اور شریف ہیں لیکن اس حالت میں کہ وہ علم دین حاصل کریں۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حضور انور ﷺ کا پہلا جواب کیا ٹلا ہوا ہے کہ سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ اگر چہ نہ کسی نبی کا بیٹا ہو نہ کسی نبی کا باپ ہوا ابراہیم یوسف سے زیادہ اللہ کے نزدیک بزرگ ہیں اگر چہ یوسف کا باپ نبی تھا اور ابراہیم کا باپ آزر تھا۔ اسی طرح نوح یعقوب سے زیادہ بزرگ ہیں اگر چہ یعقوب کی اولاد انبیاء اور نوح کی اولاد انبیاء کی اولاد نہیں ہوئی۔ جب سائل نے حضور انور سے یہ دریافت کیا کہ ہمارا مقصود یہ نہیں ہے بلکہ ہمیں نسبی بزرگ دریافت کرنا منظور ہے اس پر آپ نے یہ جواب دیا کہ نسب میں سب سے زیادہ وہ ہے جسکا نسب انبیاء سے ملا ہوا ہو لہذا تمام اولاد آدم میں یوسف سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی نبی ہیں اُن کا باپ بھی نبی تھا اور اُنکا دادا بھی نبی تھا۔ پھر سائل نے عرض کیا کہ ہمارا یہ بھی مقصود نہیں ہے بلکہ ہم تو اس بزرگی کو دریافت کرتے ہیں جس کو ہم سے تعلق ہو اس پر حضور انور ﷺ نے دریافت کیا عرب کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو اگر تمہارے یہی مطلب ہے تو جان لو کہ یہ لوگ مثل معدنیات کے ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں جو ان میں جاہلیت کے زمانہ میں بہتر اور شریف تھے وہی اسلام میں بہتر اور شریف ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ علم دین حاصل کریں اور عقل سے کام لیں۔ یہاں حضور انور ﷺ نے یہ بیان فرما دیا کہ انساب مثل معدنیات کے ہیں کیونکہ آدمی نسب ہی سے پیدا ہوتا ہے

جیسا کہ سونا اور چاندی اپنی اپنی کانوں سے پیدا ہوتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں جس زمین سے سونا پیدا ہوتا ہو وہ زمین اُس زمین سے افضل اور بہتر ہے جس سے چاندی پیدا ہوتی ہو مگر یہ بات بھی قدرتاً لازمی ہے کہ سونے کا کانیں ہمیشہ اچھا ہی سونا نہیں دیتیں مثلاً ایک کان میں ایک ڈلا پانچ سیر کا برآمد ہوا اُس میں سے سونا بمشکل ایک ہی ماشہ نکلا پھر دوسرا ڈلا اُسی وزن کا اور برآمد ہوا جس میں سے نہایت آسانی کے ساتھ چار پانچ تولہ سونا نکل آیا اگر بتدریج اِس کان کی حالت خراب ہوتی گئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ سونے کا نام ونشان مٹ گیا اور اخیر اُس کان کے مالک کو وہ کان بند کردینی پڑی اِسکے علاوہ ایک باریک بات اور بھی ہے کہ محض تعلیم سے انسان بزرگ ہوتا ہے جیسا کہ خود حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے چاندی اور سونے کو لو اگر سونے کا کوئی زیور کسی معمولی کاریگر کا بنایا ہوا ہے تو روپے دو روپے تولہ سے زیادہ اُس کی مزدوری نہیں ہے اور چاندی کا زیور اگر اعلٰے درجہ کے کاریگر کا بنا ہوا ہے تو اُس کی مزدوری پچاس اور ساٹھ روپے تک تولہ پہنچ جاتی ہے جو سونے کی قمت سے بدرجہا زیادہ ہے. چاندی کو چھوڑ کے لوہے کو دیکھو جو معمولی طور پر سونے سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا مگر کاریگر کے ہاتھ میں آنے سے وہ اپنے ہم وزن سونے سے سینکڑوں گنا زیادہ قیمت میں فروخت ہوتا ہے. لوہے کی تلوار پیپلا جسکا وزن شاید مشکل سے ایک پونڈ ہو دس دس ہزار اور بیس بیس ہزار روپے کا فروخت ہوا ہے حالانکہ ایک پونڈ سونے کی قیمت ایک ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہوسکتی. یہ بیشک صحیح ہے کہ ایک شخص اعلی سوسائٹی میں پیدا ہوا ہو اُس سے افضل ہے. جو ادنٰی سوسائٹی میں پیدا ہو مگر یہ فضیلت اضافی ہے اور ہنگامی اصلی فضیلت کا جوہر تو اُس وقت کھلے گا جب تلیم اور اتقا دونوں کا وزن کیا جائے گا. اِن دونوں خاندان کے بچوں میں جس کی تعلیم اور اتقا اچھا ہو وہی افضل ہوگا سب سے بڑی بات جو اسلام کی عمارت کا بہت بڑا رکن ہے یہ ہے کہ جو شخص زیادہ پرہیزگار ہوگا وہی زیادہ بزرگ ہوگا اس میں نہ کسی حسب نسب کی قید ہے نہ نبی کے باپ ہونے نہ بیٹے ہونے کی نہ اسکے ثبوت کا دارومدار گمان پر ہے نہ دلائل پر اس لحاظ سے اللہ تعالی کی نظر میں اگر دو آدمی پرہیزگاری میں برابر ہیں تو یقیناً وہ مرتبے میں بھی برابر ہوں گے اگر چہ ان میں سے ایک کا باپ یا بیٹا دوسرے کے باپ یا بیٹے سے افضل ہی کیوں نہ ہو یاد رکھو نبی کی اولاد میں سے ہونا کچھ فضیلت نہیں ہے بلکہ نیک عمل کرنے داخل

فضیلت ہیں قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کسی کی نسبت کی وجہ سے کہیں کسی کی تعریف نہیں کی نہ بنی اولاد ہونے پر نہ نبی کے والد ہونے پر بلکہ جہاں کہیں تعریف کی ہے وہاں اُنکے ایمان اور اعمال صالحہ پر کی ہے اور اسی سے سارا قرآن مجید بھرا پڑا ہے ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا **لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لا سود علی البیض الا بالتقوی الناس من ادم وادم من تراب** یعنی نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر ہاں پرہیزگاری کی وجہ سے (ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے) کیونکہ سب آدمی اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے. پھر حضور انور ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں **ان اللہ قداذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ فخر ھا بالا باء الناس رجلان مومن تقی وفاجر شقی.** یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اثر اور باپ داداؤں پر فخر کرنے کو بالکل مٹا دیا ہے اب آدمی دو قسم کے ہیں یا تو مومن پرہیزگار ہیں یا فاجر بدکردار ہیں. اگر ایک آدمی اِس حکم یا فیصلے کے بموجب عربی ہے اور دوسرا قریشی تو یہ اللہ کے نزدیک اپنے اپنے تقوے کی وجہ سے افضل وادنیٰ ہونگے اگر تقوے میں دونوں برابر ہیں تو مرتبے میں بھی اللہ کے نزدیک دونوں برابر ہونگے اور اگر تقوے میں ایک دوسرے سے افضل ہے تو وہی فضیلت مرتبے میں بھی اثر پذیر ہوگی کس کا بنی ہاشم اور کسکا بنی امیہ. کس کا نبی زادہ اور کیسا نبی کا داماد. اپنے اس رشتے سے اللہ تعالیٰ کی نظروں میں کبھی معزز ومحترم نہیں ہوسکتے جب تک انکے نیک اعمال کا وزن دوسروں سے بڑھا ہوا نہ ہو.

''بندہ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی کاندرین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست''

خدا کے نزدیک فضائل خارجیہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہاں اگر یہ فضائل فضائل داخلہ میں ترقی ہونے کا سبب ہوں تو بیشک فضائل خارجہ وقعت سے دیکھے جاسکتے ہیں مگر تو بھی فضیلت کا انحصار محض فضائل داخلہ پر ہی ہوگا. اب فضائل بدنیہ کو لو اگر وہ فضیلت نفسانی سے صادر نہ ہوں تو اُن کا کچھ بھی اعتبار نہیں اور وہ بالکل ایک بے وقعت چیز ہیں. بغیر خالص نیت کے اگر کسی نے نماز پڑھی یا روضہ رکھا تو ثواب درکنار رہا ایسے شخص پر سخت عذاب ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے

مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کا دارومدار محض قلب کی کیفیت پر ہے اور قلب کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی جانتا نہیں۔ ہزاروں آدمی نادانی سے کسی کو اولیاء اللہ کسی کو قطب کسی کو ابدال اور کسی کو معصوم قرار دیتے ہیں اور اپنی تخیل کے صدقہ میں اُسکی پرستش کرنے لگتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس کوئی آسمانی شہادت ان پیروں کی ولایت کی نہیں آ گئی. جسے چاہا جو کچھ سمجھ لیا اور جسے چاہا جو کچھ بنا دیا. کسی کے بنانے اور کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا. مثلاً ایک جماعت نے ایک یا کئی اشخاص کو معصوم قرار دے دیا حالانکہ اُس کی عصمت کا مشاہدہ اُنہوں نے کبھی اپنی آنکھ سے نہیں کیا. اس کے ہم صحبتوں کے بیانات اس قدر راو پری اور لغو ہیں کہ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ لغویات اور خرافات ایک انسان کی ذات سے کیونکر چسپاں ہوسکتی ہیں غرض معصوم کے حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے معصوم کی نسبت کوئی ایسی عینی شہادت جس سے اُس کے باطنی حالات اور ظاہری اخلاق صاف طور پر بے شک وشبہ معلوم ہوجائیں ایک بھی نہیں. غرض یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ہے جسے جو کچھ چاہے بنا دیں مگر ان لوگوں کو یہ حق نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کو بھی مجبور کریں کہ تم بھی ہمارے پیر مغاں یا معبود برحق کو ایسا ہی مانو.

اب رہی یہ بات کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت یہ بھی ہمارا مفروضہ اور ذاتی تخیل ہے. یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس پر فصیلت ہے علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے کہ وہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر اپنی طرف سے فضیلت نہیں دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قلوب کی کیفیت پر جب انسانی فضیلت کا مدار ہے اور اُس کیفیت کو سوائے اللہ تعالے کے کوئی جانتا نہیں پھر اُنہیں بطور خود ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا کیا حق حاصل ہے. اب رہی صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی کی علی پر فضیلت یہ آسمانی تمسک سے ثابت ہو چکی ہے. اِسکا یہاں کچھ ذکر نہیں. ہم اِس کے علاوہ اوروں کی فضیلت پر بحث کرتے ہیں۔ جنہیں خوش اعتقادوں نے معصومیت کا تمغہ بطور خود مرحمت کر دیا ہے. ہمیں ان خیالی معبودوں کی مطلق پروا نہیں ہے نہ ہماری نظروں میں اُن کی کوئی وقعت ہے. کون نہیں جانتا کہ خوارج کا کیا مذہب ہے اور اُن کے آگے مسلمات کی اُن کے پاس ایسی مضبوط دلائل ہیں کہ شیعوں کی دلیلیں ان کے آگے کمزور ہی نہیں ہیں بلکہ بے حقیقت محض ہیں تمام

خوارج کا اس پر اتفاق ہے کہ عثمان اور علی مسلمان نہیں تھے وہ بڑے شد و مد سے بہ دلائل ساطعہ علیؓ کو کافر کہتے ہیں حالانکہ ہم اس میں اُن کے موید نہیں ہیں. ہمارا مطلب اس لکھنے سے یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین کے بارے میں یہ اختلاف اور یہ کٹا چھنی ہے تو پھر دوسروں کا کیا ذکر. معصوم ہوں یا غیر معصوم، غائب ہوں یا حاضر ان ٹٹ پونجیوں کو کون پوچھتا ہے.

حضرت علی کی ذریات یا ائمہ اثنی عشر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہم بارہ اماموں کی امامت کو بہت سے طریقوں سے ثابت کر سکتے ہیں منجملہ ان کے ایک طریقہ نص ہے اور اس نص کو تمام مشرقی اور مغربی شہروں کے شیعوں نے متواتر نقل کیا ہے یعنی اس طرح پر کہ خلف نے سلف سے اور سلف نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے. آپ نے حسینؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ امام کا بیٹا امام کا بھائی اور نو اماموں کا باپ ہے. ان کا نواں امام، امام قائم ہے اُس کا نام میرے نام پر ہے اُس کی کنیت میری کنیت ہے وہ روئے زین کو عدل و انصاف سے ایسی بھر دیگا جیسی وہ پہلے ظلم و ستم و زیادتیوں سے بھری ہوئی ہوگی.

پہلا جواب: شیعی علماء بھی جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے اناپ شناپ لکھ مارتے ہیں اور آگے پیچھے کی مطلق خبر نہیں رکھتے. اصل یہ ہے کہ یہ شیعوں پر نرا اتہام ہے. شیعی فرقوں میں سے سوائے چند فرقوں کے کسی نے اسے نقل نہیں کیا بلکہ قریب قریب شیعوں کے کل فرقوں نے اِسکی تکذیب کی ہے. زیدیہ تو سب کے سب ہی اِسے جھوٹ کہتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اسماعیلیہ بھی سب کے سب اِس کے غلط اور محض غلط ہونے کی شہادت دیتے ہیں. غرض اثنی عشریہ کے علاوہ سارے فرقے اسکی تکذیب کرتے ہیں. شیعوں کے کل فرقوں کی تعداد ستر کے قریب ہے. جب سب کے سب اسکی تکذیب کر رہے ہیں. پھر بھلا ایک اثنی عشریہ کی کیا سند ہے. جب یہ بات ہے تو شیعوں میں تواتر کس طرح ہوسکتا ہے.

دوسرا جواب: یہ اس نص کے بالکل معارض ہے جو اثنی عشریہ کے سوا اور شیعوں نے نقل کی ہے وہ اُن لوگوں کی امامت کے بھی قائل ہیں جنہیں اثنی عشریہ امام نہیں مانتے اور وہ ایسی روایتوں کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں

جنہیں اثنی عشریہ نہیں مانتے مطلب یہ ہے کہ ان کی نص سے اثنی عشریہ کی نص بالکل علیحدہ ہے.

تیسرا جواب: شیعی متقدمین علماء میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اِس نص کو نقل کیا ہو اور نہ کسی نے اُسے کسی کتاب میں ذکر کیا نہ کبھی کسی مناظرہ اور مباحثہ میں اُس سے حجت کی. اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ ایجاد بندہ میں داخل ہے اور متاخرین کی مہربانی ہے کہ اُنہوں نے یہ ایجاد کر لی. یہ ایجاد غالباً اُس زمانہ کی معلوم ہوتی ہے کہ جب حسن بن علی العسکری کا انتقال ہوا ہے. کیونکہ رافضیوں کا خیال ہے کہ اس حسن کا بیٹا محمد غائب ہے اِس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور انور ﷺ کے پورے دو سو پچاس برس کے بعد یہ نص گھڑی گئی اور بس۔

چوتھا جواب: یہ سب جانتے ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں کے علماء شیعوں سے کئی گناہ زیادہ ہیں. یہ سب کے سب ایسے یقین کے ساتھ جس میں مطلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضور انور ﷺ پر نرا بہتان ہے. بلکہ وہ فریق مقابل سے اس پر مباہلہ کرنے کو تیا ر ہیں اگر علماء شیعہ یہ دعوے کریں کہ اِس کے تواتر کو اچھی طرح جانتے ہیں تو اُنکا یہ دعویٰ مسلمان علماء کے اِس جھوٹ ہونے کے دعوے سے ہرگز بڑھا ہوا نہ ہوگا. کیونکہ ان کے دعوے کے شاہدوں سے مسلمانوں کے دعوے کے شاہد کہیں زیادہ ہیں.

پانچواں جواب: منجملہ تواتر کی اور شرطوں کے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اُسے ہر زمانہ میں اس قدر آدمیوں نے نقل کیا ہو کہ اُس کے حق ہونے کا ہر زمانہ میں یقین ہوتا رہا ہو. حالانکہ حسن بن علی العسکری کے مرنے سے پہلے اس منتظر کی امامت کا کوئی قائل نہ تھا نہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں اُسے کوئی جانتا تھا نہ بنی امیہ کی حکومت میں کوئی اُس سے یا اثنی عشریہ سے واقف تھا بلکہ وہ مدعی جنہوں نے علی پر یا اور لوگوں پر نص ہونے کا دعوی کیا وہ بھی اِس منتظر کے بعد ہوئے ہیں لیکن اثنی عشر اور اس قائم پر نص کا دعوے کرنا ایسا ہے متقدمین میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہے چہ جائے کہ متقدمین سے اسکی نقل متواتر ہو.

چھٹا جواب: صحابہ میں کبھی کوئی رافضی نہیں ہوا اور اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ان میں بھی چند آدمی رافضی تھے تو یہ اُن پر یقیناً بہتان اور جھوٹ ہے اور اگر بفرض محال اُسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو اِن سے تواتر ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ تھوڑے سے آدمی جو کسی مذہب پر متفق ہوجائیں تو اُن کا جھوٹ پر متفق ہوجانا ممکن ہے. اب رہے رافضی یہ تو صاف کہتے ہیں کہ جمہور صحابہ جھوٹے تھے پھر اس نقل کے ناقلین پر باوجود اُنگلیوں پر اُنکا شمار ہونے کے کیونکر اُنہیں جھوٹا نہ سمجھیں کے. یہ بھی اِس صورت میں ہے کہ کسی نے اُسے نقل کیا ہو. مگر جس صورت میں کہ صحابہ میں ایسا کوئی ہوا ہی نہیں جس سے یہ نقل متواتر ہو تو پھر اُس کا تواتر سرے ہی سے جاتا رہے گا.

ساتواں جواب: خود رافضی کہتے ہیں کہ چند آدمیوں کہ مقابلے میں ایک نص کا انکار کردینے کے باعث تمام صحابہ اسلام سے مرتد ہوگئے تھے اور وہ چند آدمی دس ہیں یا اس سے کچھ کم زیادہ یعنی عمار، سلمان، ابوذر اور مقداد وغیرہ، اچھا یہ امر بھی مسلم ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے بھی اِسے نقل نہیں کیا اور صحابہ کے جمع غفیر بڑی بات نہیں پہنچائی جس سے لاکھوں صحابہ مرتد ہونے سے بچ جاتے. یہ ابوذر وغیرہ وہ لوگ ہیں جن کا رافضیوں کے نزدیک علی کے موالات وغیرہ پر اجماع اور اتفاق تھا اور اِس وقت اِس چھوٹی سی جماعت سے جس کا اِس کے نقل کرنے پر اتفاق ہونا ممکن ہے ہے تواتر ثابت نہیں ہوسکتا. کیونکہ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُن کا جھوٹ پر اجماع ہوگیا ہو اور جب رافضی علانیہ یہ کہتے ہیں کہ سوائے چند کے کُل صحابہ مرتد ہوگئے تھے اور ان پر اس بات کے چھپانے کا الزام لگاتے ہیں جو عادۃً کسی طرح نہیں چھپ سکتی تو پھر اِس چھوٹی سی جماعت کا جان بوجھ کر جھوٹ بولنا کیا مشکل ہے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ بدرجہ اولیٰ ممکن ہے. اسکے علاوہ جب رافضی تمام صحابہ کے جھوٹے ہونے کے تصریح کرتے ہیں. پھر باوجود اس کے کہ ان کے ناقلین بھی ٹھیک نہ ہوں گے. اِنکی تصدیق کوئی کیونکر کرسکتا ہے اور ساتھ ہی عقلاء اور علماء نقل یہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے فرقوں میں جان بوجھ کے جھوٹ بولنے والے اور حق کی تکذیب کرنے والے کونسا فرقہ ہے. بخلاف اور فرقوں مثلاً خوارج وغیرہ کے اگرچہ وہ اور امور میں بیشک بڑھے ہوئے ہیں. لیکن جان بوجھ کے جھوٹ نہیں بولتے

بلکہ سچ ہی کہتے ہیں اسی طرح معتزلہ بھی سچ بولنے میں برابر دیانت داری برتتے ہیں اختلاف رائے اور کسی بات کو غلط سمجھنا یا کسی غلط تاویل کی وجہ سے دھوکا کھانا یہ اور بات ہے مگر دیدہ و دانستہ یہ سمجھ کر کہ ہم اِس معاملہ میں جھوٹ بول رہے ہیں مسلمانوں کا ہر فرقہ اِس سے بری ہے سوائے ایک کے جھوٹ بولنے میں اپنی نظیر دنیا میں نہیں رکھتا.

آٹھواں جواب: اہل علم سب جانتے ہیں کہ ان امامیہ شیعوں کا ظہور جو اس نص کے مدعی ہیں خلفائے راشدین کے آخر زمانے میں ہوا ہے اِس مذہب کا موجد عبداللہ بن سبا ہے اِس زمانے سے پہلے ان لوگوں کا کہیں وجود نہ تھا تو پھر ان میں تواتر کس طرح ہو سکتا ہے.

نواں جواب: وہ حدیثیں جو ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کے فضائل میں صحابہ نے نقل کی ہیں تواتر عام و خاص سب کے نزدیک اِس نص کے نقل کرنے سے بدرجہا بڑھ کے ہیں اب اگر جمہور صحابہ کے اِن فضائل کو نقل کرنے میں قدح کرنی جائز ہے تو پھر اِس نص میں قدح کرنا بدرجہ اولی ہوگی اور اگر اس میں قدح کرنی مشکل سمجھی جائے تو پھر ان حدیثوں میں قدح کرنی اور بھی مشکل ہوگی جب صحابہ کے یہ فضائل جن پر نصوص کثیرہ متواتر دلالت کرتی ہیں تسلیم بھی کر لیے گئے اور ثابت بھی ہو گئے تو پھر یہ بات ماننی لازم آ جائیگی کہ جب اِس نص پر ان صحابہ کا اتفاق نہیں ہے تو اِس نص کی وقعت چانڈو خانہ کی گپ سے زیادہ نہیں رہنے کی.

دسواں جواب: امامیہ سے اِس نص کو کسی نے متصل اسناد کے ساتھ نقل نہیں کیا چہ جائیکہ نقل میں تواتر ہوتا تواتر کے الفاظ مکرر در مکرر بیان ہونے کے محتاج ہوئے ہیں کیونکہ تواتر اُسی کو کہتے ہیں جو ہر زمانے میں جماعت کثیرہ سے برابر نقل ہوتا ہوا چلا آئے اب اگر اس نص کے ناقلین نے اِس کی درس و تدریس نہیں کی تو یہ اُنکو یاد کیونکر رہ سکتی ہے اسکے علاوہ وہ بہت سے راوی ایسے کونسے ہیں جنھوں نے اُسے قرآن مجید کے الفاظ کی طرح حفظ یاد کیا ہو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب ہم صحابہ کے فضائل میں تواتر کا دعوی کرتے ہیں. تو یہ دعوی کبھی تو معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے کبھی الفاظ کے

اعتبار سے جیسا خلفائے اربعہ کی خلافت کا تواتر یا حضور ﷺ کا عائشہ صدیقہ سے نکاح ہونا یا فاطمہ کا علی سے نکاح ہونا وغیرہ اِس تواتر میں معین الفاظ کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی جن میں درس تدریس کی حاجت ہو اب وہ تواتر جو الفاظ کے نقل کرنے میں ہوتا ہے اُنہیں لوگ ازبر کرتے ہیں اور ایسا ازبر کرتے ہیں کہ ہزاروں آدمیوں میں ایک چھوٹے سے معمولی الفاظ کا بھی اختلاف نہیں ہوتا پھر ان الفاظ کے حق ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا.

گیارھواں جواب: اہل بیت سے جو متواتر منقول ہیں وہ اِس نقل کی تکذیب کرتا ہے اہل بیت نے کبھی اِس کا دعویٰ نہیں کیا کہ یہ امام منتظر منصوص علیہ ہے بلکہ جو کوئی یہ بات کہتا تھا وہ اِسکی تکذیب کرتے تھے چہ جائیکہ وہ اثنا عشریہ نص کو ثابت کرتے.

بارھواں جواب: اثنا عشری کے بارے میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے جو صحیحین میں جابر بن سمرہ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اِس وقت آپ یہ فرما رہے تھے کہ مسلمانوں کے بارہ حاکموں کے زمانے تک اُنکا یہ کام یعنی اسلام کا دور دورہ اِس طرح رہے گا پھر آپ نے آہستہ سے فرمایا جسے میں سُن نہ سکا مگر اپنے والد سے پوچھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ سب حاکم قریشی ہونگے. ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء کے زمانے تک اسلامی سلطنت عزت کے ساتھ رہے گی. لہٰذا یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اِس نص سے شیعوں کے اثنا عشری ائمہ مراد لینا ہرگز جائز نہیں ہیں اور یہ معنی اِس نص کے بن ہی نہیں سکتے کیونکہ حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اسلام ہمیشہ عزت کے ساتھ رہے گا. جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام کا دور خوب ہوگا اور جب ان بارہ خلفاء کی حکومت جاتی رہے گی یہ دور بھی ختم ہوجائیگا مگر اثنا عشریہ کے نزدیک ان بارہ خلفاء میں سے کسی کے زمانے میں بھی امت کا دور ٹھیک نہیں رہا اِسکے مقابلہ میں ہر ایک کے زمانہ میں فتنہ وفساد برپا رہا سلطنت ظالم سرکشوں منافق اور کافروں کی رہی اور اہل حق یہودیوں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار رہے. اسکے علاوہ شیعوں کے نزدیک اس منتظر امام کی حکومت ہمیشہ تک رہے گی. اِس لحاظ سے ایسا کوئی زمانہ نہیں رہا جو اثنا عشریہ

ائمہ سے خالی ہو جب یہ صورت ہوئی تو پھر زمانہ کی دو قسمیں نہیں رہیں یعنی ایک قسم تو وہ جس میں امت کا دور دورہ ہو اور ایک وہ جس میں دور دورہ نہ ہو پھر حدیث کا یہ حصہ جس میں آیا ہے یہ سب قریش ہونگے اگر وہ امام علی یا آپ کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہوتے تو اُسے معلوم کرانے کے لیے حضور انور ﷺ کچھ نہ کچھ ضرور فرماتے. حضور انور ﷺ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ خلفاء اولاد اسمٰعیل سے ہوں آپ کا مقصود صرف وہ خاندان بتا دینا تھا جس سے وہ ممتاز ہو جائیں اب اگر وہ بنی ہاشم یا علی کے خاندان سے ہونے میں بھی ممتاز ہوتے اور یہی اُنکی پہچان ہوتی کہ وہ اسی خاندان سے ہونگے تو حضور انور ﷺ اُسے ضرور ہی بیان فرما دیتے آپ نے صرف قریش کا لفظ فرمایا مگر یہ تخصیص نہیں کی کہ وہ علی کے خاندان سے ہوں گے یا کسی اور خاندان سے اِس سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ بات عام ہے کہ خواہ وہ بنی تیم سے ہوں یا بنی عدی سے یا بنی عبد شمس سے یا بنی ہاشم سے ہوں کیونکہ خلفاء راشدین انہیں قبیلوں اور خاندانوں سے ہوئے ہیں. اب رہی وہ حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے **یخرج فی آخر الزمان رجل من ولدی اسمہ کاسمی و کنیة و کنیتی یملاء الارض عدلا کماملئت جوراوذلک هو المهدی.** یعنی آخر زمانے میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جسکا نام میرے نام پر ہوگا اور جسکی کنیت میری کنیت ہوگی وغیرہ. اسکا جواب یہ ہے کہ وہ حدیثیں جن سے مہدی کے ظاہر ہونے پر حجت لائی جاتی اور دلیل پیش کی جاتی ہے وہ سب اگرچہ صحیح ہیں مگر ان میں اسلام کے مختلف فرقوں کو سخت غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے ایک فریق نے تو بالکل ان حدیثوں سے انکار کر دیا اور ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے **لا مهدی الا عیسیٰ بن مریم** یعنی کوئی مہدی نہیں ہے مگر عیسیٰ بن مریم. جسکا مطلب یہ ہے کہ عیسے بن مریم ہی مہدی ہے. ابو محمد بن ولید بغدادی اِسے معتبر لکھتے ہیں مگر اور ائمہ حدیث اِسے ضعیف قرار دیتے ہیں ایک روایت حضرت علی سے بھی ہے آپ نے اپنے بڑے بیٹے حسن کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ میرے یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اِسکا نام رکھا ہے اِسکی اولاد میں ایک ایسا شخص ہوگا جسکا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا خلق میں تو آپ کے مشابہ ہوگا خلقت میں مشابہ نہ ہوگا وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا ہم بجائے خود ان حدیثوں کو جن میں مہدی کے آنے کا ذکر ہے

یقین نہیں کرتے اس لئے کہ مشاہدے کے مقابلہ میں ظن بالکل بے حقیقت چیز ہے قرآن مجید میں کہیں بھی اِس کا اشارہ نہیں ہے کہ کوئی مہدی پیدا ہوگا یا عیسے دوبارہ آئیں گے ہمارے لیے تو قرآن بس ہے یہی ہمارا بہت بڑا مہدی ہے ہمیں کسی مہدی کی ضرورت نہیں ہے نہ ہمیں کسی امام منتظر کا انتظار ہے. یہی ہمارا امام ہے. یہی ہمارا پیشوا ہے. یہی ہمارا ہادی ہے صرف ہماری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن کے سمجھنے کی فہم عطا کرے اِسی عظیم الشان کتاب نے کروڑ ہا بندگانِ خدا کو کلمہ توحید پر قائم کر رکھا ہے ہماری اصلی زندگی ہماری روحانی معراج ہماری ترقی ہماری عظمت صرف یہی کتاب ہے اس کتاب سے ہم زندہ ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ اِس کتاب پر ہمارا خاتمہ ہو۔ کس کا مہدی اور کیسا امام منتظر اور کس کے عیسیٰ بن مریم ہمیں اِس کتاب کے ہوتے کسی کی ضرورت نہیں خود قرآن اس بات کی شہادت دیتا ہے. کہ یہ کتاب کافی ہے اِس میں ہدایت ہے اور اسی میں زندگی ہے.

اب ہم اثنا عشریہ کے مقابلہ میں تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کرلیں کہ کوئی مہدی ہوگا تو اُنکا یہ قول کہ وہ مہدی یہیں ہے جسکے ہم مدعی ہیں محض غلط ہے کیونکہ اِنکے مہدی کا نام محمد بن حسن ہے اور روایت میں یہ ہے کہ محمد نام اور ابوالقاسم کنیت ہوگی باپ کا نام عبداللہ ہوگا. تو اِس طرح سے اثنا عشریہ کا مہدی یہ مہدی کیونکر ہوسکتا ہے اِس شکل میں پیش آنے پر امامیہ کے ایک فرقے نے باپ کے لفظ کو اڑا دیا تا کہ پھر کسی قسم کا جھگڑا نہ رہے پھر امامیہ کے دوسرے فرقے نے اس میں تحریف کر دی اور یہ کہا کہ ہما رے مہدی کے دادا حسین ہیں انکی کنیت ابوعبداللہ ہے تو مہدی والی حدیث سے مراد محمد بن ابوعبداللہ ہیں اِس فرقے نے کنیت کو نام بنا دیا ہے یہ تحریف ابن طلحہ کی جانب سے ہوئی ہے جو اُس نے اپنی کتا ب مسمیٰ ''غایۃ السول فی مناقب الرسول'' میں درج کی ہے جو شخص کچھ بھی جانتا ہے اور اُسے کچھ بھی علمی لیاقت ہے تو معلوم کرسکتا ہے کہ یہ صریح تحریف اور حضور انور رسول اللہ ﷺ پر ایک خطرناک بہتا ن ہے۔ حضور ﷺ کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ میرے نام پر اُس کا نام ہوگا میرے باپ کے نام پر اُس کے باپ کا نام ہوگا اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اُس کے دادا کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی بلکہ اِس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کا نام محمد اور اُس کے باپ کا نام عبداللہ ہے. اِس کے علاوہ اِس سے امتیاز ہی کیا ہوسکتا ہے کیونکہ حسین کی اولاد میں تو کئی آدمیوں کا نام محمد ہے اور محمد نام کے کل آدمیوں کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر

شخص اپنے دادا کے اعتبار سے محمد بن ابو عبداللہ ہے جیسا کہ ایک خاص شخص کی بابت کہا جاتا ہے پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس مہدی کی یہ تعریف کی گئی ہے وہ حسن بن علی کی اولاد سے ہوگا نہ کہ حسین بن علی کی جیسا کہ خود حضرت علی نے فرمایا.

امام معصوم : شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک معصوم امام ہونا ضروری ہے اور اُن کے سوا بالا جماع کوئی معصوم نہیں ہے.

جواب: اوّل تو یہ مقدمہ غلط ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ معصوم کا ہونا ضروری ہے تو انکا یہ کہنا کہ ان امام جی کے سوا بالاجماع کوئی معصوم نہیں بالکل غلط اور ممنوع ہے اِس قسم کے اعتقادات کچھ شیعوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ بہت لوگ اپنے عابدوں اور صوفیوں اور مشائخ وغیرہ پر یہ ہی اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ بعض تو معصوم سے بھی زیادہ رتبہ دیتے ہیں جیسا کہ شیعوں کا ایک فرقہ اسمٰعیلیہ ہے جو اپنے أئمہ کو معصوم مانتا ہے حالانکہ اُنکے ائمہ اثنا عشریہ سے بالکل غیر ہیں علی ہذا القیاس اکثر بنی اُمیہ کا یہ اعتقاد ہے کہ نہ ائمہ پر حساب ہے نہ عذاب ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ایسے امر پر لوگوں سے مواخذہ کریگا جس میں انھوں نے امام کی اطاعت کی ہوگی بلکہ ہر امر میں ان پر امام ہی کی اطاعت واجب ہے اور اللہ نے ان ہی کی اطاعت کرنے کا لوگوں کو حکم دیا ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں. شیعی علماء اگر یہ اعتراض کریں کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے ابوبکر. عمر. عثمان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا ہو اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے علی کے معصوم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا تو پھر یہ اعتراض ہی غلط ہو جائے گا اور شیعی علماء کا یہ کہنا ہی بیکار جائیگا اور اگر صحابہ میں کوئی ایسا تھا جو علی کی عصمت کا دعویٰ کرتا ہو تو کیا عجب ہے کہ صحابہ میں سے کوئی خلفاء ثلاثہ کی عصمت کا مدعی ہو بلکہ اور صحابہ کی عصمت کا دعویٰ کرنا تو اولیٰ ہے کیونکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جمہور صحابہ ابوبکر و عمر کے افضل ہونے کے قائل تھے بلکہ خود علی بھی اِن دونوں کو اپنے سے افضل کہا کرتے تھے جیسا کہ اُن سے متواتر مروی ہے اِس صورت میں لوگوں کا ان دونوں کی عصمت کا دعویٰ کرنا علی کی عصمت کا دعویٰ کرنے سے بدر جہا اولیٰ ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ کہیں اُن سے یہ منقول نہیں ہے تو اُس کا یہ جواب ہے کہ یہ بھی منقول نہیں

ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی علی کی عصمت کا قائل تھا ہم کسی کی عصمت ثابت نہیں کرتے نہ علی کی نہ تین صحابہ کی ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کی عصمت منقول ہونے کا تو انکار کرے اور اس کا مدعی ہو کہ علی وغیرہ کے معصوم ہونے کے صحابہ قائل تھے یہ فرق ہونا ہرگز ممکن نہیں اور نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ فرق نقل کیا اِس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا جس نے علی کی یا اثنا عشری میں سے کسی کی عصمت کا دعویٰ کیا ہو لہٰذا اِس سے خلفاء ثلاثہ کی عصمت کا انکار کرنے کی حُجت بالکل باطل ہوگئی. شیعی علماء کا وہ معصوم جس کے کسی خاص زمانہ میں ہونے کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اُن کے خیال میں یہ معصوم پیدا ہونے کے بعد ۲۶۰ ہجری میں سرداب چلا گیا اور اب تک یہ مظلوم معصوم بیچارہ وہیں موجود ہے جس وقت یہ سرداب پہنچا ہے اُس کی عمر پانچ برس کی یا اس سے کچھ کم تھی اب وہ ایک ضعیف سفید ریش پلکیں اور بھویں سفید سر سفید. پوست استخوان کے سوا کچھ نہیں سلیمان کی طرح جبکہ مرنے کے بعد انھیں عصا سے لگا کے کھڑا کر دیا گیا تھا کسی پہاڑ کی کھو میں بیٹھا ہوا دنیا کے اختتام کا راستہ دیکھ رہا ہے نہ وہ ہل جل سکتا ہے نہ اُس کی بصارت باقی ہے نہ وہ بات کرسکتا ہے نہ کسی کی بات سن سکتا ہے ایک ہیولہ ہے جو محض بیکار ہے اس کی اس بےبسی کی موجودگی سے کسی کو کیا ہدایت ہوسکتی ہے. کئی سو برس کا آدمی بتایئے کس مد میں کھپانے کے قابل ہے. جب وہ خود ایک عضو معطل سے بھی بدتر ہے تو اس پر ایمان لانے والے بھی کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور دین و دنیا کا اُنھیں کیا لطف آ سکتا ہے ایسے معصوم کو ہمارا اسلام ہے اِس معصوم پر ایمان لانے کا دعویٰ اِس دعوے سے بھی زیادہ فاسد ہے جو اکثر لوگ قطب اور غوث وغیرہ ناموں کا کرتے ہیں اور اُن کے مسمّٰی کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ اُنھیں نبوت کے رتبے سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں حالانکہ ایسے کسی شخص کو معین نہیں کرتے جو ان ناموں کے مسمّٰی میں ذکر کیا جاتا ہے محض بیکار جن سے کچھ بھی نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا ایسے ہی وہ لوگ ہیں جو حیات خضر کے مدعی ہیں خضر ایک فرضی نام اپنی طرف سے گھڑ لیا اور خود ہی اُسے قیامت تک کی زندگی بخشدی بھلا اس دعوے سے اُنھیں کس قسم کا نفع ہو سکتا ہے؟ نہ دنیا کا نہ دین کا کیسا خضر اور کس کا خضر۔ یاروں کی مثل امام غائب کی دل لگی کی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں محض لوگوں نے اپنا دعویٰ منانے کے لئے یہاں تک اڑا دیا کہ فلاں آدمی کی صورت

جنگل میں مجھے ایک شخص ملا تھا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ خضر ہے محض غلط اور سرتا پا جھوٹ ہے ایسے ہی وہ لوگ ہیں جو رجال غیب کے قائل اور انکا دیکھنا بیان کرتے ہیں صرف اُن کے خیال کی قوت ان کے سامنے بعض اوقات عجیب وغریب صورتیں لا کے کھڑا کر دیتی ہے اور یہ لوگ اپنی بیوقوفی سے اُسے رجال غیب سمجھتے ہیں خیال کرنے کی بات ہے جس شخص یا جماعت نے اپنے دین کو ایسے مجہولات پر معلق کر دیا جن کے مرنے کی خبر ہے نہ جینے کی نہ اس کے بیکار رہنے کی خبر ہے نہ کام کرنے کی نہ اس کی ہدایت کی خبر ہے نہ غیر ہدایت کی تو یقیناً وہ شخص دین میں گمراہ ہے کیونکہ اُس نے جس چیز پر دین کو معلق کیا ہے تو جب یہ اُس کی صحت سے بالکل ناواقف ہوا تو پھر اس سے زیادہ جاہل اور کون ہو سکتا ہے. خضر کی حیات کا عقیدہ رکھنے والوں اور شیعوں میں بعد المشرقین ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خضر زندہ ہے وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ خضر کی اطاعت لوگوں پر واجب ہے برخلاف شیعوں کے کہ یہ لوگ باوجود اپنے امام کی عدم موجودگی کے اُس کی اطاعت واجب کرتے ہیں **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**

ائمہ اثناعشریہ اور اُن کے فضائل: شیعی علماء کہتے ہیں کہ ائمہ اثناعشریہ کے بہت سے فضائل ایسے ہیں جو اُن میں سے ہر ایک کے امام ہونے کو واجب کرتے ہیں.

پہلا جواب: اِن فضائل کی غایت ہے کہ انکار رکھنے والا امامت کے لائق اور اُس کا اہل ہوتا ہے لیکن محض اہل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امام ہی ہو جائے جیسا کہ کوئی شخص قاضی ہونے کے لائق ہو تو محض اُسکے لائق ہونے سے وہ قاضی نہیں ہو جاتا.

دوسرا جواب: امامت کی اہلیت تو جیسی ان میں ہے ایسی ہی قریش کے بہت سے آدمیوں میں ہے اور وہ امام بننے کے لائق بھی ہیں پھر اس تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ یہ تو امام ہو جائیں اور وہ امام نہ ہوں.

تیسرا جواب: ان میں سے بارھواں امام جمہور علماء کے نزدیک معدوم ہے لہٰذا اُسکا امام ہونا ممتنع ہے.

علیؓ سے پہلا امام: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جسے علی سے پہلے امام کیا گیا وہ امام نہیں ہوا.

جواب : معلوم نہیں اس سے شیعوں کی کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ علی سے پہلے اماموں نے مسلمانوں پر حکومت نہیں کی اور مسلمان اُن سے بیعت نہیں ہوئے یا انکا اس قدر رعب نہ تھا کہ وہ حدود کو قائم کرتے اور ایک سے دوسرے کے حقوق دلواتے دشمن سے جہاد کرتے جمعوں اور عیدوں وغیرکی مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتے تو شیعی علماء کا یہ نرا بہتان ہے اور بالکل مکابرہ ہے کیونکہ یہ تواتر سے معلوم ہے اور اسے سب جانتے ہیں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہ امامت کے لائق نہ تھے اور علیؓ امامت کے لائق تھے یا یہ کہ علیؓ ان سے زیادہ لائق تھے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور یہی موردِ نزاع ہے پہلے ہم عام طور پر اسکا جواب دیتے ہیں اور پھر تفصیلی جواب دینگے عام جواب یہ ہے کہ ان خلفاء ثلاثہ کے امام ہونے اور امامت کے لائق ہونے کو ہم قطعی اور یقینی طور پر جانتے ہیں اور اسلامی فرقوں میں سے سوائے رافضیوں کے اس میں کبھی دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ جمہور امت اور ائمہ اُمت اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء ثلاثہ امامت کے سب سے زیادہ حقدار تھے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ افضل الامتہ اور اسکا ہمیں ایسا قطعی یقین ہے کہ نہ اسکے معارض قطعی دلیل ہوسکتی ہے اور نہ ظنی قطعی تو اِسلئے کہ قطعیات کے موجب اور مقتضیٰ میں تناقض نہیں ہوا کرتا اور ظنی دلیل کے نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ظنی قطعی کے معارض نہیں ہوسکتی خلاصہ کلام یہ ہے کہ معترض جو اعتراض پیش کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو ایسی نقل ہوتی ہے جس کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہوتی یا خلفاء ثلاثہ کی امامت کے بطلان کی دلیل پر ہمیں یقین نہیں ہوتا اور جب تک یہ دونوں مقدمے درست نہ ہوں ایسی چیز کا معارضہ نہیں ہوسکتا جو ہمیں قطعی طور سے معلوم ہو جب ایک قطعی اور یقینی دلیل اُن کی امامت کے ثبوت پر قائم ہوگئی تو اب ہم پر یہ واجب نہیں رہا کہ ہم اِس بیکار محض شبہ کا جواب دیں کسی بات کی قطعی طور پر معلوم ہو جانے کے بعد اگر کسی فلسفی کا شبہ اُس کے معارض ہو تو اِس شبہ کا جواب دینا ہم پر واجب نہیں ہے اور نہ کوئی وہم وگمان سے ایسی چیز کو دفع کرسکتا ہے جو یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہو اگر اس شبہ کے غلط ہونے کی کوئی وجہ اُسے معلوم ہوگی تو اس سے علم معرفت اور حق کی تائید میں زیادہ ترقی ہوگی اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو شک سے یقین دفع نہیں ہوسکتا خلفاء ثلاثہ کے امامت کے حقدار ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں جو

انشاء اللہ عنقریب بیان ہوں گی ہم اسے ثابت کر دیں گے کہ یہ امامت کے اوروں سے زیادہ حقدار ہیں.

شیعہ اور صدیق اکبر کا شیطان: شیعہ علماء فرماتے ہیں ائمہ اثنا عشریہ کے مقابلہ میں خلفاء ثلاثہ کیوں کر حقدار امامت ہو سکتے ہیں جبکہ خلیفہ اوّل ابو بکر نے صاف طور پر یہ کہا تھا کہ ایک شیطان ہے جو میرے سر رہتا ہے اگر میں راہِ راست پر رہوں تو تم میری مدد کیا کرو اگر میں کجروی کروں تو مجھے سیدھا کرو. امام کی شان رعیت کی تکمیل کرنی ہے لہٰذا وہ شخص کیونکر امام ہو سکتا ہے جو رعیت ہی سے کمال کا طالب اور اُس کا محتاج ہو.

پہلا جواب: اِس شیطان والی روایت کا جواب ہم اپنی کتاب شہادت کے ابتدائی صفحات میں دے چکے ہیں مگر یہاں ہم اس پر مزید بحث کرتے ہیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہو جائے اور موقع بے موقع جو شیعہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس روایت کو پیش کر دیتے ہیں ان پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ حق کیا ہے اور صدیق اکبر کا یہ فرمانا کیا معنی رکھتا ہے اور کس قدر صحیح ہے صدیق اکبر سے جو کچھ منقول ہے وہ یہ ہے آپ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے یعنی غصہ جس وقت مجھے غصہ آئے تم مجھ سے علیحدہ ہو جایا کرو. پھر فرمایا کہ تم میری اُس امر میں اطاعت کرو جس میں میں اللہ کی اطاعت کروں اور جس وقت میں اللہ کی نافرمانی کروں تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے

دوسرا جواب: شیطان جس کا ذکر آپ ﷺ نے اپنے قول میں کیا وہ اصل میں غصّے کا نام ہے جو ہر اولادِ آدم کو پیش آتا ہے اس وجہ سے صدیق اکبر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں غصے کی حالت میں کسی پر مجھ سے زیادتی نہ ہو جائے اسلئے آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ غصے کی حالت میں مجھ سے علیحدہ رہا کرو جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا. لا یقضی القاضی بین اثنین وھو غضبان . یعنی قاضی کو چاہیئے کہ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے یہی صدیق اکبر کا مقصود تھا کہ آپ غصہ کے وقت حکم لگانا نہیں چاہتے تھے آپ نے لوگوں کو بھی یہی ہدایت کر دی تھی کہ ایسی حالت میں تم مجھ سے کسی حکم کے بھی خواستگار نہ ہوا کرو یہ ارادہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول کی

اطاعت میں داخل ہے۔

تیسرا جواب: غصہ تو اولادِ آدم میں سب ہی کو آتا ہے یہاں تک کہ حضور انور ﷺ نے یہ دعا کی تھی۔ اللھم انما انا بشر اغضب کما یغضب البشر و انی اتخذت عندک عھد الن تخلفنیہ ایما مومن اذیتہ وسبّیتہ او جلدتہ فاجعلھا کہ کفارۃ وقربتہ تقربہ بھا الیک یوم القیامۃ۔ یعنی اے اللہ! میں بشر ہوں جیسے اوروں کو غصہ آتا ہے اور مجھے بھی آتا ہے اور میں تجھ سے اس بات کا عہد لیتا ہوں تو اِس کے کبھی خلاف نہ کریگا کہ جس مسلمان کو میں کو میں ستاؤں یا بُرا کہوں یا ماروں تو اُس کے حق میں اُسے کفارہ اور باعث قربت کر دیجو اس کے سبب سے قیامت کے دن وہ تیرا مقرب ہو جائے۔ یہ حدیث صحیحین میں ابو ہریرہ سے نقل ہوئی ہے مسلم نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کچھ ایسی باتیں کیں کہ آپ ﷺ کو ناراض کر دیا حضور انور ﷺ ان پر کچھ خفا ہوئے جب وہ دونوں اُٹھ کے چلے گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان دونوں نے ایسی کیا خطا کی تھی کہ حضور اُن پر ناراض ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد کیا تمھیں اس شرط کی خبر نہیں جو میں نے اپنے خالق سے کر لی ہے میں یہ دعا کر چکا ہوں: اے اللہ! میں بھی مثل اوروں کے ایک آدمی ہوں اگر کسی مسلمان پر میں ناراض ہوں یا اُسے دھتکاروں تو اُسے اسکے حق میں باعث اجر اور گناہوں کی زکوٰۃ کر دینا۔ انس کی روایت میں اسطرح ہے کہ میں نے اپنے اللہ سے ایک شرط کر لی ہے اور میں یہ کہہ چکا ہوں اے اللہ میں بھی مثل اوروں کے ایک آدمی ہوں جیسے اوروں کو خوشی ہوتی ہے مجھے بھی ہوتی ہے اور جیسے اُنھیں غصہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے پس اگر میں اپنی اُمت کے کسی فرد کے حق میں ایسی دُعا کروں جو اُس کے لائق نہ ہو تو اُس کے لئے باعث قربت پاکیزگی اور زکوٰۃ کر دینا۔ اب سُنئے موسیٰ کی کیفیت جسکا شمار الوالعزم پیغمبروں میں سے ہے اُن کے غصے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے خیال کرنے کی بات ہے کہ جب ایسے اُمورِ رسالت یعنی پیغمبری میں بھی کوئی خرابی پیدا نہیں کرتے تو پھر یہ امامت میں خرابی کیونکر پیدا کر سکیں گے سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ کہ سچ مچ اور فی الحقیقت صدیق اکبر نہایت نرم، رقیق القلب اور بُردبار تھے خود حضور انور رسول اللہ ﷺ نے بھی کو آپ کو نرمی اور بردباری میں ابراہیم اور عیسیٰ

سے تشبیہ دی ہے اِس پر بھی آپ کی انتہائے منصف شعاری کو دیکھا جائے کہ آپ نے سب سے پہلے اِس انسانی فطرت یعنی غصہ کو بیان فرمادیا کہ جو بھی فریقین میں ٹھیک فیصلہ نہیں کرنے دیتا.

چوتھا جواب: صدیق اکبر کا اِس سے یہ مقصود تھا کہ مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اِس سے بچنے کے لئے آپ نے یہ فرمایا تھا آپ انصاف سے دیکھیئے کہ صدیق کامل ہیں یا وہ جنھوں نے اپنی مخالفت کرنے والوں سے قتال کیا۔ ہزاروں مسلمانوں کے خون بہادیئے اب اگر کوئی اس کا جواب دے کہ امام کی نافرمانی کرنے اور اُسے ناراض کرنے کے باعث یہ لوگ قتال کے مستحق تھے تو اُس کے مقابلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نے ابوبکر کی حکم عدولی کی اور اُنھیں ناراض کیا وہ ان لوگوں سے بھی زیادہ اس کا حقدار تھا لیکن صدیق اکبر نے اس پر کچھ توجہ نہیں کی خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر علی کو اس کا استحقاق تھا تو ابوبکر کو بدرجہ اولیٰ استحقاق تھا ورنہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو شخص علی کے خلاف کر کے اُنھیں ناراض کر دے اُس سے تو قتال کرنا جائز ہو اور جو شخص ابوبکر کے خلاف کر کے اُنہیں ناراض کردے تو اس سے قتال جائز نہیں؟ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ اُس سے بدرجہا بڑھ کے تھا جو علی نے کیا تھا. مسند وغیرہ میں ابو برزہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ابوبکر کو اپنی کسی بات سے غصے کردیا تھا میں نے اِسی غصہ میں آپ سے دریافت کیا اے رسول اللہ کے خلیفہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن اُڑادوں میرے اتنا کہتے ہی آپ کا غصہ فرو ہوگیا اور پھر نہایت دھیمے لہجے میں آپ نے فرمایا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے حکم کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون کرنا حلال سمجھے۔ ابو برزہ کی حدیث میں علماء کے دو قول ہیں بعض اِس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو بُرا کہے یا گالیاں دے تو کسی کے لئے بھی اُسکا قتل کرنا جائز نہیں ہے بعض اِس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ خونریزیوں کی بابت اپنے علم سے کوئی حکم لگانا سوائے رسول اللہ کے اور کسی کو جائز نہیں ہے. سعد بن عبادہ ایک عرصے تک ابوبکر سے بیعت نہیں ہوئے تھے لیکن ایسی حالت میں بھی صدیق اکبر نے اپنی زبان سے کوئی بات اُنھیں ایسی نہیں کہی جو ناگوار گزرتی چہ جائیکہ ان کی گردن اُڑانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا جاتا.

بعض کا یہ قول ہے کہ علی نے ابوبکر کے ہاتھ پر چھ مہینے تک بیعت نہیں کی مگر ابوبکر نے علی کی گردن مارنی تو کیسی اُنھیں دھمکی تک بھی نہیں دی اور نہ بیعت کے لئے اُنہیں مجبور کیا یہ سب خصلتیں ابوبکر میں محض اس وجہ سے تھیں کہ آپ اُمت کی ایذارسانی سے بہت ہی پرہیز کرتے تھے.

پانچواں جواب: صحیح میں ابن مسعود سے مروی ہے وہ حضور انور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم میں ہر ایک کے ساتھ ایک جن ہمزاد ہو کے رہتا ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن میرے ہمزاد کو اللہ تعالیٰ نے میرا معین کر دیا ہے اِس لئے اب وہ مجھ سے سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں کراتا. عائشہ صدیقہ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں میں نے پوچھا تھا یارسول اللہ کیا میرے ساتھ بھی شیطان رہتا ہے. حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں! میں نے عرض کیا ہر آدمی کے ساتھ. فرمایا ہاں پھر میں نے عرض کیا حضور آپ کے ساتھ بھی فرمایا ہاں لیکن میرے ہمزاد کو اللہ نے موافق کر دیا ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے. موسیٰ کے قبطی کو مار ڈالنے کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِيْنَ اسی طرح انجیل میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ چالیس دن اور رات شیطان حضرت مسیح کو اپنے ساتھ لئے لئے پھرا اور آزماتا رہا. جب شیطان کے دخل دینے نے ان انبیاء کی نبوت میں کوئی نقص پیدا نہیں کیا تو خلفاء کی امامت میں اِس سے کیا نقص آسکتا ہے اب اگر کوئی مدعی یہ دعویٰ کرے کہ اِن سب نصوص کی تاویل کی جاتی ہے تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اوروں کو صدیق اکبر کے اس قول کی بھی تاویل کرنی جائز ہے کیونکہ صدیق کا ایماندار. عالم. متقی اور پرہیزگار ہونا بیشمار شہادتوں سے ثابت ہے. بس جس وقت کوئی مجمل لفظ اُس کے معارض ہوگا تو اُس کی بھی تاویل کرنی ضروری ہوگی.

پھر صدیق کا یہ فرمانا کہ اگر میں راہِ راست پر رہوں تو تم میری مدد کرو اگر میں کسی بات میں لغزش کروں تو تم مجھے ٹھیک کرو آپ کے اعلیٰ درجے کے انصاف اور انتہائی تقویٰ کی دلیل ہے اور اس بارے میں ابوبکر کا اقتداء کرنا ہر امام پر واجب ہے اور رعیت پر بھی کہ وہ اپنے سب اماموں اور حاکموں

سے ایسا ہی معاملہ رکھے اگر امام راہ راست پر ہے تو اللہ کی اطاعت اور اُس کے حکم کے مطابق یہ اُس کی اعانت کرے اور اگر اُس سے کچھ لغزش ہوگئی ہے تو اُسے حق بات سمجھا کے اُسے آگاہ کر دے اگر وہ جان کے ظلم کرنا چاہتا ہے تو حتی الامکان اُسے روکے اور جب وہ حق کے موافق ہو تو ایسے امام کا ساتھ چھوڑنے میں رعیت کا کوئی عذر نہ چلے گا. اور اگر اُس کا ظلم کسی صورت سے رفع نہیں ہوتا اور ظلم کو رفع کرنے کی حالت میں بہت بڑے فساد کا اندیشہ ہے تو ضرور ظلم کو رفع کرنا چاہیئے. اور اگر ایسی حالت میں کوئی ظلم کو رفع نہ کرے گا تو سخت گنہگار ٹھہرے گا.

پہلا جواب: ہم اِسے تسلیم نہیں کرتے کہ امام رعیت کی تکمیل کرتا ہے نہ رعیت امام کی تکمیل کر سکتی ہے بلکہ امام اور رعیت دونوں بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ظلم و گنہگاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ لشکر یا قافلے کا افسر اور نماز و حج کا امام ہوتا ہے دین کا علم تو رسول اللہ سے معلوم ہو چکا ہے اب کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ امام ہی کو اُس کے بیان کرنے کی ضرورت ہو مگر ہاں جزئیات میں اجتہاد کرنا ضروری ہے پس اگر ان میں حق ظاہر ہو تو امام اُسکا حکم دیدے اور اگر فقط امام ہی کو ظاہر اور معلوم ہو اور رعیت کو معلوم نہ ہو تو امام رعیت کو بتادے اس صورت میں اس کی اطاعت کرنی رعیت پر واجب ہے اور اگر رعیت کو کوئی شبہ رہے تو وہ اُسمیں مشورہ کر کے اپنے شبہ کو صاف کرلے اور اگر رعیت میں کسی آدمی کو معلوم ہو جائے اور امام کو معلوم نہ ہو تو وہ امام کو بتا دے ہاں امام اور رعیت کے اختلاف کے وقت رعیت کو امام کے اجتہاد کی پیروی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ غالب اجتہاد اسی کا ہوتا ہے، اس کا عکس کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، یعنی امام کے اجتہاد کو چھوڑ کے رعیت کے کسی آدمی کے اجتہاد کو ترجیح دے کر اس کی پیروی کرنی ٹھیک نہیں ہے اور یہ مسئلہ بعینہ ایسا ہے جیسا معصوم کے نائبوں کی بابت امامیہ رافضیوں کا قول ہے یعنی یہ کہ اگر اُنھیں کلیات معلوم ہو جائیں تو پھر جزئیات معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کرنا ضروری ہے اِس صورت میں ہر امام اللہ کے اِس رسول کا نائب ہے جسکی عصمت میں ذرا بھی شک نہیں ہے رسول اللہ کے نائب اوروں کے نائبوں سے اتباع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں مگر ان کے نائب ہونے سے یہ مراد ہے کہ اِن پر بھی اسی کام کو انجام

دینا واجب ہے جسے حضور انورﷺ نے انجام دیا تھا نہ یہ کہ اُن کا خلیفہ ہونا مراد ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت ہر متولی پر واجب ہے خواہ رسول اللہﷺ کا متولی ہو یا کسی اور کا حضور انور کی اطاعت آپ کی وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھی.

دوسرا جواب : موسیٰ نے تین باتیں خدا کے اُس بندے سے جس کی طرف موسیٰ بھیجے گئے تھے حاصل کی تھیں حالانکہ موسیٰ اُس سے افضل تھے. ہُدہُد نے سلیمان سے کہا تھا کہ. اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ. یعنی میں نے وہ چیز معلوم کر لی جو تمھیں معلوم نہیں ہے یہ سب جانتے ہیں کہ ہدہُد کو سلیمان سے مرتبہ کی حیثیت میں کچھ بھی نسبت نہیں ہے خود ہمارے نبیﷺ اور ہزاروں سلیمانوں اور موسیٰ کے سردار محمد عربیﷺ اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی رائے چھوڑ کے اُن کی رائے اختیار کر لیتے تھے یعنی اپنی رائے پر صحابہ کی رائے کو عملی ترجیح دیتے تھے جیسا کہ جنگ خندق میں ہوا حضور انورﷺ کی یہ رائے تھی کہ مدینہ کی کھجوروں کی نصف بٹائی پر قبیلہ غطفان سے صلح کر لیجائے اور اس وقت جنگ کو ملتوی کر دیا جائے. جس. وقت حضور کے صحابی سعید نے حضور انورﷺ کا یہ ارادہ سنا آپ فوراً حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر یہ حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے تو بسر و چشم منظور ہے چون و چرا کی ضرورت نہیں اور اگر حضور نے محض ہماری مصلحت کی غرض سے خود تجویز فرمایا ہے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا کہو. سعید نے عرض کیا جاہلیت کے زمانہ میں ہماری یہ کیفیت تھی کہ قبیلہ غطفان والے مدینہ کی کھجوریں ہم سے کبھی نہیں لے سکے سوائے اِس کے یا تو یہ ہمارے مہمان بن کے ہم سے کھجوریں لیتے تھے یا ہم سے خریدتے تھے۔ اب ہم اسلام سے معزز و محترم ہیں بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی کھجوریں اُنہیں یوں ہی دیدیں۔ ہم اپنا فیصلہ تلوار سے چاہتے ہیں یہ سن کے حضورﷺ نے اپنے ارادہ کو ملتوی کر دیا اور سعید کی رائے بہت خوشی سے قبول کر لی. اِسی طرح غزوہ تبوک میں جب حضور انورﷺ سواری کے اونٹوں کو ذبح کر کے کھا لینے کی اجازت دے دی تو عمر فاروق نے عرض کیا یا رسول اللہ جس کے پاس جو کچھ زادِ راہ ہے اُسے ایک جگہ جمع کر دینے کا حکم دیجئے اور پھر اس میں برکت پیدا ہونے کی اللہ سے دعا کیجئے سب سیر ہو کے کھالیں گے اور سواری کے اونٹ مفت

میں بچ رہیں گے۔ حضور ﷺ نے عمر فاروق کی رائے پر بخوشی عمل کیا اور اُس میں سرتاسر کامیابی ہوئی. یہی معاملہ ابو ہریرہ کی بابت پیش آیا کہ جب حضور انور ﷺ نے اُنھیں اس بات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جو شخص کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اُسے جنتی ہونے کی خوشخبری دیدینا عمر فاروق نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ابو ہریرہ کو واپس بلالیا جائے محض اس ان اس اندیشہ سے کہ لوگ بس کلمہ ہی پڑھ لینے پر بھروسہ کر بیٹھیں گے یہ سُنکے حضور انور ﷺ نے ابو ہریرہ کو فوراً واپس بلالیا اور عمر فاروق کی یہ رائے بدل پسند کی ابوبکرؓ کا تو عجیب طریقہ تھا آپ کامل الایمان اور فدائے اللہ اور رسول تھے آپ سے آپ کے حمید صفات میں کسی کی مجال ہے جو مقابلہ کر سکے. آپ اللہ اور رسول کے سچے عاشق تھے. آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ لوگوں کے اقوال کی طرف کبھی التفات نہ کرتے تھے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول کی کوئی نص ہوتی تھی نص کے معلوم ہونے پر وہ بہت آمادگی اور دلیری سے اُس پر عمل کرتے تھے اور اس عمل کرنے سے کوئی مخالفت اور کسی قسم کی قوت اُنہیں نہیں روک سکتی تھی دیکھو بظاہر ہر بات چھوٹی معلوم ہوتی ہے لیکن اندر سے بہت ہی وزن دار ہے یعنی جب. آپ نے مرتدوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو فاروق اعظم نے مخالفت کی تھی محض اِس وجہ سے کہ سارے مسلمان خطرہ میں پڑ جائیں گے. اسی طرح زکوۃ انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے میں بھی اکثر لوگ مخالف ہو گئے تھے علیٰ هذا القياس اِن امور میں ابوبکر نے کسی کی رائے کو تسلیم نہیں کیا بلکہ خود جو کچھ کیا اِس کی اُن کے سامنے نص سے دلیل بیان کردی اب رہے امور جزئیہ جن کا منصوص ہونا ضروری نہیں بلکہ اُن سے مصلحت مقصود ہوتی ہے. تو ان میں ابوبکر انبیاء سے بڑھ کے نہیں ہیں کیونکہ جب ایسے امور میں انبیاء نے اپنے صحابہ سے مشورہ لیا اور اپنی رائے پر ان کی کو ترجیح دی تو اسی طرح ابوبکر نے اگر کسی امر میں اپنے کسی ہمعصر سے مشورہ لے لیا تو کیا بڑی بات ہے.

تیسرا جواب: ابوبکر کے اس جملہ نے ساری امت مرحومہ کے دلوں میں بجز ان کی تعظیم اور توقیر ہونے کے کوئی بات نہیں بڑھائی نہ اُس اُمت نے اپنے نبی کے بعد کسی کی ایسی توقیر کی جیسی صدیق کی اور جس طرح امت محمدیہ نے صدیق کی اطاعت کی حضور انور ﷺ کے بعد اور کسی کی ہرگز نہیں کی نہ کسی

قسم کی قوت دکھائی گئی اور نہ لالچ دیا گیا مگر محض صدق کی وجہ سے لوگ خود بخود کھچے چلے آتے تھے جن لوگوں نے معروف درخت کے نیچے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی تھی علانیہ ابوبکر کی فضیلت اور اُنکے استحقاق کا اقرار کر کے اِن سے بیعت ہوگئے۔ یہ تعجب سے نظر کیا جائے گا کہ ابوبکر کے زمانہ میں کسی مذہبی مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اور اگر شاید کوئی کسی معاملہ میں کچھ شبہ کرتا تو آپ آناً فاناً میں کل اختلاف اور شبہ نص پیش کر کے اُٹھا دیتے تھے اور سب لوگ ابوبکر ہی کے قول کی طرف رجوع کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ وصف ابوبکر کو ایسا دیا تھا کہ اُس میں اُنکے کوئی برابر نہیں ہے ہاں اس بارے میں فاروق اعظم علی وغیرہ کی نسبت اُن سے بہت قریب قریب تھے اور عمر کے بعد عثمان کا مرتبہ ہے۔ اب رہے علی یہ انکے طریقہ پر نہیں رہے بلکہ اُنہوں نے بے گناہ رعیت پر حملہ کر کے لاکھوں کو اپنا مخالف بنالیا اور اخیر میں نہ وہ رعیت کو ٹھیک کر سکے اور نہ رعیت اُن کو ٹھیک کر سکی اب غور کر کے بتایئے کہ دونوں میں سے امامت کا کون زیادہ مستحق ہے اور امامت کا مقصود زیادہ کس سے حاصل ہوا اور دونوں میں سے دین کو کس نے قائم کیا۔ مرتدوں کو کس نے مسلمان کیا اِس کا جواب اِن واقعات کا پڑھنے والا آسانی سے دے سکتا ہے۔

ظالم اور امامت: شیعی علماء فرماتے ہیں خدا نے ارشاد کیا ہے۔ **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ** یعنی میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہوتا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ امامت کا عہدہ ظالم کو نہیں مل سکتا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ**۔ پھر شیعی علماء فرماتے ہیں اِس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے تینوں خلیفہ کافر تھے جب تک نبی ﷺ کا ظہور ہوا وہ برابر بتوں کی پرستش کرتے رہے لہٰذا وہ کسی طرح سے بھی امام نہیں بن سکتے۔

پہلا جواب: ایسا عجیب وغریب استدلال نہ آج تک کسی نے دیکھا نہ سنا نہ انشاء اللہ آئندہ کوئی سنے گا چونکہ حضور انور ﷺ کے دعویٰ نبوت سے پہلے تمام عرب تمام شام اور تمام ایران وغیرہ کافر تھا۔ لہٰذا مسلمان ہونے کے بعد بھی شیعی علماء اپنی نیک نہادی سے اُن پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اس میں حضرت علیؓ اور اُنکے باوا اِنکے دادا اور اُنکا سارا خاندان بھی آ گیا۔ سچ مچ یہ بڑے تماشے کی بات ہے

ایک بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص مسلمان ہو گیا کفر کی ساری سیاہی اُسکے دل سے دھودی گئی اور وہ پاک ہو گیا پھر اُسکی نسبت یہ کہے جانا کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتا تھا وہ کافر تھا. یہ کسی طرح بھی قرین عقل نہیں ہے ایک بچہ بھی اِسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ وہ کفر جسکے بعد صحیح ایمان نصیب ہو جائے پھر اُس کفر والے پر کسی طرح کی بُرائی رہ جائے ممکن نہیں اور یہ بات دین اسلام سے بدیہی طور پر ہر ایک کو معلوم اور صاف طور پر ظاہر ہے. پہلے پیغمبروں کے دین سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا جواب: یہ ضروری نہیں کہ جو شخص مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہو وہ اِس سے افضل ہے جو خود مسلمان ہوا ہے. بلکہ صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ کل زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کا تھا اور اسی کو ہم خیر القرون کہتے ہیں اِس زمانے کے اکثر آدمی خود ہی مسلمان ہوئے تھے جو پہلے کافر تھے وہ اس زمانے کے لوگوں سے جو انکے بعد اِسلام پر ہوئے افضل قرار دیئے گئے ہیں۔ اور اُن کی اس افضلیت میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ شیعی علماء کا یہ عجیب وغریب قول کتاب سنت اجماع سلف اور دلائل عقول سب سے خارج ہے۔ ابو طالب کے ایمان کا جو راگ گایا جاتا ہے وہ بھی یہاں آ کے گرد ہو جاتا ہے اور ساری باتیں فضول ٹھہرتی ہیں۔

تیسرا جواب: حضور انور ﷺ کے پیغمبر ہونے سے پہلے قریش کا کوئی فرد بشر مومن نہ تھا نہ کوئی مرد نہ عورت نہ لڑکا نہ خلفاء ثلاثہ نہ علی نہ اور کوئی جب شیعی علماء اس زمانے کے مردوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے تو یہی اعتراض اُس زمانے کے لڑکوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اور اُس میں علیؓ وغیرہ سب شامل ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ لڑکے کا کفر مثل بالغ کے کفر کے نہیں ہوتا تو اُس کا جواب یہ ہے کہ لڑکے کا ایمان بھی مثل بالغ کے ایمان کے نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان لوگوں پر ایمان اور کفر کا حکم بلوغ ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور علیؓ کی نابالغیت کی حالت میں اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جس بچے کے ماں باپ دونوں کافر ہوں اُس پر دنیا میں کفر ہی کا حکم جاری رہے گا اور اگر کوئی لڑکا بالغ ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اُس میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ اسکا اسلام معتبر نہیں بعض کہتے ہیں معتبر ہے۔ مگر یہ قول بالکل غلط ہے۔ نہ بالغ کا اسلام کسی حالت میں

بھی معتبر نہیں ہوسکتا۔ بخلاف بالغ کے کہ وہ اسلام لاتے ہی مسلمان ہوجاتا ہے۔ اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے پس خلفاء ثلاثہ کا اسلام انہیں کفر سے یقیناً نکال دینے والا ہے۔ اور اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا اب رہا علی کا اسلام آیا وہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہے یا مسلمان اس میں دو قول ہیں امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ لڑکے کا اِسلام یعنی اُسکا مسلمان ہوجانا اُسے کفر سے نہیں نکال سکتا اور یہ قول بہت ہی وزنی اور مستحکم ہے باقی ایسا کوئی لڑکا جسکی نسبت یہ دعوے کیا جائے کہ اُس نے زمانہ نبوت سے پہلے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا محض لغو اور بیہودہ ہے اسکا ثبوت کسی طرح سے بھی ممکن نہیں لہٰذا یہ یقین کر لینا کہ علی یا زبیر یا اُن کے کسی ہم عمر لڑکے نے حالت کفر میں بت کو سجدہ نہیں کیا ایک دل خوش کن خیال ہے جس کا ثبوت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص بھی اسے ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ خلفائے ثلاثہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہو۔ ان لوگوں کو بُت پرست یا مشرک صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے اکثر قریش بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے اور بچوں کا چونکہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنے بزرگوں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں ویسا ہی کرنے لگتے ہیں لہٰذا علیؑ کا بتوں کو سجدہ کرنا بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے۔

چوتھا جواب: اسماء ذم یعنی بُرائیوں کے نام مثلاً کفر ظلم فسق جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اُنکا اطلاق اُن ہی لوگوں پر ہوا ہے جواب تک اُن برائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور جب کوئی شخص کفر کے بعد مسلمانوں ظلم کے بعد عادل اور فسق و فجور کے بعد نیک ہوگیا ہو تو اُس پر ان الفاظ کا کسی صورت سے بھی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ ہمیشہ اُنکے لیے اچھے ہی لفظ بولے جائیں گے پس اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ. سے یہ مراد ہے کہ میرے اس عہد کا عادل مستحق ہے ظالم نہیں ہے بیشک جو لوگ ظالم تھے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کے مستحق نہیں ہوئے وہ قبل از وقت کاٹ ڈالے گئے برباد کردیئے گئے اور ہمیشہ ذلیل و خوار رہے۔ خود شیعی علماء اگر غور فرمائیں گے تو اُنہیں معلوم ہوگا کہ اُنکے اِس طعن و تشنیع کا اثر کس پر پڑ رہا ہے کس شخص یا اُسکی اولاد کو اللہ تعالیٰ کا عہد نہیں دیا گیا اور کس شخص کی اولا د در اولا د نہایت بے عزتی سے برباد کردی گئی۔

پانچوں جواب: جو شخص یہ کہے کہ مسلمان ایمان لانے کے بعد بھی کافر ہے تو یہ کہنے والا باجماع تمام مسلمانوں کے کافر ہے پس ایسا کلمہ کوئی ایسے شخص کی نسبت کیونکر کہہ سکتا ہے جو ایمان میں ساری مخلوق سے افضل ہو۔

چھٹا جواب: اللہ تعالے نے موسیٰ سے کہا تھا پیغمبروں کو مجھ سے کوئی خوف نہ کرنا چاہیے ان میں سے جو شخص گناہ کرتا ہے اور گناہ کے بعد بدلے میں نیکی کرتا ہے تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں اِس بارے میں صریح نص ہے کہ جو ظالم ظلم کرنے کے بعد نیکی کرے یعنی اُس ظلم سے توبہ کرے تو اُسکے لیے اللہ کی طرف سے بخشش کا وعدہ ہے۔

صدیق اکبر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی بربادی: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابوبکر نے مرض موت میں کہا کاش میں فاطمہؓ کے گھر کو ویسا ہی چھوڑ دیتا اور اس پر حملہ نہ کرتا اور کاش میں بنی ساعدہ کے خیمے میں ان دو آدمیوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا اور وہ امام ہوتا اور میں وزیر ہوتا بھلا ایسا شخص کیونکر امام بن سکتا ہے۔ ابوبکر کی چڑھائی فاطمہؓ کے گھر پر اُس وقت ہوئی تھی کہ جب علیؓ اور زبیر فاطمہ کے گھر میں موجود تھے۔

جواب: قدح اسی وقت تسلیم کی جاتی ہے جب الفاظ صحیح اسناد سے ثابت ہوں اور وہ کھلم کھلا اِس قدح پر دلالت کرتے ہوں جس وقت اِن دونوں مقدموں میں سے ایک منتفی ہے تو وہ قدح بھی منتفی ہو جائے گی. اور اس صورت میں یہ قدح کیسے نہ منتفی ہوگی جب یہ دونوں ہی مقدمے منتفی ہوں ہم یقیناً جانتے ہیں اور اس پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ ابوبکر نے علی اور زبیر کے مکان پر کبھی چڑھائی نہیں کی اور نہ کبھی اُنکی ایذارسانی کا خیال کیا بلکہ سعد بن عبادہ جو آپکا مدِ مقابل بن کے کھڑا ہوا تھا۔ اور آپ سے بیعت نہ کی تھی اس پر بھی آپ برابر مہربانی کرتے رہے۔ یہ باتیں جہاں کذاب نے نقل کیں ہیں اور جن ناخدا ترس بے حمیت اور دشمن اہل بیت لوگوں نے یہ اُڑا رکھا ہے کہ فاطمہ کا گھر ڈھایا گیا اور حمل کی حالت میں اُنکے پیٹ پر لات ماری گئی اور اُنکا حمل ساقط ہو گیا. یہ ساری باتیں محض شریر

النفس لوگوں کی گھڑت ہے اور کل اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کہانیاں بالکل غلط اور سرتاپا غلط ہیں۔ باقی صدیق اکبر کی طرف سے یہ نقل کرنا کاش میں اِن دو آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا شیعی علماء نے اِس قول کی اسناد نقل نہیں کی۔ نہ اسکی صحت کی کوئی دلیل بیان کی اگر مان بھی لیں کہ صدیق نے ایسا کہا تھا تو یہ اُن کے زہد وتقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے اور اُن کی ذات وصفات میں اِس سے کسی قسم کا نقص پیدا نہیں ہوسکتا۔

لشکر اُسامہ اور صدیق اکبر وغیرہ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ حکم دیا کہ اُسامہ کے لشکر کو تیار کر کے روانہ کر دو اسی لشکر میں ابوبکر، عمرؓ اور عثمان بھی تھے۔ امیر المومنین علیؑ کو اِس میں جانے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ میرے بعد کہیں خلافت پر یہ تینوں نہ کود پڑیں لیکن ابوبکر وغیرہ نے اس ارشاد کو قبول نہیں کیا۔

پہلا جواب: سب سے پہلے اِس نقل کی صحت بیان کرنی چاہیے کیونکہ یہ معروف سند سے کہیں مروی نہیں ہے اور علماء نقل میں سے نہ کسی نے اُسے صحیح کہا یہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ منقولات سے دلیل بیان کرنی اُسی وقت حجت ہوسکتی ہے کہ جب منقولات ثابت ہو جائیں۔

دوسرا جواب: اِس کے جھوٹ ہونے پر تمام علمائے نقل کا اتفاق ہے اِس لیے کہ اُسامہ کے لشکر میں نہ ابوبکرؓ تھے نہ عمر نہ عثمان بلکہ صرف بعض علماء نے فاروق اعظم کا ذکر کیا ہے مگر کثرت رائے اس طرف ہے کہ مثل ابوبکر وعثمان کے فاروق بھی نہ تھے۔

تیسرا جواب: حضور انور رسول اللہ ﷺ سے بتواتر ثابت ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھانے پر ابوبکر کو خلیفہ کر دیا تھا. چنانچہ حضور ﷺ کی وفات تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ جس روز آپ کی وفات ہوئی اُس کی صبح کو ابوبکر ہی نے نماز پڑھائی تھی. ان ہی ایام میں ایک دن حضور انور ﷺ نے حجرہ کا دروازہ کھولا اور ابوبکر کے پیچھے نمازیوں کی صفیں دیکھ کے آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر باوجود ان امور کے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اُنہیں اُسامہ کے لشکر میں جانے کا حکم دیا جاتا۔

چوتھا جواب: اگر حضور انور فی الواقع علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تو ابوبکر و عمرؓ کی کیا مجال تھی جو حضور انور ﷺ کا حکم نہ مانتے اور اگر فرض کریں کہ وہ ایسا کرتے بھی تو ہزار ہا مسلمان کیونکر ان کا ساتھ دے سکتے تھے۔ وہ یقیناً ابوبکر کو چھوڑ دیتے اور اُن سے کچھ تعلق نہ رکھتے۔ اب خیال کیجئے جس وقت علی نے معاویہ پر چڑھائی کی ہے تو ایک تہائی یا اِس سے زیادہ مسلمانوں نے علیؓ کا ساتھ دیا اُس حالت میں کہ علی کے خلیفہ ہونے کی اُن کے پاس کوئی نص نہ تھی اب اگر ان کے پاس واقعی کوئی نص ہوتی تو پھر سب کے سب مسلمان علی کے گرد ضرور جمع ہو جاتے اور یقیناً ان کا ساتھ دیتے۔ اِن کا ساتھ دینے کو کوئی قوت نہیں روک سکتی تھی۔

پانچواں جواب: اگر حضور انور ﷺ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کرتے تو نماز بھی اُن ہی سے پڑھواتے حالانکہ آپ نے علی کو نماز پڑھانے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ دیکھو جب حضور انور ﷺ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے تشریف لے گئے تو بلال کو یہ حکم دیا کہ جب نماز کا وقت آ جائے تو ابوبکر سے نماز پڑھوالینا چنانچہ ایسا ہی ہوا ابوبکر ہمیشہ امام بنے اور علی ﷺ مقتدی اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

حاکم و محکوم کی بحث: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو کسی کام پر حاکم مقرر نہیں کیا گیا۔ مگر ہاں علی بن ابی طالب برابر حاکم مقرر ہوتے رہے۔ لہٰذا ابوبکر امام کیونکر بن سکتے ہیں۔

پہلا جواب: یہ قول بالکل باطل اور محض جھوٹ ہے ابوبکرؓ کو تو حضور انور ﷺ نے ایسی حکومت دی تھی کہ اُس میں کوئی شخص ابوبکر کے برابر نہیں ہو سکتا اور وہ حج کی حکومت ہے اس کے سوا اور کاموں پر بھی ابوبکرؓ کو آپ نے حاکم بنایا ہے۔

دوسرا جواب: ابوبکرؓ تو در کنار رہے حضور انور ﷺ نے تو ایسے لوگوں کو بھی حاکم کیا ہے جو باجماع مسلمانوں اور شیعوں کے صدیق سے کم درجہ کے ہیں مثلاً عمرو بن العاص، ولید بن عقبہ اور خالد بن ولید، پھر ان کے مقابلہ میں ابوبکر کا نہ حاکم ہونا کس طرح قرین عقل ہو سکتا ہے۔

تیسرا جواب: کسی کو حکومت نہ دینا اِس کے کم مرتبہ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا شاہ یا حکمران اپنے پاس اُن لوگوں کو رکھ لیتا ہے جن سے اُسے دم بھر مفر نہیں وہ شاہ کے قوتِ باز داور مشیر ہوتے ہیں شاہ انہیں اپنے پاس سے علیحدہ کر کے کسی حکومت پر بھیجنا کبھی گوارا نہیں کرتا. ابوبکر میں یہ وجہ صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ اور عمر حضور انور ﷺ کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے یہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے میں اور ابوبکر وعمر باہر گئے میں نے اور ابوبکر وعمر نے یہ کام کیا ہم تینوں نے یہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ فاروق اعظم نے اپنے خاص مشیروں عثمان، طلحہ اور زبیر وغیرہ کو کہیں کا حاکم نہیں بنایا حالانکہ جنہیں آپ نے حاکم بنایا تھا مثلاً عمر بن العاص اور معاویہ وغیرہ وہ ان سے بہت کم درجہ کے تھے۔ اِسکی یہ وجہ تھی کہ فاروق اعظم کو ان صحابہ کی موجودگی کی اشد ضرورت تھی اور وہ دم بھر علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اُنہیں حکومت دینے کے مقابلہ میں اپنے پاس رکھنے میں خلافت عظمیٰ کا بہت بڑا فائدہ تھا اور جب حکومت کا کام اُن سے کم درجہ کا آدمی کر سکتا ہو تو عقل شہادت نہیں دیتی کہ ان سے وہ کام لیا جاتا. جو شخص احادیث صحیحہ میں تدبر اور تامل کرے اُسے یہ حالات اچھی طرح منکشف ہوسکتے ہیں۔

صدیق اکبر اور سورۂ براۃ کا قصہ: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ براۃ کا اعلان کرنے کے لیے ابوبکر کو بھیجا تھا. پھر اُن کے بعد علی کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ ابوبکر کو واپس لوٹا دو۔ بھلا جو شخص پوری سورت یا اُس کے ایک حصہ کا بھی اعلان کر دینے کے لائق نہ ہو وہ ایسی امامت عامہ کے قابل کیونکر ہوسکتا ہے جو تمام احکامِ دینی ساری امت میں پہنچا دینے کی متضمن ہو۔

پہلا جواب: ہم پہلے مقدمہ میں سورۂ براۃ کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ مگر وہاں ہم نے صرف شاہ عبدالعزیز کا جواب نقل کر دیا تھا اور خود اُس پر کچھ بحث نہ کی تھی۔ لہٰذا اس جگہ ہم اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہیں سنئے اور خوب غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے اور اس کا جھوٹ ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ۹ ہجری میں صدیق اکبر کو حج کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد نہ انہیں معطل کیا نہ واپس بلایا۔ بلکہ سابق الذکر سال ابوبکر ہی نے لوگوں کو حج کرایا۔ علی ان کی رعایا کے ایک فرد تھے۔ اِن کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

اور صدیق اکبر کے حضور سے جو حکم ملتا تھا مثل اور مسلمانوں کے یہ بھی اُس حکم کی بجا آوری کرتے تھے اہل علم اِسے یقینی طور پر جانتے ہیں اور اُن کے نزدیک یہ بات متواتر بھی ہے اِس میں دو آدمیوں کا بھی کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ اس سال ابوبکر نے حضور انور ﷺ کے حکم سے حج کرایا تھا پھر یہ بات کیونکر ممکن ہوسکتی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ابوبکر کی واپسی کا حکم دے دیا تھا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ابوبکر کے بعد ہی علی کو بھی اس سمت روانہ کر دیا تھا کہ مشرکین کے عہد نامہ سے اپنی براۃ کا اعلان کرادیں کہ ہم میں اور تم میں کوئی عہد نہیں ہے. اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عہد کا تصفیہ خود حکمران یا اُس کے گھر کا کوئی آدمی کرتا تھا۔ اِسی لیے علی کو یہ تکلیف دی گئی تھی۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے اِس حج میں جس میں حضور انور ﷺ نے ابوبکر کو افسر کیا اُنہوں نے مجھے چند آمیوں کے ساتھ بھیجا۔ تا کہ ہم یہ منادی کرتے پھریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا۔ اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے علی کو بھی بھیج دیا اور اُنہیں یہ حکم دے دیا کہ سورہ براءۃ کی منادی قرار دینا۔ چنانچہ قربانی کے دن اہل منیٰ میں اُنہوں نے بھی ہمارے ساتھ برائۃ کی منادی کرائی۔ چنانچہ پھر حجۃ الوادع میں کسی مشرک نے حج نہیں کیا۔ ابومحمد بن خرم کہتے ہیں کہ صدیق اکبر کے حج میں جو اُنہیں فضیلت حاصل ہوئی ہے وہ اُن کے سب فضائل سے بڑھ کے ہے۔ کیونکہ اُس سال اتنے بڑے مجمع میں انہوں نے ہی خطبہ پڑھا تھا اور سب لوگ خاموشی سے بیٹھے سن رہے تھے. سب آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور اُن ہی میں علی بھی تھے۔ اس سورہ برات میں صدیق اکبر کی فضیلت اور نماز کا ذکر ہے. اس موقع پر ابوبکر کو علی کا افسر بنانا حضور انور کے اِس ارشاد کے بعد ہوا ہے جو آپ نے علی کی نسبت فرمایا تھا. انت منی بمنزله هارون و موسی. اس میں شک نہیں کہ حضور انور ﷺ کے احوال، وقائع اور سیرت سے ہمارے دوست بالکل ناواقف ہیں اور انصاف یہ ہے کہ تعصب انہیں واقفیت بھی پیدا نہیں کرنے دیتا اس کے علاوہ اپنے مطلب کے لیے جب ہمارے دوست کانٹ چھانٹ کرتے ہیں تو صحیح واقعات پر اس سے اور پردہ پڑ جاتا ہے اور پھر اس تراش خراش پر نئی نئی کہانیاں بن جاتی ہیں اور ہمارے دوستوں کے مقتدی بیچارے اس جہل مرکب میں ٹپے ٹوئیاں مارتے رہ جاتے ہیں ان کی دنیا بھی خراب اور دین بھی.

دوسرا جواب: یہ کہنا کہ امامت عامہ سارے احکامات کل امت کی طرف پہنچا دینے کو متضمن ہے محض غلط بالکل جھوٹ اور سرتا پا لغو ہے. کیونکہ یہ امت کل احکام اپنے نبی سے حاصل کر چکی ہے اب اِس امام کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہے تو اتنی ہے جتنی امام کے نظائر یعنی علماء کی ہے. وہ عام شریعت جس کی لوگوں کو ضرورت ہے سب صحابہ کو معلوم تھی۔ صدیق اکبر کے زمانہ میں جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا. اختلاف کے بعد وہ فوراً ہی اُس مسئلہ پر متفق ہو جاتے جو ایک سے دوسرا بیان کرتا تھا. ابوبکر کا کوئی فتویٰ یا کوئی حکم ایسا معروف و مشہور نہیں ہوا جو نص کے خلاف ہو. ہاں عمر، عثمان اور علی سے بعض موقعوں پر ایسے امور صادر ہوئے ہیں جو نص کے خلاف ہیں لیکن عمر اور عثمان کے ایسے امور کو جمع کیا جائے تو علی کے ایسے امور کا وزن جو خلاف نص ثابت ہوئے ہیں بڑھ جائے گا.

تیسرا جواب: حضور انور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قرآن کی تبلیغ ہر مسلمان نے کی ہے. پھر یہ کہنا کیونکر جائز ہے کہ ابوبکر اس کی تبلیغ کے قابل نہ تھے.

چوتھا جواب: یہ خیال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ قرآن کی تبلیغ علیؓ ہی کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ قرآن خبر احاد سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا ضروری ہے.

پانچواں جواب: اِس سال حج کے دنوں میں مسلمان بھی حج کرتے تھے اور مشرک بھی۔ حضور انور ﷺ نے ابوبکر ہی کو یہ حکم دیا تھا کہ موسم حج میں یہ منادی کرا دینا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرنے پائیگا نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کر سکے گا جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے پس اِس صورت میں مشرکین کو قرآن کی تبلیغ کرنے کی کیا ضرورت تھی.

فاروق اعظم اور امامت کا استحقاق: شیعی علماء فرماتے ہیں عمر نے کہا تھا محمد فوت نہیں ہوئے یہ عمر کی کم علمی کی صریح دلیل ہے اِس کے علاوہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کیے جانے کا حکم دے دیا تھا پھر علیؓ نے اُنہیں منع کیا تو خود ہی بول اُٹھے کہ اگر آج علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا اِس کے

علاوہ بہت سے احکام ہیں جن میں عمر نے غلطی کی اور تلون مزاجی برتی.

پہلا جواب: علم میں ابوبکر کے بعد عمر سب سے زیادہ عالم تھے. باقی از یادِ رنج میں بے خود ہوجانا اور آپ کا یہ تصور بندھ جانا کہ رسول اللہ فوت نہیں ہوئے تھوڑی سی دیر کے لیے تھا مگر بہت جلد آپ کو حضور انور ﷺ کی وفات کا پورا یقین ہوگیا. ایسی باتیں اکثر وقوع میں آتی رہتی ہیں کہ آدمی کو کسی کے مرنے میں تھوڑی دیر کے لیے شک ہوجایا کرتا ہے اور بعد میں یہ شک علم ویقین سے بدل جاتا ہے علی کے عقیدہ کے خلاف تو اس سے بدرجہا زیادہ امور ہمیں معلوم ہوئے ہیں بلکہ اکثر احکام تو وہ سمجھے ہی نہیں اور اُن کی فہم میں اُلٹے ہی آتے رہے اور اسی حالت میں انکا خاتمہ ہوگیا. غضب خدا کا ان کمزوریوں سے ان کی امامت میں تو کوئی نقص نہ پیدا ہو، اور عمر کا امامت میں صرف اتنی سی بات کہنے سے نقص پیدا ہوجائے. علی کا فتویٰ اس مفوضہ کی بابت موجود ہے کہ جو مرگئی ہو اور اُسکا مہر مقرر نہ ہوا ہو علماء نے علی کے ایسے ہی اور بہت سے احکام بیان کئے ہیں. اب رہا حاملہ کا قصہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عمر نے حاملہ سمجھ کے اُس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا. اُسکے حمل کا علم علی کو کسی صورت سے ہوگیا اُنہوں نے فاروق اعظم کے حضور عرض کردیا. آپ نے فوراً اپنا حکم منسوخ کردیا. اس ذراسی بات پر وہ غلغلہ مچا ہوا ہے کہ الٰہی توبہ. لاحول ولاقوۃ الا باللہ. اب شیعی علماء کی یہ بات رہی کہ عمر حاملہ عورت کو سنگسار کرنا جائز سمجھتے تھے یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا. اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اگر عمر حاملہ کا سنگسار کرنا جائز جانتے تو علیؓ کے منع کرنے پر کبھی نہیں رُک سکتے تھے. پھر علی کی کیا مجال تھی کہ فاروق اعظم کے سامنے اپنی کسی بات پر اصرار کرنا تو کجا، ہوں بھی کرسکتے ظاہر ہے کہ عمر نے ناجائز سمجھا تھا کہ علی کے اِس ذرا جتانے سے کہ یہ حاملہ ہے، رُک گئے اور بقول شیعی علماء یہ کہدیا کہ اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہوجاتا.

فاروق اعظم اور تراویح: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تراویح کی بدعت عمر ہی نے جاری کی ہے. باوجودیہ کہ نبی نے یہ فرمایا تھا. ایها الناس ان الصلوٰۃ باللیل فی شهر رمضان من النافلة جماعة بدعة وصلوة الضحیٰ بدعة فان قلیلا فی سنة خیر من کثیر فی

بدعة الاوان کل بدعة ضلالة و کل ضلالة سبیلها الی النار . یعنی اے لوگو! رمضان میں رات کو نفل پڑھنے بدعت ہیں اور چاشت کی نماز بھی بدعت ہے کیونکہ تھوڑی سی سنت بہت سی بدعت سے بدرجہا بہتر ہے. دیکھو اور خیال رکھو کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے.
پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک دن رمضان میں شب کو عمر باہر نکلے تو مسجدوں میں بکثرت روشنیاں دیکھیں کہا یہ کیا ہو رہا ہے. کسی نے جواب دیا کہ نفلی نماز یعنی تراویح کے لیے لوگ جمع ہو رہے ہیں آپ نے اس پر یہ کہا کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے غرضکہ اِس کے بدعت ہونے کا خود بھی اقرار کرلیا۔

پہلا جواب: جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو. اگر شیعی علماء کی خدمت میں یہ عرض کیا جائے کہ اے حضرات ''والا تبار'' اس حدیث کی سند آپ لوگ بیان فرمائیں تو یقیناً بغلیں جھانکنے لگیں گے کہ یہ کس مصیبت کا سامنا ہو گیا. ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے اور اسکے اسناد کیا ہیں. مسلمانوں کی کس کتاب میں یہ مروی ہے اور محدثین سے کون سے محدث نے اسے صحیح کہا ہے. سچی بات یہ ہے کہ نہ یہ حدیث صحیح ہے اور نہ اِس کے صحیح ہونے کے کہیں اسناد ہیں. پھر دریافت کیا جائے کہ مسلمانوں کی کونسی کتاب میں یہ حدیث مروی ہے اور محدثوں میں سے کون سے محدث نے اِسے صحیح کہا ہے تو سکتہ ہو جائے گا اور پھر سانس کی آمد و رفت بھی بند ہو جائے گی۔

دوسرا جواب: کل مفسرین بدیہہ طور پر یہ جانتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے جو رسول اللہ پر باندھا گیا ہے جسے تھوڑا سا بھی علم ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس روایت کو مسلمانوں نے اپنی کسی کتاب میں نقل نہیں کیا نہ کتب صحیح میں نہ سنن میں نہ مسانید میں نہ معجمات میں اور نہ اجزاء میں نہ اِسکی کہیں اسناد ہیں۔ نہ صحیح نہ ضعیف بلکہ صریح جھوٹ کے سوا اور اس میں کچھ نہیں رکھا۔

تیسرا جواب: یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور کے زمانہ میں لوگ راتوں کو نفلیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ دو یا تین شب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے جماعت کرائی تھی۔ صحیحین میں عائشہ صدیقہؓ سے مروری ہے کہ ایک دن آدھی رات کے قریب حضور انور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور

لوگوں کو نفلی نماز پڑھائی صبح کو جب اِسکا چرچا ہوا تو دوسرے دن مسجد میں پہلے دن سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے آپ نے اُس روز بھی پڑھادی پھر تیسری شب کو اور بھی زیادہ آدمی آئے اُس روز بھی حضور انور ﷺ نے نماز پڑھادی چوتھی شب کو تو اس قدر آدمی آئے کہ مسجد میں گنجائش تک نہ رہی مگر حضور انور ﷺ مسجد میں نہیں آئے مجمع نے بھتیرے اشارے کئے کہ مسلمان جمع ہیں حضور انور ﷺ تشریف لائیں کوئی الصلوۃ کہتا اور کوئی کچھ مگر حضور انور ﷺ نہیں آئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی صبح ہوتے ہی آپ صبح کی نماز کے لیے مسجد میں آئے جب نماز پڑھا چکے تو صف کی طرف متوجہ ہو کے بیٹھ گئے پہلے خطبہ پڑھا پھر فرمایا اے مسلمانوں شب کو تمہارا یہاں آنا مجھے معلوم تو بیشک ہوگیا تھا لیکن میں اس اندیشہ کی وجہ سے نہیں آیا کہ یہ تراویح تم پر فرض نہ ہوجائیں اور پھر تم انہیں ادا نہ کرسکو پھر حضور انور ﷺ کی وفات ہوگئی اور یہ امر اسی طرح رہا۔ ابوذر سے بھی اسی طرح مروی ہے اُسے امام احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رمضان شریف میں حضور انور تراویح پڑھنے کی بہت ترغیب دیا کرتے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے کبھی تراویح کو فرض اور واجب نہیں فرمایا۔ حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ جو شخص ثواب سمجھ کے رمضان شریف میں تراویح پڑھے تو اُس کے پہلے کئے ہوئے سب گناہ معاف ہوجائیں گے پھر حضور انور ﷺ کی وفات ہوگئی اور یہ امر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے شروع خلافت تک اسی طرح رہا۔ امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن قاری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رمضان المبارک میں ایک روز شب کو فاروق اعظم کے ساتھ مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز یعنی تراویح پڑھ رہے ہیں کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے کوئی چار پانچ آدمیوں کا امام بنا ہوا ہے فاروق اعظمؓ نے دیکھ کے فرمایا مجھے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا میں ایک ہی امام مقرر کردوں چنانچہ آپ نے ابی بن کعب کو امام مقرر کردیا۔ پھر دوسری شب کو جب میں اُن کے ساتھ مسجد میں گیا تو میں نے دیکھا ابی بن کعب نماز پڑھا رہے ہیں یہ دیکھ کے فاروق اعظم نے فرمایا۔ ''دیکھو یہ کیا اچھی بدعت ہے'' پھر فرمایا ''وہ نماز جس کے وقت یہ سوتے رہتے تھے یعنی تہجد کی نماز اس سے افضل ہے کہ جو یہ اب پڑھ رہے ہیں کیونکہ وہ عشا ہی کے وقت پڑھ لیتے تھے'' بدعت کہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ ایسا عام اجتماع کبھی نہ ہوا تھا لہٰذا اِس اجتماع کو بدعت کہا گیا نہ کہ نماز تراویح کو جیسا کہ

شیعی اصحاب نے سمجھ لیا ہے۔ لغت میں بدعت اُسی کو کہتے ہیں جو کام پہلے پہل کیا جائے اور اس سے شرعی بدعت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بدعت جو گمراہی ہوتی ہے وہ اُس فعل کا نام ہے۔ جو بغیر کسی شرعی دلیل کے کیا جائے۔ مثلاً ایسی چیزوں کو مباح سمجھنا جو اللہ نے مباح نہ کی ہوں اور ایسے افعال کو واجب کر لینا جو اللہ نے واجب نہ کیے ہوں یا ایسی چیزوں کو حرام جاننا جو اللہ نے حرام نہ کی ہوں۔

چوتھا جواب: اگر تراویح کا پڑھنا قبیح اور منہی عنہ ہوتا تو جب علی کوفہ میں امیر المومنین ہو گئے تھے تو اُنہیں سب سے پہلے اس کا اڑا دینا ضروری تھا۔ مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ برابر رمضان المبارک میں تراویح پڑھتے رہے۔ اِس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ اُسے مستحب سمجھتے تھے۔ خود حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ نے یہ دعا کی تھی۔ "اے اللہ عمر کی قبر کو منور کیجئے جیسا اُنہوں نے ہماری مسجدوں کو منور کر دیا ہے" ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں علی نے رمضان شریف میں حافظوں کو بلا لیا اور یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں چنانچہ وہ تراویح پڑھایا کرتے تھے آپ مردوں کے لیے علیحدہ اور عورتوں کے لیے علیحدہ امام مقرر کر دیتے تھے۔ اور میں عورتوں کا امام ہوتا تھا یہ دونوں روایتیں بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہیں اسمیں علماء کا اختلاف ہے کہ تراویح کو جماعت سے مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں پڑھنا افضل ہے یہی دو قول امام شافعی اور امام احمد کے ہیں علماء کا ایک گروہ جماعت سے مسجد میں پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے اسی گروہ میں لیث بھی ہیں باقی امام مالک وغیرہ گھر میں پڑھنے کو افضل کہتے ہیں اور حضور انور کے اِس ارشاد سے حجت لیتے ہیں. **افضل الصلوة صلوة المرء فی بیته الا المکتوبة.** یعنی مرد کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرضوں کے۔ یہ حدیث صحیحین نے روایت کی ہے امام احمد وغیرہ حضور انور کے اِس ارشاد سے حجت لاتے ہیں۔ **الرجل اذا قام معه الامام حتی ینصرف کتب اللہ له قیام لیلة** یعنی جب کوئی امام کے ساتھ کھڑے ہو کے پوری نماز پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ساری رات کی نماز کا ثواب لکھ دیتا باقی حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کہ مرد کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرضوں کے یہ ہے کہ جب تک اُس کے لیے جماعت مشروع نہ

ہوئی ہو لیکن جس کے لیے جماعت مشروع ہو گئی جیسے کسوف کی نماز تو اُسے حضور انور ﷺ کی متواتر سنت کے موافق مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔ سب یہ کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے لوگوں کو تراویح پڑھنے پر محض اس وجہ سے جمع اور اُسکا التزام نہیں کیا کہ اُسکے فرض ہو جانے کا خوف تھا اب چونکہ حضور انور ﷺ کی وفات ہونے کی وجہ سے خوف نہیں رہا اِس لیے اب اُسے جماعت سے پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن شریف کا جمع کرنا وغیرہ جب اِس میں جماعت شروع ہو گئی تو اب اس کو جماعت ہی سے ادا کرنا افضل ہے۔ فاروق اعظم کا یہ فرمانا کہ جس نماز کے وقت تم سو جاتے ہو وہ اس سے افضل ہے اس سے آپ کی مراد تہجد کی نماز تھی اور وہ لوگ عشا ہی کے وقت پڑھ لیتے تھے تو یہ کلام فاروق کا صحیح ہے کیونکہ تہجد کے وقت تراویح کا پڑھنا واقعی افضل ہی جیسا کہ عشاء کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفضول وقت یعنی غیر افضل وقت میں کسی وجہ سے کوئی عمل مخصوص ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس وقت میں اُس کا عمل کرنا دوسرے وقت میں کرنے سے افضل ہو جاتا ہے۔ مثلاً عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو ملا کے پڑھنا علیحدہ علیحدہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اگرچہ اصل یہی ہے کہ نماز کو اُس کے خاص وقت میں پڑھنا ہی افضل ہوتا ہے لیکن یہاں ایک خاص وجہ سے جمع کرنا افضل قرار پایا۔ علی ہذا القیاس سخت گرمی کے وقت ظہر کی نماز میں تاخیر کر کے پڑھنا افضل ہے باقی رہی چاشت کی نماز جسکا طعنہ شیعی علماء دیتے ہیں اس میں فاروق اعظم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل نے ہر مہینے تین روزے رکھنے اور چاشت کے دو نفل پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت فرمائی تھی۔

عثمانؓ کی امامت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ عثمانؓ نے ایسے امور کیے جن کا کرنا جائز نہ تھا یہاں تک کہ سب مسلمانوں نے اُنہیں بُرا جانا اور اُنکے قتل کرنے پر اتنے زیادہ آدمیوں کا اتفاق ہو گیا کہ اتنے آدمیوں کا جتھا نہ اُن کی بیعت پر بندھا تھا نہ ابوبکر وعمر کی بیعت پر اتنے آدمی متفق ہوئے تھے پھر بھلا ایسا شخص امام کیونکر بن سکتا ہے۔

پہلا جواب: یہ سب سے زیادہ صریح جھوٹ ہے۔ عثمان سے مدینہ منورہ کیا بلکہ تمام اسلامی

ممالک کے مسلمانوں نے بیعت کر لی تھی اُن کی خلافت پر بیعت ہونے میں تو دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا نہ کسی نے بیعت ہونے میں تاخیر کی۔ اس واسطے امام احمد نے کہا ہے عثمان کی بیعت پر چونکہ سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اور بیعتوں سے بھی زیادہ مضبوط تھی۔ جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ گنے چنے آدمی تھے اُن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ ابن زبیر عثمان کے قاتلوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے بزدل لوگ ہیں کہ شب کو چوروں کی طرح بے خبری میں چلے آئے۔ یہ بات تواتر سے معلوم اور مشہور ہے کہ آپ کے قتل کرنے میں اور شہروں کے آدمی شریک نہ تھے نہ کوئی سابقین اولین میں سے تھا۔ لہٰذا قاتلوں اور بیعت کرنے والوں کی تعداد میں بعد المشرقین ہے۔ اس لیے یہ قول بالکل غلط ہے کہ آپ سے بیعت کرنے والوں کی تعداد قاتلوں سے کم تھی. یہ لغو بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو صحابہ کے احوال سے محض نابلد ہو۔

دوسرا جواب: جن لوگوں نے حضرت علیؓ کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور اُن سے قتال کیا وہ عثمان کے مخالفین اور مقاتلین سے کئی حصے کیا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں زیادہ تھے علی کے لشکر کی بہت سی پلٹنیں آپ سے باغی ہو گئی تھیں اور صاف طور پر وہ آپ کو کافر کہتی تھیں۔ باغی سپاہی علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ علی بلا شک و شبہ تم اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے ہو جب تک تم اسلام کی طرف رجوع نہ کرو گے ہم کبھی تمہاری اطاعت نہیں کرنے کے پھر اُن ہی فوجی مسلمانوں میں سے ایک نے آپ کو شہید کر دیا جس نے شہید کیا وہ آپ کا خون کرنا حلال جانتا تھا اور اُس کا یہ عقیدہ تھا کہ علی کا قتل کرنا اللہ کے مقرب ہونے کا ذریعہ ہے۔ اب اِن کے مقابلہ میں عثمان کے قاتلوں کو لو. اُن کا یہ عقیدہ عثمان کی نسبت ایسا نہ تھا جن لوگوں نے ان پر حملہ کیا تھا وہ ان کے کافر ہونے کے قائل نہ تھے ہاں ظلم کے مدعی ضرور تھے. اب رہے خوارج وہ کھلم کھلا علی کو کافر کہتے ہیں ان کی تعداد اُن آدمیوں سے کہیں زیادہ جو عثمان کو گرفتار یا قتل کرنے کے لیے مدینہ آئے تھے۔ اب اگر یہی بات عثمان میں قدح کرنے کی حجت ہے تو یہی بات علی میں قدح کرنے کی بدرجہ اولیٰ حجت ہو گی۔ مگر اصل یہ ہے کہ یہ دونوں دلیلیں باطل بالکل ہیں اس کے علاوہ عثمان کے قاتلوں سے اُن میں قدح کرنے کی دلیل بہ نسبت اس دلیل کے جس سے علی کے قاتلوں سے اُن میں قدح ہوتی ہے بہت ہی لچر اور بیہودہ ہے۔ اس پر سب مسلمانوں

کا اتفاق ہے کہ علیؓ کے قاتل نہ صرف عثمان کے قاتلوں سے تعداد میں زیادہ تھے بلکہ بدرجہا اُن سے افضل بھی تھے. کیونکہ علی کے قاتلوں میں بڑے بڑے زاہد، عابد اور ولی اللہ تھے. عثمان کے قاتل لُچے غُنڈے اور بازاری لوگ تھے ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی دیانت داری پر بھروسہ کیا جائے.

تیسرا جواب: یہ تواتر سے معلوم ہے کہ عثمان سے بیعت ہونے میں سب مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ اُن بیعت سے سعد بن عبادہ رہے گئے تھے۔ جو نہ صدیق سے بعیت ہوئے نہ فاروق اعظم سے اخیر آپ ہی کی خلافت میں اُن کا انتقال ہو گیا لیکن یہ اور سمجھ لیا جائے کہ سعد کا اُس بیعت سے رہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ اُنہیں کچھ اعتراض وشک تھا سعد نے صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں کیا وہ یقیناً جانتے تھے کہ صدیق اکبر کل مہاجرین میں افضل ہیں اور رسول اللہ کے بعد انؐ کے سردار ہیں ان کی صرف یہ خواہش تھی کہ انصار میں سے بھی ایک امیر یا خلیفہ ہو جائے اگرچہ اُن کا یہ خیال مصالح ملکی. امن عامہ نظام سلطنت وغیرہ کے بالکل خلاف تھا مگر وہ اخیر عمر تک اسی پر جمے رہے اور اسی پر اُنہوں نے جان دے دی علاوہ مصالح ملکی وغیرہ کے سعد کا خیال مشہور معروف نص کے بالکل خلاف تھا جو اُسے معلوم نہ تھی وہ نص یہ ہے. الائمہ من قریش یعنی خلفاء قریش ہی میں سے ہونے چاہئیں۔ اس سے یہ نتیجہ اچھی طرح نکل آیا کہ سعد کا بیعت سے رہ جانا بدلیل نص خطا تھا۔ اس میں اجماع کی ضرورت نہیں ہے. اب رہی عثمان کی بیعت اس میں تو ایک کا بھی اختلاف نہیں ہوا حالانکہ مسلمان افریقہ سے خراسان تک اور ساحلِ شام سے اقصاء یمن تک پھیلے ہوئے تھے تو بھی ایک مسلمان بھی بیعت سے خالی نہیں رہا۔ آپ کے عہد مسعود میں افریقہ وغیرہ دنیا کے دور دراز حصص میں مسلمانوں کو جو فتوحات ہوئیں وہ روز روشن بنی ہوئیں ہیں۔ عثمان کی خلافت کے دو حصے کرنے چاہئیں۔ پہلا حصہ تو بڑی آسودگی امن اور خوشی سے گزرا۔ یعنی چھ برس تک کسی قسم کا نہ کسی نے اعتراض کیا اور نہ عثمان کے برخلاف سرگوشی ہوئی۔ مگر دوسرے حصہ کے آغاز سے نکتہ چینیوں کی آوازیں اُٹھنے لگیں اور یہ آوازیں بہت ہی تھوڑے آدمیوں کی تھیں جن کا شمار اُنگلیوں پر ہو سکتا ہے. جمہو کو کوئی اعتراض نہ تھا ان کے منہ سے سوائے خیر وخوبی کے کچھ نہ نکلتا تھا۔ عثمان کی مدت خلاف اپنے دو پیش روؤں اور اپنے

جانشین سے زیادہ تھی۔ مثلاً صدیق اکبر کی خلافت کچھ اوپر دو برس رہی۔ فاروق اعظم کی کچھ اوپر دس برس رہی اور حضرت علیؓ کی کچھ اُوپر چار برس رہی علی جس وقت خلیفہ ہوئے تو اُنکے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کوئی نہ تھا سوائے مصری باغیوں کے جنہوں نے بے گناہ عثمان کو شہید کیا تھا۔ علیؓ سے بیعت نہ کرنے والوں میں سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے تھے اور بڑے مرتبہ کے لوگ تھے۔ ان میں سے بعض خانہ نشین ہو گئے اور بعض نے علی سے قتال کیا خاموش بیٹھنے والوں میں اُسامہ زید ابن عمر اور محمد بن سلمہ وغیرہ تھے مگر تماشہ ایک اور ہی ہے جن لوگوں نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اُن ہی میں کا ایک حصہ آپ سے پھر گیا۔ اعلانیہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور آپ کا خون حلال سمجھا بعض امیر معاویہ کے ساتھ جا ملے خود آپ کے یعنی علی کے بھائی عقیل وغیرہ ہمیشہ آپ پر اعتراض کرتے اور آپ کی ان حرکتوں سے سخت بیزار تھے وہ صاف طور پر کہتے تھے کہ علی خلیفہ راشد نہیں ہیں ان کی یہ حجت شیعوں کی حجت سے کہیں زیادہ مضبوط اور بڑی ہے۔ اس پر بھی اگر ان کی حجت غلط اور باطل ہو گئی اور علیؓ کا ظلماً قتل کیا جانا مان لیا گیا تو عثمان اِس کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔ یہ بحث تو یہاں ختم ہو گئی اب ہم ان نکتہ چینیوں پر نظر کرتے ہیں جو صدیق اکبر پر بڑے بڑے شیعی علماء نے کی ہیں۔ اور اُن ہی پر تمام شیعی اعتراضات، حملوں، تبروں اور طعن و تشنیع کا دارومدار ہے۔ یہ بحث بہت ہی دلکش ہوگی۔ بہت سے چھپے ہوئے رازوں کا پتہ لگے گا۔ اور معلومات کی ایسی ترقی ہوگی کہ لوگ علم سے مالا مال ہو جائیں گے۔ جواب الجواب سے یقیناً تمام شیعی دنیا عاجز ہو جائے گی اور کل علماء ہندوار یان مل کے بھی جواب بصواب نہ دے سکیں گے۔ بات ہو تو ایسی ہو تمام شیعی دنیا انگشت بدندان ہے کہ کتاب شہادت کا جواب کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ یہ شاہ صاحب کا تحفہ نہیں ہے کہ دو چار جواب بُرے بھلے لکھ دیئے اور خوش ہو گئے کہ ہم نے پوری کامیابی حاصل کر لی اگر چہ تحفہ کا جواب بھی جسے جواب کہنا چاہیے ابھی تک نہیں ہوا۔ مگر کتاب شہادت کا جواب تو اتنا ہونا بھی محال ہے۔

اجماع اور امامت ابوبکر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی امامت پر اجماع نہیں ہوا تھا کیونکہ بنی ہاشم کی ایک جماعت اِس پر متفق نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح اکابر صحابہ بھی ایک جماعت اس

پر متفق نہیں ہوئی تھی۔ وہ صحابہ یہ ہیں۔ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، حذیفہؓ، سعد بن عبادہؓ، زید بن ارقمؓ، اسامہ بن زیدؓ، خالد بن سعیدؓ، عمرو بن العاصؓ یہاں تک کہ ابوبکر کے والد نے بھی اس کا انکار ہی کیا تھا۔ یعنی جب انہیں خبر لگی کہ انکا بیٹا خلیفہ ہو گیا انہوں نے علی اور عباس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان دونوں غریبوں کا کیا بنا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بیچارے تو رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے اوروں نے اور تمام بنو حنیفہ نے تمہارے بیٹے کو عمر میں سب سے بڑا دیکھ کے خلیفہ کر دیا۔

پھر شیعی علماء نے فرمایا ہے کہ جن مومنین نے ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دی انکا نام مرتد رکھ دیا گیا انہیں قتل بھی کیا قید بھی کیا مگر عمر نے اپنی خلافت میں ان لوگوں کو رہا کر دیا۔ اور انکے مرتد ہونے سے انکار کر دیا۔

جواب: جو شخص علم سیرت سے کچھ بھی واقف ہے۔ وہ جب ایسی بے سروپا ام کہانی سنے گا تو اُسے دو باتوں میں سے ایک بات کا ضرور یقین ہو جائے گا۔ یا تو اُس کے ذہن میں یہ آئے گا کہ یہ قائل صحابہ کے احوال اور معاملات بالکل ناواقف ہے۔ یہ سمجھ گیا کہ افترا پردازی کی حد ہو گئی ہے اور اس سے زیادہ غلط بیانی شاید دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئے جو کچھ چاہا بے سمجھے بوجھے لکھ دیا۔ نہ تحقیق سے غرض نہ معتبر کتابوں سے سروکار نہ معقول کی خبر نہ منقول کی اطلاع کچھ بھی نہیں۔ اب سنئے نفس واقعات کی غلط بیانی۔ شیعی علماء نے بنو حنیفہ کو اہل اجماع میں سے قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جب اس خاندان کے لوگ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوئے اور نہ انہوں نے زکوٰۃ دی تو ابوبکر نے انہیں مرتد قرار دیا۔ لڑائی ہوئی جس میں اُن کے چند آدمی قتل اور چند قید ہوئے۔ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ عام طور پر یہ کہتا تھا کہ میں رسالت میں محمد رسول اللہ کا شریک ہوں اسی طرح ایک دوسرے شخص اسود عنسی نے صنعا یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضور انور ﷺ کی نبوت کا اخیر زمانہ تھا کہ جب اس مدعی رسالت کی طرف نبوت کا اعلان کیا گیا۔ اس اسود کا اصلی نام عبہلہ تھا۔ مگر حضور انور ﷺ کی زندگی میں ایک شخص نے اسکا کام تمام کر دیا۔ اس نے بہت کچھ ویہ مچایا تھا۔ یمن پر اسکا پورا غلبہ ہو گیا تھا۔ مسلمان عامل نہیں نہایت بے عزتی سے یمن سے نکلوائے تھے۔ خیر اس کا قصہ تو ختم ہو گیا۔ اب بنو حنیفہ کا حال سنو۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کے پیرو نہیں

ہو گئے تھے۔ یہ بات ایسی معروف و مشہور ہے کہ جو شخص علم و معرفت سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہو وہ بھی اس سے اچھی طرح واقف نکلے گا۔ اس کا قرآن جو یہ لوگوں کو سناتا تھا۔ اسکی چند سورتیں آج تک نقل ہوتی ہوئی چلی آئی ہیں۔ چنانچہ ایک سورت یہ ہے۔ "یا ضفدع بنت ضفد عین لقی کم تنقین لاالماء تکدرین ولا الشارب تمنعین راسک فی الماء وذنبک فی الطین." دوسری سورت یہ ہے "الفیل ماالفیل مما ادراک مایفل له زلوم طویل ان ذلک من خلق ربنا لقلیل" تیسری سورت یہ ہے۔ "انا اعطیناک الجماهر فصل لربک وجاهر ولا تطع کل ساحر و کافر" چوتھی سورت یہ ہے۔ "والطاحنات طحنا والعاجنات عجنا والخابزات خبزا اهالة وسمنا ان الارض بیننا وبین قریش نصفین ولکن قریشا لا یعدلون" غرض اسی قسم کے ہذیان اور بھی ہیں۔ جب مسیلمہ کے قتل کے بعد بنو حنیفہ کا ایک وفد صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سردار وفد سے فرمایا کہ مسیلمہ کا قرآن سناؤ۔ انہوں نے یہ مذکورہ سورتیں پڑھ کے سنائیں تو صدیق اکبر نے بہت افسوس کیا اور کہا تمہاری عقلوں کو کیا ہوا کہ تم نے اُسے اللہ کا کلام مان لیا۔ یہ تو کلام خدا ہرگز نہیں ہے۔ امت مرحومہ کے اولین اور آخرین سب کے نزدیک ابوبکر صدیق کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت یہ ہے کہ آپ نے مرتدوں سے جنگ کی۔ مرتدین میں سب سے بڑھے ہوئے یہ بنو حنیفہ تھے جنہیں شیعی علماء اجماع میں شریک فرماتے ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان سے صدیق کی جنگ فقط زکوٰۃ نہ دینے پر نہیں ہوئی تھی بلکہ جنگ کا باعث ان کا مرتد ہو جانا تھا یہ کھلم کھلا مسیلمہ پر ایمان لے آئے تھے۔ انکی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کے قریب کیا گیا ہے۔ اور سنئے! حنیفہ محمد بن حنیفہ کی ماں علی کی لونڈی تھی یہ لڑکی بنی حنیفہ کے خاندان سے تھی۔ جب بنی حنیفہ کے زن و مرد قید ہو کے مدینہ میں آئے تو یہ لڑکی علی کے حصہ میں آئی آپ نے اُسے اپنی حرم بنایا خیال کیجئے اگر یہ لوگ مسلمان ہوتے تو علی مسلمانوں کی ایک خاتون کو کس طرح حرم بنا سکتے تھے۔ اور ساتھ ہی علی نے اُسے اپنی لونڈی بنانا کیونکر جائز کر لیا۔ محض اس لیے کہ علی بنو حنیفہ کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ باقی وہ لوگ جن سے ابوبکرؓ نے زکوٰۃ نہ دینے پر جنگ کی تھی وہ اور ہیں ان کی فقط یہی خطا تھی

کہ وہ زکوٰۃ نہ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم تمہیں زکوٰۃ نہیں دینگے بلکہ اُنہوں نے نفسِ زکوٰۃ ہی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کی مفصل بحث ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ وغیرہ صدیق اکبر کے اس بارے میں پیرو ہیں اُنہوں نے صاف طور پر کہ دیا ہے کہ اگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم خلیفہ وقت کو تو زکوٰۃ کا روپیہ نہ دیں گے بلکہ خود زکوٰۃ خرچ کریں گے تو اُن سے ہرگز جنگ جائز نہ تھی۔ یہ ائمہ خوب جانتے ہیں کہ صدیق نے ان ہی لوگوں سے جنگ کی تھی جو زکوٰۃ کو ناجائز سمجھ کے اُس کے دینے سے انکار کر بیٹھے تھے۔ شیعی علماء کا بنوحنیفہ کو اہل اجماع میں شریک کرنا بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے بیعت نہ کرنے والوں میں یہود و نصاریٰ اور آتش پرستوں کو شمار کیا جاتا۔ یہ ہم صاف دلی سے شہادت دیں گے کہ بنوحنیفہ کا کفر بہت سے لحاظ سے دنیا کے تمام کفروں سے بڑھا ہوا تھا۔ جو لوگ خفیف دنیاوی لالچ سے اسلام لانے کے بعد اصولِ دین خدا سے انکار کر بیٹھے ان کی سزا سوائے گردن زدنی کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کفر کی گندگی میں وہ خود ہی مبتلا نہ ہوں گے بلکہ اوروں کو بھی لپیٹیں گے اس لئے تقاضائے عقل یہی ہے کہ جسم کا جو عضو گل گیا ہو اور اس سے دوسرے اعضا کے گل جانے کا اندیشہ ہو قطعی اُسے کاٹ ڈالنا چاہیے۔ دوسری بات جو شیعی علماء نے فاروق اعظم کی نسبت فرمائی ہے کہ وہ صدیق اکبر سے مخالف تھے یہ محض غلط ہے۔ اصل میں وہ اختلاف کسی اور فرقہ کی بابت ہوا تھا۔ یہ لوگ اسلام سے تو انکار نہیں کرتے تھے مگر زکوٰۃ دینے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ فاروق اعظم کو ان سے جنگ کرنے میں تامل تھا مگر جب صدیق اکبر نے سمجھا دیا تو وہ بھی اور صحابہ کے ساتھ صدیق کی رائے کی تائید کرنے لگے۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ عمر فاروق نے اِسی جنگ کی بابت صدیق اکبر سے یہ کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ مجھے جہاد کرنے کا حکم ہو گیا ہے یہاں تک کہ یہ لوگ توحید لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور جس وقت یہ اِس کے قائل ہو جائیں گے تو اپنی جانیں اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے۔ ہاں کسی حق کی وجہ سے اور اُسکا حساب کتاب اللہ پر ہے۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ پر غور کرو کہ کسی حق کی وجہ سے وہ اپنی جانیں اور مال محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ یہ

بھی یاد رکھو کہ زکوۃ اسی حق میں سے ہے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ اونٹ کا بچہ زکوۃ میں مجھے ایسا نہ دیں جیسا رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں اسی کے نہ دینے پر ان سے جہاد کروں گا۔ اس پر فاروق اعظم نے کہا واللہ اب یہ میں سمجھا بیشک اللہ نے ابوبکر کا شرح صدر کر دیا ہے کہ ان سے ضرور جنگ کرنی چاہیے۔ یہ بات میرے بالکل ذہن نشین ہو گئی ہے۔ بیشک حق یہی ہے۔ اب ان اکابر صحابہ کو لو جن کی نسبت شیعی علماء کا یہ بیان ہے کہ انہوں نے صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ یہ اُن پر سراسر اتہام ہے۔ صرف سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی تھی۔ جس کی مفصل بحث ہم ابھی گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس پر تمام علماء، سیر منقولات اور باقی اہل معرفت کا اتفاق ہے کہ اُسامہ بن زید نے بغیر بیعت ہوئے اپنی فوج کے ساتھ کوچ نہیں کیا۔ وہ پہلے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اُسامہ بن زید نے ابوبکر سے جب خطاب کیا۔ یا جب خلیفۂ رسول اللہ کہہ کے خطاب کیا۔ اب اور صحابہؓ کو لو جن کی بیعت ہونے سے شیعی علماء انکار کرتے ہیں اوّل خالد بن سعید ہیں آپ حضور انور کی حیات ہی میں آپ کے نائب تھے۔ جب حضور انور ﷺ کی وفات ہو گئی تو انہوں نے یہ کہا میں اس کے بعد اور کسی کا نائب بننا نہیں چاہتا۔ ہاں صدیق اکبرؓ کی خلافت کو حق سمجھنے اور ماننے میں یہ اور صحابہ کے ساتھ تھے اور بدل و جان اُسے تسلیم کرتے تھے۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ صدیق اکبر کی بیعت کے سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی بھی باقی نہیں رہا تھا۔ علی اور بنو ہاشم نے یقیناً اُن سے بیعت کر لی تھی اور اُس پر کل علماء کا اتفاق ہے بلا بیعت ہوئے ان میں سے کوئی نہیں مرا بعض کا فقط یہ ضعیف قول ہے کہ علی چھ مہینے کے بعد بیعت ہوئے تھے۔ مگر زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ دوسرے ہی روز علی صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔ کل بنی ہاشم نے بغیر جبر و اکراہ صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ صدیق کے بعد فاروق اعظم سے بھی یہ لوگ سوائے سعد بن عبادہ کے اسی طرح خوشی خوشی بیعت ہو گئے تھے۔ پھر آپ کے بعد عثمان غنی کی بیعت پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔ سعد بن عبادہ کا فاروق اعظم کی خلافت میں انتقال ہو چکا تھا۔ انہوں نے عثمان غنی کا زمانہ نہیں دیکھا۔ ایک شخص کی نا بھی یا علیحدگی سے اجماع میں

کوئی خلل نہیں پڑ سکتا ایک شخص نفس خلافت کو نا جائز نہیں کہتا بلکہ خلافت کے دو حصے کرنا چاہتا ہے اس کے خیال سے اجماع میں کیونکر خلل پڑ سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ شخص قرآن و حدیث سے کوئی حجت پیش کرے جیسا صدیق نے اُسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف کی تھی۔ چونکہ ابوبکر حق پر تھے اس لیے سب صحابہ نے آپ کی تائید کی۔ اب ابوقحافہ یعنی ابوبکر کے باپ کو جنکی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سُن کے کہا تھا کہ غریب عباس اور علیؓ کو کیا کیا ابوقحافہ کا یہ قول ہرگز نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ ان کی نسبت یہ محض افتراء ہے کل علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سخت جھوٹ ہے۔ اس وقت ابوقحافہ مکہ میں تھے فتح مکہ کے سال یہ مسلمان ہو گئے اور بہت ہی بوڑھے تھے۔ خود ابوبکر نے انہیں حضور انور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ان کا سر اور داڑھی بالکل گالا بن رہے تھے۔ اُن کے بڑھاپے کو دیکھ کے حضور انور نے یہ فرمایا تھا۔ اتنے بڑے ضعیف آدمی کو یہاں آنے کی کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس ہو آتا یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ صحابہ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے ماں باپ اور اس کی ساری اولاد مسلمان ہو گئی ہو اور ان سب نے بلکہ اُنکی اولاد در اولاد نے حضور انور ﷺ کا زمانہ پایا یہ شرف ابوبکر ہی کو حاصل ہوا باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی یعنی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر ابوقحافہ چاروں حضور انور ﷺ کے زمانے میں مسلمان تھے اسی طرح عبداللہ بن زبیر بن اسماء بنت ابی بکر یہ سب بھی حضور انور پر ایمان لے آئے تھے اور آپ کی خدمت میں رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ گھرانا ایسا تھا جو اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا جنکی چار پیڑھیاں حضور انور ﷺ کے سامنے مسلمان ہو گئے ہوں کسی صحابہ کا گھرانا ایسا نہ تھا یہ بات مشہور تھی کہ ایمان کے بھی بہت سے گھر ہیں اور نفاق کے بھی مگر مہاجرین میں سب سے اول ابوبکر کا گھر ایمان کے گھروں میں سے ہے اور انصار میں سے ہو بخار کا گھر ہے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ لوگوں نے ابوقحافہ سے یہ کہا تھا تمہارا بیٹا عمر میں سب صحابہ سے بڑا ہے یہ بھی محض غلط اور سراسر لغو ہے کیونکہ اسوقت صحابہ میں سے ایسے آدمی تھے جو عمر میں ابوبکر سے بڑے تھے مثلاً عباس حضور انور سے بھی تین سال بڑے تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور ﷺ ابوبکر سے بڑے تھے۔

ابوعمر بن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اسمیں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جس وقت ابوبکر کا انتقال ہوا انکی عمر ۶۳ سال کی تھی یعنی اُس وقت وہ حضور انور ﷺ کے برابر ہوئے تھے۔ اب ابوقحافہ کے قول پر غور کرنا چاہیے اُن سے خود منقول ہے جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی ہے تو سارے مکے میں ہل چل مچ گئی اور ایک شور محشر برپا ہوا ابوقحافہ نے یہ شور سنکے پوچھا کہ کیا بات ہے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی ہے۔ ابوقحافہ نے سن کے کہا کہ یہ بڑا بھاری حادثہ ہے آپ کے بعد خلیفہ کون بنایا گیا ہے کہا تمہارا بیٹا۔ ابوقحافہ بولے کیا بنوعبد مناف اور بنومغیرہ اس پر رضامند ہوگئے. جواب دینے والے نے کہاہاں اس پر ابوقحافہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا سچ ہے. "لا مانع لما اعطے وہ معطے لما منع" یعنی خدا جسے کوئی چیز دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ نہ دے اُسے کوئی دینے والا نہیں ہے۔ شیعی علماء نے اجماع کا انکار کیا ہے اِسکے لیے پہلا جواب تو یہ ہے کہ جن صحابہ کے شیعی علماء نام لیتے ہیں ان میں سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی شخص بیعت سے نہیں رہا تھا۔ ان سب کے بیعت ہوجانے پر تمام اہل نقل کا اتفاق ہے ہاں بنی ہاشم میں سے چند آدمیوں کی بابت کلام ہے کہ وہ چھ مہینے تک بیعت نہیں ہوئے مگر یہ صرف بعض کا قول ہے کثرت رائے اس طرف ہے کہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص بھی باقی نہیں رہا تھا اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ بعض بنی ہاشم چھ مہینے کے بعد بیعت ہوئے تھے تو اس سے بھی اجماع میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ انکا بیعت ہونا بغیر کسی لالچ اور جبر و کراہ کے تھا۔ بعض کتابوں میں ابوبکر کا ایک خط نقل ہوا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ خط علی کے پاس بھیجا گیا تھا۔ مگر یہ درحقیقت ایک من گھڑت کہانی ہے خط کے مصنف کئی صدی کے بعد پیدا ہوئے اور اُنہوں نے اپنی طرف سے یہ خط بنادیا تمام علماء نے اِس کے جعلی ہونے کا اقرار کیا ہے ہاں علی نے ایک خط ابوبکر کو بھیجا تھا اور وہ خط علی ہی کا ہے اور اس کو سب نے صحیح کہا ہے اُس کا مضمون یہ ہے علی. صدیق کو لکھتے ہیں۔ کہ اگر تم میرے مکان پر آجاؤ تو میں بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ صدیق علی کے مکان پر گئے علی نے پہلے کچھ معذرت کی اور پھر بیعت ہوگئے۔ علی ہذا القیاس جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ علی نے بروقت بیعت نہیں کی تھی بلکہ چھ مہینے کے بعد وہ بیعت ہوئے تھے ہم اِسے بھی تسلیم کرتے

ہی ممکن ہے کہ علی کو بعض باتوں کا خیال ہوا ہو کیونکہ وہ انسان تھے اور انسان میں غلط فہمی کا پیدا ہونا محال نہیں ہے۔ جب تک فاطمہؓ زندہ رہیں علی مدینے میں سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کی ہر شخص توقیر کرتا تھا اور انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ فاطمہؓ کی وفات ہوتے ہی اُن کی بات میں بہت بڑا فرق آ گیا۔ کیونکہ صحابہ میں ذاتی طور پر انھیں کوئی وجاہت حاصل نہیں تھی جو کچھ وجاہت حاصل تھی صرف فاطمہ کی وجہ سے تھی۔ علی اپنی اس حالت کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ فاطمہ کی وفات سے میری بات قوم میں وہ نہیں رہی تو انہوں نے ابوبکر سے صلح کر لی۔ بہت ہی مناسب خیال کی علی کو فقط ایک غلط فہمی ہوگئی تھی اور اس غلط فہمی کی وجہ سے وہ اس قدر رکے رہے۔

فاطمہؓ کی وفات کے بعد علی نے صدیقؓ کو بذریعہ قعد کے یہ پیغام دیا کہ اگر آپ میرے مکان پر تشریف لائیں تو بہت ہی مناسب ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ تنہا ہوں اور دوسرا شخص آپ کے ساتھ نہ ہو۔ صدیق بغیر کسی پس وپیش کے علیؓ کے پاس گئے ادھر اُدھر کی باتیں ہونے کے بعد علی نے کہا صدیق ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ ہم سے افضل ہیں اور یہ فضیلت آپ کی خداداد ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں فقط اتنا خیال ہے کہ جب رسول اللہ سے ہماری ایک بہت بڑی قرابت داری ہے اسکی وجہ سے اخلاقی طور پر ہم اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ خلافت کے مشورے میں ہمیں بھی شریک کیا جاتا۔ مگر آپ نے مجھے اس وقت طلب نہیں کیا اس کا جواب صدیق نے اس معقول طریقہ سے دیا کہ علی کو تسکین ہوگئی صدیق کی آنکھوں سے آنسو برابر رواں تھے آپ نے اسی رقت انگیز حالت میں یہ کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مجھے اپنے قرابت داروں سے رسول اللہ کے قریب دار زیادہ محبوب ہیں۔ میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے زیادہ ہرگز سلوک اور صلہ رحمی نہیں کر سکتا۔ باقی یہ باتیں جو ہمارے تمہارے درمیان میں ہوگئی ہیں میں نے اپنے نزدیک تو حق میں کبھی کوتاہی نہیں کی نہ میں نے ایسا کوئی کام چھوڑا جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا غرض ان سب باتوں کے ہونے کے بعد حضرت علی نے کہا کہ آج ظہر کے وقت میں تم سے بیعت ہو جائے گا۔ چنانچہ صدیق اکبر ظہر کی نماز پڑھ کے منبر پہ چڑھے اول علی کی تعریف کی پھر اُن کا بیعت سے رہ جانا اور اُس میں جو کچھ علی نے عذر و معذرت کی تھی

وہ سب بیان کر دی اِس کے بعد علی کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے یہ بیان کیا جو کچھ ہوا ہے اسکی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم ابوبکر کو خلافت کے قابل نہیں سمجھتے یا ہم نے ان کی اِس فضیلت سے انکار کیا۔ جواللہ تعالیٰ نے انہیں دی ہے۔ بلکہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اِس کام میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ صلاح مشورہ میں ہمیں بھی شریک کیا جائے گا۔ اِس خیال سے ہمیں ایک گونا مایوسی ہوئی۔ مگر جب ابوبکر صدیق سے میری باتیں ہوئیں تو اُنہوں نے میرا پورا اطمینان کر دیا اب مجھے کوئی وجہ شکایت نہیں ہے یہ سُن کے سب مسلمان خوش ہوئے اور اُنہوں نے حضرت علی کی صفائی کی داد دی؟ وہ اجماع جو امامت میں معتبر ہے اُس میں ایک دو آدمیوں کا اختلاف یا ایک چھوٹی سی جماعت اختلاف کرنا کوئی اثر نہیں رکھتا کیونکہ اگر ایسے خفیف اختلاف کا خیال کیا جائے تو پھر کسی کی امامت پر کوئی اجماع منعقد نہیں ہوسکتا. اور نہ تمام دنیا میں آج تک کوئی ایسا واقعہ ہوا یہ بات قانون قدرت کے بالکل خلاف ہے کسی کی امامت بادشاہت یا حکومت پر ایسا اجماع آج تک نہیں ہو کہ اُس میں سب ہی متفق ہوں تمام دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے کھلی ہوئی موجود ہے آج کل کی متمدن ممالک کی ہر ایک امر کا کثرت رائے پر فیصلہ کیا جاتا ہے کوئی مسئلہ خواہ ملک گیری سے تعلق رکھتا ہو یا وضع قانون سے سب مشورہ دینے والوں کا الف سے لیکے یے تک اُس پر اتفاق نہیں ہوا کرتا۔ موجودہ زمانہ میں انگلستان اور فرانس کا بیت العوام ہمارے آگے موجود ہے۔ جب سے یہ دونوں پارلیمنٹیں قائم ہوئی ہیں۔ آج تک کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ فلاں مسئلے پر فلاں وقت کل ممبروں نے اتفاق کر لیا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا نہیں ہرگز نہیں کوئی شخص نہیں کہہ سکتا امامت ایک کام ہے اِن میں کسی ایک یا دو شخص کا اپنے کسی ذاتی غرض سے اختلاف کرنا عامۂ مسلمین اتفاق پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا. مثلاً سعد بن عبادہ کا یہی خیال تھا کہ انصار میں سے کوئی خلیفہ مثل مہاجرین کے انتخاب کیا جائے اور وہ اخیر تک اپنے اسی خیال پر قائم رہا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئے۔ اسی طرح حضرت علی کا یہ خیال کہ مجھے مشورے میں کیوں نہیں کیا گیا۔ اجماع پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ اِس بحث کا دوسرا پہلو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خواہش کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ دے تو اُس کا چھوڑنا اس اجماع کے خلاف جو احکام عامہ پر مبنی ہو کچھ مؤثر نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً ایجاب وتاریم یا اور اباحت اگر اس میں ایک دو آدمی بھی مخالف ہو

جائیں تو ان کے اس خلاف کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں۔ اس میں علماء کے دو قول ہیں مثلاً امام احمد کہتے ہیں کہ ایک یا دو کے خلاف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس رائے میں محمد بن جریر طبری بھی امام احمد کے ساتھ ہیں اور بھی بہت سے علماء ہیں جو اس قول کی تائید کرتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ ایک یا دو کے خلاف کا احکام میں اعتبار کیا جائے گا۔ یہ قول اکثر فقہا کا ہے۔ مگر اس میں اور امامت میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ حکم تو ایک چیز ہے جس میں دونوں شامل ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص ایک چیز کے واجب ہونے کا قائل ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ چیز مثل دوسرے کہ اپنے اوپر بھی واجب کرتا ہے۔ علی ہذا القیاس اگر کوئی شخص کسی چیز کے حرام ہونے کا قائل ہے تو وہ اپنے اوپر بھی اس کو حرام کرتا ہے اور دوسرے پر بھی لہٰذا ایسے حکم میں اختلاف کرنے والے پر تہمت نہیں لگ سکتی۔ اس لئے اگر خصائص میں حضور اور ﷺ سے کوئی شخص ایک حدیث روایت کرے تو اس کی روایت مقبول ہو جاتی ہے اگر چہ وہ اس میں خصم ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ حدیث عام ہے۔ اس میں دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا یہ محدث جس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ آج اگر چہ اس حدیث کا محکوم لہٗ ہے مگر کل یہی محکوم علیہ ہو جائے گا۔ پھر اس کے حق میں بھی اس حدیث کا ویسا ہی حکم ہوگا جیسا کروڑوں کے حق میں ہے۔ بخلاف اپنی گواہی دینے کے وہ مقبول نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ خصم ہے اور خصم گواہ نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاص کی امامت پر اجماع ہونا ایک عام کلی امر پر حکم نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جب ایک شخص ایک مشہور نص کی مخالفت کرے تو اس کی مخالفت شاذ ہوگی۔ جیسے سعید بن مسیب کا اس بارے میں خلاف کرنا کہ جب تین طلاق والی عورت نے دوسرا نکاح کر لیا تو وہ محض نکاح کرتے ہی پہلے شوہر کے لئے مباح ہو جاتی ہے۔ صحیح صحیح حدیثیں چونکہ اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح سعد بن عبادہ کا یہ مقصود تھا کہ انصار میں سے ایک آدمی کو ضرور خلیفہ کر دیں مگر بہت سی نصوص جو حضور انور ﷺ سے مروی ہیں وہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ قریش ہی میں سے ہونا چاہئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہونے کا۔

دوسرا جواب: اگر بفرض محال ان لوگوں کا خلاف بھی مان لیا جائے جن کو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے

تو اس سے خلافت کے بارے میں فقط اہل شوکت اور ان جمہور کا اتفاق ہو جانا شرط ہے جن کی وجہ سے اس کام کا قیام ہو۔ اس طرح پر کہ ان کے ذریعہ سے امامت کے مقاصد پورے ہوتے رہیں۔ حضور انور ﷺ ارشاد کرتے ہیں۔ علیکم بالجماعۃ فان ید اللہ علی الجماعۃ۔ یعنی جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ فرماتے ہیں۔ ان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد۔ یعنی شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے بھی بہت قریب رہتا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ نے ارشاد کیا۔ ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم والذئب انما یاخذ القاصیۃ الشاذۃ۔ یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسا کہ بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ بھیڑیا بچھڑی ہوئی بکری کو پکڑا کرتا ہے۔ اسی طرح شیطان کے قابو میں وہی شخص چڑھتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو کیونکہ خدا کا ہاتھ اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

تیسرا جواب: یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر امت کا اجماع ہونا علی سے بیعت ہونے پر امت کے جماع ہونے سے بدرجہا بڑھ کے ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں علی سے بہت کم بیعت ہوئے تھے۔ اور جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی انھوں نے اُن ہی سے جنگ کی اور اُنکا مقابلہ کیا بہت لوگوں نے علی سے جنگ تو نہیں کی مگر بیعت بھی نہیں ہوئے۔ اب یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ اگر امت میں سے چند آدمیوں کے بیعت نہ کرنے کے باعث ابوبکر کی امامت پر اعتراف ہو سکتا ہے۔ تو علی کی امامت پر اس سے بھی زیادہ وجوہات سے بدرجہا اولیٰ اعتراض ہوگا اب اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور امت نے علی سے جنگ نہیں کی۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور امت نے علی سے جنگ نہیں کی یا کہے کہ اہل شوکت نے اُن سے بیعت کر لی تھی۔ تو یہ عہد صدیق کے حق میں بدرجہا اولیٰ کہا جائے گا۔ اور اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ علی کی امامت نص سے ثابت ہو چکی ہے اس میں اجماع ہونے یا لوگوں کے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نصوص تو ابوبکر کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ علی کی خلافت پر۔ اس کی بابت پہلے ہم بحث کر چکے ہیں اور اگر ضرورت انشاءاللہ اس پر مزید روشنی ڈالیں گے اور یہ بھی بیان کریں گے کہ سب نصوص ابوبکر ہی کی خلافت پر دال ہیں اور اس پر بھی کہ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی ہرگز ہرگز خلیفہ نہ تھے۔ اس سے یہ بات بدرجہ

ان نے ثابت ہو جائے گی کہ ابو بکر کی خلافت اجماع ہونے کی محتاج نہ تھی۔ بلکہ اس کے صحیح ہونے پر اور اس کے مناقض کی نفی پر بہت سے نصوص دال ہیں۔

چوتھا جواب: شیعی علماء سے یہ دریافت کیا جائے کہ صدیق کی امامت میں گفتگو کس بنا پر ہے اگر اس کے وجود میں ہے یعنی اس امر میں کہ صدیق کی امامت ہوئی یا نہیں تو یہ تواتر سے معلوم و مشہور ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ابو بکر بے شک اس خلافت کے والی حضور انور ﷺ کے قائم مقام اور اس امت میں آپ ﷺ کے خلیفہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے حدود کو قائم کیا حقوق کو ادا کرایا کفار اور مرتدین سے جہاد کیا۔ غنائم تقسیم کئے غرض وہ سب کام کئے جو امام کیا کرتا ہے۔ بلکہ اس امت میں امامت کی بنیاد ان ہی سے پڑی ہے سب سے پہلے وہی امام ہوئے ہیں اگر شیعی علماء کا مقصود یہ ہے کہ وہ مستحق نہ تھے تو اس کے اجماع کے سوا بے شمار دلیلیں ہیں بلکہ جس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی امامت کے مستحق تھے اسی دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابو بکر بھی امامت کے مستحق تھے بلکہ یہ بھی کہ علی وغیرہ سے امامت کے زیادہ حقدار تھے۔ اس وقت اس بارے میں اجماع کی ضرورت نہیں ہے نہ پہلی صورت میں نہ اس دوسری صورت میں اگر چہ اجماع یقیناً ہو چکا ہے۔

کیا اجماع اصل دلیل نہیں ہے: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اگر ابو بکر کی امامت پر اجماع ہو بھی گیا تو اجماع کوئی اصل دلیل نہیں ہے بلکہ اجماع کرنے والوں کو ایک دلیل کو مستند کرنا یعنی اسے سند بنانا ضروری ہے یہاں تک کہ اس پر سب کا اتفاق ہو جائے ورنہ وہ اجماع خطا ہوگا اور وہ دلیل کیا تو عقلی ہوگی یا نقلی کی رو سے تو ابو بکر کی امامت پر کوئی دلیل نہیں ہے اب رہی عقلی دلیل تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حضور انور ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ ﷺ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی نہ کوئی امام مقرر کیا باقی قرآن میں بھی کسی کے امام وغیرہ امام ہونے کا ذکر نہیں ہے اب اگر ابو بکر کی امامت پر اجماع ہوا بھی تو وہ خطا ہے دلیل کسی طرح نہیں بن سکتا۔

جواب: پہلا جواب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اجماع کوئی اصل دلیل نہیں ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ اجماع کرنے والوں کے حکم کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح

واجب ہے کہ وہ اللہ کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی ایک دلیل ہے تو یہ کہنا بے شک صحیح ہے لیکن یہ ہمارے مدعا میں کچھ مضر نہیں ہے اجماع تو ایک طرف رہا رسول ﷺ کے حکم کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے یا اس کی اطاعت بھی لذاتہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس لئے ہوتی ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی پس حقیقت میں لذاتہ اطاعت اللہ کے سوا اور کسی کی نہیں ہوتی وہی خالق ہے وہی حاکم ہے وہی مالک ہے اس کے سوا اور کسی کی حکومت نہیں ہے ہاں رسول ﷺ کی اطاعت اس وجہ سے بیشک واجب ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح اجماع کرنے والے مسلمانوں کی بھی اطاعت کرنی واجب ہے صحیحین میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ "من اطاعنی فقد اطاع اللہ من اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصانی فقد عصی اللہ و من عصی امیری فقد عصانی" یعنی جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ بہت سی دلیلوں یعنی بدیہات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس امت کا گمراہی پر کبھی اجماع نہیں ہونے کا بلکہ یہ امت جس چیز کے کرنے نہ کرنے کا حکم کریگی تو وہی حکم اللہ اور اللہ کے رسول کا بھی ہوگا۔ اب دیکھو امت نے امامت کے بارے میں ابو بکرؓ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا بس اللہ کا اور اللہ کے رسول کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا جس نے ابو بکر کی نافرمانی کی وہ یقیناً اللہ کا اور اللہ کے رسول کا نافرمان ہو گیا۔ اس کے علاوہ اگر شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ اجماع کبھی حق کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف اور مقصود یہی ہوتا ہے تو یہ ان کی طرف سے اجماع کی حجت ہونے میں نقص نکالنا ہے اور یہ گویا اس امر کے مدعی ہیں کہ کبھی ساری امت کا اجماع گمراہی اور خطا پر بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی کا معصوم امام ہونا اور اس کے سوا اور بہت سے امامیہ اصول ایسے ہیں جو شیعوں نے اجماع ہی سے ثابت کئے ہیں کیونکہ یہ اپنے اصول دین میں جب عقلیات کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا دار و مدار اجماع پر اور ان کے نقل ہی کرنے پر ہوتا ہے چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ عقل سے یہ معلوم ہوا کہ آدمیوں کے لیے ایک معصوم امام اور منصوص علیہ ہونا ضروری امر ہے اور

بلا اجماع علی کے سوا نہ کوئی اور معصوم ہے اور نہ منصوص علیہ ہے لہذا علی ہی معصوم ہوئے. اِس کے سوا شیعوں کی حجتوں اور دلیلوں کے اور بہت سے مقدمے ہیں جنکا دارومدار اجماع ہی پر ہے اِس بحث کے بعد ہم شیعی علماء سے کہتے ہیں کہ اگر اجماع حجت نہیں یہ تو تمھاری یہ سب حجتیں باطل ہو جائین گی اور جو اصول تم نے اجماع پر مرتب کئے تھے وہ سب باطل بے کار اور غلط ہو جائیں گے۔ اس لئے اس سے تمہارے قول کا بھی بطلان ہوتا ہے۔ اور اس کے بطلان سے اہل سنت والجماعت کا مذہب ثابت ہو جائے گا اور یہی مطلوب ہے. اور اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ ہم قطعی طور پر سے اجماع کو چھوڑتے ہیں اور اپنے اصول کے کسی مسئلہ میں بھی اِس سے حجت نہیں لاتے کیونکہ ہمارے مذہب کا دارومدار عقل پر اور ائمہ معصومین کے نقل ہونے پر ہے تو اِس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ جب تم نے اجماع سے حجت نہ کی تو اب تمھارے پاس صرف حجت سمعیہ کے اور کوئی دلیل نہ رہی۔ یہی سوائے اِس نقل کے جو حضور انور ﷺ سے معلوم ہوئی ہو وہ یہ کہ وہ روایتیں جو علی وغیرہ ائمہ سے نقل کی جاتی ہیں حجت نہیں ہو سکتیں۔ جب تک اُن لوگوں میں سے ہمیں کسی کی عصمت نہ معلوم ہو جائے۔ عصمت معلوم ہونے کے بعد وہ بے شک حجت ہو جائیگی مگر ان میں سے کسی کی عصمت بھی ایسی نقل سے کہیں ثابت نہیں ہوتی۔ جو عصمت کے علم رکھنے والے سے منقول ہو ہاں رسول اللہ کی عصمت بیشک معلوم ہے. جب تک شیعی علماء کی ایسی نقل نہ ثابت ہو جو حضور انور ﷺ سے معلوم ہوئی ہو تو تمھارے پاس اس وقت حجت سمعیہ کوئی نہ ہوگی۔ نہ اصولِ دین میں نہ فروع دین میں۔ اس وقت علی کی خلافت کا تمھیں نص سے دعوے کرنا پڑے گا. اب اگر تم اِس نص کو اجماع سے ثابت کرو گے تو یہ صریحاً باطل ہے۔ اس لئے کہ اجماع کے حجت ہونے کا تم انکار کر چکے ہو. اور اگر اس نص کو تم نے ایسی نقل سے ثابت کیا جو خالص تمھارے ہی بعض آدمیوں نے روایت کی ہے تو اس کا باطل ہونا بھی کئی طرح سے ظاہر ہے۔ اِن امور میں جو شخص فکر وغور کرے گا اُسے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ جس مسئلہ میں امامیہ جمہور سے الگ ہو کے کسی خاص راہ کی طرف جاتے ہیں اُس وقت انجام کار انکے پاس کوئی حجت نہیں رہتی۔ نہ عقلی نہ سمعی نہ نص نہ اجماع بلکہ اُن کا اصل مدعا ایک جھوٹی نقل کے دعوے پر مبنی ہوتا ہے۔ جس کے غلط ہونے کو ہر شخص معلوم کر سکتا ہے یا کسی ایسی نص کی دلالت کا دعوے یا ایسا قیاس ہوتا ہے جس

سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصل میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یہ تمام اہل بدعت مثلاً خوارج اور معتزلہ جنکا تحقیقات کے وقت کوئی مرجع کسی حجت صحیحہ کی طرف نہیں ہوتا نہ عقلیہ کی طرف نہ سمعیہ کی طرف بلکہ اُن کی حجتیں محض ان کے شبہات ہوتے ہیں تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی یہ حجتیں شیعوں کی عقلی اور سمعی حجتوں سے کہیں زیادہ قوی ہوتی ہیں سمعی تو اس لئے کہ وہ قصداً جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ عقلی اسلیئے کہ نصوص صحیحہ میں اُن کے شبھے شیعوں کے شبھوں سے بدرجہا قوی ہوتے ہیں اسکے علاوہ یہ تمام اہل بدعۃ حدیث اور آثار سے خوب ماہر ہوتے ہیں۔ مگر اُن کے مقابلہ میں ہمارے دوست شیعہ لوز علی لوز ہیں۔ واللہ باللہ ثم باللہ ہم سچ کہتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے حالات سے واقف ہمیں کوئی شیعی عالم نظر نہیں آیا۔ خود ان کی کتابیں اس کی شاہد موجود ہیں۔ جہاں تک مجھے تحقیق ہوا ہے اور میں نے شیعی مذہب کی کتابیں دیکھی ہیں بس میرا ہی دل جانتا ہے۔ کتاب شہادت کے اخیر کے حصہ میں چند مشہور معروف کتابوں کا خلاصہ کرونگا جس کے پڑھنے سے پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوگا کہ بوستان خیال کی ہم کوئی جلد پڑھ رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

اجماع کی دو صورتیں اور شیعی علماء کی حجتیں: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو اس میں کل امت کا قول معتبر ہوگا اور یا بعض کا کل کا تو نہ ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ ساری اُمت کا اجماع ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سارے اہل مدینہ کا ہی اجماع نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں بعض کا قول ہونا معتبر ہے تو عثمان کے قتل کرنے پر اکثر کا اجماع ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس اجماع کے ماننے پر وہ بھی جائز اور شریعت کے موافق ہونا چاہیے۔ انتہٰی۔

جواب: یہ بھی عجب تماشہ ہے کہ جس حجت کو شیعی علماء ابوبکر کے لیئے کمزور قرار دیتے ہیں اپنی ضرورت کے لئے موقع پر اسی حجت کو خوب مضبوط کر کے دکھاتے ہیں۔ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ساری امت تو ایک طرف رہی اہل مدینہ کا بھی کسی ایک بات پر اجماع ہونا محال ہے۔ پھر وہ کس منہ سے کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر کی امامت پر چونکہ ساری اُمت کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ قابل قبول نہیں ہے۔ ہم نے تو خود اپنے گزشتہ صفحات میں لکھا کہ ہمیشہ کثرت رائے پر کل امور کا فیصلہ ہوا

کرتا ہے اور اُسی کو اجماع قوم یا امت قرار دیا جاتا ہے اِسکے علاوہ سب سے زیادہ اہل شوکت کا ایک بات کو مان لینا عوام کے مل کے ماننے سے بدرجہا قوی ہے۔ کیونکہ ان ہی اہل شوکت کے ہاتھ میں جہانداری کی باگ ہوتی ہے اور یہی کل امور ملکی فوجی اور مالی کا انصرام کرتے ہیں. پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اہلِ شوکت کے اجماع کو کیوں امت کا اجماع نہ کہا جائے اور کیوں یہ تسلیم نہ کرلیا جائے کہ جس بات کی اہل شوکت نے تائید کی ہے۔ اُسکی موئید یقیناً ساری امت ہے۔ اب بحث کا دوسرا پہلو امامت پر اجماع ہونے سے اگر وہ اجماع مقصود ہے جس کے ذریعہ سے امامت منعقد ہو جائے تو اس میں فقط اہل شوکت کی موافقت کا اعتبار ہے اس طرح پر کہ اِن کے سبب سے امامت کے مقاصد جاری ہونے لگیں یہاں تک کہ جب اہل شوکت کے افراد کی تعداد کم ہو اور باقی اُن کے موافق ہوں تو محض اُن کم تعداد کے بیعت ہو جانے سے امامت حاصل ہو جائے گی. کل مسلمانوں کا ٹھیک قول یہی ہے اور یہی مذہب امام احمد وغیرہ ائمہ مجتہدین کا ہے. ہاں اہل کلام یعنی متکلمین اہل اجماع کی علیحدہ علیحدہ ایک تعداد مقرر کردی ہے مگر یہ اُن کی محض لغویت اور بیہودگی ہے. دوسری صورت دیکھو اگر اِس اجماع کے ہونے سے استحقاق اور اولوہیت پر اجماع ہونا مراد ہے خواہ اکثر کا ہو یا جمہور کا ہو تو یہ بیشک معتبر ہے. الحمد اللہ کہ ابوبکر کی خلافت پر یہ تینوں اجماع حاصل ہیں۔ اب رہا عثمان کا معاملہ اُسے ہم بالتفصیل گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں. ہر شخص جانتا ہے کہ عثمان کے شہید کرنے پر فقط ایک چھوٹی سی جماعت کا اتفاق ہوا تھا وہ بھی مصر کے چند باغیوں کی ایک جماعت تھی جو ساری امت کا ایک لاکھواں حصہ بھی نہ تھی. اس پر بھی اجماع اجماع کہے جانا کتنا بڑا تماشہ ہے۔ دیکھو علی کا لشکر جس نے خود علی سے مقابلہ کیا قاتلوں میں سے نہ تھے بلکہ عثمان کا قاتل علی کے لشکر کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی اور یہ وہی جماعت تھی جسے ہم مصری باغی کہتے ہیں۔

اجماع کے دلیل نہ ہونے کی دوسری شیعی وجہ: پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُمت میں ہر ایک سے غلطی اور خطا ہونی جائز ہے لہٰذا اجماع کے وقت جھوٹ بولنے سے اُن کی حفاظت کرنے والا کون ہے اور اجماع پر اعتماد کر لینے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جب اجماع ایسی صفات سے ہو جائے کہ جو صفات احد میں یعنی ہر فرد واحد میں نہ ہوں تو پھر اجماع کے حکم کو مثل ایک حکم کے کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ خبر دینے والوں میں سے ہر واحد سے غلطی ہونی اور جھوٹ ہونا تو ممکن ہے لیکن جب ایک ہی خبر اتنے آدمی دیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچ جائے تو پھر اُن پر غلطی اور جھوٹ کا احتمال نہیں ہوسکتا مثلاً ایک لقمہ سے شکم سیری نہیں ہوتی اور ایک گھونٹ سے پیاس نہیں بجھتی اور شراب کی ایک پیالی سے چندا نشہ نہیں ہوتا لیکن جب ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی تو لقمے شکم سیر کر دیں گے. گھونٹ پیاس بجھا دیں گے. اور شراب کی پیالیاں نشہ کر دیں گی. علیٰ ہٰذا القیاس ایک ایک آدمی جنگ نہیں کرسکتا اور جب بہت سے ہو جاتے ہیں تو اُنکا ایک لشکر بن کے اُن میں جنگ کی قوت ہو جاتی ہے. غرض یہ ہے کہ کثرت. قوت اور علم وغیرہ کے زیادہ ہونے میں ضرور اثر کرتی ہے. اِسی واسطے حساب میں ایک یا دو آدمیوں سے تو غلطی ہو جاتی ہے لیکن جب بہت سے ہوتے ہیں تو پھر ویسی غلطی نہیں ہوتی جو ایک یا دو کے ہونے میں ہوتی تھی. اِسی لئے حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ہم بالاضطرار اور یقیناً جانتے ہیں کہ دو آدمیوں کا علم یعنی ایک چیز کو دو آدمیوں کا جاننا اُن ہی میں آدمی کے جاننے سے بیشک زیادہ ہے اور دو آدمیوں کی قوت ایک آدمی کی قوت سے بیشک زیادہ ہوتی ہے. جیسا کہ اُردو میں یہ مشہور مقولہ ہے کہ دو چون کے بھی بُرے ہوتے ہیں. اِس سے یہ نتیجہ باآسانی نکل آیا کہ اکیلے پن کی حالت میں غلطی ہونے سے کثرت کی حالت میں ایسی غلطی ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اِنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى. (بقرہ:۲۸۲) یعنی اگر ایک بھول جائے گی تو ایک دوسری کو یاد دلا دیگی۔ دیکھو روزمرہ کا مشاہدہ ایک آدمی سے تو پہلی تاریخ کے چاند کے دیکھنے میں غلطی ہو جاتی ہے بعض وقت اُس کا خیال بندھ جاتا ہے اور اُسے ایک روشن لکیر سی افق پر معلوم ہونے لگتی ہے لیکن بہت سے آدمیوں سے ایسی غلطی کا ہونا امکان سے باہر ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جب بہت سے مسلمان جمع ہوں تو اُن سے فواحش اور ظلم کے اسباب بہ نسبت اُن کے کم ہوں گے جن کی تعداد کم ہو کیونکہ اجتماع کی حالت میں شریعتِ اسلام کی

مخالفت پر سب جمع نہ ہوں گے۔ جیسا کہ ایک یا دو کر لیتے ہیں۔ کثرت پر ضرور ایک دوسرے سے شرمائے گا کیونکہ اجتماع اور تمدن بغیر منصفانہ قانون کے ممکن ہی نہیں. لہذا یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ سب اہل مدینہ عام طور پر ظلم کرنے پر متفق ہو جائیں اگر ایسا ہو تو اُن کی زندگی کسی طرح زندگی نہیں ہوسکتی. دیکھو جب کوئی حاکم کسی رعیت پر ظلم کرتا ہے تو ضرور ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ظلم کرتے وقت اُس مظلوم کے ساتھی اُس پر ظلم نہیں کرتے اور یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ مجموعہ کا حکم افرد کے حکم کے خلاف ہوتا ہے. چاہے وہ مجموعہ اعیان کا ہو یا اعراض کا منجملہ ہے بے انتہا مثالوں کے محسوسات میں ایک مثال یہ ہے کہ اگر ایک تیر ہو تو وہ توڑنے سے ٹوٹ جاتا ہے اور اگر بہت سے ہو جائیں تو نہیں ٹوٹتے. تیر تو تیر ایک دھاگے کو دیکھو کہ زیادہ تعداد ہونے پر ایک پہلوان بھی اُن دھاگوں کو نہیں توڑ سکتا یہ باتیں ایسی معمولی ہیں کہ ہر شخص خواہ وہ کچھ بھی پڑھا لکھا نہ ہو۔ انھیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر اجماع کی یہی کیفیت ہے کہ اس میں غلطی اور خطا ہونے کا اطمینان نہیں ہوسکتا تو پھر علی کا معصوم ہونا کسی طرح بھی ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ شیعی عالم اِسے اجماع سے مانتے ہیں اور خود یہ بیان کر رہے ہیں اجماع ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اور جب اجماع میں غلطی اور خطا ہوسکتی ہے تو پھر یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ امت میں اُن کے سوا اور کوئی بھی معصوم ہو اور اب یہ یقین نہ رہا کہ معصوم وہی ہیں. یہ بات اس سے ثابت ہوگئی کہ شیعوں نے جو اجماع میں قدح کی ہے خود ہے اپنی بنیاد کو کھود ڈالا ہے۔ پھر بھی معصوم کی امامت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں. امام معصوم ہونا ادھر باطل ہو رہا ہے۔ اُدھر اس باطل ہونے سے شیعی مذہب ہیولہ سے بھی گر رہا ہے۔ اور اگر شیعی علماء اجماع کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ بھی ان کے مذہب میں سخت انتشار پیدا کرنے والی بات ہوگی۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں میں شیعی علماء کی حجتوں کا بطلان ہوگیا۔

کیا علی کی امامت نص سے ثابت ہے: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک نص کا ثبوت جو امیر المومنین علی کی امامت پر دال ہے ہم بیان کر چکے ہیں. اب اگر اِس کے خلاف پر صحابہ نے اجماع کر لیا تو وہ اجماع خطا ہوا. کیونکہ وہ اجماع جو نص کے خلاف ہو اہل سنت والجماعت کے نزدیک یقیناً غلط اور خطا ہوتا ہے۔ فقط

پہلا جواب: ہم ان دلائل کا باطل ہونا پہلے اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں جو اس پر دال ہیں کہ خلفاء ثلاثہ علی سے امامت میں مقدم تھے۔

دوسرا جواب: تمام نصوص اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ خلفاء ثلاثہ امامت میں علی سے مقدم تھے۔

تیسرا جواب: مشہور اجماع قطعی حجت ہوتا ہے نہ کہ کسی خاص کر اس حالت میں جبکہ بہت سی نصوص بھی اس کے موافق ہوں پس اگر ایک ایسی خبر کا وارد ہونا مان لیا جائے کہ جو اجماع کے خلاف ہے تو باطل اور غلط ہوگی یا اس وجہ سے حضور انور ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا اس وجہ سے کہ اس میں کسی قسم کی دلالت نہیں ہے۔

چوتھا جواب: مشہور نص اور اجماع میں تعارض ہونا ممتنع ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قطعی حجت ہیں اور قطعیات میں تعارض ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کے مدلولوں کا ہونا واجب یعنی ضروری ہوتا ہے۔ اگر ان میں کہیں تعارض ہو جائے تو نقیضین کا اجماع لازم آئے گا۔ اور اگر کوئی شخص ایسے اجماع کا دعویٰ کرے جو نص کے خلاف ہو تو دو باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی۔ وہ یہ کہ یا تو وہ اجماع ہی باطل ہوگا یا اجماع صحیح اور نص باطل و غلط ہوگی اور جس نص کے خلاف پر امت کا اجماع ہو گیا ہو تو اس کی تاریخ بھی ضرور معلوم ہوگی۔ اب رہی یہ صورت کہ امت میں ایک نص مشہور ہو اور اس کے خلاف پر اجماع ہو جائے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ معلوم اجماع اور مشہور نص ابوبکر کی خلافت پر اور ان کے ہوتے اور کسی کی بیعت کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں مگر شیعی علماء کی نص جس پر ہم یہاں بحث کر رہے اس کے جھوٹ ہونے کو ہم بلا اضطرار جانتے ہیں اور اس کے باطل ہونے کی بے شمار دلیلیں ہیں۔

ابوبکر و عمر کا اقتدا: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت آنحضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا۔ "اقتدوا باللذین من بعد ابی بکر و عمر" یعنی میرے بعد ان دونوں کا اقتدا کرنا یعنی ابوبکر و عمر کا یہ روایت ٹھیک نہیں ہے۔ اول تو اس میں قیامت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ فقہا کے اقتداء کرنے سے ان کا امام ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے ابوبکر و عمر کا بہت احکام میں اختلاف ہے ایک کا قول کچھ ہے اور دوسرے کا کچھ ہے اس لیے دونوں مقتدا ہو ہی نہیں

سکتے۔ تیسرے یہ حدیث جو سنی ہی روایت کرتے ہیں۔ اسکے معارض ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم. یعنی میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں اُن میں جس کا تم اقتدا کرو گے ہدایت پر آ جاؤ گے باوجود یہ کہ اس پر سب سنیوں کا اجماع ہے کہ یہ سب صحابہ امام نہ تھے اس پر بھی سب کے اقتدا کرنے کا حکم ہوا ہے. فقط۔

پہلا جواب: باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث اُس نص سے زیادہ قوی ہے جسے شیعی علماء علی امامت کے بارے میں روایت کرتے ہیں کیونکہ یہ بات محدثین کی تمام کتابوں میں مشہور ہے ابوداؤد نے اپنی سنن میں امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنے جامع میں اُسے روایت کیا ہے لیکن علی کے منصوص ہونے کی نص محدثین نے اپنی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی نقل نہیں کی۔ اِسکے باطل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے۔ ابومحمد حزم نے یہاں تک کہا ہے کہ شیعوں کے اس مدعا کی نص ہمیں کہیں نہیں ملی سوائے ایک بالکل واہی تباہی روایت کے جس سے وہ منقول ہوئی وہ بھی مجہول ہے اور جو نقل کرتا ہے وہ بھی مجہول ہے جسکی کنیت ابوالحمراء ہے ہمیں تو یہ بھی پتہ نہیں لگا کہ مخلوق میں اِس کنیت کا کوئی ہے یا نہیں۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ .بالذین من بعدی. میں ان کے امام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے محض جھوٹ ہے. کیونکہ سمجھنے والے کے لیے ان ہی الفاظ میں دلیل موجود ہے. حضور انور نے یہ صاف بیان کر دیا ہے میرے بعد میں یہ دونوں ہیں اور ان ہی کی اقتدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس اگر آپ کے بعد ہونے میں یہ دونوں ظالم ہوتے تو آپ اُن کی اقتدا کرنے کا کبھی حکم نہ دیتے کیونکہ ظالم کے اقتدا کرنے کا آپ کبھی حکم نہ دیتے تھے. وجہ یہ کہ ظالم اِس لائق نہیں ہوتا کہ اُس کی اقتدا کی جائے۔ اس کی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ. اِس سے معلوم ہوا کہ ظالم امام بننے کے قابل نہیں ہوتا اور امام بنانا ہی اقتدا کرنا ہے۔ پس جب حضور انور نے اپنے بعد کے صحابی کی اقتدا کرنے کا حکم دے دیا اور اقتدا کرنا ہی امام بنانا ہے باوجود یہ کہ پہلے حضور یہ بھی بیان فرما چکے ہیں کہ یہ دنوں میرے بعد ہوں گے اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کے بعد یہی دونوں امام ہیں اور یہی اصلی مدعا اور مطلوب ہے۔ باقی شیعی

علماء کا یہ کہنا کہ ان دونوں کا بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ بالکل غلط ہے شیخین کا اختلاف چھان
بین کرنے کے بعد بھی ہمیں معلوم نہیں ہوا۔ وہاں کسی معمولی سی بات میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ تحقیق
میں نہیں ہے نہ اسکا کوئی اثر پڑ سکتا ہے اس میں بھی ان میں سے ایک سے دو روایتیں منقول ہیں۔ مثلاً
میت کا بھائی ہوتے ہوئے دادا کو ترکہ ملنے کا مسئلہ کہ اس میں عمر سے دو روایتیں ہیں۔ ایک ابوبکر کے
قول کے موافق ہے اور دوسری خلاف ہے اس مال فی کی تقسیم پر ان دونوں کا اختلاف ہوا تھا وہ یہ کہ آیا
سب لوگوں کو مساوی دیا جائے کم زیادہ اس میں کسی کو بھی ذرا شک نہیں ہے کہ مساوی دینا جائز ہے جیسا
کہ حضور انور نے غنائم کو تقسیم کرتے تھے۔ یعنی غازیوں اور فی کے مستحقین کو برابر دیتے تھے۔ اختلاف
فقط اس میں ہے کہ کم زیادہ دینا جائز بھی ہے یا نہیں۔ اس میں فقہا کے دو قول ہیں وہی امام احمد سے دو
روایتیں ہیں۔ غرض صحیح یہ ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے ایسا کرنا بیشک جائز ہے کیونکہ غنائم اور فی کی
تقسیم میں بعض اوقات حضور انور ایسا کرتے تھے لہذا جو کچھ دونوں خلفاء نے کیا آنکے جائز ہونے میں
کسی کو کلام نہیں ہے۔ باوجودیکہ عمر سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اپنی اخیر عمر میں برابری دینا
اختیار کر لیا تھا۔ اور ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو تقسیم میں سب کو ایک ہی
دروازہ سے نکال دونگا۔ ہاں عثمان سے کم و بیش دینا مروی ہے اور علی سے برابر دینا مروی ہے پھر اس
اختلاف کی ان دونوں کے ساتھ خصوصیت کیسی۔ یہ بات ایک نا سمجھ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسی باتوں کا
اختلاف اپنی اپنی مصلحت مبنی پر ہوا کرتا ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہ شریعت اسلامی پر پڑ سکتا ہے اور نہ
قرآن مجید کی تعلیم اور نفس اسلام پر یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضرور ہونا چاہیے اس سے معاشر مسلمین
کے تمدن کو ترقی اور انتظامات میں استواری پیدا ہوتی ہے۔ ایک خلیفہ کی رائے میں کسی شخص کو عہدہ دینا
واجب ہے دوسرے کی رائے میں نہیں ہے اور ہر خلیفہ نے اپنی اپنی مصلحت سے نئے عہدہ دار بنا لیے یا
گھوڑوں کا ایک مقام پر اصطبل ہے ایک خلیفہ کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ یہ اصطبل بہت موضوع
مقام پر ہے۔ اس نے وہیں رہنے دیا۔ لیکن دوسرے خلیفہ نے اس کا مقام تبدیل کر دیا۔ تو ایسا
اختلاف ناجائز کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ امت مرحومہ ان دونوں مختلف باتوں کی اقتدا کرنے میں کیا
نقصان اٹھا سکتی ہے۔ ہاں دین کے اصول کے بارے میں اگر کچھ اختلاف ہو تو بیشک امت کے حق

میں نقصان رساں ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے کلامِ اللہ ہونے یا رسول اللہ امین کے برحق نبی ہونے میں ابوبکر و عمر کا اختلاف ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ رسول اللہ کس طرح دونوں کے اقتدا کا حکم دے گئے جبکہ ان کے اختلاف دینی نے اُمت مرحومہ کو پارہ پارہ کردیا. اب رہے انتظامی اُمور اُن میں دو امیر المومنین کا اختلاف ہونا سبب رحمت اور امت مرحومہ کی ترقی کا باعث ہے۔ شیعی علماء خالد کی معزولی و بحالی رونا روئیں گے کہ ابوبکر نے خالد کو سپاہ سالار بنایا تھا اور عمر نے اُسے معزول کر دیا ہم کہتے ہیں ایک خالد کیا آپ ابوبکر کے کل مقررہ کئے ہوئے اعمال کو نکال دیتے تو بھی کوئی برائی نہ تھی. خالد ہی کو لو دونوں نے اپنے اپنے نزدیک مصلحت سمجھ کے عزل ونصب کیا تھا۔ بشرطیکہ خالد کا معزول ہونا تسلیم کرلیا جائے حالانکہ ہم اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالد معزول نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُسے بجائے سپاہ سالاری کے مُلکی گورنر بنادیا گیا۔ کیونکہ ملک پر ملک فتح ہوتے جاتے تھے اور اُن کا کوئی منتظم نہ تھا یہ مصلحت کے خلاف تھا اور ایک طرح سے محال تھا کہ ایک ہی شخص سالار لشکر بھی ہو اور وہی ملکی انتظام بھی ساتھ ساتھ کرے اور میدان جنگ میں بھی ہر وقت حاضر رہے۔ چونکہ یہاں خالد کی بابت کوئی بحث نہیں ہے۔ اِس لیے ہم اُسے طول دینا نہیں چاہتے اور اپنا اصلی مطلب بیان کرتے ہیں۔ سنئے! وہ احکام جو شریع کلیہ ہیں اُن میں ان دونوں کا اختلاف کیا تو نادرالوجود ہے یعنی کہیں کہیں شاذ و نادر اور یا سرے ہی سے مفقود ہے۔ اور یا اس میں ان دونوں میں سے ایک کے دو قول ہوتے ہیں۔ حضور انور ﷺ فرما چکے ہیں کہ میرے صحابیؓ مثل ستاروں کے ہیں تم جس کا اقتدا کروگے ہدایت پر آجاؤ گے. یہ حدیث ضعیف ہے. محدثین نے اِسکے ضعیف ہونے کی شہادت دی ہے. بزاز کا قول ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ حدیث کی معتمد اور معتبر کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ اس حدیث میں بعدی کا لفظ نہیں ہے۔ اور حجت اصل میں اسی لفظ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں اُن کے اقتدا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اور اس میں انکے اقتدا کرنے کا صریح حکم ہے۔ ہم تو شیعی علماء کی اِس دلیری کی داد دیتے ہیں ہیں کہ اپنا مقصد و مدعا ثابت کرنے کیلئے سنیوں کی وہ حدیثیں بھی لے لیتے ہیں جو ضعیف و مردود ہوتی ہیں۔ مگر اپنے مدعا کے خلاف صحیح سے صحیح حدیث کو بھی آنکھ بھر کے نہیں دیکھتے. اور جب اِس علانیہ دلیری سے بھی مطلب حل نہیں ہوتا تو فوراً اُس

ضعیف حدیث کی بھی کتر بیونت کر ڈالتے ہیں کچھ نکال لیتے ہیں اور کچھ بڑھا دیتے ہیں بیچارے بے پڑھے لکھوں یا معمولی پڑھے ہوؤں کی خرابی ہے کہیں راز کا پتہ نہیں لگا سکتے اور بہت جلد چکمے میں آ جاتے ہیں. یہ ستاروں والی حدیث موجودہ پڑھے لکھے مسلمانوں کی کتابوں میں میں نے دیکھی اور زبان سے سنی ہے اور وہ اُسے صحیح سمجھ رہے ہیں اور ساتھ ہی لفظِ بعدی بھی اُن کی کتابوں میں درج ہے. علم اِس زمانہ میں جیسا ہے سب ہی جانتے ہیں. دو کتابیں پڑھیں اور عربی سمجھ میں آنے لگی اور ہوئے کسی قدر ذہین بس علامہ بن بیٹھے. اِن ہی پر شیعی علماء وغیرہ کا افسوں بہت جلد کارگر ہو جاتا ہے. کیونکہ نیم ملا خطرہ ایمان کی مثل بالکل صحیح ہے. اِس زمانہ میں مجھے ایسے سنی مولوی کے وعظ سننے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے جو اپنے وعظ میں اپنی کتابوں کی روایتیں بیان کرتا ہو. فی صدی دو مشکل سے اُسکی معتبر کتابوں کی ہوتی ہیں باقی اٹھانوے شیعی روایتیں ہوتی ہیں۔

ابوبکر اور قرآن مجید: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سُنی ابوبکر کے امام ہونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں کئی آیتیں اُن کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے شاہد ہیں اور اللہ تعالی نے اُن کی بزرگی تسلیم کی ہے اور آیتیں نازل فرمائی ہیں. مثلاً "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى" اور "قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ" یعنی پیچھے رہے ہوئے اعراب سے تم کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی (جنگ کی) طرف بلائے جاؤ گے۔ اس کی نسبت سُنی کہتے ہیں کہ اِس بُلانے والے سے مراد ابوبکر ہیں کہ وہ جنگ بدر کے دن قریش رسول ﷺ کے ہمدم ودم ساز تھے اور اپنے نبی ﷺ پر اُنہوں نے بہت کچھ خرچ کیا تھا اور رسول اللہ نے اپنی وفات کے قریب اُنہیں اپنی جگہ امام بنایا تھا اس پر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں کہ نماز کے اندر ابوبکر کے ساتھ رہنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ نے انہیں اسی اندیشہ سے اپنے ساتھ لے لیا ہو کہ کہیں. یہ ہمارا راز نہ افشا کر دے. دوسرے یہ کہ آیت فضیلت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اِس سے تو اور بُرائی نکلتی ہے کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "لَا تَحْزَنْ" سو یہ ابوبکر کے خوف زدہ ہونے اور بے صبر ہونے اور اللہ پر پورا پورا یقین نہ ہونے اور نبی ﷺ کا ساتھ نہ دینے اور اللہ کے قضا وقدر پر

راضی نہ رہنے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) دوسرے یہ کہ اگر وہ رنج کرنا طاعت تھا تو اس سے آنحضرت ﷺ کا منع فرمانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ طاعت سے منع فرماتے اور اگر وہ معصیت تھا جیسا کہ رسول اللہ کے منع فرمانے سے صاف پایا جاتا ہے تو جسے فضیلت کہتے ہیں وہ رذیلت ہوئی۔ اسکے علاوہ غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہاں رسول اللہ پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر ہوا ہے وہیں مومنین کو بھی اللہ نے آپ کے ساتھ شامل کر دیا ہے سوائے اس ایک موقع کے۔ لہٰذا اس میں بھی ان کی کوئی فضیلت نہیں رہی۔

پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اب رہی آیۃ۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى اس سے ابوالدحداح مراد ہے کیونکہ اُس نے اپنے ہمسایہ کا ایک باغ خریدا تھا اور وہ باغ ایسا تھا کہ اُسکے عوض میں اُسکے مالک کو رسول اللہ بہشت میں ایک باغ دیتے تھے یہ سن کے اُس سے صاف انکار کر دیا جب ابوالدحداح نے یہ قصہ سنا تو اس نے اپنے باغ کے عوض مالک باغ سے باغ کو خرید کے ہبہ کر دیا اس پر رسول اللہ نے بہشت میں اُسکے عوض اُسے ایک باغ دیا۔ (پھر شیعی علماء یوں موتی پروتے ہیں) کہ اسی طرح آیت "قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ" کے یہ معنی نہیں ہیں جو سُنّی سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ سَتُدْعَوْنَ۔ سے یہ مراد کہ تمہیں ایک قوم کے مقابلے کے لیئے بلائیں گے نہ کہ ابو بکر بلائے گا۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے وہ لوگ مراد لیے ہیں جو جنگ حدیبیہ میں جانے سے رہ گئے تھے۔ اور انہوں نے یہ خواہش کی تھی کہ ہم خیبر پر چڑھائی کریں تو اللہ تعالیٰ نے قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا۔ فرما کے انکو منع کر دیا۔ کیونکہ خیبر کی غنیمت تو اُن ہی کا حصہ تھا۔ جو جنگ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ" مطلب یہ ہے کہ اب عنقریب ہی ہم تمہیں بڑی جنگجو اور زورآور قوم سے جنگ کے لیے بلائینگے چنانچہ اسکے بعد رسول اللہ نے انکو بہت سے غزووں میں بلایا یعنی غزوہ موتہ، حنین، تبوک وغیرہ میں۔ پس بلانے والے رسول اللہ تھے نہ کہ ابو بکر۔ (پھر شیعی علماء یہ فرماتے ہیں) اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ یہ بلانے والے امیر المومنین علی ہوں۔ کیونکہ انہوں نے بڑے بڑے جنگجوؤں اور نبرد آزماؤں سے جنگ کی ہے۔ اب رہا یہ کہ جنگ بدر کے دن قریش میں

ابوبکر رسول اللہ کے انیس تھے تو اس میں بھی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ تو اللہ ہی سے ایسا اُنس رکھتے تھے کہ آپ کو کسی اُنس کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چونکہ رسول اللہ دیکھ چکے تھے کہ لڑائی کے موقع پر ابوبکر کی کارروائی اور زیادہ بیماری کی باعث ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بہت سے غزووں میں ابوبکر بھاگ نکلے تھے اس وجہ سے آپ نے انہیں اپنے ساتھ لے لیا تھا اور بس غور کرو کہ جو جنگ سے بیٹھ رہے وہ افضل ہو گا یا جو اللہ کی راہ میں اپنی جان پر کھیلے وہ افضل ہو گا۔ دیکھو فضیلت تو یہ ہے کہ رسول اللہ کے بستر پر لیٹ کے علی اپنی جان پر کھیل گئے تھے اور کسی قسم کی ذرا پس و پیش نہ کی تھی۔ (پھر شیعی علماء کا قول ہے) کہ رسول اللہ پر ابوبکر کا خرچ کرنا یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ ابوبکر کچھ مالدار آدمی نہ تھے۔ اس لیے کہ اُن کے باپ تو ایک فقیر شخص تھے۔ صرف ایک آدھ سیر دانوں کیلئے عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانہ پر یہ آواز لگایا کرتے تھے۔ روز مرہ انہیں وہاں سے روٹی ملا کرتی تھی۔ پس اگر ابوبکر کچھ دولتمند ہوتے تو اپنے باپ کا خرچ ضرور اٹھاتے۔ زمانہ جاہلیت میں خود ابوبکر میاں جی تھے۔ بچوں کو پڑھاتے تھے اور مسلمان ہو کے کپڑے سینے لگے تھے۔ یعنی درزی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ لوگوں نے انہیں منع بھی کیا تھا اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے کھانے کے خرچ کی بہت ضرورت ہے۔ اس پر لوگوں نے بیت المال سے تین درہم روزانہ اُن کے مقرر کر دیئے۔ (پھر شیعی علماء یوں فرماتے ہیں) کہ رسول اللہ ہجرت سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ کے مال کی وجہ سے بڑے دولت مند تھے۔ اُس وقت نہ آپ کو کہیں جنگ کرنے کی حاجت تھی نہ کسی لشکر کی تیاری کا فکر تھا۔ ہاں ہجرت کے بعد رسول اللہ کی بیشک یہ حالت نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ادھر تو خدیجہ کا مال قبضہ سے نکل گیا اور اُدھر دشمنوں سے مقابلے ہونے لگے اسی طرح ہجرت کے بعد ابوبکرؓ کے پاس بھی کچھ نہ رہا تھا یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر یہ خرچ کرتے تو انکے حق میں کوئی آیۃ نازل ہوئی واجب تھی۔ جیسا کہ علی کے حق میں هل اتی نازل ہوئی مگر جب ان کے حق میں کوئی آیۃ نازل نہیں ہوئی تو یہ اس روایت کے جھوٹے ہونے کی صریح دلیل ہے جس میں ابوبکر کے خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) باقی ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لیے امام بنانا یہ بھی لوگوں کی نادانی ہے اسکی اصلیت ہے کہ جب بلال نے اذان دی تو

رسول اللہ ﷺ بے ہوش تھے عائشہؓ نے خود ہی بلال سے کہہ دیا کہ ابوبکرؓ کو امام بنادو۔ اُنہوں نے بنادیا جب رسول اللہ ﷺ کو ہوش آیا تو آپ نے اللہ اکبر کی آواز سنی. دریافت کیا کہ نماز کون پڑھارہا ہے. حاضرین نے کہا ابوبکرؓ. آپ ﷺ نے فرمایا مجھے لے چلو چنانچہ آپ علی اور عباس کے کندھوں پر سہارا لیے ہوئے تشریف لائے اور ابوبکرؓ کو قبلہ کی طرف سے ہٹا کے نماز سے علیحدہ کردیا اور خود نماز پڑھانے لگے. پس آپ نے دیکھ لیا سنیوں کی دلیلوں کا یہ حال ہے. عاقل انصاف کی نظر سے دیکھے اور حق کی پیروی کرنے کا قصد کرے اور خواہش کی پیروی چھوڑ دے. باپ دادا کی تقلید کو بلائے طاق رکھ دے کیونکہ اِس سے اللہ جل جلالہ نے منع فرمایا ہے. دیکھو مستحق کو اُسکا حق پہنچانے اور اُسے حقدار تسلیم کرنے میں تم غافل نہ رہو اور نہ اُسے اُس کے حق سے روکو۔

جواب: شیعی علماء کی قابلیت منطقی استدلال اور واقفیت عامہ کا نچوڑ رتھا۔ جو آپ نے ملاحظہ فرمایا. اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کے اُنہوں نے ابوبکرؓ کی فضیلت کو باطل کرنا چاہا ہے. یہاں اُن کی پوری قوت صرف ہوگئی ہے. ترکش میں سے کل تیر نکل چکے ہیں. اب اِس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے اب ہم اِسکا جواب دیتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جتنی باتیں شیعی علماء نے پیدا کی ہیں وہ خود انکی ساختہ و پرداختہ ہیں۔ نفسِ معاملہ سے اُنہیں کچھ بحث نہیں خود ہی باتیں یا واقعات تصنیف کیے اور خود ہی اُن پر اعتراض کردیتے ہیں۔ مسلمانوں کے کسی فرقہ نے بھی ایسی باتیں نقل نہیں کی ہیں. اُن کے کانوں میں بھی ایسی آوازیں نہیں آئیں. یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک یا کئی اشخاص پھونک مار کے اللہ کے نور کو بجھا دیں شیخین کے فضائل کو ساری دنیا مان گئی ہے اور اُن کی بزرگی ہر عاقل کے نزدیک سب کی بزرگی سے زیادہ ظاہر دباہر ہے۔ لیکن ہمارے دوست شیعی علماء حقائق کو پلٹنا اور بدلنا چاہتے ہیں مگر یہ کب ممکن ہے. حق کی تکذیب لوگ کرتے ہیں مگر اوندھے منہ گر پڑتے ہیں اور اخیر میں حق، حق ہی رہتا ہے۔

فضیلت غار: شیعی علماء کا یہ کہنا کہ غار میں ابوبکر کا ساتھ ہونا کچھ فضیلت پر دلالت نہیں کرتا محض غلط اور بالکل غلط ہے. اِسکی شہادت تو اللہ تعالی قرآن مجید میں اس طرح دیتا ہے۔ "اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" یعنی اے ابوبکر تم رنج نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تو ہمارے ہی ساتھ ہے۔ گویا رسول اللہ

نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور میرے ساتھی کے ساتھ ہے۔ جیسا اللہ نے موسیٰ اور ہارون کے لیے فرمایا۔ اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی. یعنی میں تم دونوں کے ساتھ ساتھ ہوں۔ سنوں گا بھی اور دیکھوں گا بھی۔ صحیحین میں انس سے مروی ہے اور وہ ابو بکر سے روایت کرتے ہیں جب ہم غار میں تھے تو میں نے مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں پر پا کے رسول اللہ سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی ان میں سے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگے تو اُسے ہم فوراً نظر آ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر تمہارا کدھر خیال ہے۔ تمھیں معلوم نہیں کہ دو کے ساتھ تیسرا اللہ بھی ہے۔ یہ حدیث ایسی ہے کہ اسکے صحیح ہونے۔ اسکے مقبول عام ہونے اور اس کی تصدیق کرنے پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے اور اس میں ایک بڑا وصف یہ ہے کہ اس حدیث میں کبھی دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ لہذا یہ ایسی حدیث ہوئی جسکے معنی پر قرآن شریف دلالت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔ "اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" خوب غور کرکے پڑھو کہ قرآن شریف میں معیت کی دو قسمیں ہیں ایک عامہ دوسری خاصہ عامہ یہ ہے۔ "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ." اسی طرح "وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ." تو یہ معیت عام ہوئی ہر دو، سرگوشی کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح پہلی تمام خلقت کو شامل ہے۔ جب اللہ نے معیت میں یہ بیان کر دیا کہ تین کا چوتھا اور پانچ کا چھٹا میں ہوتا ہوں۔ اس لئے نبی نے اپنے صدیق سے کہا کہ دو کا تم کیا خیال کر رہے ہو ان میں تیسرا اللہ ہے کیونکہ جب دو دو کے ساتھ ہوا تو دو کا تیسرا اللہ ہوگا جیسا کہ قرآن شریف کی یہ آیت اس حدیث کے صحیح معنی پر دال ہے۔ اور اگر چہ یہ معیت خاصہ ہے اور وہ عامہ ہے۔ لیکن اس آیۃ میں بھی معیت خاصہ ہی سمجھنی چاہیے۔ جو اللہ تعالی نے موسیٰ اور ہارون سے فرمایا تھا۔ " قَالَ لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی " تو یہ ان ہی دونوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہے حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالے موسیٰ اور ہارون کے ساتھ تھا۔ فرعون کے ساتھ نہ تھا اسی طرح جب رسول اللہ نے ابو بکر سے یہ فرمایا تھا کہ تم رنج نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اس سے مراد یہ تھی کہ ہمارے ہی ساتھ ہے ان مشرکین کے ساتھ نہیں ہے جو ہمارے دشمن ہیں اور ہمیں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ مشرک جو اس غار پر کھڑے تھے کہ اگر ان میں سے

کوئی اپنے قدموں کو دیکھتا تو اپنے قدموں کے نیچے یعنی غار کے اندر کا حال سارا معلوم ہو جاتا ایسے ہی یہ آیت ہے "إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ" (النحل:۱۲۸) یہ بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے بے صبر اس میں شامل نہیں ہیں ابوبکر کی فضیلتیں جو رسول اللہ کے ساتھ غار میں ہونے کی قرآن مجید سے ظاہر ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت اپنے رسول کی ایسی حالت میں مدد کرنے کو بیان کیا ہے کہ اس وقت عام طور پر لوگوں کے قدم ڈگمگا جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ" (توبہ:۴۰) یعنی انہوں نے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ ہمارے نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا سوائے ایک آدمی (ابوبکر) کے پس اللہ نے اپنے رسول کی مدد کی۔ پھر فرمایا "إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر کا وہ ساتھی جو اتنا ہو جب کا مہربان محبت رکھنے والا اور ساتھ دینے والا تھا اُسے رنج ہوا کیونکہ انسان کو خوف کی حالت میں اس شخص کا رنج ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہو دشمن کے ہلاک ہونے کا اگر کوئی سبب منعقد ہو جائے تو اس پر رنج نہیں ہوتا۔ پس اگر ابوبکر کو حضور انور سے بغض ہوتا جیسا کہ مفتری کہتے ہیں۔ تو رنج کا پھر کام ہی کیا تھا۔ اور نہ حضور انور رنج کرنے سے انہیں منع کرتے بلکہ یہ دل ہی دل میں باغ باغ ہوتے اور خوشیاں کرتے اور مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔ اسکے علاوہ اگر مفتری یہ کہے کہ ابوبکر نے اپنی ظاہر صورت رنج کی ایسی بنائی تھی کہ رسول اللہ کو دھوکا ہو گیا اور اصلی راز نہیں معلوم ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیسا ہی کم عقل سے کم عقل شخص ہو۔ ایسی حالت میں جبکہ اسکے کل ہم وطنوں نے اُسے نکال دیا ہو اور اسکی جان کے دشمن بن گئے ہوں اور وہ ایک ایسے مشتبہ شخص کو ایسے نازک حالت میں اپنے لیے منتخب کرے۔ رسول اللہ جیسے اولوالعزم پیغمبر کی علانیہ اہانت ہے تو ہین کرنی ہے۔ وہ اولوالعزم پیغمبر جو عقل، علم اور تجربہ میں سب سے زیادہ کامل ہو۔ پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو اس اندیشہ سے ساتھ لے لیا ہو کہ یہ ہمارا راز نہ کھول دے۔ یعنی ہمارے جانے کی اہل مکہ کو خبر نہ کر دے۔ اس کے بطلان اور غلط ہونے کی اتنی صورتیں ہیں جو شمار میں مشکل آ سکتی ہیں۔ مثلاً قرآن سے یہ یقینیاً معلوم ہو چکا ہے کہ ابوبکر کو حضور انور سے محبت تھی لہٰذا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر رسول اللہ سے عداوت تھی باطل ہو گیا دوسرے تواتر معنوی سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور ﷺ سے

محبت کرنے اور آپ پر ایمان لانے میں ابوبکر ساری مخلوق سے زیادہ خصوصیت تھی اور وہ تواتر ایسا ہے کہ اُس سے اور لوگوں کی بعض صفتوں کا تواتر لگا نہیں کھاتا۔ یعنی علی کے موالات کی باتیں جو معنوی تواتر سے ثابت ہیں اِس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں. اور تو اور آپ کو یہ سُن کے تعجب ہوگا کہ بعض شیعہ ایسے بھی ہیں جو سرے سے اِس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ابوبکر غار میں رسول اللہ کے ساتھ تھے. بعض نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شیخین کے دفن ہونے کا بھی انکار کیا ہے. اِنکی مثال باطل ان لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حسنین علی کے نہیں بلکہ سلمان فارسی کے بیٹے تھے۔ (لاحولہ ولاقوۃ) پھر وہ لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ علی اور معاویہ دو فرضی نام ہیں اِن ناموں کے اشخاص جنہوں نے کوئی حکموت کی یا آپس میں لڑے دنیا ہی میں پیدا نہیں ہوئے. اب پھر نئے سرے سے ابوبکر کے غار میں ساتھ ہونے پر نظر کرو اور واقعات کو دیکھو کہ وہ خود اِن ناپاک افترا پردازیوں کی تردید کرتے ہیں. جس اونٹ پر حضور انور ﷺ نے بیٹھ کے ہجرت کی وہ اونٹ ابوبکر کا تھا. آپ نے جب ہی اُسے خریدا تھا. غار میں ایک دو یا زیادہ ابوبکر کے بچے کھانا دینے چھپ چھپا کے آیا کرتے تھے. حضور انور ﷺ نے ہجرت کرتے وقت صرف ابوبکر کا انتخاب کیا اگر ابوبکر حضور انور کو گرفتار کرانا چاہتے تو جب مشرک سروں پر آ کھڑے ہوئے تھے تو کیا ایک اشارہ نہ کر سکتے تھے. نہ حضور انور ﷺ نے اُن کی مشکیں کس رکھی تھیں اور نہ اُنکا منہ بھیج رکھا تھا نہ ابوبکر کو یہ خوف تھا کہ ہوں کی اور نبی نے گردن اُڑا دی. غضب خدا کا ایسے فدائی رسول کی نسبت ایسی دل آزار باتیں بنائی گئی ہیں کہ دوسری قوموں کے محقق اور مصنف افسوس کرتے ہیں. ایک ناسمجھ سے ناسمجھ شخص بھی یہ باتیں نہیں سمجھ سکتا نہ ان پر دھیان کر سکتا ہے. اندھیر تو دیکھیے! کہ تاریکی کو نور اور نور کو تاریکی بنا دینا اور پھر اس پر فخر کرنا یہ دعوے اسلام ہے۔ بعض شیعی شعراء نے صدیق اکبر کی مذمت میں قصیدوں پر قصیدے لکھ ڈالے. اِن قصائد کی جو داد آسمان کی طرف سے دی جائے گی. مگر دنیا میں بھی پوری داد مل گئی. اور دیکھنے والوں نے ایسے شاعروں کو مجانین کی فہرست میں لکھ دیا. منجملہ صدہا بے سروپا اشعار کے ایک شعر یہ ہے. جس سے قابل کی سخت بدحواسی معلوم ہوتی ہے۔

بس کن حدیثِ غار کہ عاراست نزد عقل آن حزن و بے قراری شیخ معرم

تماشئہ جنون تو دیکھئے! کہ حقیقی عشق سے عار کی گئی ہے حقیقی عشق کا یہ حزن و بے قراری ایک

اعلیٰ درجہ کا نمونہ اور ثبوت ہے۔ ایک عاشق زار اپنے محبوب کی خدمت میں حاضر ہے۔ اُسکے محبوب کو اُسکے دشمن قتل کرنے کے لیے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دشمن بالکل قریب آ گئے اور اتنے قریب کہ اگر وہ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو اُنہیں اُس عاشق جانباز کا محبوب نظر آ جائے۔ اب تم بلا رورعایت بے بس عاشق کی حالت پر خیال کرو کہ اُسکے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ یقیناً یہ سُن کے ہر شخص شہادت دے گا کہ مارے خوف کے وہ کانپ رہا ہوگا۔ اُسکے تن بدن میں لرزہ ہوگا اُسکے چہرہ پر ہوائیاں اُڑتی نظر آئیں گی اور وہ کبھی اپنے محبوت کی مظلومیت پر نظر کرے گا کبھی اپنی بے بسی پر اور پھر اپنی نظریں نیچے کرلے گا اور اِسی حالت میں اُس کے منہ سے بے ساختہ نکل جائے گا۔ ہائے ہم تو یہاں دو ہی ہیں۔ یعنی دشمنوں کی تعداد تو اتنی ہے اور ہم دو ہی ہیں۔ اِس پاک اور مقدس اضطراب سے ایک روحانی تموج روحانی سمندر میں اُٹھتا ہے۔ اور اس تموج کی موجیں بلند ہوتے ہوتے آسمان تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور پھر غیرت حق کو حرکت ہوتی ہے اور آسمان سے یہ آواز اُٹھنے لگتی ہے اے عاشق صادق تو اِس بات سے کیوں غم کھاتا ہے۔ میں بھی تیرے ساتھ ہوں تو گویا تو بجائے دو کے تین سمجھ۔ یہ تیسرا وہ ہے جو صحاب جبروت وقوت ہے اور جس طرح اِسکے ایک لفظ کُن کے کہنے سے تمام کائنات پیدا ہوگئی اِسی طرح ایک دوسرا لفظ کہنے سے وہ فنا ہوسکتی ہے تو جس کی طاقت کی یہ کیفیت ہو اُسکا ساتھ ہونا کِس قدر ڈھارس بندھوا سکتا ہے۔ اور اُسکے یہ دو برگزیدہ بندے کیسے اولوالعزم بن سکتے ہیں۔ اِس اطمینان دینے پر بھی اگر صدیق اکبر اِسی طرح پریشان رہتے تو اس خیال کرنے کی شاید گنجائش نکل آتی کہ آپ کو جب اللہ پر بھروسہ نہ ہوا تو آپ کا ایمان اپنے معبود کیسے استوار ہوسکتا ہے۔ مگر یہاں اِسکا وہم بھی نہیں ہے۔ آپ آسمانی تسکین پاتے ہی اپنے محبوب کو ساتھ لیکے درانہ غار کے باہر نکل کھڑے ہوئے اور بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔ کیا کہوں کہ کس قدر خیالی ناپاک رو میں حضور انور رسولِ اللہ ﷺ کے یارِ غار اور فاروق اعظم کی اطہر واقدس شان میں گستاخی کی گئی ایسی گستاخی جسکی حد انتہائے شقاوت قلبی اور شیطانی شرارت پر ختم ہوتی ہے۔ یعنی بعض غالی یہ کہتے ہیں کہ شیخین کی قبریں جو رسول اللہ ﷺ کے قریب نبی ہوئی ہیں یہ محض اس لئے ہیں کہ رسول اللہ اپنی آنکھوں کے سامنے اُن پر عذاب ہوتا ہوا دیکھیں اور یوں ہی قیامت تک دیکھتے اور دل ٹھنڈا کرتے رہیں۔ (لاحول ولا قوۃ) کتنے غضب کا

مقام ہے خود رسول اللہ ﷺ پر کیسا بیجا کا نہ حملہ ہے کہ آپ کی سفا کی خونخواری اور انتقام کی آگ ایسی بھڑکی کہ کسی طرح بجھنے میں نہیں آتی نہ ایک دن نہ دو دن اور نہ کئی صدی ایسا سنگ دل تو دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا. آپ خیال فرمایئے کہ محض صحابہ کی دشمنی میں ان لوگوں کو نہ حضور انور رسول اللہ کو گالیاں دینے میں باک ہوتا ہے. اور نہ خاندان نبوت یا اہل بیت کو. میں کہتا ہوں کہ اگر مثل علی کے ابو بکر و عمر یا عثمان کی قبر غائب غلہ ہو جاتی تو پھر دیکھئے شیعی اصحاب کیسی باتیں چھانٹتے اور کیا کیا چہ میگوئیاں کرتے کہ ظالم کا بیج ہی مار دیا اور اس کی ناپاکی سے زمین کو پاک کر دیا اور غیرت حق اسکی مقتضی ہوئی کہ نہ صرف اُسے فنا کا برقع اوڑھایا جائے بلکہ اس کی قبر تک برباد کر دی جائے. مگر ہم حضرت علی کی شان میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتے. شیعی اصحاب کو اختیار کہ خواہ کچھ ہی کسی صحابی کی نسبت کہا کریں ہمیں اس سے کیا مطلب ہر شخص اپنی باتوں کا آپ جواب دہ ہے انسان کے ہر فعل سے اُسکے اخلاق اور شرافت کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور یہی کافی ہے. صحابہ کو حضور انور رسول اللہ سے جو کچھ عشق تھا وہ سب جانتے ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا. صحابہ کے سرتاج ابو بکر کا سب سے زیادہ حضور انور ﷺ سے محبت رکھنا اور آپ کی ہر طرح سے حمایت نیز ایسا تھا جیسے مسلمان، کفار، فجار اور برابر سب جانتے تھے. بلکہ زندیقوں کا بھی ایک فرقہ ایسا ہوا ہے جس کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ دین اسلام پر باطن میں حضور انور ﷺ اور ابو بکر سب سے اول ہیں. اور پھر عمر لیکن عمران دونوں کے بھید سے واقف نہیں ہیں. اسکی تو بالکل یہ مثال ہے کہ آفتاب کو آدمی سے لگا کے جانور تک سب دیکھتے اور اپنی اپنی زبان میں اسکی شہادت دیتے ہیں. ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ علی در پردہ حضور انور ﷺ کے جانی دشمن تھے. خلفائے ثلاثہ کی حکومت میں وہ آپ کے دین کو خراب اور برباد کرنے سے مجبور رہے اور ان کا کچھ قابو نہ چلا اور جب یہ اکابر جہاں سے رخصت ہو گئے اور صرف علی ہی علی رہ گئے تو اُن کا چھپا ہوا زہر اُبھر آیا اور اب انہوں نے دین خدا کی بربادی پر مستعدی سے کمر کس لی. مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا. اور باہم مسلمانوں کو اس قدر کٹوایا کہ ان کے پاک خون سے زمین لال ہو گئی وہ چاہتے تھے کہ اسی حیلے سے کل مسلمانوں کو نیست و نابود کر دوں. بوڑھا بوڑھا بچہ کو یکساں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کٹوا دوں. لیکن یہ خدا کو منظور نہ ہوا اور وہ مجبور ہو گئے انہوں نے اپنی طرف سے اسلام کے برباد کرنے میں کوئی کسر نہ

اُٹھا رکھی۔ مگر چونکہ اللہ تعالے نے اپنے پاک کلام میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ کر چکا تھا؛ پھر اُس نے علی کے خونخوار پنجہ سے اپنے دین اور بے گناہ مسلمانوں کو بچا لیا علی کو مسلمانوں، زاہدوں اور اتقیا نے اپنا پیشوا نہیں ، تا بلکہ زندیقوں، منافقوں اور پیغمبر خدا سے سخت عداوت رکھنے والوں نے آپ کو اپنا سرتاج بنالیا۔ مثلاً قرامطہ، اسماعیلیہ اور نصیریہ ہیں جنہیں علی کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اور یہی لوگ علی اپنا اولی اپنا رہنما اور اپنا امام مانتے ہیں۔ غرض اسلام کا جو دشمن تم دیکھو گے وہ اپنے اس مقصود پر علی کی موالات ظاہر کرکے ایسی اعانت حاصل کرے گا کہ ابوبکر عمر کے موالات ظاہر کرنے پر اُسے ایسی اعانات ملنی ممکن ہی نہ تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ علی کو حضور انور ﷺ سے محبت ہونے کا دعوے کرنے میں جو شبہ ہے یا ابوبکرؓ کو عداوت ہونے کا دعویٰ کرنے کے شبہ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں شبہے باطل اور فاسد ہیں۔ چنانکہ فساد بالاضطرار معلوم ہے لیکن وہ حجتیں جو ابوبکر کی بابت اس دعوے کے بطلان پر دال ہیں اُن حجتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کے ہیں جو علی کے حق میں اُسکے بطلان پر دال ہیں۔ پس جب علی کے موالات کے ثبوت پر حجت صحیح ہے اور اُنکی عداوت کا ثابت ہونا غلط ہے تو اسی طرح ابوبکر کے موالات کی حجت پر بدرجہا اولی صحیح ہے اور اُنکی عداوت کی حجت بدرجہا اولی یقیناً باطل ہے۔ شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ حضور انور رسول اللہ نے ابوبکر کو اس اندیشہ سے ساتھ لے لیا تھا کہ وہ آپ کا جانا نہ ظاہر کردیں۔ یہ باتیں ایسے شخص کی ہیں جو نفس واقعہ سے محض نابلد ہے کیونکہ حضور انور کا مکہ معظمہ سے چلنا تو ظاہر تھا، جس شب کو آپ وہاں سے چلے ہیں اُس کی صبح ہی کو اہل مکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ نے مکہ چھوڑ دیا ہے۔ اسی خبر پر انہوں نے کل راستوں کے ناکوں پر آدمی دوڑا دیئے۔ اور شہر میں یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی محمد و ابوبکر کو پکڑ کے لائے گا ہم اُسے علیحدہ علیحدہ دو آدمیوں کی خون بہا دیں گے۔ تو اب ابوبکر سے اندیشہ کرنے کی کونسی صورت رہی؛ اسکے علاوہ مشرکین کا یہ وعدہ کرنا کہ جو شخص ابوبکر کو لائیگا ہم اُسے ایک خون بہا دیں گے اس امر کی بالتصریح دلیل ہے کہ انہیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ ابوبکر محمد کے نفس ناطقہ ہیں اور انہیں محمد سے کامل محبت ہے اور یہ ہمارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اگر در پردہ ابوبکر ملے ہوئے ہوتے تو انکی گرفتاری پر قریش ایک خون بہا دینے کا وعدہ نہ کرتے۔ پھر ذرا ملاحظہ کیجئے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ رات کو روانہ ہوئے تھے۔ آپ کے روانہ ہونے کی نیت

اور روانگی کے وقت سے کوئی بھی واقف نہ تھا اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں اوروں کو نہ معلوم ہوا ابو بکر کو ضرور معلوم ہو گیا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ چاہتے تو ایسے وقت روانہ ہو سکتے تھے کہ ابو بکر کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی. کیونکہ آپ کی روانگی کی اور کسی کو مطلق خبر نہیں ہوئی. محض اس وجہ سے کہ آپ نے اسکا اظہار نہیں چاہا تھا. رسول اللہ ﷺ کچھ نہیں معمولی معمولی آدمی ایسے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں کہ ان کی کسی کو خبر نہیں ہوتی. تو پھر رسول اللہ جیسا مدبر اور روشن ضمیر اس بات کو چھپانا چاہتا اور وہ نہ چھپتی ہے۔ "ایں خیال است و محال و جنوں" ان سب باتوں کے علاوہ وہ یہ بات غور طلب جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ خود ابو بکر نے حضور انور رسول اللہ سے ہجرت کی رخصت مانگی تھی لیکن حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی یہاں تک کہ آپ نے اپنے آقائے نامدار کے ساتھ ہجرت کی اور حضور نے تنہائی میں انہیں اپنے ارادہ ہجرت کی خبر کر دی. امام بخاری نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں مجھے اپنے والدین کی کسی بات کی کچھ خبر نہ تھی. ہاں اتنا میں دیکھتی تھی کہ دونوں بڑی ہی راز داری برتتے ہیں اور ان دنوں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ رسول اللہ ہمارے ہاں نہ آتے ہوں. ایک بار نہیں بلکہ صبح شام دونوں وقت رسول اللہ تشریف فرماتے ہوتے تھے. جب مکہ میں مسلمانوں کو بہت تکلیف ہونے لگی اور پانی سر سے گزر گیا تو آخر ابو بکر مکہ کو چھوڑ کے جنت روانہ ہو گئے۔ جب آپ برک غماد میں پہنچے تو وہاں انہیں ابن الدغنہ ملا۔ اس نے تعجب سے دریافت کیا ہائیں ابو بکر تم کہاں جاتے ہو ابو بکر نے کہا میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ سیاحی کرتا پھروں اور اپنے خدائے احد کی عبادت میں زندگی گزار دوں. ابن الدغنہ نے کہا نہیں ابو بکر ایسا نہیں ہو سکتا بھلا تم جیسا شخص اپنا گھر چھوڑا کرتا ہے۔ کیونکہ تم مفلس اور نادار کی مدد کرتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو. دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہو. مہمان نوازی کرتے ہو تو ایب حق پر اعانت کرتے ہو. اب تم سے ذمہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا. تم اپنے ہی شہر میں اپنے اللہ کی عبادت کیا کرنا. آخر صدیق آکبر واپس مکہ چلے آئے. ابن الدغنہ بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ مکہ میں داخل ہو کے اشراف قریش سے کہتا پھرا کہ ابو بکرؓ جیسے شخص کو تم مکہ سے نکالتے ہو. ان جیسے آدمی نہیں نکالے جا سکتے. کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتا ہے. دوسروں کا بوجھ اپنے ذمہ لیتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے تو ایب

حق پر اعانت کرتا ہے. ابن الدغنہ کے اِس کہنے سے قریش مؤثر ہوئے اور ابن الدغنہ کی ذمہ داری پر ابوبکر کو امن دے دیا گیا مگر یہ کہہ دیا ابوبکرؓ کو سمجھا دو کہ وہ اپنے ہی گھر میں اپنے اللہ کی عبادت کیا کریں نماز وغیرہ جو چاہیں پڑھیں لیکن ہمیں نہ اپنی عبادت دکھائیں نہ نماز کے الفاظ ہمارے کان میں ڈالیں زیادہ آواز بلند نہ کریں کہ ہماری عورتیں اور بچے سنیں اور خراب ہو جائیں. بس پھر ہمیں ابوبکر سے کوئی تعارض نہیں ہے. وہ جانیں اور اُن کا کام. ابن الدغنہ نے یہ ساری باتیں ابوبکر کہہ دیں ابوبکر نے اِن ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا اور اب وہ اپنے ہی گھر میں پاک پروردگار کی عبادت کیا کرتے اور اپنے گھر کے سوا کہیں جا کے قرآن شریف آواز سے پڑھتے اور نہ نماز، ہاں ابوبکرؓ نے یہ ضرور کیا کہ اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنالی قرآن شریف اور نماز وغیرہ وہیں پڑھا کرتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے اوپر چڑھ چڑھ کے اُنہیں دیکھتے تھے اور چپ چاپ خاموشی سے سنا کرتے. ابوبکر کا پڑھنا اُنہیں بہت مرغوب ہوا. کیونکہ ابوبکر بہت رقیق القلب تھے. قرآن مجید پڑھتے پڑھتے زار زار روتے تھے کہ ہچکی بندھ جاتی تھی. آنسو جاری ہو جاتے تھے اور بڑی دیر تک نہ تھمتے تھے. اشراف قریش یہ کیفیت دیکھ کے گھبرا گئے. اُنہوں نے ابن الدغنہ کے پاس آدمی بھیجا وہ سنتے ہی لپک کے آیا. سب قریشوں نے اُس سے شکایت کی کہ یہ یہ سانگ ہو رہا ہے۔ تجھے یاد ہوگا کہ ابوبکر کے بارے میں ہمارا تمہارا کیا معاہدہ ہوا تھا۔ ہم نے ابوبکر کو محض اس شرط پر رہنے دیا تھا۔ کہ وہ خاموشی سے اپنے گھر ہی گھر میں عبادت کر لیا کریں مگر وہ اس سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے صحن مکان میں مسجد بنالی ہے اور بہت بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہیں. اِس صورت سے ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کے خراب ہو جانے کا بہت اندیشہ ہے. لہٰذا تم ابوبکرؓ کے پاس جاؤ اگر وہ اِس بات کو منظور کریں کہ اپنے گھر ہی گھر میں عبادت کیا کریں تو خیر اور جو اس پر راضی نہ ہوں اور قرآن مجید آواز ہی سے پڑھنے پر اصرار کریں تو تم فوراً اپنی اِس پناہ کو واپس لے لو جو تم نے ہم میں اور اُن میں درمیان پڑ کے دلوائی تھی اور صاف کہہ دینا کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ تمہاری وعدہ شکنی ہمیں ناگوار گزرتی ہے. یاد رکھنا ابوبکرؓ اگر بآواز بلند قرآن مجید پڑھے گا تو ہم اُسے یہاں کبھی نہ رہنے دیں گے۔ ابن الدغنہ نے قریشوں کے اس کہنے کو سنا اس پر غور کیا اور خوب سمجھا کر ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ابوبکر تم جانتے ہو

کہ میں نے تمہاری ذمہ داری کر رکھی ہے۔ اگر اسی وعدہ کے مطابق رہنا چاہو تو کچھ بات نہیں ہے میری ذمہ داری ویسی ہی قائم ہے اور اگر نہیں مانتے تو میری ذمہ داری مجھے واپس دے دو۔ پھر تم جانور اور قریش وجہ یہ ہے کہ میں اپنی بابت خلقت کو یہ سنوانا پسند نہیں کرتا کہ میں نے ایک آدمی کی ذمہ داری کر کے پھر عہد شکنی کر دی ہے۔ یہ سنتے ہی فوراً ابوبکر نے جواب دیا بہت خوب میں تمہارے امان دلوانے اور تمہاری ذمہ داری کو تمہیں واپس دیتا ہوں اور آج سے میں اپنے کو اللہ امان میں سمجھتا ہوں. اُسی کی امان میرے لیے بس ہے. یہ سُن کے ابن الدغنہ چلا گیا اور کچھ ہوں ہاں نہیں کی. ابھی تک حضور انور ﷺ مکہ ہی میں تھے آپ نے ایک دن اپنے جان نثار صحابہ سے کہا کہ مجھے تمہاری ہجرت کا شہر دکھا دیا گیا ہے۔ مگر ابھی تک مجھے ہجرت کرنے کا حکم نہیں ہوا ہے اُس شہر میں باغات بکثرت ہیں دو پہاڑیوں کے بیچ میں واقع ہوا ہے اور اُن کا نام حرتان ہے. یہ سُن کے صحابہ مطمئن ہوئے. صحابہ کو ہجرت کرنے کی عام اجازت تھی جس کا دل چاہا وہ مدینہ ہجرت کر کے چلا گیا. یعنی وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر کے گئے تھے اُن میں سے بھی کئی مدینہ چلے آئے. اخیر اسی طرح جب ابوبکر نے ارادہ کیا کہ مدینہ چلو تو حضور انور ﷺ نے ارشاد کیا کہ ابھی تم نہ جاؤ امید ہے کہ مجھے بھی عنقریب ہجرت کا حکم ہو اور میں تمہارے ساتھ موعود شہر میں چلوں۔ یہ سنتے ہی ابوبکر مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا حضور انور کو بھی اسکی امید ہے۔ فرمایا ہاں۔ ابوبکر کو اطمینان ہو گیا اور صرف حضور انور ﷺ کی وجہ سے رک گئے اور کہا تو بس اپنے آقا ہی کے ساتھ چلیں گے۔ اُس وقت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے۔ اُنہیں چارہ خوب کھلایا گیا اور خوب اُن کی چار مہینے تک غور و پرداخت کی گئی۔ ایک دن دوپہر کے وقت یکا یک ابوبکر سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں اور ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ آ پہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی فوراً اجازت دے دی گئی. آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ لو اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں. ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ کے متعلقین بھی ساتھ جائیں گے۔ ارشاد ہوا نہیں پھر عرض کیا اور یہ خادم، حکم ہوا ہاں اس پر ابوبکر نے عرض کیا کہ میرے ان دو اونٹوں میں سے جو بہت توانا اور تیز رفتار ہیں حضور ایک اونٹ پسند فرمالیں ارشاد ہوا اچھا

لوں گا مگر اُسکی قیمت ادا کردوں گا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے اور میری والدہ نے اُن اونٹوں کو خوب کھلایا، پلایا اور دونوں کے لیے توشہ دانوں میں کھانا رکھا۔ اور اسماء نے ایک نطاق کاٹا اور اُس سے اُن توشہ دانوں کا منہ باندھ دیا اِسی وجہ سے اسماء کا نام ذات النطاقین پڑ گیا تھا۔ اور پھر دونوں یعنی ابوبکر اور رسول اللہ مکہ سے روانہ ہو گئے۔ اور ملاحظہ فرمائیے بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر معاذ اللہ ابوبکر کو اپنے نبی سے عداوت ہوتی تو جس وقت آپ غار میں تھے اور مشرکین نے گھیر لیا تھا کیا ابوبکر کا ایک خفیف سا اشارہ اُنہیں آگاہ کرنے کے لیے کافی نہ تھا؟ اسکے علاوہ تین روز تک ابوبکرؓ و محمد تنہا اُس غار میں نہیں رہے بلکہ ابوبکر کا لڑکا عبداللہ ادھر اُدھر کی کل خبریں لا کے ساری باتیں موقع دیکھ کے کہہ جاتا تھا۔ یہ کونسی مشکل بات تھی کہ ابوبکر اپنے لڑکے کی زبانی قریشوں سے کہلا بھیجتے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ یہ باتیں ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اِس پر کتنا غضب ہے کہ مرغے کی ایک ہی ٹانگ کیے جانا اور اپنی ہفوات کو برابر اسی طرح سراہنا یہ جنون نہیں تو اور کیا ہے؟ کوئی اندھا بھی اِس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا ہے کہ ابوبکرؓ کو اپنے ہادی سے عداوت تھی۔ (لاحول ولا قوۃ) اِس قسم کی بیہودہ باتیں ایک دیوانہ شخص بھی مشکل سے بنا سکتا ہے۔ میں کیا کہوں گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ ہمارے بعض غالی تو یہاں تک بڑھے اور اپنے خیال کو اُنہوں نے اِس تاریک وادی میں یہاں تک جنبش دی کہ بس کچھ کہا نہیں جاتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مشرکین غار پر آ گئے تو ابوبکر چپکے چپکے اپنی اُنگلیوں سے برابر اشارہ کر رہے تھے کہ یہ نبی موجود ہیں۔ اُنہیں گرفتار کر لو کہ اُسی وقت ایک سانپ نے ابوبکر کی اُنگلی کو چنک لیا اُس وقت ایسی تکلیف ہوئی کہ ابوبکر نے اُدھر سے اپنی اُنگلی ہٹائی اور درد سے ایسے بے تاب ہو گئے کہ پھر اشارہ نہ کر سکے۔ اس پر رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ اُنگلی ہی پر خیر گزری اگر تم ہاتھ سے اشارہ کرتے تو اشارہ ہاتھ سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اِس سفید جھوٹ کی کوئی انتہا نہیں استغفر اللہ۔ کیا بے باکی سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ بس سوا اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے بعض غالی اور بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اُنگلی نہیں بلکہ ابوبکر نے اپنا پیر غار کے باہر نکالا تھا تا کہ مفرک دیکھ کے آ کودیں اور رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر لیں۔ سانپ نے اُس پیر کو چنک لیا۔

''ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا'' ایک غالی ہاتھ کی اُنگلی بیان کرتا ہے اور دوسرا پیر یہ ساری باتیں ایسی

ہیں کہ بچہ بھی ہنس دے بیسوں کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں حضورانور ﷺ کے حالات میں لکھی جا چکی ہیں اور اپنی اپنی جگہ مصنفوں نے خوب تحقیق کر کے اور مسلمانوں کی کتابوں کو پڑھ کے وہ کتابیں ترتیب دی ہیں صدہا قسم کی نکتہ چینیاں ہیں جو اُنہوں نے اپنی دانست میں کی ہیں مگر یہ سب ہی ابوبکر کو حضورانور ﷺ کا سچا فدائی تسلیم کرتے ہیں اور اُس میں جہاں تک میری واقفیت ہے کسی نے بھی حرف گیری نہیں کی. ایسی کھُلی ہوئی باتوں سے انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو یقینی طور پر نہ صرف ابوبکر کا بلکہ خود حضورانور رسول اللہ ﷺ اور دین خدا کا جانی دشمن ہو اور اس بات کی کوشش میں ہو کہ کسی طرح دین خدا کو بدنام اور برباد کردوں مگر اللہ تعالیٰ کے نور کی شمع پھونک مارے نہیں بجھ سکتی پر نہیں بجھ سکتی.

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنی جس آیت سے ابوبکرؓ کی فضیلت کا اظہار کرتے ہیں. اِس سے تو اور اُن کی بُرائی نکلتی ہے. کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہے. "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اس سے ابوبکر کی بزدلی، بے صبری، اللہ کے قضاوقدر پر عدمِ یقینی اور ناراضامندی معلوم ہوتی ہے۔ فقط۔

حقیقت میں تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے. اللہ تعالےٰ کے کلام پاک کا علانیہ مضحکہ اُڑایا گیا ہے. خیال تو فرمایئے جو شخص بزدل اور بے صبر ہوگا اور اللہ کے قضاوقدر پر اُسے یقین نہ ہوگا یعنی کافر مطلق ہوگا اُسے اللہ تسکین روح کس طرح دے سکتا ہے. مہربان آقا تسکین تو اُسی ملازم کو دے گا. جو انتہاء درجہ وفادار اور جان نثار ہوگا. اگر وہ کسی ایسی بات سے غم کرے جس سے اُس کے آقا کی مرضی فوت ہوتی ہو اور اُس کا یہ غم انتہائے عشق پر ختم ہوتا ہو تو کیا یکلخت آقا کی محبت کی نظریں اُس پر نہ اُٹھنے لگیں گی اور کیا آقا اُسے ہر طرح تسکین نہ دیگا۔ ایک نادان سے نادان بھی اِس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اپنے دشمن کو کوئی تسکین نہیں دیتا بلکہ تسکین دلاسہ دوست ہی کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اِسکے خلاف یہ کہنا کہ لا تحزن سے ابوبکر کی بُرائی نکلتی ہے کلامِ خدا کا اور مضحکہ اُڑانا ہے. دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خیال یا شیعی علماء کا یہ قول اِن کے پہلے قول کے منافی ہے۔ جس میں اُنہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ نے محض اندیشہ کی وجہ سے ابوبکر کو ساتھ لے لیا تھا۔ کہ یہ ہماری کسی کو خبر نہ دے اُسکے منافی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب ابوبکر حضورانور کے دشمن تھے اور در پردہ اُن لوگوں سے ملے ہوئے تھے جو آپ کو تلاش کرنے آئے تھے تو اُن کے آجانے پر ابوبکر کو خوش ہونا چاہیے تھا نہ کہ غمگین ہوتا۔ "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

ایک طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے. دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں یعنی مشرک قریشوں کے سر پر آ جانے سے غمگین ہوئے اور ایسے سچے دل سے غمگین ہوئے کہ غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور خود اللہ تعالیٰ ابوبکر سے ہم کلام ہوا اور نہایت زور دار محبت سے فرمایا غم نہ کرو' میں تمہارے ساتھ ہوں'' شیعی علماء کا استدلال بس کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا قربان جایئے اس سخت دشمنی اور عداوت کے کہ اپنی بھی خبر نہ رکھی کہ اس ہفوات پر لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ہماری علانیہ عداوت اور اللہ تعالے کے مضحکہ اڑھانے پر ہمیں کس مرتبہ کی داد دیں گے ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ابوبکر کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی کہ جب مخالف سر پر ہی آ گئے تھے تو معمولی اشارہ کافی تھا آسانی سے دشمن قابو پا سکتا تھا. اِسکے علاوہ ابوبکر کا بیٹا عبداللہ اور آپ کا غلام عامر ابن فہیرہ مکہ سے خبریں لاتے اور اُنٹوں کی حفاظت کرتے. غرض خلاصہ یہ ہے کہ اِس معاملہ میں شیعی علماء کا کلام کرنا خود اُن ہی کے قول کو باطل کرتا ہے۔ کبھی تو اُن کے قول کا فتویٰ ابوبکر کے نفاق پر ہوتا ہے اور کبھی انتہائے اسلام پر. اصل بات یہ ہے کہ جس امر کو انسان حق سمجھتا ہے مگر کسی دنیاوی لالچ یا شیطانی دشمنی کی وجہ سے اسکے خلاف اظہار کرتا ہے تو اُسکے منہ سے ایسی ہی بہکی باتیں نکلتیں ہیں اور اُس میں وہ مجبور ہے۔ ایک یہ بات بھی زیادہ غور کے قابل ہے کہ مہاجرین میں کوئی منافق نہ تھا نفاق تو فقط انصار کے بعض قبیلوں میں تھا. اسکی وجہ ظاہر ہے کہ جس نے اپنا وطن. اپنا گھر، اپنی جائیداد اور اپنے بال بچے چھوڑے وہ کسی لالچ کی وجہ سے نہیں چھوڑے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے اور اس کے نبی کی نصرت کے لئے چھوڑے وہ کیسے منافق بن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ محض اپنی مرضی سے ہجرت کی پھر اس میں نفاق کی بو بھی کیسے آ سکتی ہے. یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالے نے اپنے کلام میں اس طرح فرمائی ہے۔

"لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" (الحشر:۸) یعنی ان مہاجر فقیروں کے لیے جو اپنے اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اُسکی رضا مندی کے طلب گار ہیں اور اللہ کے دین اور اُسکے رسول کی مدد کرتے ہیں. یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ پھر ارشاد کرتا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ

لَقَدِیْرُ o اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" (الحج:۳۹،۴۰) غرض اس سے فیصلہ ہوگیا کہ کل مہاجرین پکے ایماندار اور اللہ و رسول اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے والے ہیں۔ دوسری بات یہ جتائی رہ گئی کہ ابوبکر ان کل مہاجرین سے افضل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی اِن سے غم کے وقت ہم کلام ہوا۔ اور اُنہیں تسکین دی اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور انور نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے جو انتخاب کیا تھا وہ کسی اندیشہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض اِس سبب سے تھا کہ ابوبکر کے مرتبہ کا اور کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جو اِس خدمت کے انجام دینے کے قابل ہو۔ یاد رکھو اِس سے زیادہ اہم اور نازک سفر حضور انور کو آئندہ کوئی پیش نہیں آیا۔ پس ایسے سفر میں محض اپنی نصرت اور اطمینان قلب کے لیے حضور انور ﷺ کا انتخاب ابوبکر کی فضیلت کھلم کھلا دیگر عامہ مسلمین اور اُن سے پہلے کل صحابہ پر ثابت کرتا ہے۔ اس سفر کی اہمیت اور اُس کا مہتم بالشان ہونا اِس سے پایا جاتا ہے کہ اُسے تاریخ اور سنہ کا مبداء قرار دیا گیا کیونکہ تاریخ اور سنہ تو ایسے ہی امر سے لیا جاتا ہے جو عام لوگوں میں مشہور اور سب کو معلوم ہوا۔ ایسے نامور سفر میں حضور انور کے ہم رکاب وہی شخص ہوسکتا ہے جس پر حضور کو کامل بھروسہ اور اطمینان ہو نہ وہ شخص جو صرف آپ کی صحبت میں مخصوص ہو۔ بس یہ صدیق کے فضائل ہیں۔ اور اوروں سے اُنہیں امتیاز دینے کے لیے کافی ہیں. یہ وہ فضائل ہیں جن میں کوئی اُنکا ہمسر نہیں اور یہ اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آپ کے سب صحابہ سے صدیق اکبر ہی افضل تھے۔ اِس بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ کیجیے. شیعی علماء فرماتے ہیں کہ لاتحزن والی آیت ابوبکر میں نقص ہونے کی دلیل ہے اِسکا جواب اول تو یہ ہے کہ نقص کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ایمان کے منافی ہے اور ایک وہ ہے جس کے معنی کمی کے ہیں کہ اکمل سے کم ہوں. اب اگر شیعی علماء نے پہلے معنی مراد لیے ہیں تو بالکل غلط اور باطل ہیں کیونکہ اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی کے حق میں بھی فرمایا ہے۔ "وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ" (النحل:۱۲۷) یعنی اور تم اُن پر رنج نہ کرو اور جو فریب یہ کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو پھر اِسی طرح عام مسلمانوں کے حق میں یہ فرمایا "وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ" یعنی اور اگر تم مسلمان ہو تو جہاد سے ہمت نہ ہارو اور نہ رنج کرو تم ہی غالب ہو. پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ

وَالْقُرْآنَ الْعَظِیْم. لَاتَمُدَنَّ عَیْنَکَ اِلٰی مَامَتَّعْنَابِہٖ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ،، یعنی اور بے شک ہم نے تمہیں سبع مثانی اور قرآن عظیم عنایت کیا ہے تم تعجب سے اپنی دونوں آنکھیں اِس مال ودولت کی طرف ہرگز نہ کھولو. جس کے ساتھ ہم نے اِن کی جماعتوں کو بہرہ مند کیا ہے اور نہ تم اُن پر رنج کرو۔ اِس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح صدیق اکبر سے ہم کلام ہو کے اللہ تعالیٰ نے غم سے تسکین فرمائی. اسی طرح اپنے نبی محمد عربی رسول اللہ ا کی تسکین کی اور مختلف موقعوں پر اسی طرح وہ پاک مومنین کی تسکین کرتا رہا. اللہ تعالیٰ کا یہ ایک راز ہے جو شخص کچھ بھی اپنے معبود حقیقی سے اپنا تعلق رکھتا ہے. وہ اِس راز کی کماحقہ حقیقت پہنچانتا ہے. اس حالت میں کہ جب عبد اپنے معبود میں محو ہو کہ اُس میں مل جائے تو محبوب اپنے اِس عزیز عبد کے قدم قدم پر نظر رکھتا ہے اور اُس کی خفیف سی پریشانی میں اُس سے ہم کلام ہو کے دل جوئی فرماتا ہے کیا غضب کی بات ہے کہ ایک ذات سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہو رہا ہے۔ اور اُس غم سے جو لازمہ عشق حقیقی تھا تسکین فرمارہا ہے۔ مگر عقل سے بے بہرہ یا تعصب سے اندھا اعلانیہ اس کہنے میں باک نہیں کرتے۔ کہ وہ پاک نفس اور اُس سے اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونے پر معترض ہونا خود اپنے میں نقص رکھتا ہے. اب رہا نقص کی دو قسمیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں. ان میں سے ایک بھی صدیق اکبر کی ذات سے چسپاں نہیں ہوئی. صدیق کی راست بازی اور کلام صداقت کا اس سے زیادہ ثبوت نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالے اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے. اُن سے ہم کلام ہو اور اُنہیں تسکین دے۔ اس کے آگے تمام جہان کی نکتہ چینیاں تمام دل آزار اعتراضات تمام بے بنیاد خردہ گیریاں منہ کے بل گر پڑتی ہیں اور کسی کو حرف زدن کا یارا نہیں رہتا. یہ فطرت کا وہ مشاہدہ ہے جس کے لیے دلیل کی ضرور نہیں. جس طرح روشنی سے بغیر دیکھے ہم آفتاب کے طلوع کا پتہ لگا لیتے ہیں اسی طرح صدیق اکبرؓ کے اس عظیم الشان مرتبہ سے جو اللہ تعالے کی طرف سے آپ کو عطا ہوا آپ کی غیر معمولی صداقت کا ہمیں کھوج مل جاتا ہے اور اُس وقت کائنات کے ذرے ذرے سے صدا بلند ہو جاتی ہے۔ ''بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر''

اس بات کو یاد رکھئے واقعات اور مشاہدات کا اِس سے ثبوت ملتا ہے کہ نازک سے نازک موقعوں اور اندیشہ ناک حالتوں میں کل صحابہؓ سے صدیق اکبرؓ یقیناً صبر کرنے میں افضل اور اکمل

رہتے تھے۔ سب سے پہلے جب حضور انور ﷺ نے اپنے معراج کی خبر دی تو اُدھر مشرکوں نے قہقہہ اُڑایا جس سے بعض مؤمنین سر در گریباں ہو گئے۔ مگر یہ صدیقؓ ہی تھے جس نے سب سے آگے بڑھ کر کہا لبیک یا رسول اللہ بے شک آپ سچے ہیں آپ کو یقیناً معراج ہوئی اور آپ نے کل انبیاء سے آسمان میں باتیں کیں کون ہے؟ جو اِسکے خلاف شہادت دے سکتا ہے۔ مکے کا ذرہ ذرّہ ابھی تک اِس کی گواہی کی صداقت کر رہا ہے اور خود لفظ صدیق معراج کی ساری تعریف اور اُس کی کل کیفیت اپنے میں رکھتا ہے۔ جن لوگوں نے حضور انور رسول اللہ کی پاک زندگی اور بعد کے احوال میں غور کیا ہے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ حضور انور کے اشاروں پر چلنے والا اور حضور انور ﷺ کی ایذا رسانی سے کوسوں دور رہنے والا اگر کوئی ہے تو وہ ابوبکر ہے اس میں شک نہیں کہ کل صحابہ کی زندگی کا مقصد اعظم یہی تھا کہ حضور انور ﷺ کی دل آزاری سے کوسوں دور رہیں اور آپ کے اشاروں پر چلیں مگر ان باتوں میں سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ اکمل ابوبکر ہیں کیا کوئی اِس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابوجہل کی بیٹی سے نسبت ٹھہرا کے خود خاتون محشر کی زندگی میں حضرت علی نے اتنا بڑا صدمہ حضور انور کو دیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ خاتونِ محشر کا خاتم النبین اپنے باپ کے پاس غمزدہ آ کے کہنا کہ دیکھئے علیؓ میرا شوہر آپ کا داماد میری موجودگی میں ابوجہل دشمنِ اسلام کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس وقت حضور انور کا غضبناک ہو کے مسجد میں چلا آنا اور مسلمانوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھنا اور صاف طور پر یہ فرمانا کہ بنی عبد مناف میں جو میرا داماد ہے اُس نے ہمیشہ اپنے قول کا ایفا کیا ہے مگر علیؓ نے باوجود اپنے عہد کے یہ کارروائی کی ہے کہ وہ ابوجہل دشمنِ اسلام کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر درحقیقت اُس کی مرضی ہے اور وہ اس پر تُلا ہوا ہے۔ تو وہ فوراً میری بیٹی فاطمہ کو طلاق دے دے۔ کیونکہ خاتم النبین کی بیٹی ایک کافر کی بیٹی کے ساتھ نہیں رہ سکتی آؤ اور دیکھو اتر اور دکھن کے رہنے والو وہ جو مادرزاد اندھے ہیں اور سنیں وہ جو پیٹ کے بہرے ہیں کہ آیا صدیق اکبر اور علی ابن ابی طالب میں کوئی بھی نسبت ہو سکتی ہے مخالف اپنا گھٹنوں تک زور لگا دیں گے تب بھی وہ ایسا کوئی خفیف سا موقعہ بھی جس سے ابوبکر کی طرف سے حضور انور ﷺ کی خفیف سی بھی دل آزاری ہو ثابت نہ کر سکیں گے۔ شیعی علماء کی کتابیں چھپی ہوئی نہیں ہیں اور نہ مثل آریوں کے دیدوں کے ناپید ہیں ہزاروں لاکھوں چھپتی ہیں اور اشاعت

پاجاتی ہیں دنیا کے مذاہب میں سے کسی مذہبی عالم یا کسی آزاد خیال مصنف نے آیا تھوڑی دیر کے لیے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ابوبکرؓ محمد عربی رسول اللہ کے دشمن تھے۔ اِس سے معلوم ہو گیا کہ صداقت نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور کذب، بہتان، افترا اور ناروا نکتہ چینیوں کا بالخصوص ان معاملات میں کھوج تک مارا گیا ہے دیکھو جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات ان سب مصیبتوں سے کہیں بڑھ کر تھی جس سے ایمان میں زلزلہ آ جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ بعض عرب مرتد ہو گئے اور فاروق اعظم جو اپنے یقین اور ایمان میں ابوبکر کے بعد سب صحابہؓ سے پختہ تھے۔ ایسے مضطرب ہوئے کہ اُن کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا جو کوئی کہے گا کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اُس کی گرد اُڑا دوں گا۔ اس پر بھی ابوبکرؓ کی ثابت قدمی دیکھنے کے قابل ہے۔ صدیقؓ نے اِس مصیبتِ عظمی کا مقابلہ نہایت صبر اور استقلال سے کیا اور علی الاعلان اس جم غفیر میں جو حضور انور ﷺ کی وفات سے افسردہ ہو رہا تھا یہ کہا تم میں سے جو شخص محمد کی عبادت کرتا ہو تو وہ کان کھول کر سن لے کہ محمد ﷺ تو مر چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اِس بات کو سمجھ لے کہ اللہ بے شک زندہ اور توانا ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا. (آلِ عمران:۱۴۴)

ہم اپنے سلسلہ بیان میں غالباً پہلے بھی اِس سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضور انور کا وصال باری تعالے ہوا تو ابوبکر سنخ میں تھے فاروق اعظمؓ نے کھڑے ہو کے سب کے سامنے یہ کہا قسم ہے خدا کی رسولِ خدا مرے نہیں ہیں۔ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ کی وفات ہو گئی تو اب اللہ آپ کو اُٹھائے گا اور آپ کہنے والوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے کہ اتنے میں ابوبکرؓ بھی آ گئے۔ وہ اس جماعت کثیرہ کو چیرتے ہوئے سیدھے حضور انور ﷺ کے حجرے میں داخل ہوئے۔ آپ کے مقدس چہرے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ صدیق اکبر نے اُس چادر کو آہستگی میں منور چہرے سے سرکایا اور تاباں پیشانی پر بوسہ دیکر یہ کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اچھے ہیں قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو دو

موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا. اِسکے بعد آپ نے حضورانور ﷺ کا منور چہرہ اُسی چادر سے ڈھانک دیا اور حجرے کے باہر آئے اور فاروق کی طرف خطاب کر کے کہا اے قسم کھانے والے ذرا صبر کرو. صدیق کے اتنا کہتے ہی فاروق بیٹھ گئے صدیق نے پہلے تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر یہ کہا کہ یاد رکھو جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو محمد کی تو اب بے شک وفات ہوگئی اور جو اللہ جل شانہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ بے شک زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اور پھر مذکورہ آیت پڑھی. صدیق اکبر کی یہ گفتگو سنتے ہی سب آدمی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے (یہ حدیث صحیح بخاری نے روایت کی ہے) پھر صحیح بخاری نے انس سے روایت کیا ہے کہ حضورانور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دوسرے روز فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی میں آکے اور منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ پڑھا (انس کہتے ہیں کہ وہ خطبہ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا) اُس وقت ابوبکر صدیق خاموش بیٹھے ہوئے تھے فاروق نے یہ کہا کہ واقعی میرا یہ خیال تھا کہ رسول اللہ بھی ایک عرصہ تک حیات رہیں گے. یہاں تک کہ جب ہم سب مرجائیں گے اس وقت حضورانور ﷺ کی وفات ہوگی پس اگر حضورانور کی وفات ہوگئی ہے تو اللہ تعالے نے تمہارے سامنے ایک نور قائم کر دیا ہے جس کے ذریعہ سے تم ہدایت پر آسکتے ہو اور اُسی کے ذریعہ سے اللہ نے حضور کو بھی ہدایت دی تھی. (یعنی قرآن مجید) اُس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورانور کے غار کے ساتھی ہیں اور یہ مسلمانوں کے ہر کام میں سب اولی ہیں لہٰذا تم اُٹھو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلو. چنانچہ یہ سنتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ان کے علاوہ کثیر تعداد بنی سباعدہ کے سقیفہ میں سے آپ سے بیعت ہو چکے تھے اور باقی بیعت اب اِس عام منبر پر ہوئی۔

اِس کے علاوہ وہ جنگ بدر کا قصہ قریش میں اور ساتھ ہی جنگ حدیبیہ اُن کی طمانیت اور پختہ دلی میں ایسا مشہور ہے کہ اُن کی وجہ سے بھی آپ کو سب صحابہ پر فوقیت ہے۔ پھر یہ کہ کیونکہ ممکن ہوسکتا ہے. کہ آپ کو گھبراہٹ اور بے صبری کی طرف نسبت دی جائے. یہ تو یہ مرتدین سے جنگ کرنے کے لیے یک لخت تیار ہوجانا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا سے لڑائی پر آمادہ ہوجانا اور باوجود اُسامہ کے لشکر کو اہتمام کے ساتھ روانہ کردینے کے مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا اِس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اطمینان اور یقین صدیق سب صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے. کہتے ہیں کسی شخص نے صدیق سے کہا تھا کہ

درحقیقت جو حوادث آپ پر بڑے ہیں اگر وہ کسی پہاڑ پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا اور اگر کسی دریا پر پڑتے تو وہ بالکل خشک ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر اُن کا کچھ اثر نہیں ہوا. آپ نے فرمایا کہ غار کی شب کے بعد سے میرے دل میں کبھی کسی بات کا خوف نہیں آیا. غار کا ذکر ہے کہ جب نبی ﷺ نے مجھے رنج کرتے ہوئے دیکھا تو یہ فرمایا. اے ابوبکر کچھ فکر نہ کرو. کیونکہ ہمارے اِس کام کو پورا کرنے کا خود اللہ کفیل اور ذمہ دار ہو چکا ہے۔

دوسرا جواب: جو شخص ابوبکر کے یقین اور صبر کو کسی صحابی سے تشبیہ دے خواہ عمر سے خواہ عثمان سے خواہ علی سے تو یہ اُسکی جہالت کی دلیل ہے۔ کوئی مسلمان اس امر میں کہ ابوبکرؓ عمر و عثمان و علی سے افضل ہیں کبھی نزاع نہ کریگا۔ یہ بات ایسی ظاہر و باہر ہے کہ اُسکے لیے چنداں دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے. مگر شیعی علماء کا یہ دعوے جو اُنہوں نے کیا تھا کہ ان صفات میں خلفاء ثلاثہ سے حضرت علی اکمل تھے بالکل بہتان جھوٹ اور اتہام ہے. کیونکہ جو شخص عمر اور عثمان کے احوال میں غور و تدبر کرے تو اُسے ضرور معلوم ہو جائے کہ صبر کرنے، ثابت قدم رہنے اور مصیبتوں کے وقت کم بلکہ بہت کم گھبرانے میں علی سے یہ دونوں بے شک اکمل ہیں جسکی صریح دلیل یہ ہے کہ جب عثمان غنی پر مصری باغیوں نے حملہ کیا اور مدینہ میں فوج نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایسے چیرہ دست ہوئے کہ آپ کو تخت سے اُتار دیا اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ آپ کے قتل کی تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو قتل بھی کر دیا لیکن شیر دل عثمان نے اپنے آدمیوں کو منع کر دیا تھا کہ خبردار باغیوں کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھانا۔ اِسکا مفصل ذکر ہم اپنے گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں۔ کیا یہ مصائب پر اعلی درجہ صبر کرنا نہیں ہے۔ کیا اِس سے اسلام کی سچی محبت نہیں پائی جاتی کہ مسلمانوں میں خونریزی ہونے سے اپنا قتل ہونا بہتر جانا اور اپنی گردن دے دی۔ کیا غیر معمولی استقلال کا یہ زندہ نمونہ نہیں ہے؟

اب آپ انصاف سے غور کریں کہ عثمان کے صبر اور تحمل کے مقابلہ میں علی کا صبر و تحمل کیا اور کہاں تک تھا۔ مقابلہ کرنے کے بعد علی کے صبر و تحمل کا درجہ ایک صفر سے زیادہ نہیں ہوتا علی کا بے صبری سے اپنے لشکر کو کوسنا اور لشکر کا علی سے بے دل ہونا یہ باتیں مثل مشاہدات کے ہیں اور ان ہی میں علی کے صبر و تحمل کا راز چھپا ہوا ہے. اِسکے علاوہ وہ صحابہ ثلاثہ نے ان لوگوں سے مقابلہ کیا جو مسلمان نہ تھے

اور علی نے اِن لوگوں سے جنگ کی جو مسلمان تھے. پھر یہ بات بھی زیادہ توجہ کرنے کے قابل ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے لشکروں کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی۔ یعنی فیصدی دس کی نسبت یہ مشکل ہوسکتی ہے۔ لیکن علی کے لشکر کی تعداد مخالفوق کے لشکر سے کہیں زحیادہ تھی اس پر بھی سابق الذکر فتح پر فتح پاتے ہرے مگر آخر الذکر کو سواء شکستوں کے کچھ حاصل نہیں ہوا. پھر جنگ کی نوعیت بھی دوسری تھی. ابوبکر وعمر عثمان نے مخالفین سے اسلام کے خاطر جنگ کی کہ اسلام اُس زمانہ کے نصرانیوں اور زرتشنیوں سے محفوظ اور اُس کے وقار میں کچھ فرق نہ آئے مگر نے اپنی ذاتی غرض یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیے جنگ کی۔ لہٰذا جنگ کا جو خوف کہ کہیں اسلام مغلوب نہ ہوجائے. خلفاء ثلاثہ کو فطرتاً تھا وہ علی کو ہرگز نہ تھا۔ وہ اصل میں امیر معاویہ کے ساتھ ایک بازی کھیل رہے تھے جانتے تھے کہ اگر میدان لے لیا تو خود مختار بادشاہ بن جائیں گے اور جو میدان ہاتھ سے نکل گیا تو بھی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جاتی. امیر معاویہ جیسا ایک فیاض حکمران بیش قرار مشاہرہ کردے گا بس آرام سے زندگی گزر جائے گی۔ چنانچہ حسن بن علی کی اخیر یہی کیفیت ہوئی کہ اُنہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن امیر معاویہ کا پنشنر بن کے گزاری۔

پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ قرآن مجید کی آیت ابوبکر کی کم ہمتی، بے صبری اللہ پر بھروسہ نہ رکھنے، اللہ کے قضا وقدر اور اپنے نبی کے ساتھ رہنے سے خوش نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے آیت میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتی ہو۔ دیکھئے اِس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ کسی چیز سے منع کرنا اُسکے وقوع پر دلالت نہیں کیا کرتا کہ یہ چیز ممنوع ہے آئندہ اسکا وقوع نہ ہو مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ ٱتَّقِ ٱللَّهَ وَلَا تُطِعِ ٱلْكَـٰفِرِينَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ. (الاحزاب:۱) یعنی اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافرین ومنافقین کی تابعداری نہ کرو تو یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ اُن کی تابعداری کیا کرتے تھے. اسی طرح دوسری آیت یہ ہے وَلَا تَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ. یعنی اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ پکارو۔ اِس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضور انور دوسرا معبود پکارتے تھے کیونکہ حضور انور کی ذاتِ اقدس شرک کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہی آپ شرک سے بیشک معصوم تھے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ لَا تَحْزَنْ فرمانا اس پر دلالت

نہیں کرتا صدیق غم کرنے لگے تھے لیکن عقل باور کرسکتی ہے کہ شاید رنج ہو تو اِس سے منع ہی نہیں کیا بلکہ دلاسہ دے دیا کہ رنج کا وہم وگمان بھی دل میں نہ آئے. دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر بیشک رنجیدہ ہوئے تھے تو اس کے تسلیم کر لینے میں چارہ نہیں ہونے کا آپ کا یہ رنجیدہ ہونا صرف حضور انور رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا کہ کہیں حضور انور پر کچھ آنچ نہ آ جائے اور اسلام کا خاتمہ ہو جائے. اِس کی مفصل بحث ابھی گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ صدیق کی تو یہ مرضی تھی کہ اپنے آقا پر جان قربان کر دوں اِسی لیے ہجرت کے سفر میں کبھی حضور انور کے آگے آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے پیچھے اس پر حضور انور نے دریافت کیا ابوبکر اس طرح کیوں چلتے ہو. عرض کا یا نبی اللہ جب گھاتیوں کا خیال ہوتا ہے تو میں آگے ہو جاتا ہوں اور جب دوڑ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ یہ روایت امام احمد نے کتاب مناقب الصحابہ میں نقل کی ہے. اِس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ابوبکر حضور انور ﷺ کو اپنے مال اور اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے اور آپ اُس بارے میں سب مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. یعنی نبی مسلمانوں میں اُن کی جانوں سے اولیٰ ہیں۔ صحیحین میں اُنس سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تھا۔ **لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین** . یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا. جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے بیٹے اور باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں. غور کرو اور سمجھو کہ ابوبکر کا حضور انور پر رنج کرنا اِس امر کی صریح دلیل ہے کہ اُنہیں آپ سے انتہاء درجہ محبت تھی. وہ آپ کے اعلیٰ درجہ کے فدائی. آپ کی حفاظت کرنے والے اور آپ کو قسم قسم کی تکلیفوں سے بچانے والے تھے. اور یہ اعلےٰ درجہ کے ایمان کی نشانی ہے اور اگر باوجود اسکے بھی اس رنج کرنے سے ابوبکر میں کوئی بُرائی پیدا ہو گئی تھی۔ تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ان صفات کے ساتھ متصف ہونے کا رنج نہ ہونے پر حکم ہے کیونکہ محض رنج کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اس پر کسی انسان کی بُرائی کی جائے. کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر رنج کرنا ہر انسان کے لیے اپنی اولاد پر رنج کرنے سے بھی زیادہ بڑھ کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد سے

زیادہ رسول اللہ سے محبت کرے. یعقوب کا قصہ تم نے پڑھا ہے کہ اُنہیں اپنے بیٹے یوسف پر رنج ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وَقَالَ يَآ اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (یوسف:۸۶) یعنی اور کہنے لگے اے افسوس یوسف پر، اسکی آنکھیں روتے روتے سفید ہوگئی تھیں۔ پس وہ غم سے بھرا ہوا تھا. (اُس کے بیٹے) کہنے لگے اللہ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد کیا کرے گا یہاں تک کہ تو بیمار ہو جائے یا ہلاک. یعقوب نے کہا میں تو اپنے رنج وبیقراری کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے. مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ یعقوب نبی کریم ہیں جنہوں نے بیٹے پر اس قدر رنج کیا. تعجب ہے کہ ایسے شدید رنج کرنے میں اُن کی برائی کیو نہ کی گئی. اور ابوبکرؓ کی بُرائی کیوں کی جاتی ہے کہ جب اُنہوں نے اِس اندیشہ کی وجہ سے رنج کیا کہ کہیں کوئی قریشی مشرک حضور انور کو قتل نہ کر دے حالانکہ دنیا وآخرت کی سعادت کا دارومدار اسی پر ہے. ادھر تو شیعی علماء ابوبکر کے حزن وملال پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اُنہیں نہ خدا پر بھروسہ تھا او نہ قضا وقدر پر ایمان۔ ادھر آدم سے لیکر آخر الزماں نبی تک سب کے رونے، زاری کرنے اور ماتم کرنے کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب ماتم کرتے اور روتے پیٹتے رہے. یہ بھی کہتے ہیں کہ فاطمۃ الزہرا اپنے والد کے غم میں اس قدر روئیں اور اُنہوں نے اتنا رجن کیا کہ وہ چند مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں اس پر بھی زہرا کی اِس رنج وغم اور اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف نالہ وبکار کو کوئی برائی تصور نہیں کرتے باوجود یہ کہ رنج کرنا محض خدا کے ایک فعل پر تھا اور اُسکی مرضی کے مقابلہ کرنے اور اُس پر صبر نہ کرنے کی وجہ سے تھا اور ساتھ ہی اُس واقعہ پر تھا جو گزر چکا تھا اور واپس آنے والا نہ تھا۔ حالانکہ ابوبکر کا رنج خود حضور انور ﷺ کی زندگی میں آپ کے قتل ہو جانے کے ڈر سے تھا اور یہ ایسا رنج ہے جس سے آئندہ بہتری ہونے کی امید ہوتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوگئی ہے. تو صدیق کو اتنا رنج نہ ہوا تھا کیونکہ اس موقع پر رنج کرنا محض بے سود اور وقت کا ضائع کرنا تھا. جسے کامل انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے. خلاصہ یہ کہ صدیق کا رنج فاطمہ کے رنج سے بلا شک اکمل تھا پس اگر صدیق کے رنج

کرنے پر اُنہیں بُرا کہا جائے تو فاطمہ کو ویسے ہی بدرجہ اولی کہا جائے گا۔ ورنہ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے آپ پر رنج کیا اُن کا رنج کرنا اُس رنج سے جو صدیق نے آپ کی جان کی حفاظت کے لیے آپ کی زندگی میں کیا تھا سچی محبت اور بے ریا عشق سے مملو تھا۔ یا چاہے سوائے تعریف کے انکی بُرائی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ رنج کرنا ان کی فضیلت میں داخل ہے۔ اب اگر شیعی اصحاب یہ کہیں کہ صدیق کا رنج کرنا اپنی جان کے لیے تھا نہ رسول اللہ کے واسطے تو یہ آپ ہی لوگوں کے قول کے قول کے مناقض ہے۔ تم کہتے ہو کہ ابوبکر رسول اللہ کا دشمن تھا اور رسول اللہ نے ابوبکر کو اپنے ہمراہ اس لیے لے لیا تھا کہ کہیں دشمنوں پر ہمارے جانے کا راز نہ کھول دے اگر ابوبکر حضور انور کے دشمن اور کفار سے ملے ہوئے تھے تو پھر اپنی جان کا رنج انہیں کیوں ہوا۔

تیسرا جواب: جو برتاؤ ابوبکر کا اپنے نبی کے ساتھ حضور انور ﷺ کے وصال تک تواتر سے ثابت ہو چکا ہے اُس سے بھی یہ باطل اور غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب دوسرا پہلو لو اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر کو اپنا بھی رنج تھا اور نبی کا بھی تو کیا اس پر وہ بُرا کہے جانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ بلکہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اُنہیں اِسی خوف کی وجہ سے غم ہوا تھا کہ کہیں میرا دشمن مجھے قتل نہ کر دے تو اس سے بھی حضور انور ﷺ کی ایک محبت پائی جاتی ہے کہ آپ حضور انور ﷺ کی پوری خدمت کرنا چاہتے تھے اور آپ جانتے تھے کہ ایسی نازک حالت میں حضور کا تنہا رہ جانا حضور کی کتنی پریشانی کا باعث ہوگا۔ اس انتہائے عشق پر ابوبکرؓ کی تعریف کی جائے یا بُرائی، بُرائی بھی اتنی کہ اُسکا درجہ سب وشتم تک پہنچا دیا جائے۔

چوتھا جواب: اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ گناہ تھا ابوبکر سے اس پر صبر نہ ہو سکا یعنی وہ رنج سے باز نہ آئے اور اس گناہ سے پہلو نہ بچا سکے بلکہ جب حضور انور ﷺ نے منع فرمایا اُس وقت رُکے۔ اِسکا جواب قرآن مجید میں موجود ہے جہاں اللہ تعالے نے بہت سے امور میں اپنے نبیوں کو منع کیا ہے اور منع کرنے کے بعد وہ اُن سے رُک گئے ہیں اور منع کرنے سے پہلے جو کچھ وہ کر چکے تھے اُس پر یعنی اُسکے کرنے پر اُنہیں بُرا نہیں کہا گیا۔ اسکے علاوہ جو آہ وزاری نالہ وبکا یا رونا پیٹنا فدک کی میراث نہ ملنے پر شیعی علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اِس سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سارا غم والم محض

دنیا کے مال پر تھا۔ جسکی نسبت اللہ تعالےٰ منع فرماتا ہے وہ آیت یہ ہے۔ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ۔ (الحدید: ۲۳) یعنی تا کہ تم اُس پر افسوس نہ کرو جو تم سے جاتا رہے نہ اُس چیز سے اتراؤ جو تمہیں اللہ دے۔ اِس آیت میں اللہ کی طرف سے یہ ہدایت موجود ہے کہ اگر کوئی تمہاری چیز جاتی رہے تو اُس پر افسوس نہ کرو اور اگر کوئی نعمت تمہیں حاصل ہو جائے تو اُس پر اترانا یا غرور کرنا محض لغو اور بے سود ہے مگر جب ہم فدک کے معاملے میں حضرت علی اور فاطمہؓ کی حالت جو شیعی علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے دیکھتے ہیں تعجب ہوتا ہے کہ کیا اُنہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں دیکھی تھی کہ فدک کے نکل جانے پر انہوں نے یہ افسوس کیا اور افسوس بھی وہ جسکی حد ماتم پر جا کے ختم ہوتی ہے۔ اِسکے علاوہ دنیا پر رنج کرنے سے دین پر رنج کرنا بہتر ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوبکر کو رنج ہوا تھا تو وہ رنج اُن کا دین کی وجہ سے تھا ایسا نہ ہو کہ حضور انور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کوئی زد آئے اور اسلام کا خاتمہ ہو جائے اور اگر یہ بھی تسلیم نہ کریں اور یہ کہیں کہ نہیں انہیں صرف اپنی جان کا رنج تھا کہ کہیں جان نہ جاتی رہے تو بھی جو شخص اپنے قتل ہونے کا رنج کرے وہ اِس رنج سے بدرجہا بہتر ہے جو اپنے مال کے ضائع ہونے کا کرے پہلا شخص اِس دوسرے شخص سے بدرجہ اولیٰ معذور سمجھا جائے گا۔ یہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ ہمارے شیعی علماء اپنے خیال میں جس شخص کے محامد و مناقب بیان کرتے ہیں وہ محامد و مناقب غور کرنے کے بعد اُسکے بدتر عیوب ثابت ہوتے ہیں اور جن امور کی وہ برائی کرتے ہیں اور اپنے مخالف پر اُن اُمور سے حملہ کرتے ہیں در حقیقت اِس کے لیے محامد و مناقب بن جاتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ببیں کرامت بتخانہ مرا اے شیخ — کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ آیت ابوبکر کی بے صبری پر دلالت کرتی ہے محض غلط اور بالکل غلط ہے کیونکہ جس صبر کا حکم ہے اور جسکو مامور بہ کہا جاتا ہے اِسے نہ ہونے کی اِس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ مصیبتوں پر صبر کرنے کا حکم قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور باوجود اس ثابت ہونے کے کسی بات پر دل ہی دل میں رنج کرنا اِسکے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور انور کا ارشاد ہے اِن اللہ لا یو اخذ علی دمع الاعین ولا حزن القلب ولکن یواخذ علی ھذا او یرحم۔ یعنی آنکھوں

سے آنسو بہانے اور دل ہی دل میں رنج کرنے پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا بلکہ وہ زبان (سے بیانات وغیرہ کر کے رونے) پر مواخذہ کرتا ہے یا رحم فرما دیتا ہے۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ آیت ابوبکر کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے محض بہتان ہے کیونکہ انبیاء نے بہتیرے رنج کئے ہیں لیکن اُن رنجوں سے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس رنج سے انبیاء کو اللہ پر یقین نہیں تھا جیسا اللہ نے یعقوب کے حال کا ذکر کیا وہ آیت اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہوسکتی کہ انہیں اللہ پر یقین نہیں تھا۔ نہ اِس یقین کرنے پر وہ دلالت کرتی ہے اور نہ کوئی اُسے اُسکی دلیل کہتا ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم فوت ہوئے تو آپ نے یہ فرمایا تھا۔ **تدمع العین ویحزن القلب ولانقول الا مایرضی الرب وانابک یا ابراھیم لمحزون** یعنی اے ابراہیم ہم تیری وجہ سے بہت ہی رنجیدہ ہیں آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور دل غم کرتا ہے۔ لیکن ہم سوائے اِسکے کچھ نہیں کہتے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو رنج کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ ابوبکر کی بزدلی اور قضا وقدر پر نارضامندی کو دلیل ہے، نا قابل تسلیم ہے اور جسکا غلط ہونا بدیہی ہے اور جس کی نظیریں پہلے گزر چکی ہیں۔ پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ اگر رنج کرنا اطاعت تھا تو پیغمبر خدا اِس سے کیوں منع کرتے کیونکہ نبی اطاعت سے نہیں منع کرتے بلکہ اور اُسکی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ (پھر بقول شیعی علماء) اگر وہ معصیت تھا تو جسے تم فضیلت کہتے ہو وہ رذیلت ہوئی۔ فقط۔

پہلا جواب: یہ دعویٰ تو کوئی نہیں کرتا کہ محض رنج کرنا ہی فضیلت ہے۔ فضیلت تو وہ ہے کہ ابوبکر نے حضور انور ﷺ کے ساتھ اپنا وطن چھوڑ دیا اور آپ کی بابرکت صحبت کو سب باتوں پر فضیلت دی اور ہر طرح سے کمال صحبت حاصل کیا حالانکہ قرآن مجید اس پر دلالت نہیں کرتا کہ انہیں کسی قسم کا رنج لاحق ہوا تھا۔

دوسرا جواب: یہی الفاظ جن سے ابوبکر نے خطاب کیا ہے بعینہ ذیل کی آیت میں بھی ملیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے خطاب کیا وہ آیت یہ ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ پھر فرماتا ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ بلکہ اس آیت کا

بھی جس میں اللہ نے موسیٰ سے خطاب کیا تھا یہی مطلب ہے. خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُ هَا سِيْرَ تَهَا الْاُ وْلىٰ. اس اخیر آیت میں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر موسیٰ کا یہ خوف طاعت تھا تو اللہ نے اس طاعت سے کیوں منع کیا اور اگر معصیت تھا تو موسیٰ نے رذیل کام کیا اِسکا جواب بھی یہی ہے کہ یہاں اللہ نے اُنہیں اطمینان رکھنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے. کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کبھی کوئی باعث امن نہیں ہوتا تو وہاں انسان کے دل میں بے اختیار خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جس وقت وہاں کوئی باعثِ امن ہو جاتا ہے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے. پس موسیٰ سے اللہ کا یہ فرمانا کہ تم خوف نہ کرو ہم اس لاٹھی کو پہلے ہی جیسی کر دیں گے ایک ایسی خبر کا امر ہے جو ان کے اِس خوف کو زائل کرتی ہے. اسی طرح حضور انور کا اپنے صدیق سے یہ فرمانا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ایک رنج سے منع کرتا ہے جو اسکے باعث زوال یعنی اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے ساتھ مقرون ہے اسی مضمون کی اِسکے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں.

تیسرا جواب: حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کرنے میں کہ رنج نہ کرو، کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس رنج کے موجود ہونے پر دلالت کرے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی چیز کا مقتضیٰ یعنی سبب موجود ہو تو اِس سے اس لئے منع کر دیتے ہیں تا کہ وہ چیز وجود میں نہ آئے اور اس صورت میں اِس رنج کا معصیت ہونا ہمیں کچھ مضر نہ ہوگا۔ اگر چہ وہ وجود میں بھی آ جائے کیونکہ منع کرنا کبھی تسلی طبع اور اطمینان قلب کے لیے بھی ہوتا ہے. یہی وجہ ہے کہ کبھی آدمی کو محبت میں افراط کرنے سے منع کیا کرتے ہیں اگر چہ محبت بے اختیاری امر ہے. علیٰ ہٰذا القیاس بے ہوش ہونے، گر پڑنے اور بے صبری کرنے سے بھی منع کیا جاتا ہے حالانکہ یہ سب بے اختیاری امور ہیں. ان سے منع کرنا اس لیے نہیں ہوتا کہ ان میں معصیت ہے نہ ان کا سبب ممنوع ہوتا ہے. اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تمہاری اس تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ صدیق کو ایسی چیز سے منع کیا ہو جسکا ترک کرنا ممکن نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اِس سے یہ مراد ہے کہ انہیں ایسی چیزیں کا حکم دیا گیا تھا جو رنج کی ضد اور اُسکی منافی تھی اور وہ اُسے حاصل کر سکتے تھے. یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان ایک دفعہ رنج و خوف میں آ کے ڈھیلا سا ہو جاتا ہے مگر جب اِس رنج و خوف کا مقابلہ کرتا ہے اور اُسکے اثر کے خلاف مستعدی

دکھاتا ہے تو اُسکا دل بھی ٹھکانے آجاتا اور بدن میں بھی قوت عود کر آتی ہے. اِس صورت میں صدیق کو اِس رنج سے منع کرنا گویا ایسی چیز کا حکم ہے جو اِس رنج کو زائل کر دے اگر چہ وہ معصیت نہ ہو جیسا کہ انسان کو اپنے دشمن کے دفع کرنے اور نجاست دور کرنے کا حکم دیا جاتا ہے. خلاصہ مطلب یہ ہے کہ صدیق کے رنج کا سبب فقط طاعت ہی تھی۔ اور وہ اطاعت رسول کی محبت اور آپ کی خیر خواہی تھی.

چوتھا جواب: اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ رنج معصیت تھا تو صدیق نے اُسے حضور انور ﷺ کے منع فرمانے سے پہلے کیا تھا۔ اور جب حضور نے انہیں منع فرما دیا تو پھر اُنہیں رنج نہیں رہا. یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو کام اُسکے حرام ہونے سے پہلے کر لیا جائے تو اُس میں کوئی گناہ نہیں ہوتا. مثلاً شراب کی ممانعت ہونے سے پہلے لوگ برابر شراب پیتے تھے مگر جب منع کر دیا گیا تو وہ رُک گئے اور توبہ کر لی.

ابوبکر بن حزم نے لکھا ہے کہ ابوبکر کا رنج چونکہ رسول اللہ کے فرمانے سے پہلے تھا اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی انتہاء درجہ رضا مندی کا سبب تھا کیونکہ انہیں محض اسی وجہ سے رنج ہوا تھا کہ آپ حضور انور پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ اللہ ان کے ساتھ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا بلکہ اُن کے اور خلاف ہوتا ہے اور جب حضور انور نے اِس رنج کرنے سے منع کر دیا تو پھر صدیق کو اِسکا رنج اور فکر مطلق نہیں رہا. اگر صدیق کے رنج کو ہم کوئی عیب یا برائی خیال کریں گے تو پھر موسیٰ اور سرور کائنات کو بھی اِس عیب سے مملو پائیں گے. کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے پہلے ہی ارشاد کر دیا تھا. سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ یعنی عنقریب ہم تمہارا باز و تمہارے بھائی سے مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے اور وہ لوگ بہ سبب میری نشانیوں کے تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے تم اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے پھر ارشاد ہوا ہے. فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی. (طٰہٰ:۲۷،۲۸) یعنی پھر موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا ہم نے کہا ڈرو نہیں بیشک تم ہی غالب رہو گے. دیکھو یہ موسیٰ رسول اور کلیم اللہ ہیں جنہیں اللہ نے پہلے ہی یہ خبر کر دی تھی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور غالب تم ہی رہو گے۔ مگر ان

کے دل میں اس کے بعد بھی خوف پیدا ہو گیا موسیٰ کے اس خوف کرنے کی وجہ فقط یہی تھی کہ وہ اس وعدہ کو بھول گئے تھے جو ان سے پہلے ہو چکا تھا مگر صدیق کا رنج حضور انور کے منع کرنے سے پہلے تھا.

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اب خود حضور انور ﷺ کو لو. آپ کو بھی رنج کرنے سے اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ منع فرمایا پس حضور کے رنج کرنے پر شیعی علماء کو وہی اعتراض کرنا چاہیے جو اُنہوں نے صدیق پر کئے ہیں. ہاں یہ ہم جانتے ہیں اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ حضور انور ﷺ کا کفار کی باتوں اور کفر کی حالت پر رنج کرنا اللہ تعالیٰ کے منع کرنے سے پہلے تھا. اسی طرح حضور ﷺ کے منع کرنے کے بعد صدیق نے مطلق رنج نہیں کیا. پھر یہ اُن کی بُرائی میں کیونکر شامل ہو سکتا ہے. حالانکہ ممکن یہ بھی ہے کہ صدیق کو رنج اُس روز بھی نہ ہوا ہو لیکن حضور انور نے اِس لئے منع کر دیا کہ انھیں رنج ہوا ہی نہیں. جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے. وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا یعنی ان کفار میں سے تم کسی گنہگار یا کافر کی اطاعت نہ کرو حالانکہ حضور انور ﷺ تو ایسا پہلے ہی سے نہ کرتے تھے. باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول اللہ پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر ہوا ہے تو آپ کے ساتھ اللہ مومنین کو بھی شامل اور شریک کر دیا ہے. سوائے اس ایک موقع کے اور اس سے بڑھ کے اور کوئی نقص نہیں ہے.

پہلا جواب: اس اعترض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ اِس کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ سوائے ایک حنین کے قصہ کے اور کہیں اِس کا ذکر نہیں ہے چنانچہ فرمایا ہے. **وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ. ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا** .. (توبہ:۲۵،۲۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پشت پھیر کے بھاگ جانے کے بعد رسول پر اور مسلمانوں پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر کیا ہے اور اُس وقت رسول ان کے ساتھ نہ تھے.

دوسرا جواب: آیت فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ہے اس کی ضمیر میں علماء کا اختلاف ہے

بعض یہ کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر حضور انور ﷺ کی طرف پھرتی ہے کیونکہ زیادہ قریب ان ہی کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ اِن پر سکینہ نازل ہونے کی اُنھیں زیادہ ضرورت تھی جیسا کہ اللہ نے ان مسلمانوں پر نازل کی تھی جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور حضورِ انور کو اُس کی ایسی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کو اُس وقت پورا پورا اطمینان تھا. بخلاف حنین کے دن کی سکینہ کے. اس لئے کہ اُس وقت آپ کو بھی اس کی ضرورت ہوگئی تھی اس وجہ سے کہ لوگ بھاگ گئے تھے اور دشمن آپ ﷺ کی طرف بڑھ رہا تھا اور آپ نے بھی اپنے گھوڑے کی باگیں مقابلہ کے لئے اُٹھادی تھیں. لہٰذا پہلے قول کے مطابق یہ ضمیر حضور انور ﷺ کی طرف عائد ہوگی. جیسا کہ آیت وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا. میں بھی آپ ہی کی طرف عاید ہے.

تیسرا جواب: سیاقِ کلام بھی آپ ہی کے ذکر میں ہے اور آپ کے صاحب یعنی ساتھی کو ضمناً اور طبعاً ذکر ہے لیکن اِس صورت میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حضورِ انور ﷺ نے اپنے ساتھی سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور حضور ﷺ ہی متبوع اور مطاع تھے اور ابوبکر تابع و مطیع تھے اور یہی آپ کے ساتھی تھے۔ تو جب اس حالت میں متبوع کے لئے سکینہ اور تائید حاصل ہوئی تو یہی تابع ابوبکر کے لئے بھی ضرور ہوگی اور اُس کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی ملازمت اور مصاحبت ہی اس درجہ کی تھی کہ جو تائید میں انکی مشارکت یقیناً ثابت کرتی تھی بخلاف اُن لوگوں کے جو جنگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے اگر وہاں اتنا کہہ کر سکوت کر لیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر سکینہ نازل کی تو اِس کلام میں اُن لوگوں پر سکینہ نازل ہونے کی کوئی دلیل نہ ہوتی اسلئے کہ وہ بھاگ جانے کی سے رسول سے علیحدہ ہو گئے تھے انھیں وہ صحبت حاصل نہ رہی تھی جو ابوبکر صدیق کو حاصل تھی اور جب انھیں اِس کامل صحبت کے ساتھ موصوف کر دیا تو بطریق فحوائے کلام یہ اس امر کی دلیل ہوگئی کہ نصرت اور تائید کے وقت یہ ہے بے شک اُن کے ساتھ تھے. اس لئے کہ جو شخص شدید خوف کی حالت میں ساتھ ہو وہ نصرت اور تائید کی حالت میں ضرور ہی ساتھ ہوگا لہٰذا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اس حالت میں اُن کے ساتھ ہونے کا ذکر کیا جائے کیونکہ یہ کلام اور حال دونوں اس پر

دال ہیں اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اس حالت میں حضور کے ساتھی تھے، تو اس سے بھی یہ معلوم ہوگیا کہ جو سکینہ اور تائید نازل ہو کر رسول اللہ کو حاصل ہوا وہی اور لوگوں کی بہ نسبت صدیق کو بھی بدرجہ اولیٰ حاصل ہوا اور یہ قرآن شریف کی بلاغت اور حسنِ بیان ہے جو خوض وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے اِسی قسم کی ضمیر اللہ کے اِس قول میں موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہوا وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ یعنی اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اُسے راضی کریں اس آیت میں یرضوہ کی ضمیر واحد ہے اس کی کچھ تعیین یہاں نہیں ہے کہ کس کو راضی کریں اب اگر یہ ضمیر اللہ کی طرف عائد ہو تو اللہ کو راضی کرنا رسول کو راضی کیئے بغیر نہیں ہوسکتا اور اگر یہ رسول ﷺ کی طرف عائد ہو تو رسول کو بھی راضی کرنا اللہ کے راضی کیئے بغیر نہیں ہوسکتا اور جب دونوں کا راضی کرنا دوسرے کے راضی کیئے بغیر نہیں ہوسکتا اور دونوں کی رضامندی ایک چیز سے حاصل ہوسکتی ہے اور اوّل مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول ﷺ کا راضی کرنا تابع ہے۔ اسلئے یرضوہ میں ضمیر واحد کی لائی گئی اسی طرح ایک اور دوسری آیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ میں ضمیر واحد لائی گئی ہے اِس لئے کہ اس سکینہ کا اِن میں سے ایک پر نازل ہونا دوسرے پر نازل ہونے کے مستلزم ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ سکینہ صاحب پر نازل ہو اور مصحوب اُس سے محروم رہے، یا مصحوب پر نازل ہو اور صاحب پر نہ ہو، پس جب ایک پر نازل ہونا دوسرے پر نازل ہوئے بغیر نہیں ہوسکتا تھا تو ضمیر واحد کردی گئی اور اُس کا مرجع رسول کو رکھا ہے کیونکہ مقصود وہی ہے اور آپ کے ساتھی آپ کے تابع ہیں۔

دیکھو اگر تثنیہ کی ضمیر لائی جاتی اور یہ کہا جاتا کہ اللہ نے اور دونوں پر سکینہ نازل کی اور دونوں ہی کی مدد کی تو اِس سے یہ وہم ضرور ہوتا کہ ابوبکر نبوت میں شریک ہیں جو دونوں کو ایک درجے میں کر کے بیان کیا ہے کیونکہ اس طرح تثنیہ کے ساتھ موسیٰ اور ہارون کی بابت کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ وَ نَجْعَلُ لَکُمَا سُلْطَانًا الایت فقط

(ابوبکر صدیق اور اُن کے حق میں قرآن مجید کی ایک آیت) شیعی علماء فرماتے ہیں کہ آیت سیُجنبھا الاتقی۔ ابوبکر کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

وہ ابوالدحداح ہے جس نے ایک شخص کا باغ اپنے ایک ہمسایہ کے لئے خریدا تھا اور اُس کے

خریدنے کی ہے وجہ تھی کہ اُس باغ کے عوض جنت میں ایک باغ دینے کا رسول اللہ ﷺ نے اُس سے وعدہ کیا تھا ابوالدحداح کو جب اس کی خبر ہوئی اُس اپنے ایک باغ کے بدلے اُس باغ کو خرید لیا اور حضور کی مرضی کے موافق ایک ہمسایہ کے لئے اُسے ہبہ کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُسی وقت اُس کے عوض جنت میں اُس کے کئے ایک باغ کر دیا۔

جواب: اس کی بحث مختصر طور پر گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے مگر اب ہم ذرا توضیح کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں کیونکہ شیعی علماء اس اعتراض پر بہت بڑا فخر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب ہونا محال ہے. لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ جواب ذرا وضاحت سے دیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے. تمام مفسرین قرآن شریف کے معنی اور اسباب نزول جاننے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کی خصوصیت کسی صورت سے بھی ابوالدحداح کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور نہ ابو بکر صدیق اِس سے علیٰحدہ ہو سکتے ہیں اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور ابولدحداح کا قصّہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا ہے کیونکہ یہ انصار میں سے ہے اور انصار حضور ﷺ کی صحبت سے مدینہ ہی میں فیضیاب ہوئے دوسرے یہ کہ باغ وغیرہ مدینے ہی میں تھے مکہ میں کوئی باغ نہ تھا لہٰذا یہ کسی طرح نہیں بن سکتا کہ یہ آیت ابولداح کے قصے کے بعد نازل ہوئی ہو. ہاں بعض علماء ایسے ہیں جنھوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ابوالدحدا کے حق میں نازل ہوئی ہے اِس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ ابولدحداح بھی اِس آیت کے حکم میں داخل ہے اور اُس کا عموم اور حکم بھی شامل ہے کیونکہ اکثر صحابہ اور تابعین یہ کہا کرتے ہیں کہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اِس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ یہ آیت اس حکم پر دلالت کرتی ہے اور اُس کو شامل ہے اور اِس سے یہی حکم مراد ہے. بعض علماء کا یہ قول کہ کبھی کبھی ایک آیت دو دفعہ بھی نازل ہو جاتی ہے ایک دفعہ ایک سبب کے لئے اور دوسری دفعہ دوسرے سبب کے لئے. پس اس قول کے موافق ممکن ہے کہ ابوالدحداح کے قصہ میں یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہو اور ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہو چکی ہو بہت سے علماء اِس کے قائل ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی ہے چنانچہ ابن جریر

نے اسناد کے ساتھ عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو بکر ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم اور ثعلبی نے عبداللہ اور سعید بن میتب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو بکر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے۔ کہ ابو بکر نے ایسے سات آدمیوں کو آزاد کرایا ہے جن پر صرف اس جرم میں کہ وہ خدا کو ایک مانتے تھے ظلم توڑے جارہے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ بلال۔ عامر بن فہیرہ۔ سندیہ اور اُس کی بیٹی۔ زبیزہ۔ اُمِ عمیس اور بنی الموٗمل لونڈی۔

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ زبیزہ رومیہ لونڈی تھی جو بنی عبدالدار کے قبضہ میں تھی۔ جب یہ مسلمان ہوئی تو اتفاق سے اندھی ہو گئی اس پر اُس کے آقا نے اُسے یہ طعنہ دیا تو نے مسلمان ہونے کا مزا چکھا لات و عزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا، لونڈی نے کہا لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں ہے۔ ان میں اِتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی انسان میں اتنا تصرف کرسکیں کہ اُسے اندھا کر دیں۔ یہ سب خدا کے کام ہیں جسے چاہے اندھا کرے اور جسے چاہے بینا کرے۔ اندھی لونڈی اِس جواب دینے کے بعد خدا کی قدرت سے فوراً بینا ہو گئی۔ اس پر اُس کا آقا ناراض ہوا۔ اور اُسپر شدید ظلم توڑنے لگے جب بلال کو صدیق اکبر نے خریدا تو اس کے آقا نے اس سے یہ کہا ابو بکر اگر تم چالیس ہی درہم ہمیں دیتے تو ہم ضرور اسے بیچ ڈالتے۔ صدیق نے اس پر یہ کہا کہ تم اگر ہزار درہم مانگتے تو بھی میں خوشی سے دیدیتا اُس وقت صدیق اکبر کے حق میں مذکور آیت اخیر سورت تک نازل ہوئی۔ یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صدیق اکبر جب مسلمان ہوئے تھے۔ تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جو انھوں نے اِسی طرح راہِ خدا میں صرف کر دیئے اِس آیت کے ابو بکر کے حق میں نازل ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے جیسا کہ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنقریب اِس سے ایک بڑا پرہیز گار بچا دیا جائیگا۔ پھر دوسری جگہ یہ فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ لہٰذا ضرور ہے کہ جو اُمت میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو وہی اِس آیت کے حکم میں داخل ہو۔ اور وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہو۔ اس بات کا آج تک کوئی قائل نہیں ہوا کہ ابوالدحداح سابقین اولین۔ مہاجرین یعنی ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ وغیرہ سے افضل ہے۔ بلکہ ساری امت خواہ وہ سنی ہو یا غیر سنی

اسپر متفق ہیں کہ یہ لوگ اور اُن کے مثال یعنی دوسرے مہاجرین بھی ابوالدحداح سے یقیناً افضل ہیں۔ اس کے علاوہ شیعی علماء تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوالدداح کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر جب اِس کے سبب نزول میں اختلاف ہوا تو اُس اختلاف سے دو مدعی ہو گئے ایک کہتا ہے کہ اس کے حق میں نازل ہوئی دوسرا کہتا ہے کہ ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی. ان دعووں میں وہی دعویٰ ٹھیک ہے جس کی قرآن شریف گواہی دے حالانکہ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں دونوں شامل ہیں تو ابولدحداح کی بہ نسبت ابوبکر اس میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں. جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں. صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس طرح مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا ہے ایسا کسی کے مال نے نفع نہیں پہنچایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور انور نے ابوبکر کے مال کے نفع کے مقابلہ میں ساری امت کے مال کی نفی کردی۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ درجے کے اُمور تو اس آیت کے حکم میں داخل ہوں اور وہ مال جو حضور انور ﷺ کیلئے سب مالوں سے زیادہ فائدے مند ہو وہ اُس میں داخل نہ ہو. دوسری دلیل یہ ہے کہ یقیناً جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہوگا وہی سب سے زیادہ افضل ہوگا. اس میں دو قول مشہور ہیں ایک قول اہل سنت والجماعت کا ہے کہ ساری خلقت سے افضل ابوبکر صدیق ہیں اور دوسرا قول شیعوں کا ہے کہ سب سے افضل علی ہیں. اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہی بڑا پرہیز گار ہے جو اللہ کے نزدیک ساری خلقت سے بزرگ ہو وہ ان دونوں کے سوائے کوئی اور ہوجائے اور ان میں ایک بھی ایسا نہ ہو جو بڑے پرہیز گاروں میں شمار ہو یہ ممکن نہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان میں سے ایک کا اس میں داخل ہونا ضروری ہے تو واجب ہے کہ اِس آیت کے حکم میں ابوبکر ہی داخل ہوں اور چند اسباب کی وجہ سے اُنھیں کا داخل ہونا علی کے داخل ہونے سے بدرجہ اولیٰ واجب ہے. اوّل تو یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بڑا پرہیز گار وہ ہے جو پاک ہونے کے لئے اپنا مال دیتا ہے اور صحاح وغیرہ میں متواتر حدیثوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اِس موقع پر ابوبکر ہی نے اپنا مال دیا تھا اور یہ اس بارے میں تمام صحابہ سے مقدم ہیں اس کے ثبوت میں نصوص صحیحہ صریحہ اور متواترہ پہلے کئی دفعہ مذکور ہو چکی ہیں جو اس امر پر صاف طور پر دال ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضامندی میں سب سے زیادہ ابوبکر نے مال خرچ کیا بخلاف علی کے کہ انھیں حضور ﷺ نے اپنے روپے سے پرورش کیا اور

وہ عرصہ دراز تک یعنی جب تک سیدہ فاطمہؓ سے اُن کی شادی نہ ہوگئی فقیر ہی رہے. اس پر سنی اور شیعوں دونوں کا اتفاق ہے. حضور انور ﷺ نے ان کی ہمیشہ پرورش کی ان کے پاس کچھ بھی خرچ کرنے کو نہ تھا ہاں اگر ان کے پاس ہوتا تو بیشک یہ بھی خرچ ضرور کرتے مگر مفلسی کی وجہ سے خود حضور انور ﷺ کے دست نگر تھے نہ کہ آپ ﷺ کی خدمت روپے سے کرسکتے. دوسرا سبب یہ ہے کہ اِس آیت سے اگلی آیت یعنی مَالاَ اَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِعۡمَۃٍ تُجۡزٰی . ابوبکر ہی کے حق میں ہے نہ کہ علی کے حق میں کیونکہ ابوبکر کے پاس حضور انور ﷺ کی طرف سے ایمان کی نعمت تھی یعنی یہ کہ حضور ﷺ کے ذریعہ سے اللہ نے اُنہیں ہدایت کردی تھی تو یہ گویا ابوبکر پر حضور انور ﷺ کا احسان تھا لیکن یہ ایسا احسان ہے تھا کہ مخلوق سے اس کا بدلہ نہیں دیا جاسکتا بلکہ اُس میں رسول ﷺ کا اجر اللہ پر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے. قُلۡ مآ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ پھر فرمایا. قُلۡ مَاسَئَلۡتُکُمۡ مِنۡ اَجۡرٍ فَھُوَ لَکُمۡ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلاَّ عَلَی اللّٰہِ . اب رہی وہ نعمت جس کا مخلوق کو بدلہ ملتا ہے وہ دنیاوی نعمت ہوتی ہے اور حضور انور ﷺ کی طرف سے ابوبکر کے پاس دنیاوی نعمت نہ تھی بلکہ دینی نعمت بخلاف علی کے کہ اُنھیں حضور انور ﷺ دنیاوی نعمت یعنی مال بھی دیتے تھے جس کا بدلہ ادا ہوسکتا تھا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ صدیق اور حضور انور ﷺ کے درمیان کوئی ایسا سبب نہ تھا جس کی وجہ سے وہ آپ سے محبت رکھتے تھے اور اپنا مال آپ ﷺ پر خرچ کرتے تھے سوائے ایمان کے انھوں نے حضور کی مدد اس طرح نہیں کی جس طرح ابوطالب نے کی تھی کیونکہ ابوطالب کو رسول اللہ سے قرابت داری کا تعلق تھا اور ابوبکر کا ہر کام محض لوجہ اللہ اور خالصۃً للہ تھا. چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے. اِلَّا ابۡتِغَاءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَ عۡلٰی وَلَسَوۡ فَ یَرۡضٰی .

اسی طرح خدیجۃ الکبریٰ حضور انور ﷺ کی بیوی تھیں اور بیوی اپنا مال اپنے شوہر پر خرچ کر دیا کرتی ہے خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو۔ اگر حضرت علی کی بابت یہ مان بھی لیا جائے کہ اُنھوں نے حضور انور ﷺ پر کچھ مال خرچ کیا تھا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ اُنھوں نے قرابت داری کی وجہ سے اپنے ایک قرابت دار پر خرچ کیا جیسا کہ سارا جہان کیا کرتا ہے. ابوطالب. خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی کے خرچ کرنے کے اسباب ایسے ہیں کہ بعض اوقات وہ فعل انھیں کی طرف منسوب اور

مضاف کر دیا جاتا ہے بخلاف ابو بکر کے خرچ کرنے کے کیونکہ اُن کے لئے سوائے اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کے اور کوئی سبب نہ تھا. لہٰذا مذکور آیت کا مصداق بننے کے وہ سب متقیوں سے زیادہ حقدار ہیں. چوتھا سبب یہ ہے کہ جب اس آیت میں یہ مان لیا گیا کہ اس میں اور صحابہ بھی داخل ہیں اور اُس کے حکم میں اور لوگ بھی شامل ہیں تو بھی اس میں داخل ہونے کے ابو بکر ساری اُمت سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اس امت کے اتقی یعنی پرہیز گار وہی ہیں. لہٰذا وہی سب سے افضل ہوئے اُس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے اتقی کی بہت سی صفات ایسی بیان فرمائی ہیں کہ ان میں ابو بکر ساری امت سے اکمل ہیں اور وہ صفات یہ ہیں جو اِن آیتوں میں مذکور ہیں اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی اب رہی ان صفات کی تحقیق. مال دینے کی بابت تو صحاح میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے کہ ابو بکر کا خرچ کرنا اور سب کے خرچ کرنے سے افضل ہے اور جو معاونت اُنھوں نے اپنی جان اور مال سے حضور انور ﷺ کی وہ سب کی معاونت سے اکمل ہے۔ باقی ایسی نعمت کا طلب کرنا جس کا بدلہ دیا جاتا ہو یعنی مال وغیرہ سو ابو بکر نے حضور انور ﷺ سے کبھی طلب نہیں کیا نہ کوئی دنیاوی حاجت چاہی بلکہ ابو بکر تو حضور انور ﷺ سے فقط علم کے خواستگار رہتے تھے۔ جیسا صحیحین میں ثابت ہے کہ اُنھوں نے حضور انور ﷺ سے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ایسی کوئی دعا یاد کرا دیجئے جو میں نماز میں پڑھا کروں تو حضور انور ﷺ نے یہ دعا یاد کرادی تھی.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم اسکے علاوہ ابو بکر کو خصوصیت کے ساتھ حضور ﷺ نے کبھی کچھ مال نہیں دیا بلکہ جب کبھی غنیمت کا مال آتا تھا تو مثل اور غازیوں کے ایک غازی یہ بھی شمار کر لئے جاتے تھے. جس قدر غازیوں میں ایک ایک کو ملتا تھا ایسا ہی ایک کے برابر انھیں بھی دیا جاتا تھا. ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور انور نے ابو بکر کا سارا مال لے لیا تھا، باقی ان کے سوا اکثر انصار اور بنی ہاشم کو کبھی کبھی اوروں سے زیادہ دے دیتے تھے. حضور انور ﷺ نے ایک مرتبہ خمس میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو اتنا دیا تھا کہ اوروں کو اتنا نہیں دیا. عمر فاروق کو آپ ﷺ نے حاکم کیا تو اُن کی تنخواہ اُنھیں دیدی لیکن ابو بکر کو ایسے عہدے کی کبھی تنخواہ نہیں ملی کیونکہ صدیق اکبر ایسی نعمت سے بہت دور رہتے تھے

جسکا بدلہ کیا جا سکتا ہو اور ایسی نعمت میں سب سے زیادہ قریب رہتے تھے جس کا بدلہ نہ ہوتا ہو اور وہ ایمان کی نعمت ہے. باقی اللہ کی خشنودی اور رضامندی چاہتے تھے. ابوبکر کا اخلاص ایسا ہے کہ اُس میں بھی یہ ساری اُمت سے اکمل ہیں اس سے خوب معلوم ہو گیا ہے کہ اِن مذکورہ صفات کی وجہ سے جو لوگ اِس کے تحت میں ہیں ان سب سے اکمل ابوبکر ہیں کیونکہ یہ ان صفات میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں جو اللہ نے اِن آیتوں میں مومنین کی بیان کی ہیں. لہٰذا وہی افضل الامت ہوئے. قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شیعی علماء فرماتے ہیں اِس سے اللہ تعالیٰ نے وہ آدمی مراد لئے ہیں جو جنگ حدیبیہ سے رہ گئے تھے اُنھوں نے خیبر کی غنیمت لینی چاہی تھی اُنھیں اللہ تعالیٰ نے قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا فرما کے اس غنیمت کے لینے سے منع فرما دیا کیونکہ خیبر کی غنیمت اللہ نے اُن ہی لوگوں کا حصہ ٹھہرایا تھا جو حدیبیہ کی جنگ میں شامل ہو چکے تھے. (پھر بقول شیعی علماء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ. یعنی رسول تم پیچھے رہے ہوئے اعراب سے کہدو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے. چنانچہ ان اعراب کو رسول اللہ نے بہت سے غزووں کی طرف بلایا۔ مثلاً موتہ، حنین، تبوک وغیرہ لہٰذا اِس آیت میں بلانے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے (بقول شیعی علماء) بلانے والے سے علی مراد ہوں. کیونکہ اُنھوں نے بھی ناکثین. قاسطین. اور مارقین سے بہت جنگ کی ہے اور پھر وہ لوگ مسلمان ہو کے آپ ﷺ کی اطاعت میں آ گئے تھے اُسکی دلیل یہ ہے بقول شیعی علماء رسول اللہ نے فرمایا تھا یا علی حربک حربی یعنی تم سے لڑنا، مجھ سے لڑنا ہے۔ اور رسول اللہ سے لڑنا کفر ہے.

جواب: اس آیت سے ابوبکر کی خلافت اور اُن کی اطاعت واجب ہونے پر علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا یہ منجملہ ان کے امام شافعی. اشعری ابن حزم وغیرہ بھی ہیں اُنھوں نے اس طرح حجت کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا (توبہ:۸۳) یہ یعنی پس (اے نبی ﷺ) اگر اللہ تمھیں اِن میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے (جہاد کے لئے) نکلنے کی اجازت

مانگیں تو کہہ دو تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کے کسی دشمن سے نہ لڑو. فقط

کہتے ہیں یہاں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اُن لوگوں سے یہ کہہ دیں. پس اس سے معلوم ہوا کہ انھیں لڑائی کی طرف بلانے والے رسول اللہ نہیں ہیں۔ واجب ہے کہ وہ بلانے والے وہ لوگ ہوں جو حضور انور ﷺ کے بعد ہوئے ہیں اور وہ سوائے ابوبکر کے اور کوئی نہیں ہے. اِن کے بعد عمر ہیں اور پھر عثمان جنھوں نے لوگوں کو روم اور فارس سے لڑنے کے لئے بلایا. باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ بلانے والوں سے مراد علی ہو سکتے ہیں نہ کہ وہ خلفاء جو اُن سے پہلے تھے کیونکہ انھوں نے ناکثین. قاسطین اور مارقین. یعنی اہلِ جمل. صفین. حروریہ اور خوارج سے بہت جنگ کی ہے اس کا جوب یہ ہے کہ یہ کئی وجہ سے یقیناً باطل اور غلط ہے. پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اہل جمل وغیرہ اپنے ہم جنسوں سے زیادہ جنگ جو اور قوی ہرگز نہ تھے. بلکہ ہر شخص اِس بات کو جانتا ہے کہ جمل کے دن اگر بفرضِ محال جو لوگ حضرت علی سے لڑے ہیں وہ یقیناً اُن کے لشکر سے بہت ہی کم تھے آپ کا لشکر اُن سے کئی حصے زیادہ تھا. اِسی طرح خوارج سے بھی آپ کی فوجیں کئی گنا زیادہ تھیں. علی ہذا القیاس اہل صفین سے بھی آپ کی فوجیں بہت زیادہ تھیں. لہٰذا ان کے وصف میں انھیں جنگ جو اور قوی کہنا ایسا نہیں ہو سکتا جسکے باعث انھیں اوروں سے امتیاز ہو جائے کیونکہ ان میں سچ مچ وصف ہی نہیں تھا اس کے علاوہ یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ بنی حنیفہ جن سے ابوبکر کی جنگ ہوئی ہے. پھر روم اور فارس جن سے عمر اور عثمان لڑے ہیں وہ لوگ اِن خوارج وغیرہ سے بہت جنگ جو اور قوی تھے باوجود اِس کے علی کے ساتھیوں کی خوارج سے ایسی خونی جنگ نہیں ہوئی جیسی ابوبکر کے لشکر کی مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے ہوئی ۔ باقی فارس اور روم کے بارے میں کسی عاقل کو بھی اس میں شک نہیں ہے کہ جو جنگ ان سے ہوئی وہ مسلمانوں کی اس لڑائی سے بہت ہی سخت تھی جو اُن کی آپس میں ہوئی تھی. اگر چہ عرب کے کفار سے آغازِ اسلام میں جنگ کرنا بیشک ایک بڑی چیز تسلیم کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت مسلمان بہت کم تھے اور ابتدائے اسلام ہونے کی وجہ سے کمزور تھے۔ نہ اس وجہ سے کمزور تھے نہ اس وجہ سے کہ ان کا دشمن فارس اور روم سے زیادہ جنگ جو اور قوی تھا اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے. بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم بے حقیقت تھے. یہ لوگ دعوتِ اسلام بھی کرتے اور ہم

جنس بھی تھے اِن میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں ایسے جنگ جو اور قوی نہ تھے جیسے عرب کے مسلمانوں کے مقابلے میں فارس اور روم والے تھے یہ لوگ مسلمانوں کو اپنے خیال میں بہت کمزور اور مثل اپنی رعیت کے سمجھتے تھے. اُن کو انتہاء درجہ کی حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہی ان کمزور مسلمانوں کی ایسی مدد نہ کرتا جیسی اُس نے پہلے اپنے رسول اور مسلمانوں کی تھی تو اُن کفار کے مقابلے میں اُنکے کبھی قدم نہ جمتے اور نہ وہ ملک فتح کر سکتے کیونکہ وہ تعداد، قوت، فنونِ حرب اور ہتھیاروں میں اُن سے ہر طرح زیادہ تھے لیکن اِس ایمانی قوت کی وجہ سے جو اللہ نے خاص مسلمانوں ہی کو عطا کی ہے اُن کے دل اُن سے بھی زیادہ قوی رہے. دوسری وجہ یہ ہے کہ علی نے اہل جمل اور خوارج سے لڑنے کے لیے بہت دور سے آدمیوں کو نہیں بلایا تھا جس کی وجہ سے اِس آیت کے مصداق ہو جائیں اور جب آپ بصرے پہنچے تو آپ کی نیت کسی سے بھی لڑنے کی نہ تھی جیسا کہ مشہور ہے (گرچہ ہم اِسکے قائل نہیں ہیں) آپ سے یہ جنگ بے اختیار ہو پڑی نہ آپ کو اسکا کچھ خیال تھا اور نہ طلحہ زبیر کو، اب رہے خوارج اُن کے لیے تو آپ کا تھوڑا ہی سا لشکر کافی تھا. اسی لیے آپ کو ضرورت نہیں پڑی کہ آپ حجازِ عرب میں سے لڑنے کیلئے کسی کو بلاتے. تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ علی کے ان اہل جمل وغیرہ سے جنگ کرنے میں علی کی اطاعت واجب تھی تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی اطاعت کا تو حکم دے جو مسلمانوں سے اُنہیں مطیع کرنے کے لیے جنگ کرے اور ایسے شخص کی اطاعت کا حکم نہ دے جو کفار سے محض اِس لیے جنگ کرے کہ وہ اللہ اور اُسکے دین پر غلبہ پائے یہ بات صاف ظاہر ہے جو شخص علیؓ کی اطاعت سے نکل گیا وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے سے اُس آدمی سے زیادہ دور نہیں ہے جس نے اللہ کے رسول اور قرآن مجید کی تکذیب کر دی ہو اور جو شریعت رسول لائے ہیں اُسکے کسی حکم کو تسلیم نہ کیا ہو، نہیں بلکہ یہ لوگ گناہ میں سب سے بڑھ کے ہیں اُنہیں اسلام کی طرف بلانا اور اُن کے انکار کرنے پر اُن سے لڑنا یقیناً افضل ہے یہ بھی اِس صورت میں ہے کہ جب ہم زبردستی اِس بات کو مان لیں کہ جو لوگ علی سے لڑے وہ کافر تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ مرتد تھے کافر نہ تھے جیسا کہ شیعی علماء کا فتویٰ ہے تو پھر اس میں شک نہیں کہ جو شخص لوگوں کو اِس بات پر آمادہ کرے کہ وہ محمد ﷺ کو چھوڑ کے اور رسول پر ایمان لے آئیں

جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو تھے تو وہ خود مرتد ہونے میں اِس سے بدرجہا بڑھ کے ہے جس نے رسول اللہ پر ایمان لا کے امام کی اطاعت کا اقرار نہ کیا. خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بُرائی اور خطا ان لوگوں کی بیان کی جائے جن سے علی لڑے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کے خطا اور برائی اُن لوگوں میں بھی ضرور ہے جو خلفاء ثلاثہ سے لڑے ہیں تو اِس سے بڑھ کے فضیلت اور ثواب اُن لوگوں کا بیان کیا جائے جو علیؑ کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں تو اِس سے بڑھ کے فضیلت اور ثواب اُن لوگوں میں بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو خلفاء ثلاثہ کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں مگر یہ یاد رکھئے کہ یہ بات اُس صورت میں ہے جب یہ فرض کر لیا جائے کہ جن سے علیؓ لڑے ہیں وہ کافر تھے مگر ہر شخص اِس بات کو جانتا ہے بلکہ بڑے بڑے شیعی علماء کا یہ قول نہیں ہے. ساتھ ہی اِس کے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ ساری بحث اُس وقت ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جنگ جو علی نے کی شریعت کے موافق اور مامور نہ تھی. لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہے نہ صرف علماء اسلام بلکہ خود صحابہ میں بھی اِس جنگ کے بارے میں ہمیشہ اختلاف رہا. آیا جنگ اِس قسم کی تھی باغیوں سے کی جاتی ہے جسکی شرط پائے جانے پر جنگ کرنی واجب ہو جاتی ہے یا ایسی نہیں تھی اِس وجہ سے کہ اِس میں ایسی کوئی شرط نہیں پائی گئی جو اُسکے جائز ہونے کی باعث ہوتی. وہ قول جس پر اکابر صحابہ اور اکابر تابعین ہیں یہ ہے کہ جمل اور صفین کی جنگ کسی طرح بھی مامور یعنی حکم خدا اور رسول کے موافق نہ تھی اور اُسکا ترک کر دینا اِس میں مبتلا ہونے سے افضل تھا. جمہور محدثین اور جمہور ائمہ فقہاء کا بھی یہ قول ہے. اِس میں امام ابوحنیفہ کا مذہب جو قدوری نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ باغیوں سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ جنگ کی ابتدا کریں تو جائز ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ اہل صفین نے علی سے جنگ کی ابتدا نہیں کی تھی اب بتائیے کہ اس فتویٰ کے مطابق علی پر کیا رائے قائم ہو سکتی ہے؟ مدینہ، شام اور بصرہ کے بڑے بڑے مشہور فقہا کا یہ مذہب ہے. اور مشہور فقہائے حدیث مثلاً امام مالک، ایوب، اوزاعی اور امام احمد وغیرہ سب یہی کہتے ہیں یہ جنگ مامور بہ نہ تھی اور اِسکا نہ کرنے سے بے شک بہتر تھا. یہی قول جمہور ائمہ سنت کا ہے. اِس کے علاوہ احادیث صریحہ صحیحہ اس پر دال ہیں.

اب رہی حروریہ، خوارج اور اہل نہروان کی جنگ تو یہ بے شک اِس سنت سے واجب تھی جو حضور انور ﷺ سے مستفیض ہے. اس پر تمام صحابہ اور علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے. صحیحین میں

اسامہ بن زید سے مروی ہے. وہ کہتے ہیں ایک دن مدینہ کے ایک ٹیلہ پر رسول اللہ ﷺ چڑھے کچھ صحابہ بھی ہمراہ تھے. رسول اللہ ﷺ نے اوپر چڑھ کر یہ دریافت فرمایا آیا تمہیں یہ نظر آتا ہے جو اس وقت مجھے نظر آ رہا ہے. اُنہوں نے عرض کیا نہیں. آپ نے فرمایا میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے موقعے اِس طرح ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش ہوا کرتی ہے.

سنن میں عبداللہ بن عمر بن عاص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا. عنقریب ایک ایسا فتنہ پھیلے گا جو سارے عرب کو تہ و بالا کر دے گا. اُسکے مقتول دوزخی ہوں گے. اِس میں بولنا تلوار کے کاٹنے سے بھی زیادہ سخت ہوگا. سنن میں ابو ہریرہ سے مروی ہے ایک دن رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا عنقریب ایک اندھا بہرا گونگا فتنہ ہوگا یعنی نہ اِس میں کسی کا کچھ کہنا ٹھیک ہوگا، نہ سننا نہ دیکھنا. جو اُس میں شامل ہوگا وہ خود بھی اُس میں مبتلا ہو جائے گا. اُس میں زبان سے بولنا مثل تلوار کے کاٹنے کے ہوگا. ام مسلمہ سے روایت ہے ایک دفعہ شب کو سوتے سوتے رسول اللہ کی آنکھ کُھل گئی اُس وقت آپ نے فرمایا سبحان اللہ کس قدر خزانے اور فتنے نازل کیئے گئے ہیں.

صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے. رسول اللہ نے فرمایا عنقریب ایک ایسا فتنہ ہوگا جس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے اچھا ہوگا. کھڑا ہوا چلنے والے سے چلنے والا دوڑنے والے سے جو اُس میں شریک ہونا چاہے گا وہ بھی اُس میں مبتلا ہو جائے گا. جسے اُس وقت کہیں پناہ کی جگہ ملجائے تو اُسے فوراً اُس جگہ چلا جانا چاہیے. ابوبکر نے صحیحین میں روایت کی ہے رسول اللہ نے اِس بارے میں یہ بھی فرمایا تھا جب وہ فتنہ پھیل جائے تو جسکے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں ہی میں لگا رہے، جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں مشغول رہے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین کے کاموں میں لگا رہے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ تو فرمایئے کہ اگر کسی کے پاس نہ اُونٹ ہوں نہ بکریاں ہوں نہ زمین تو وہ کیا کرے وہ بھی اِس فتنہ میں شامل ہو جائے گا یا نہیں. فرمایا نہیں. بلکہ وہ اپنی تلوار کی دھار کو پتھر پر توڑ کے بیٹھ جائے اور اُس سے اگر بچا جائے تو وہ اپنی جان کو بچائے ایک اور شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ اگر مجھے کوئی زبردستی اُس میں شریک کر لے یا اُن دونوں لشکروں میں سے کوئی جنگجو مجھے تلوار سے قتل کر دے یا کوئی تیر میرے آ کے لگ جائے اور میں مر جاؤں تو پھر میرا کیا حشر ہوگا.

؟ فرمایا اُس وقت تم خطاوار نہ ہو گے تمہارا گناہ بھی اُسی کے ذمہ ہوگا اور وہ دوزخیوں میں داخل کردیا جائے گا. ایسی ہی اور حدیث سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ سے بھی مشہور ہے اور جن صحابہ نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں وہ بڑے جلیل القدر صحابہ ہیں مثلاً سعد بن ابی وقاص، ابوبکر، اسامہ بن زید، محمد بن سلمہ اور ابو ہریرہ وغیرہ وغیرہ یہ سب جنگ جمل اور جنگ صفین کو اسی قسم کی جنگ قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں یہ حدیثیں وارد ہیں بلکہ ان لڑائیوں کو اُنہوں نے اِس عظیم فتنہ کی سب سے بڑی بنیاد قرار دی ہے جو اسلام میں ہوئی ہیں. یہ لوگ ان جنگوں میں کبھی شریک نہیں ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی منع کیا جیسا کہ ان آثار سے ثابت ہے جو اُن سے صحیح طور پر مروی ہیں. مگر جو صحابہ ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے اُن میں سے ایک صحابی نے بھی ایسی کوئی حجت بیان نہیں کی جو ان جنگوں کے جائز و درست ہونے کو ثابت کرتی نہ قرآن سے نہ حدیث سے بلکہ اُنہوں نے خود بھی اقرار کرلیا تھا کہ ہماری جنگ بے شک ہماری خود رائی پر مبنی تھی مامور بہ ہرگز نہ تھی جیسا کہ خود علی کی طرف سے بھی ایسا ہی بیان کیا گیا ہے. اِس لشکر میں علی سے افضل کوئی نہ تھا ہر شخص آپ سے کم ہی رتبہ کا تھا. خود علی ہی نے اِن لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اِس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوش دلی کا باعث ہوتی. خوارج سے جو جنگ علی لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنہوں نے بارہا کیا ہے. جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں. یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین سُنی وشیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کریں گے. یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر علی و معاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ کا وہ فتویٰ دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کریں گے اور نہ شیعہ نہ اُنہیں گوارا ہوگا کہ امیر معاویہ اور حضرت علی کے روایتی احترام کو مٹا کے اُنہیں ان جنگوں کے بعد ان کی اصلی

صورت میں دکھایا جائے. اِس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں. چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی جنگ پر کسی طرح صادق نہیں آتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تُقَاتِلُوْ نَهُمْ اَوْيسلمون یعنی یا تو تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے. گویا اُن کی نشانی یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات اُنہیں ضرور اختیار کرنی پڑے گی. یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علی نے دعوت دی تھی اُن میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے مطلق جنگ نہیں کی بلکہ اُنہوں نے اِس خیال ہی کو دل سے نکال دیا نہ وہ علی سے لڑے نہ اُن کا ساتھ دیا. اس لیے وہ ایک تیسری قسم ہو گئے کہ نہ علی کی اطاعت کی نہ مقابلہ میں ساتھ دیا حالانکہ یہ سب کے سب یقیناً مسلمان تھے. مگر اس آیت میں اُن کی بابت ذرا بھی اشارہ نہیں ہے. پھر بھلا یہ جنگ اِس آیت کا مصداق کس طرح ہو جائے گی اِن لوگوں کے مسلمان ہونے پر قرآن، حدیث اور اجماع صحابہ سب دال ہیں اور اس اجماع میں علی وغیرہ بھی ہیں. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَاِنْ طَـآئِـفَتٰـنِ مِـنَ الْـمُـؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. فَاِنْ م بَـغَـتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُ خْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْـغِىْ حَتّٰـى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ . فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا. اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الْـمُقْسِطِيْنَ (حجرات:۹) یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم اُن دونوں میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اُس سے تم سب مل کے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے تو اِن دونوں کے درمیان میں برابر کی صلح کرا دو اور انصاف کرو. بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس آیت میں باوجود اُن لوگوں کے لڑنے اور زیادتی کرنے کے اللہ نے اُن کی ایمان کے ساتھ تعریف کی ہے اور اُس سے آگے یہ فرمایا ہے کہ یہ سب آپس میں بھائی ہیں اور بھائی پن مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے نہ کہ ایک مسلمان اور کافر میں. صحیح بخاری وغیرہ میں ابو بکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام حسن کی بابت فرمایا تھا. ان ابنی هذا سيد ويصلح الله به بين فئتين عظيمتين من المسلمين یعنی ہمارا لڑکا سید ہے اِس کے ذریعہ سے عنقریب مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اللہ تعالیٰ صلح کرائے گا.

چنانچہ اُن کے ذریعہ علی اور معاویہ کے لشکروں میں اللہ نے صلح کرادی. اِس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ دونوں لشکر یقیناً مسلمان تھے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ بھی اِن میں صلح کرانی چاہتا تھا. جس نے ایسا کیا اُس کی تعریف فرمائی ہے. یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ امام حسن نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے اور اللہ کے برگزیدہ رسول کے بالکل موافق اور اُنہیں خوش کرنے کا باعث تھا. اگر یہ لڑائی واجب یا مستحب ہوتی تو اُسکے ترک کرنے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی رضامندی کبھی نہ ہوتی کیونکہ وہ واجب اور مستحب کے ترک کرنے پر کبھی خوش نہ ہوتی. اِس کے علاوہ صحابہ سے اس بارے میں متواتر نقلیں موجود ہیں کہ وہ ان دونوں گروہوں پر مسلمان ہی ہونے کا حکم لگاتے رہیں اِن میں سے ایک دوسرے کے وارث بننے کے فتوے دیتے رہے حالانکہ کافر اور مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے. نہ انہوں نے اُنکی اولاد کو قید کیا نہ اُن کا وہ مال لوٹا جسے وہ جنگ میں لائے تھے بلکہ ایک لشکر کے آدمی دوسرے لشکر کے جنازوں کی نماز پڑھتے رہے اِس کے علاوہ نماز جماعت میں سب مل کے نماز پڑھتے تھے. کبھی ایک لشکر کا امام بن جاتا اور کبھی دوسرے لشکر کا. اسلام کی حیثیت سے وہ بالکل سگے بھائیوں کی طرح تھے اور اُن میں کوئی مغایرت نہ تھی. اب رہے خوارج جو علی سے برگشتہ ہوگئے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ جنگ جمل کے دن علی کے منادی نے یہ پکار دیا تھا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے اور نہ کسی زخمی کو گرفتار کیا جائے نہ ان کا مال لوٹا جائے اور نہ اُن کی اولاد قید کی جائے. اس وجہ کے علاوہ خوارج کے ناراض ہونے کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں جنہیں اس وقت یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابن عباس نے خوارج سے اِس بارے میں مناظرہ بھی کیا تھا جسے ابونعیم نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابوزمیل حنفی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب صرور یہ لوگ علی سے دل برداشتہ ہوگئے تو میں نے علی سے کہا اے امیر المومنین ذرا آج نماز میں تاخیر کیجئے میں ان لوگوں کے پاس جاکے ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں ابھی آجاؤں گا. علی نے کہا مجھے اُنکی طرف سے کچھ اندیشہ معلوم ہوتا ہے مبادا تمہارے ساتھ بدسلوکی کریں. میں نے کہا نہیں خدا کو منظور ہے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا. اس پر آپ نے اجازت دے دی. میں وہاں گیا ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس لیے وہ قیلولہ میں تھے. ایک جگہ اُنکے بہت سے آدمی جمع تھے میں اُن کے پاس پہنچا اور اُن کی

ایسی حالت دیکھی کہ اِس سے پہلے میں نے کسی کی ایسی حالت نہیں دیکھی تھی. مجاہدوں کے مارے اُن کے ہاتھ اُونٹوں کی دموں کی صورت بن گئے تھے. اُن کے چہرے مسجدوں کے آثار سے چمک رہے تھے. جس وقت انہوں نے مجھے دیکھا مارے خوشی کے باغ باغ ہو گئے اور مرحبا کہہ کے پوچھا اِس وقت کیسے آنا ہوا. میں نے کہا میں رسول اللہ کے اُن صحابہ کی طرف سے کچھ کہنے آیا ہوں جو نزول وحی کے وقت موجود اور اُسکے معنی و مطالب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے. یہ سُن کے بعض نے تو اُن میں سے یہ کہا کہ اِس سے کوئی بات نہ کرو بعض نے کہا نہیں ہم کریں گے غرض جب وہ مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہو گئے تو میں نے اُن سے کہا تم یہ بتاؤ کہ رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور آپ کے امین سے تم ناراض کیوں ہو گئے ہو حالانکہ رسول اللہ کے صحابی اُن کے ساتھ ہیں. انہوں نے جواب دیا ہمارے ناراض ہونے کی تین وجہیں ہیں. میں نے دریافت کیا، اور کہا پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ کے دین میں اُنہوں نے لوگوں پر حکومت جتائی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے "ان الحکم الا للہ" یعنی حکومت اللہ ہی کی ہے. پھر میں نے کہا اچھا دوسری وجہ یہ کیا ہے.؟ کہنے لگے اُنہوں نے قتال تو کیا مگر نہ اُنکا مال لوٹا نہ قید کیا اب اگر وہ کافر تھے تو اُن کا مال لوٹنا اُن کے لیے یقیناً حلال تھا اور اگر وہ مسلمان ہیں تو یہ اُن سے لڑے کیوں اُن کا خون کرنا اُن پر قطعی حرام تھا. کیونکہ مسلمانوں کا خون کرنا ہرگز درست نہیں ہے. پھر میں نے تیسری وجہ دریافت کی. کہا علی اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین نہیں لگاتے گویا اس لقب سے وہ سخت نفرت کرتے ہیں تو جب وہ مومنین کے امیر ہونے سے پہلو بچاتے ہیں تو کیا کافروں کے امیر ہیں.؟ میں نے اُن کی یہ سب باتیں سن کے کہا اب تم یہ کہو کہ اگر میں تمہاری ان وجوہات کے جواب میں اللہ پاک کی سچی اور محکم کتاب کی آیت پڑھ کے سناؤں اور تمہارے رسول کی ایسی حدیث پیش کروں جسکا تم بھی انکار نہ کرسکو تو پھر تم رجوع کرلو گے یا نہیں؟ بولے ہاں ہاں ضرور رجوع کرلیں گے. میں نے کہا تمہارا یہ کہنا کہ اُنہوں نے اللہ کے دین میں لوگوں پر حکومت بٹھائی ہے. اُسکا جواب تو یہ ہے خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ (المائدہ:۹۵) یعنی اے ایمان والو حالتِ احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی اُسے

قصداً مارے گا تو جس کو مارا ہے چوپایوں میں اُسکا مثل جس کو تم میں سے اہل حکم (تجویز کر کے) حکم کردیں اُسکا بدلہ ہے. پھر میاں بیوی کے بارے میں فرمایا. وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا .(النساء:۳۵) اور اگر تمہیں میاں بیوی کی نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے کنبہ میں سے مقرر کرو اور ایک حکم عورت کے کنبہ میں سے. پھر میں نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کہ لوگوں کی خونریزیوں وغیرہ میں اُن پر حکومت کرنے اور آپس میں صلح کرانے کا حکم اس سے نکلتا ہے یا نہیں بولے ہاں بیشک نکلتا ہے پھر میں نے کہا لو اب دوسری وجہ کا جواب سنو تم کہتے ہو اُنہوں نے قتال تو کیا لیکن نہ اُنہیں قید کیا نہ اُن کا مال لوٹا. اچھا تم ہی بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں سے اور تم سے لڑائی ہو تو تم اُسے قید کرلو گے یا تم اُس کی اُن چیزوں کو حلال سمجھو گے جو اوروں کی چیزوں کو سمجھتے ہو اگر ایسا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ کہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں ہے تو بھی تمہارے کافر ہونے میں شک نہیں. رسولؐ اللہ ﷺ کی ازاوج مطہرات سب مائیں ہیں. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی تمہاری جان اور مال سے زیادہ اولیٰ ہیں اور نبی کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں اب تم دو گمراہیوں کے بیچ میں پھنسے ہوئے ہو جس سے چاہو اجتناب کرو بولو اُن کا مال نہ لوٹنا یا اُنہیں قید نہ کرنا ٹھیک ہوا یا اُنہیں اور علی نے کوئی بُری بات نہیں کی یہ سن کے وہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے انہوں نے کہا بیشک تم سچ کہتے ہو. اب رہا امیر المومنین کا لفظ کہ علی نے اپنے نام سے کیوں اُڑا دیا تم جانتے ہو کہ حدیبیہ میں جب مشرکوں اور مسلمانوں میں صلح کا عہد نامہ ہوا ہے تو حضور انور ﷺ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ لکھے تھے مشرکوں نے اُسے قبول نہیں کیا اور انہوں نے تعجب کر کے یہ کہا محمد تم اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کیوں لکھتے ہو. جھگڑا تو اسی میں ہے اگر ہم تمہیں رسول اللہ سمجھتے ہیں تو تم پر ایمان کیوں نہ لے آتے آپ نے فرمایا یقیناً میں خدا کا رسول ہوں تمہاری تکذیب کرنے سے کچھ نہیں ہوتا ہاں تمہاری یہی خوشی ہے تو اچھا میں رسول اللہ کے لفظ کو کٹوا دیتا ہوں. چنانچہ آپ نے علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو، ابن عباس کہتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ اس حدیث کو تم بھی مانتے ہو وہ بولے ہاں اسی طرح علی نے بھی اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ اڑا دیا تو اُن پر کیوں طعن کرتے ہو؟ اس سے اُن لوگوں کا اطمینان ہو گیا بیس ہزار آدمی فوراً ابن عباس کے

ساتھ ہو گئے. چار ہزار نے ابن عباس کے استدلال کو نہیں مانا اور وہ اخیر تک لڑتے رہے. فقط.
ممکن ہے ابن عباس کی فصاحت و بلاغت وجاہت اور پر اثر لہجے نے انہیں اپنا رام بنا لیا ہو ہماری سمجھ میں تو ان کا استدلال نہیں آیا. چونکہ یہ بحث دوسری ہے ہم اس وقت اُسے اُٹھانا نہیں چاہتے. ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن باتوں سے حضرت علی پر طعن کیا جاتا ہے وہ باتیں سب کی سب صحیح ہوں مگر ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان میں سے ابھی تک کسی بات کا جواب جس سے اطمینان ہو جائے کسی کی طرف سے نہیں دیا گیا وہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علی کو خلافت کا حق نہیں تھا. علی میں خلافت کی قابلیت نہیں تھی. علی نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرا دیا. علی نے عمر فاروق کی ان ترقیوں کو خاک میں ملا دیا جو انہوں نے قیصر اور کسریٰ کی سلطنتوں میں کی تھیں. یقیناً اگر عمر فاروق، بارہ برس اور زندہ رہتے تو نہ صرف سلطنتِ مشرقی بلکہ روما بھی مسلمانوں کے زیر نگین ہو جاتی اور چند ہی روز میں فرانس میں ہلال کا جھنڈا اُڑنے لگتا. اگر چہ یہ کامیابیاں مسلمانوں کو بعد میں ہوئیں مگر کمزور بنیاد پر. اگر فاروق اعظم کے زمانہ میں یہ ملک فتح ہوتے تو اب بھی وہاں مسلمانوں کی آبادی ضرور ہوتی۔ دیکھ لو اسکی نظیر موجود ہے جتنے ملک فاروق اعظم کے مبارک عہد میں فتح ہوئے تھے وہ اب تک جوں کے توں موجود ہیں اگر چہ بعض ممالک کی سیاسی صورت میں فرق آ گیا ہے مگر تو بھی گدی پر مسلمان ہی ہیں عمر فاروق کے نہ صرف قوی بازو تھے بلکہ سچ مچ اُن میں زور قضا چھپا ہوا تھا اُن میں لازوال برکت تھی وہ خود مبارک تھے اُن کے پیرو مبارک تھے ان کے جنگجو مبارک تھے اُن کے سپاہی مبارک تھے اُن کی برکت کا اثر تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہم نمایاں پاتے ہیں اس قسم کے اعتراضات ہیں جنکا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا. محض سطح پر تیرا جا رہا ہے. گہرائی میں نیچے کا آج تک کسی نے خیال نہیں کیا ہماری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ علی انسان تھے اُن سے خطاؤں اور کمزوریوں کا سرزد ہونا ممکن تھا وہ انسان اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت میں معذور تھے وہ مسلمان ضرور تھے اور اچھے مسلمان تھے خدا اُن کی مغفرت کرے اور اُنکی خطائیں بخش دے. بس اس سے زیادہ ہم ایک مرحوم مسلمان کیلئے اور کیا کہہ سکتے ہیں. اِس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اصلی مطلب کی طرف آتے ہیں.

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اُن لوگوں نے چونکہ حضرت علی کی طرف رجوع کر لیا تھا. اِس لیے یہ

مسلمان ہو گئے. یعنی اُنکے رجوع کر لینے کو اسلام میں آنا ٹھہرانا اور اُسکے ثبوت میں حضور انور ﷺ کا یہ قول پیش کر دینا "یا علی حربک حربی" ایک بڑے عجائبات میں سے ہے. اور اس سے بھی زیادہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ حضرات شیعہ اس مہتم بالشان مسئلہ کو ایسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں جسکا محدثین کے ان دواوین میں سے کسی میں بھی پتہ نہیں ہے جن پر اُن کا اعتماد ہے. نہ صحاح میں نہ سنن میں نہ مسانید میں اور نہ اُن فوائد وغیرہ میں جو اہل علم بالحدیث نے ایک دوسرے سے نقل کیے اور حاصل کئے ہیں نہ یہ اُن کے نزدیک صحیح ہے نہ حسن ہے نہ ضعیف ہے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی ہے اور غلط ہونے میں سب موضوعات سے بدتر ہے. کیونکہ یہ حضور انور ﷺ کی اُس متواتر مشہور سنت کے بالکل خلاف ہے کہ آپ نے طرفین کے لشکروں کو مسلمان قرار دیا تھا اور اس فتنہ میں نہ لڑنے کو لڑنے سے بدرجہا بہتر اور افضل فرمایا تھا اور اُسکی تعریف فرمائی تھی جو ان دونوں میں صلح کرادے. اب اگر ان دونوں لشکروں میں ایک لشکر اسلام سے مرتد ہوتا تو اِس میں شک نہیں کہ وہ لشکری کفار سے بھی بدتر ہوتے کیونکہ کفار ایک حد تک اپنے اپنے دین پر قائم ہیں اور اُن سے وہ جنگ کرنے کے مستحق ہوتے جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو مرتد تھے جن سے صدیق اکبر اور باقی صحابہ نے جہاد کیا اور اُن سے جہاد کرنے پر سب کا اتفاق ہے. اُن کی اولاد کو قید کیا جن قیدیوں میں سے علی نے محمد بن حنیفہ کی والدہ کو لے لیا تھا. جس سے ہر شخص جانتا ہے.

جنگ بدر اور ابو بکر: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش پر ابو بکر کا رسول اللہ کے لیے انیس بننا اِس میں بھی ابو بکر کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ سے ایسا اُنس تھا جس کی وجہ سے آپ کو اور کسی انیس کی ضرورت نہ تھی. اِسکے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ابو بکر کو لڑائی میں بھیجنا سخت خرابی کا باعث ہوگا کیونکہ پہلے اور غزوؤں میں یہ کئی مرتبہ بھاگ چکے تھے جنگ سے بیٹھنے والا اُس سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے. جو اپنی جان اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو. (شیعی علماء کا قول ختم ہو گیا)

جواب: اس قول کا غلط ہونا کئی وجہ سے بدیہی ہے. اوّل تو یہ کہ ابو بکر پہلے کئی غزوؤں میں بھاگ

چکے تھے اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس قول کے قائل حضور انور ﷺ کے غزووں اور احوال سے بالکل نابلد ہیں. آپ جب اس پر غور فرمائیں گے تو عجیب کیفیت آپ کو معلوم ہوگی. یعنی یہ کہ غزوۂ بدر سب غزووں میں پہلا غزوہ ہے اس سے پہلے کبھی کوئی غزوۂ نہیں ہوا. پھر ابوبکر کا بھاگ جانا کیا معنی رکھتا ہے. کیا یہ چانڈو خانہ کی گپ نہیں ہے؟ کیا بوستان خیال کی کہانی سے زیادہ فسانہ انگیز یہ کہانی نہیں ہے؟ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ یا ابوبکر کی مشرکین مکہ سے کوئی بھی جنگ نہیں ہوئی. وہ غزوات جن میں حضور انور ﷺ نے خود حصہ لیا ہے حسب ذیل ہیں اور اُن کی تعداد کل نو ہے. بدر، احد، خندق، بنی المصطلق، غزوۂ ذی قرو، خیبر، مکہ حنین اور طائف، باقی وہ غزوے جن میں قتل وقتال کی نوبت نہیں آئی دس سے کچھ اوپر ہیں۔ اب رہے سرایا، ان میں بعض ایسے ہیں جن میں قتال ہوا، بعض میں نہیں ہوا بہرحال اس میں سب کا اتفاق ہے کہ قتالی غزوات میں بدر سب سے پہلا غزوہ ہے اور یہ ایسا مشہور مسئلہ ہے کہ جو لوگ حضور انور ﷺ کے احوال سے واقف ہیں خواہ اہل تفسیر ہوں یا حدیث، مغازی، سیر، فقہ، تواریخ اور اخبار کے جاننے والے اسے جانتے ہیں. جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ وہ غزوہ جس میں قتال ہوا اور حضور انور شریک ہوئے غزوہ بدر ہے. نہ اُس سے پہلے کوئی غزوہ ہوا نہ سریہ جس میں قتل وقتال ہوا ہو. سوائے ایک نبی احضرمی کے قصے کے مگر ابوبکر اس میں نہیں تھے. پھر بھلا یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ابوبکر پر ایسا بہتان عظیم اُٹھایا جائے کہ وہ پہلے غزووں میں بھاگ گئے تھے. لاحول ولاقوۃ دوسری وجہ زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ ابوبکر کبھی کسی غزوہ میں نہیں بھاگے یہاں تک کہ احد کی لڑائی میں بھی نہ ابوبکر بھاگے نہ عمر، ابوبکر وعمر کی نسبت تو آج تک یہ کسی نے نہیں کہا کہ ان دونوں نے کبھی بھی کسی جنگ میں پیٹھ دکھائی تھی. بلکہ حنین کے دن بھی یہ دونوں حضور انور ﷺ کے ساتھ موجود رہے تھے. جیسا کہ اہل سیر نے لکھا ہے اور ہم اُسے پوری طرح ثابت کر چکے ہیں. لیکن بعض کذابوں نے محض اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے کے لیے اور محض حضور انور رسول اللہ کے عزیز اور جان نثار صحابہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ لکھ دیا کہ حنین کے دن یہ دونوں جھنڈا لے کے واپس چلے آئے تھے اور اُن سے حنین فتح نہیں ہوا تھا. اس کے بعد بعض شیعوں نے اِس پر اور بھی رنگ چڑھا دیا اور بوستان خیال کے سے قصے گھڑ گھڑ کے جاہل اور لایعقل لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا. اِس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس دعویٰ کو

ایسی نقل سے ثابت کرے جسکی ہر شخص نے کی ہومگر ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے ایسی نقل کہاں اور کونسی ہے جو ابوبکر کے ایک غزوہ میں بھی بھاگنے کو ثابت کردے چہ جائے کہ اُن کا کئی مرتبہ بھاگ جانا ثابت کر سکے. تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر بزدلی اور نامردی میں اُن کی ایسی حالت ہوتی جیسی شیعی علماء کہتے ہیں تو حضور انور رسول اللہ ﷺ اپنے سب صحابہ کو چھوڑ کے اُنہیں ساتھ عریش میں رکھنے کے لیے کبھی مخصوص نہ کرتے بلکہ آپ کبھی جائز نہ سمجھتے کہ ایسے شخص کو اپنے ساتھ غزوے میں رکھتے. امام کی شان کے لائق یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایسے آدمی کو اور سب ساتھیوں سے مقدم کرے اور اُسے اپنے ساتھ عریش میں رکھے. ۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس حالت کی بابت ابوبکر کی ثابت قدمی اور قوت یقینی کا بیان جو صحیحین میں ہے وہ اِن مفتریوں کی بالکل تکذیب کرتا ہے اور اُس کے سراسر خلاف ہے. صحیحین میں ابن عباس نے عمر فاروق سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب رسول اللہ نے مشرکین کو دیکھا کہ وہ ایک ہزار آدمی ہیں اور آپ کے صحابہ کل ۳۱۷ ہیں تو رسول اللہ قبلہ رخ ہو گئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کے نہایت انکساری سے یہ دعا کی. **اَللّٰهُمَّ اخبر لی فاوعدتنی اللهم ان تهلک هذا العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض** یعنی اے اللہ! آج تو اپنے وعدہ کو میرے لیے پورا کردے اے رب العزت اگر آج مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری (خالص) عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا. آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے ہوئے برابر یہی پکارتے رہے اور اس قدر مشغول ہوئے کہ آپ کے مونڈھوں پر سے چادر بھی گر پڑی. صدیق اکبر نے یہ دیکھ کے آپ کی چادر آپ کے مونڈوں پر ڈال دی پھر حضور انور کی خدمت میں عرض کیا. یا رسول اللہ بس کیجئے آپ کی اتنی ہی دعا کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو عنقریب پورا کردے گا جو اُس نے آپ سے کرلیا ہے اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی. اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ. . پانچویں وجہ یہ ہے کہ سیر کے جاننے والے اس بات کو جانتے ہیں کہ قوی ہونے میں ابوبکر سب صحابہ سے زیادہ تھے ان میں سے کوئی بھی اس میں ان کی برابری نہیں کرسکتا. اِس لیے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول کو مبعوث فرمایا تھا ابوبکر اپنے اخیر وقت تک ہمیشہ خطرے سے خطرے کے موقع پر سب سے آگے رہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی دشمن کے مقابلہ کرنے سے اُنہوں نے دل

چرایا اور بزدلی کی ہو بلکہ جب حضور انور کا وصال ہوا تو اکثر صحابہ کے دل بیٹھ گئے تھے مگر وہ صدیق ہی تھے جنہوں نے ان لوگوں کو ثابت قدم کر دیا. انس کہتے ہیں جس وقت ابو بکر نے خطبہ پڑھا تو ہم مثل لومڑیوں کے بزدل ہوئے بیٹھے تھے اور ہمارے چھکے چھوٹ رہے تھے مگر ان کی تسکین اور تسلی سے ہم مثل شیروں کے ہو گئے. کہتے ہیں اسی اثناء میں عمر فاروق نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ ان لوگوں سے الفت رکھو یہ سنتے ہی آپ نے عمر فاروق کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا اے ابن خطاب کیا تمہاری شجاعت زمانہء جاہلیت ہی تک تھی مگر اب وہ شجاعت جاتی رہی بھلا ان سے کس بات میں اُلفت رکھوں .کیا ایک من گھڑت قصہ پر تکیہ کر کے اُن کے ساتھ رعایت کروں ایسا کبھی نہیں ہونے کا.۔

چھٹے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ جہاد سے بیٹھنے والا اُس شخص سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے کے لیے کھڑا ہو. اسکا جواب یہ ہے ہمارے مہربان شیعی علماء کو یہ خیال نہیں ہے ایسے موقع پر حضور انور ﷺ کے ساتھ ہونا ہی اعلیٰ درجہ کا جہاد تھا اس لیے کہ دشمن کا اصلی مقصود تو حضور انور ﷺ ہی کا قتل کرنا، گرفتار کرنا تھا نہ کہ آپ کے ساتھیوں کا بھی وجہ تھی کہ 1/3 نے غنیمت لوٹی تھی پھر وہ غنیمت کا مال اللہ نے اُن سب کو تقسیم کر دیا. ساتویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کو تو اپنے خالق سے ایسی انسیت تھی کہ اسکی وجہ سے آپ کو اور کسی سے اُنس پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی یا کسی انیس بنانے کی حاجت نہیں تھی. اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ ابو بکر عریش میں حضور انور ﷺ کے انیس تھے اسکے یہ معنی ہیں اِس قول سے قائل کی مراد یہ نہیں ہے کہ حضور انور نے انہیں اس لیے انیس کر لیا تھا تا کہ آپ کو وحشت نہ ہو بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ ابو بکر قتل و قتال میں آپ کے معاون رہیں جیسا کہ صدیق سے کم درجہ کے صحابہ بھی آپ کی وقت پر معاونت کرتے تھے. اس معاونت کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے یعنی ارشاد باری ہوتا ہے هُوَ الَّذِىٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ. یعنی اللہ وہی ہے جس نے اپنی اور مسلمانوں کی مدد سے تمہاری تائید کی. اب یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ صدیق ان سب مسلمانوں سے افضل ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ نے آپ کی تائید کی تھی. آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جب حضور انور نے عریش یا خیمہ وغیرہ میں جو آپ کے لیے وہاں نصب کیا گیا تھا قیام کیا تو آپ کے دشمنوں کا مقصود صرف آپ ہی کا قتل کرنا تھا یعنی وہ آپ ہی کو قتل کرنا چاہتے تھے. آپ کے ساتھ صحابہ میں سے سوائے

اکیلے صدیق کے اور کوئی نہ تھا اور سب کے سب اِس عریش کے باہر تھے اسکی وجہ سوائے اسکے اور کوئی نہ تھی کہ صدیق جیسے سب سے زیادہ بہادر تھے ویسے ہی آپ کے سب سے زیادہ خاص تھے محبت رکھنے اور نفع پہنچانے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے. جہاد کے موقع پر یہ نفع ہرگز نہیں ہوسکتا مگر اُسی شخص سے جو قوی دل اور ثابت قدم رہنے والا ہو نہ کہ جو بزدل اور کمزور ہو. اِس سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے کہ جہاد میں اور ایمان میں صدیق اِن سب سے اکمل تھے. افضل الخلق اہل ایمان اور اہل جہاد ہی ہیں. پس جو اِس میں افضل ہو وہ ہر چیز میں افضل شمار ہوتا ہے. اللہ تعالی فرماتا ہے. اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (توبہ:۱۹) یعنی کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر (اور مرمت) کرنے (والے) کو تم اُس آدمی کے برابر کیئے دیتے ہو جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لے آیا ہے اور اللہ کی راہ میں اُس نے جہاد کیا ہو اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہو سکتے پس اللہ کے نزدیک درجے میں یہ لوگ اہل حج اور اہل صدقہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور صدیق ان سب میں افضل ہیں. رہا علی کا بذاتِ خود جہاد کرنا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس بارے میں وہ سب صحابہ ان کے برابر ہیں جنہوں نے بدر کے دن جنگ کی تھی یہ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس جنگ میں سب صحابہ سے زیادہ کوئی کارنمایاں علی نے کیا ہو. نہ صرف بدر میں بلکہ اُحد میں اور دوسری لڑائیوں میں بھی کوئی کارنمایاں علی سے نہیں ہوا اِس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صدیق کی فضیلت بیشک ایسی ہے کہ اُن ہی کیلیئے مخصوص ہے اس میں کسی کو نہ اُن کی مساوات کا درجہ حاصل ہے. نہ شرکت کا. اب رہی علی کی فضیلت وہ علی میں اور سب صحابہ میں مشترک ہے. اِس میں کسی طرح کی کوئی خصوصیت نہیں ہے.

نویں وجہ یہ ہے کہ اِس کے بعد عریش میں سے حضور انور اور ابوبکر نکلے اور حضور نے دشمن پر وہ مٹی پھینکی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُس وقت صدیق نے اِس جوش کے ساتھ جنگ کی کہ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے آپ سے کہا کہ بدر میں میں نے آپ کو دیکھا تھا لیکن میں آپ سے کنارہ کر گیا تھا آپ نے فرمایا خیر اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو تجھے ضرور قتل کر دیتا. ابوبکرؓ کے مالدار ہونے اور اپنا مال رسول اللہ ﷺ پر خرچ کرنے کی نسبت شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ قصہ کہ ابوبکرؓ نے نبی ﷺ پر اپنا مال خرچ

کیا تھا بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ مالدار آدمی نہ تھے. اُن کے باوا انتہاء درجے کے تنگ دست فقیر تھے اور اُن کی تنگدستی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانے سے اُنہیں آدھ سیر اناج روز ملا کرتا تھا. اسی پر اُن کی گزراوقات تھی اگر ابوبکر کچھ مالدار ہوتے تو اُن کے باوا کی یہ حالت کاہے کو ہوتی. اب رہے خود ابوبکر وہ زمانہ جاہلیت میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے. مسلمان ہونے کے بعد اُنہوں نے سینا پرونا سیکھ لیا تھا اور درزی کا پیشہ کرنے لگے تھے مگر جب اسلامی حکومت اُن کے قبضے میں آ گئی اور یہ بادشاہ بنا دیئے گئے تو انہیں سینے پرونے سے لوگوں نے منع کر دیا. ابوبکر نے کہا میرے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے. اِس لیے لوگوں نے تین درہم روز اُن کے بیت المال سے مقرر کر دیئے.

جواب: اس سے زیادہ ظلم اور بہتان نہیں ہوسکتا کہ آدمی ایسی چیز کا انکار کر دے جو متواتر منقول اور عام و خاص سب میں مشہور ہو اور حدیث وغیرہ کی ساری کتابیں صحاح، مسانید، تفسیر، اور فقہ وغیرہ کی اِسکے ذکر سے بھری پڑی ہوں. شیعی علماء ان منقولات میں سے کسی منقول کا دعویٰ بھی کرتے ہیں جو محض اُن کے قول سے کسی طرح معلوم نہیں ہوسکتی. اور نہ یہ اُسے کسی معروف سند سے نقل کرتے ہیں نہ کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اعتماد کرنے کے قابل ہو نہ اُسکے قائل کا ذکر کرتے ہیں تعجب ہے کہ اتنے بڑے امر کس دلیری اور بے باکی سے بلا کسی حجت کے بیان کیا جاتا ہے اور اِسکا خیال بالکل نہیں رکھا جاتا کہ جب کوئی سند طلب کرے گا تو اُسکا کیا جواب دیا جائے گا. باقی ابوبکر کا مال خرچ کرنا تو صحیح صحیح حدیثوں میں متعدد طریقوں سے متواتر منقول ہے. حضور انور رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے جیسا کہ ہم کہیں اُوپر بھی نقل کر چکے ہیں کہ ابوبکر کے مال کے برابر مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے اپنے ہی مال سے ایسے سات آدمیوں کو خرید لیا تھا جن پر دین اسلام قبول کرنے سے تکلیف دی جا رہی تھی. بلال اور عامر بن فہیرہ بھی ان ہی میں تھے. باقی یہ بحث کہ ابوبکر کے باوا عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانے میں سے آدھ سیر اناج روز لیتے تھے. اِسکی کوئی سند شیعی علماء نے کہیں بھی نہیں بیان کی جس سے اِس روایت کی صحت کا پتہ لگ جاتا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم مان بھی لیں تو زمانہ جاہلیت میں اسلام سے بہت پہلے ابوبکر کے باپ کا مفلس

ہونا ابوبکر کی آئندہ دولتمندی کے منافی نہیں ہے۔ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ عبداللہ بن جدعان اسلام سے پہلے ہی زمانہ جاہلیت میں مر چکا تھا۔ اب رہی اسلام میں ابوقحافہ کی حالت اُس وقت اُن کے پاس اتنا تھا کہ انہیں کسی کی ضرورت کچھ نہ تھی یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابوقحافہ نے کسی سے سوال کیا ہو۔ ابوقحافہ اپنے بڑے بیٹے ابوبکر کی وفات کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔ صدیق اکبر کے ترکے میں سے ایک چھٹا حصہ حسب دستور شریعت انہیں ملا تھا۔ چونکہ انہیں خود اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے اُس کی ضرورت نہ تھی انہوں نے وہ بھی صدیق کی اولاد کو دے دیا تھا۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ محتاج ہوتے تو صدیق اکبر ضرور اُن کے ساتھ سلوک کرتے مگر اس سلوک کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ وہ تو باپ کی حیثیت رکھتے تھے مگر مسطح بن اثاثہ جو صدیق اکبر کا دور کا رشتہ دار تھا اور مفلس تھا ابوبکر برابر اُس کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ وہ مسطح ہے جس نے صدیقہ پر تہمت لگانے کا چرچا کیا تھا جس پر ابوبکر نے یہ حلف اُٹھایا تھا کہ میں مسطح کے ساتھ آئندہ کبھی سلوک نہ کروں گا مگر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی اور مساکین اور قریبوں کے ساتھ سلوک کرنے کی فضیلت بیان کی گئی تو ابوبکر نے یہ کہا اللہ کی قسم دل و جان سے چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کردے لہٰذا میں اپنی پہلی قسم کو توڑتا ہوں اِس کے بعد ابوبکر مسطح کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگے یہ قصہ صحیحین میں صحیح طور پر ثابت ہے۔ جب آپ نے حضور انور کے ساتھ ہجرت کی تو آپ اپنا کچھ مال بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ابوقحافہ آپ کے گھر گئے۔ گھر والوں سے پوچھا کہ ابوبکر خود چلے گئے ہیں یا اپنا مال بھی لے گئے ہیں۔ ابوبکر کی بیٹی اسماء نے جواب دیا نہیں مال تو یہیں چھوڑ گئے ہیں خود اسماء کہتی ہیں کہ میں نے ایک جگہ مکان میں دکھا بھی دیا کہ یہاں یہ مال موجود ہے محض اس خیال سے ان کا دل خوش ہوجائے کہ ابوبکر اپنے بال بچوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ اِس میں سے ابوقحافہ نے ایک پیسہ نہیں لیا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابوقحافہ کو روپے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر زمانہ جاہلیت میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اسکی بھی اگرچہ حسب عادت شیعہ اصحاب نے کوئی سند نہیں دی مگر ہم اسے صحیح تسلیم کرلیتے ہیں۔ بچوں کا پڑھانا بُرائی میں داخل نہیں ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق عالم، صاحب معرفت آدمی تھے، علماء مسلمین ایسے بہت سے ہیں جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے

منجملہ اُن کے ابوصالح کلبی ہیں جو صرف بچوں کو پڑھایا کرتے تھے. دوسرے ابوعبدالرحمٰن سلمی ہیں اور یہ حضرت علی کے بڑے خواص میں سے ہیں یہ بھی بچوں کو پڑھایا کرتے تھے مگر اسکی اجرت نہیں لیتے تھے. ایسے ہی قیس بن سعد، عطابن ابی رباح، عبدالکریم، ابوامیہ، حسین المعلم، یعنی ابن ذکوان قسام بن عمیر ہمدانی، جو حبیب المعلم معقل بن یسار کے مولیٰ ہیں، علقمہ بن علقمہ، ابوعبید القاسم بن سلام جو امامت بھی کرتے تھے اور بچوں کو بھی پڑھاتے تھے جن کی امامت اور فضل پر سب کا اتفاق ہے. اسکے علاوہ شیعی علماء نے اپنی جودتِ طبیعت سے ایسی باتیں ایجاد کرلیں جن کے ہونے نہ ہونے سے کسی قسم کی برائی صدیق میں نہیں نکل سکتی اس سے بھی زیادہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ زمانہ جاہلیت میں صدیق کا شمار ادنیٰ طبقے کے لوگوں میں تھا تو بھی اس سے کوئی بُرائی پیدا نہیں ہوتی. کیونکہ، سعدابن مسعود، صہیب اور بلال وغیرہ تو کھلے ہوئے ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے. مشرکین نے حضور انور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیجئے اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی.

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام:۵۲) یعنی اے نبی تم اُن لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کرو جو صبح شام اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہیں. اور اُسی کی ذات کے طالب ہیں تم پر انکا کچھ محاسبہ نہیں اور نہ تمھارا کچھ محاسبہ ان پر ہے اگر تم انہیں دور کردو گے تو تم ظالموں میں سے ہوجاؤ گے. صحیحین میں ہے ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان بن حرب سے رسول اللہ کی کیفیت دریافت کی تھی آیا شریف لوگوں نے اِن کا اتباع کیا ہے یا کم درجہ کے لوگوں نے.؟ اُس نے جواب دیا کہ ادنیٰ درجے کے لوگوں نے، ہرقل بولا ٹھیک ہے. پیغمبروں کے اتباع یعنی پیرو اوّل یہی لوگ ہوتے ہیں پس بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ صدیق کم درجے کے لوگوں میں سے تھے تو اُس سے اُن کے کمالِ ایمان اور تقویٰ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوسکتا یہ یاد رکھو کہ اکمل الخلق اللہ کے نزدیک وہی ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑا ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کلام سے جاہلیت کے مشرکین کے کلام کی بو آتی ہے جیسا وہ اپنے نسب اور باپ دادا کی باتوں پر فخر کیا کرتے تھے اور دین خدا سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور انسان پر ایسی باتوں سے

نکتہ چینی کرتے تھے جن سے اُس کے ایمان اور تقویٰ میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہ ہوتا ہو ایسی باتیں ہمیں زمانہ جاہلیت کی یاد دلاتی ہیں. اور ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کی مخالفت جاہلیت کے تاریک پہلو سے کی جائے. اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ابوبکر اعیانِ قوم میں سے تھے آپ کی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا خود مشرکین عرب آپ کی عزت کرتے تھے آپ کا مسلمان ہونا مکے میں ہل چل کا باعث ہو گیا تھا. غریبی اور امیری کی پائیداری کو آج تک کسی نے تسلیم نہیں کیا اگر ایک شخص آج غریب ہے تو یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ کل بھی وہ غریب ہی رہے تجارت ایک ایسی چیز ہے جو آناً فاناً میں انسان کو دولتمند بنا دیتی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دس پندرہ برس کی حالت پر موجودہ حالت کو کیوں محمول کیا جاتا ہے اور بلا وجہ سند اور بغیر کسی معتبر نقل کے صدیق کی مفلسی کا کیوں راگ گایا جاتا ہے ان باتوں سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا سوائے اس کے کہ قائلین کی محض ناواقفیت یا بے جا تعصب کا نقشہ دیکھنے والوں کی نظروں میں کھنچ جائے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ شروع اسلام میں ابوبکر درزی تھے اور جب مسلمانوں کے بادشاہ بنا دیئے گئے تو لوگوں نے اُنہیں یہ پیشہ نہیں کرنے دیا. محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے اس کے جھوٹ ہونے کو ہر شخص جانتا ہے کپڑے سینے کا کام آپ نے کبھی نہیں کیا ہاں آپ تاجر تھے اپنی تجارت کی غرض سے بعض اوقات سفر کرتے تھے. مثلاً اسلام کے زمانے میں آپ نے اپنی تجارت کی غرض سے ایک مرتبہ شام کا سفر کیا تھا قریشیوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ درجے کا کام تجارت قرار دیا گیا تھا اور اعلیٰ درجے کا پیشہ تجارت ہی سمجھی جاتی تھی اِس تجارت ہی کے ذریعہ سے قریشوں کے اہل عرب سے بہت وسیع تعلقات ہو گئے تھے اور خود صدیق سے بچہ بچہ واقف تھا جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے اپنے عیال کے مدِ خرچ کے لیے پھر تجارت کرنی چاہی لیکن مسلمانوں نے اس سے آپ کو منع کیا اور کہا کہ اب آپ کا یہ کام کرنا مسلمانوں کی مصلحتوں کو انجام دینے سے آپ کو روک دے گا اِس کے علاوہ عرب کا عام لباس تہ بند اور چادریں تھیں. سلنے سلانے کا کام بہت ہی کم ہوتا تھا. ہاں مدینے میں ایک درزی اہل بیت کے کپڑے سینے کے لیے حضور انور ﷺ نے رکھ چھوڑا تھا باقی مشہور مہاجرین میں کہیں کسی درزی کا ہونا معلوم نہیں ہوتا. ابوبکر کا اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں خرچ کرنا تو ایسا متواتر مشہور ہے جسے عام خاص

سب جانتے ہیں۔ اسلام سے پہلے آپ کے پاس بہت کچھ مال تھا آپ قریش کے معزز خاندانوں میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ہر شخص آپ سے محبت کرتا تھا اور تجارتی معاملات کے مشوروں کے لیے بڑے بڑے تاجر قریش آپ کے پاس آیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب آپ مکے سے ہجرت کرنے لگے تو ابن الدغنا نے آپ سے کہا تھا کہ آپ جیسا آدمی تو نہ نکل سکتا ہے اور نہ اُسے کوئی نکال سکتا ہے قریش میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہوا جس نے ابوبکر پر کوئی الزام لگایا ہو یا اُن میں کوئی عیب نکالا ہو یا آپ کو ذلیل اور کمینہ سمجھا ہو جیسا کہ وہ دوسرے مومنین کو سمجھتے تھے یہ سب ابوبکر کی حد سے زیادہ عزت کرتے تھے قریشوں کی نظروں میں ابوبکر میں اگر کوئی عیب اور کوئی نقص نہ تھا اور وہ آپ کو کسی بات میں بُرا نہ جانتے تھے بلکہ آپ اُن کے نزدیک نسب اور خاندان کی رو سے معظم مکارم اخلاق اور صدق و امانت میں بہت مشہور تھے اسی طرح حضورﷺ کے صدیق بھی اُن میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے۔ ابن الدغنا جو قبائل عرب کے ایک بڑے قبیلے قارے نامی کا سردار تھا سارے قریشیوں میں نہایت معزز اور سر برآوردہ شخص سمجھا جاتا تھا جسے وہ پناہ دے دیتا تھا سارے عرب اُسکا پناہ دینا تسلیم کر لیتے تھے اشرف قریش کے سامنے اُس نے صدیق اکبر کے وہی اوصاف بیان کئے تھے جو خدیجہ الکبریٰ نے حضور انور کے بیان کئے تھے۔ وہ یہ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے اپنی ہمراز بیوی سے یہ ذکر کیا کہ مجھے اپنی جان کا خوف معلوم ہوتا ہے تو اُسکا جواب اُس خاتون نے یہ دیا آپ کچھ خوف نہ کریں میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں محتاجوں کو دیتے ہیں نوائب حق پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں غرض یہ صفت حضور انور کی تھی جو یقیناً افضل النبین ہیں اور بلاشک وشبہ آپ کے صدیق افضل الصدیقین ہی ہیں۔ صحیحین میں ابوسعید سے مروی ہے ایک دن حضور انور منبر پر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا ہے کہ یا تو وہ دنیا کی اس تر و تازگی کو اختیار کر لے یا اللہ کے تقرب کو مگر اُس بندے نے اللہ کے تقرب ہی کو اختیار کیا ہے ابوبکر یہ سن رونے لگے اور اُن کی زبان سے صرف اتنا ہی نکلا کہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ ہم اب سمجھے کہ جس بندے کی طرف اشارہ ہے اور جسے یہ اختیار دیا گیا

تھا وہ صرف حضور ہی ہیں. اس میں شک نہیں کہ ابو بکر ہم سے زیادہ اس بات کو جاننے والے تھے حضور انور نے ارشاد کیا ابو بکر رو نہیں، صبر کرو دیکھو ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ تم ہی پر اطمینان اور سب سے زیادہ تمہارا مجھ پر احسان ہے اگر روئے زمین کے آدمیوں میں سے میں کسی کو دوست بناؤں تو تمہیں کو بناؤں گا ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ مسجد کے دروازوں میں سے سوائے ابو بکر کے دروازے کے اور سب دروازے بند کر دیئے جائیں اِس کے علاوہ ابو بکر کے فضائل میں بہت سے صحیح حدیثیں پہلے بیان ہو چکی ہیں. اس لیے اِس معاملہ میں مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ رسولِ خدا ہجرت سے پہلے خدیجہ کے مال کی وجہ سے بہت مستغنی تھے اس لیے آپ کو دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت نہ تھی اسکا جواب یہ ہے کہ ابو بکر کا حضور انور پر خرچ کرنا آپ کے کھانے کپڑے کے متعلق نہ تھا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تمام مخلوق کے مال سے بے پروا کر دیا تھا بلکہ ابو بکر کا خرچ کرنا اشاعت اسلام پر آپ کی اعانت کی غرض سے تھا۔ وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھنے میں خرچ کرتے تھے نہ کہ نفس رسول پر جس میں خدیجہ الکبریٰ کے مال کے کافی یا نا کافی ہونے کا خیال کیا جائے. ابو بکر نے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، بلال، عامر بن فہیرہ اور زیزہ وغیرہ ایسے آدمیوں کو خریدا تھا جنہیں مسلمان ہونے پر سخت تکلیفیں دی جار ہی تھیں اس سے زیادہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اعانت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہجرت کے بعد ابو بکر کے پاس بالکل کچھ نہ رہا تھا محض غلط ہے یہ تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہجرت کے بعد بھی ابو بکر اپنے مال سے حضور انور ﷺ کی برابر اعانت کرتے رہے انہیں ایک دفعہ حضور انور ﷺ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ابو بکر اپنا سارا مال لے آئے تھے اسی طرح اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ایک دن حضور انور انہیں کھانا کھلانے اپنے گھر لے گئے تھے اِسکا مفصل ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر ابو بکر کچھ خرچ کرتے تو اُن کے حق میں قرآن شریف کی آیت ضرور نازل ہوتی جیسا کہ علی کے حق هل اتی علی الانسان . میں نازل کی گئی ہے. اسکا جواب یہ ہے کہ :

هل اتی کا علی کے حق میں نازل ہونا ایسا ہے جسکے باطل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے ہاں ایسے بعض مفسرین نے اِسکا ذکر کیا ہے جن کی یہ عادت ہے کہ وہ موضوع قصے اپنی تفسیروں میں لکھا

کرتے ہیں اِس کے جھوٹ ہونے ایک صریح دلیل یہ ہے کہ سورۂ ھل اتی. باتفاق تمام علماء کے مکیہ ہے جو ہجرت سے پہلے فاطمہ کا علی کے ساتھ نکاح ہونے اور حسین کے پیدا ہونے سے پہلے نازل ہو چکی تھی اِس بارے میں چونکہ پہلے کئی مرتبہ بحث کر چکے ہیں لہٰذا اس بحث کی ہم یہاں زیادہ ضرورت نہیں سمجھتے ہم کہتے ہیں کہ علی کے خرچ کرنے کی بابت کبھی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اس لیے کہ اُن کے پاس کچھ مال ہی نہیں تھا وہ بالکل مفلس تھے ہجرت سے پہلے تو یہ حضور انور ﷺ کے عیال میں سے تھے اور ہجرت کے بعد کبھی کبھی اتنی مزدوری کر لیتے تھے کہ کسی کے لیے ایک ڈول پانی کا کھینچ دیا اور اُس نے عوض میں چند کھجوریں اُنہیں دے دیں جب علی کی فاطمہ سے شادی ہوئی تو علی کے پاس سوائے پرانی اور ٹوٹی پھوٹی زرہ کے اور کچھ نہ تھا ہاں ولیمہ کی تقریب انہوں نے ضرور کی تھی اور یہ وہ روپے تھے جو غزوۂ بدر میں انہیں ہاتھ لگے تھے صحیحین میں خود علیؓ سے مروی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ بدر کی غنیمت میں سے ایک ہونٹ میرے حصے میں آیا تھا اور ایک اونٹ خمس میں سے رسول اللہ نے مجھے عطا کر دیا تھا جب میں نے ولیمہ کرنا چاہا تو نبی قنیقاع کے ایک آدمی کو مزدوری پر نوکر رکھا لیا تھا وہ میرے ساتھ جا کے ازخود (گھاس) لایا کرتا تھا میرا ارادہ تھا کہ یہ ازخود فروخت کر کے اِس کے روپے سے ولیمہ کر دوں گا ایک دن میں اپنے اونٹوں کے کجاوں اور رسیوں کا انتظام کرتا پھرتا تھا میرے یہ دونوں اونٹ ایک انصاری کے گھر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اسی گھر میں امیر حمزہ شراب پیے ہوئے نشے میں بیٹھے تھے اور ایک لونڈی اُن کے آگے گانا بجا رہی تھی اُس نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا. **الا یا حمزة لشرف النواع.** یعنی اے حمزہ دیکھو کیسے تیار اونٹ ہیں یہ سنتے ہی حمزہ اُٹھے اور میرے اونٹوں کے کوہان کاٹ لیے اور کولھے بھی زخمی کر دیئے علی نے یہ قصہ آگے تک ذکر کیا ہے جس کے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے بخاری کا بیان ہے کہ یہ قصہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے.

باقی صدیق کی بابت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی تعریف میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں اُن میں ساری امت سے پہلے صدیق مراد ہیں اور اس پر تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے منجملہ اور آیتوں کے چند آیتیں یہ ہیں (۱) **لَایَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدِ وَ قَاتَلُوْا** ط (۲) **اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ**

جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ (۳) وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی بہت سے مفسرین مثلاً ابن جریر طبری. عبدالرحمٰن بن ابی حاتم وغیرہ نے عروہ بن زبیر. عبداللہ بن زبیر اور سعید بن مسیب وغیرہ سے باسانید صحیحہ یہ بیان ہے کیا ہے کہ یہ آیتیں ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی ہیں.

ابوبکر کا امام بننا: شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابوبکر کو نماز پڑھانے کیلئے آگے کھڑا کر دینا بھی غلطی سے ہو گیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بلال نے اذان دی تو عائشہ نے کہد یا کہ ابوبکر کو امام بنا دو لوگوں نے اُن کے کہنے سے امام بنا دیا تھوڑی دیر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے یکا یک اللہ اکبر کی آواز سنی دریافت کیا کون نماز پڑھا رہا ہے حاضرین نے کہا ابوبکر . آپ نے فرمایا مجھے لے چلو. چنانچہ علی اور عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور اُسی حالت مسجد میں پہنچ کے ابوبکر کو قبلے کی طرف سے ہٹا دیا اور امامت علیحدہ کر کے خود نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے.

جواب : یہ بالکل غلط ہے اس قول کا غلط ہونا تمام علماء حدیث پر ظاہر و باہر ہے شیعی علماء سے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ یہ روایت کس راوی نے اِس سند سے نقل کی ہے کہ اس پر اعتماد کر لیا جائے. یہ روایت سوائے اُن کتابوں کے اور کہیں نہیں ہے جو شیعوں نے مرسلاً نقل کی ہیں اور یہ نقل کرنے والے ہمیشہ ایسے ہی بے تکی باتیں نقل کر دیا کرتے ہیں اور یہ لوگ یقیناً حضور انور ﷺ کے صحیح حالات سے بالکل ناواقف ہیں مثلاً مفید بن نعمان اور کراجکی وغیرہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حال اقوال اور اعمال کی معرفت سے بہت ہی دُور ہیں.

دوسرا جواب: یہ قول اُن اصحاب کا جنھیں اصل واقعہ کی مطلق خبر نہیں ہے اُنھیں یہ بھی خبر نہیں کہ حضور انور ﷺ کی بیماری کے دنوں میں ابوبکر نے کتنی نمازیں پڑھائیں یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ابوبکر امام بنے تھے اِس سے زیادہ ناواقفیت اور کیا ہو سکتی ہے اہل علم یقیناً جانتے ہیں. کہ حضور انور ﷺ کی اجازت سے نماز کے لئے اُنھیں خلیفہ بنا دینے کی وجہ سے حضور انور ﷺ کے وصال ہونے تک ابوبکر

ہی نماز پڑھاتے رہے حالانکہ عائشہ اور حفصہ نے بہت ہی انکار کیا مگر آپ نے نماز پڑھانے کی اجازت اور کسی کو نہیں دی کئی روز تک برابر ابوبکر نے پڑھائی اِس سے پہلے جب آپ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کی غرض سے اُن کے ہاں تشریف کے گئے تب بھی نماز کے لئے ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا. یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ حضور انور ﷺ نے اپنی عدم موجودگی میں ابوبکر کے سوا اور کسی کو نماز کا خلیفہ بنایا ہو اور وہ عدم موجودگی خواہ آپ ﷺ کے سفر کی وجہ سے ہوئی ہو یا بیمار ہونے کی وجہ سے۔ہاں جنگ تبوک میں ایک مرتبہ صبح کی نماز زیادہ اُجالا ہونے پر عبدالرحمٰن بن عوف نے بیشک پڑھا دی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور انور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے وہاں آپ کو دیر ہوئی جاتی تھی۔اجالا زیادہ بڑھتا جاتا تھا اِس لئے مسلمانوں نے عبدالرحمٰن کو جلدی سے کھڑا کر دیا وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور انور ﷺ تشریف لے آئے مغیرہ بن شعبہ آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے حضور ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا پھر جماعت میں مل گئے آپ ﷺ کو ایک رکعت ملی وہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ پڑھ کے دوسری رکعت علیحدہ پڑھ لی اور چونکہ نماز کو دیر ہوئی جاتی تھی اس لئے عبدالرحمٰن کے پڑھا دینے سے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے. حضور انور ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی مدینے سے سفر کرتے تھے تو کسی نہ کسی کو نماز پڑھانے کے لئے اپنا خلیفہ کر جاتے تھے چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ ابن اُمِ مکتوم کو خلیفہ کیا اور ایک مرتبہ علی کو اور بعض اوقات آپ ﷺ نے اوروں کو بھی خلیفہ بنایا ہے لیکن بیماری کی حالت میں جبکہ آپ اپنے حجرے سے باہر تشریف نہ لا سکتے تھے تو آپ ﷺ نے اس حالت میں نماز کا خلیفہ اور کسی کو نہیں کیا نہ علی کو نہ کسی دوسرے شخص کو نماز کے لئے صدیق کو خلیفہ بنانا صحاح. سنن اور مسانید وغیرہ میں متعدد طریقوں سے متواتر ثابت ہے مثلاً بخاری مسلم. ابوخزیمہ. ابن حبان وغیر نے اہل صحیح سے اُنھوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب حضور انور ﷺ کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے حکم دیا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھا دیں اس پر عائشہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ابوبکر تو بہت ہی رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہونگے تو اُن سے نماز نہ پڑھائی جائے گی آپ نے فرمایا نہیں ابوبکر ہی سے کہو نماز وہی پڑھائیں گے. پھر حضور ﷺ کی زندگی میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے اس بارے میں حضور انور ﷺ کے حکم دینے پر عائشہ کے تین دفعہ انکار کرنے کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے اس حدیث

میں اِس بات کا پورا ثبوت ہے کہ حضور انور کی زندگی میں بیمار ہونے کے وقت ابوبکر ہی نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اس پر تمام علماء نقل کا اتفاق ہے حضور ﷺ کئی روز بیمار رہے ان دنوں میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا سوائے ابوبکر کے کسی نے نماز نہیں پڑھائی. اس کے علاوہ حضور انور ﷺ کے حجرے کا دروازہ مسجد ہی کی طرف تھا اسی حالت میں یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ نے کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہو اور بغیر آپ کی اجازت کے اِن سب دنوں میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے ہوں اگر ایسا ہوتا تو صحابہ اس میں ضرور ردوقدح کرتے حالانکہ کسی نے بھی کچھ نہیں کیا علی اور عباس وغیرہ بھی حضور انور کے حجرے میں برابر آتے جاتے رہے۔ جیسا کہ خود شیعی علماء اقرار کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور علی اور عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے باہر تشریف لائے تھے.

یہ ثابت ہو چکا کہ حضور انور کا مرض جمعرات کے دن سے شروع ہوا تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی وفات اگلے ہفتے پیر کے دن ہوئی اس حساب سے آپ کے مرض کی مدت بارہ روز ہوئی صحیح میں عبیداللہ بن عبداللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں عائشہ صدیقہ کی خدمت میں گیا اور یہ عرض کیا مجھے رسول اللہ کے مرض کی کیفیت سنادو فرمایا حال یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ تکلیف ہوگئی تھی جب کچھ افاقہ معلوم ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کیا مسجد میں کچھ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول نہیں. آپ کا انتظار کر رہے ہیں فرمایا اچھا پانی لاؤ میں غسل کرونگا میں نے پانی حاضر کر دیا. جب آپ اُٹھنے لگے تو غش آ گیا کچھ دیر کے بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا کیا نماز ہو چکی ہے میں نے عرض کیا نہیں نمازی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا پھر پانی لاؤ میں نے پیش کر دیا آپ نے غسل کیا جب کھڑے ہونے لگے تو پھر آپ کو غش آ گیا چنانچہ پھر آپ کو افاقہ ہوا اور پھر آپ نے نماز کی بابت دریافت کیا یہی عرض کیا گیا سب آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں یہ قصہ عشا کے وقت کا ہے اُس وقت سب آدمی مسجد میں بیٹھے ہوئے حضور انور کا انتظار کر رہے تھے حضور انور ﷺ نے ابوبکر کو خود ہی آدمی بھیج کے یہ کہلا بھیجا کہ تم نماز پڑھا دو آدمی اُن کے پاس پہنچا اور کہا کہ رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے۔ ابوبکر بہت ہی رقیق القلب تھے آپ نے عمر سے کہا کہ تم نماز پڑھا دو عمر نے جواب دیا سب سے زیادہ حقدار ابوبکر تم ہی ہو اس کے بعد ابوبکر نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے اور ان دنوں اُنھوں نے

ہی نماز پڑھائی ایک روز ظہر کا وقت تھا حضور کو اپنے مرض میں کچھ تخفیف معلوم ہوئی آپ ظہر کی نماز مسجد میں پڑھنے کے لئے دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لیکے باہر تشریف لائے اُن میں ایک عباس تھے۔ابوبکر اس وقت نماز پڑھا رہے تھے جب انھیں معلوم ہوا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں تو ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے ہیں حضور انور نے اشارہ کیا کہ تم پیچھے نہ ہٹو اور ان دونوں سے فرمایا کہ مجھے ان کے پاس ہی بٹھا دو ابوبکر تو کھڑے ہوئے حضور انور کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی سب مسلمان کھڑے ہوئے ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے اور حضور انور بیٹھے ہوئے تھے۔ فقط۔

عبید اللہ کہتے ہیں میں یہ سب کیفیت سن کر ابن عباس کے پاس گیا اور اُن سے اجازت لے کے میں نے عائشہ صدیقہ کا قصہ سنایا وہ سب غور سے سنتے رہے مگر اُنھوں نے کسی بات کا انکار نہیں کیا سوائے اتنی بات کے مجھ سے یہ پوچھنے لگے کہ صدیقہ نے اُس آدمی کا نام بھی لیا جو عباس کے ساتھ تھا میں نے کہا نہیں فرمایا وہ علی بن ابی طالب تھے. یہ قصہ ہے جس میں عائشہ اور ابن عباس دونوں یک زبان ہیں اور یہ دونوں حضور انور کے مرض کو اور نماز پڑھانے کیلئے ابوبکر کے خلیفہ کر دینے کو ایک ہی طرح بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے سے پہلے کئی روز تک ابوبکر ہی نے سب کو نماز پڑھائی تھی اور جب آپ ظہر کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو ابوبکر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں اور اپنی جگہ کھڑے رہیں ابوبکر نے اس حکم کی تعمیل کی حضور انور کے پہلو میں بیٹھ گئے لوگ ابوبکر کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور ابوبکر حضور انور کی نماز کی. اس قصے کی تصدیق کرنے اور اُس بسر و چشم منظور کرنے پر تمام علماء متفق ہیں اور اُنھوں نے اس سے بہت سے فقہی مسائل استنباط کئے ہیں. منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ نے تو نماز بیٹھ کے پڑھی اور ابوبکر صدیق اور سب آدمیوں نے کھڑے ہو کے تو آیا اس نماز کا اس طرح ہونا صرف رسول اللہ کی خصوصیت سے تھا یا یہ حضور انور کے اس ارشاد کے لئے ناسخ تھا کہ اذا اصلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون . ''یعنی جس وقت امام بیٹھ کے نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کے ہی نماز پڑھو'' یا یہ دونوں طرح جائز ہے غرض اس کی تین صورتیں ہیں اور علما کے بھی اس میں تین ہی اقوال ہیں پہلا قول تو امام مالک اور امام محمد حسن کا ہے دوسرا امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا تیسرا امام احمد. حماد بن زید اور اوزاعی وغیرہ کا جنکا فتویٰ ہے کہ

امام کسی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ کے نماز ادا کرے تو سارے مقتدی بھی بیٹھ کے پڑھیں. ہاں اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب امام کس کو خلیفہ کر کے اور پھر نماز ہوتے ہوئے وہ امام آ جائے تو کیا یہ پہلا امام باقی نمازی پوری کرا دے جیسا کہ رسول خدا نے اپنی بیماری میں کیا تھا یا یہ حضور کی خصوصیت کی وجہ سے ہوا تھا؟

اس میں دو قول ہیں اور یہی دونوں صورتیں امام احمد کے مذہب میں ہیں اور ابن عباس اور صدیقہ کے بیان کردہ قصہ میں اس کی پوری پوری تصدیق ہوئی ہے ابن عباس اور صدیقہ میں کچھ شکر رنجی تھی اسی طرح علی اور صدیقہ میں علی کی بعض ناواجب باتوں سے شکر رنجی ہی ہوگئی تھی ممکن ہے کہ اسی وجہ سے صدیقہ نے علی کا نام نہ لیا ہو باوجود اس کے ابن عباس نے سب باتوں میں صدیقہ کی تصدیق کی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ علی ہیں۔ صحیحین میں صدیقہ سے مروی ہے کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کر دینے پر انکار تو بے شک کیا اور وہ بھی زیادہ تر اس وجہ سے کہ میرے دل میں اس بات کا خیال بھی تھا کہ رسول اللہ شاید یہ چاہتے ہوں کہ لوگ آپ کے بعد آپ کا قائم مقام کسی اور کو نہ کر دیں۔ ورنہ میری رائے تو یہ تھی کہ رسول اللہ کا قائم مقام کوئی نہ ہو۔ ورنہ جو ہوگا لوگ اُسے منحوس ضرور سمجھیں گے۔ اسی لئے میں یہ چاہتی تھی کہ رسول اللہ ابو بکر کو تو اس سے معاف ہی رکھیں۔ صحیحین میں صدیقہ سے ایک اور جگہ بھی یہ مروی ہے کہ جب رسول اللہ کا مرض زیادہ بڑھ گیا تو ایک دن بلال رسول اللہ کو نماز کی خبر دینے آئے۔ آپ نے اُس وقت یہ فرمادیا کہ ابو بکر سے کہو وہ نماز پڑھا دیں گے۔ اس پر میں نے یہ کہا: ''یا رسول اللہ ابو بکر تو بہت رقیق القلب ہیں وہ جس وقت آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو تکبیر وغیرہ کی لوگوں کو آواز بھی نہ سنا سکیں گے۔ آپ عمر فاروق کو حکم فرمادیں وہ پڑھا دیں گے'' فرمایا نہیں ابو بکر سے کہو وہی نماز پڑھا دیں اس پر میں نے حفصہ سے کہا ''تم رسول اللہ سے کہو کہ ابو بکر بہت رقیق القلب ہیں وہ آپ کی جگہ کس طرح کھڑے ہوں گے ان کی اتنی آواز نہیں نکلتی کہ وہ لوگوں کو سنائی دے گی۔ عمر فاروق کے لئے اجازت دے دیجئے'' حفصہ نے اسی طرح رسول اللہ سے کہہ دیا اس پر آپ نے یہ فرمایا ''تم صواحب یوسف کی طرح ہو، تم میرے کہنے پر چوں چرا کیوں کرتی ہو۔ ابو بکر سے کہو وہی نماز پڑھائیں گے۔'' بخاری کی روایت میں عائشہ صدیقہ کے کہنے کے بعد یہ بھی آیا کہ حفصہؓ نے میرے کہنے کے مطابق رسول اللہ سے عرض کر دیا۔ رسول اللہ نے یہ سن کے فرمایا

''خبردار تم صواحب یوسف ہو'' اس وقت حفصہ نے مجھ سے یہ کہا کہ ''دیکھو یہ تم نے کیا کیا'' ایسی بات جس سے مجھے کوئی بھلائی پہنچ جائے تم نہیں کرتیں۔ فقط۔

ان حدیثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ عائشہ صدیقہ کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ ان کے بزرگ والد ابوبکر امام بن کر نماز پڑھائیں۔ یہاں ہم نے یہی ثابت کرنا تھا اور ہم کر چکے یہاں تک کہ امامت کے انکار پر اصرار تھا کہ حفصہ سے بھی یہی کہلوایا کہ شاید ان کی بات کی پذیرائی ہو جائے۔ جس پر حضور انور نے انہیں ملامت کی اور اسے خلاف قرار دے کے مثل اس مراد کے قرار دیا جیسا صواحب یوسف نے خود یوسف کے ساتھ کی تھی۔ غرض یہ اس امر کی صریح، بین اور صاف دلیل ہے کہ نماز میں ابوبکر کے سوا اور کسی کو امام بنانا ایسا خلاف امر تھا کہ اس کے کرنے والے کی ویسی ہی برائی کی جائے جیسے ان عورتوں کی گئی ہے۔ جنہوں نے یوسف کو بہکایا تھا یہ باوجود اس بات کے ہے کہ ابوبکر صدیق نے عمر فاروق سے خود کہا تھا: ''نماز تم پڑھا دو'' مگر انہوں نے نہیں پڑھائی۔ اور یہ جواب دیا کہ: ''اس کے سب سے زیادہ حق دار اور لائق تم ہی ہو'' پس یہ اس بارے میں عمر فاروق کا اقرار تھا کہ اس کا حق دار تم سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے خلافت کے بارے میں بھی یہ اقرار کر لیا تھا کہ اس کے بھی مجھ سے اور تمام صحابہ سے زیادہ حق دار تم ہی ہو۔ مقصود یہ ہے کہ نماز پڑھانے میں ابوبکر کئی روز تک خلیفہ رہے تھے۔ اس پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے اور انہیں اہل صحیح نے ابوموسیٰ، ابن عباس، عائشہ صدیقہ، ابن عمر اور انس وغیرہ کی سندوں سے نقل کیا۔ انس سے روایت ہے کہ جس مرض میں رسول اللہ کی وفات ہوئی ہے۔ آخر میں آپ تین دن باہر تشریف نہیں لائے۔ تیسرے دن جب تکبیر ہوئی تو ابوبکر آگے ہونے لگے اتنے میں رسول اللہ نے فرمایا پردہ باندھ دو پردہ باندھ دیا گیا۔ رسول اللہ کا منورہ چہرہ ہمیں معلوم ہوا تو ہم نے ایسا خوش منظر دیکھا۔ اس سے زیادہ کبھی دیکھا نہ تھا پھر رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کی طرف سے اشارہ کر دیا کہ تم ہی نماز پڑھاؤ اور پھر آپ نے پردہ چھوڑ وا دیا اور باہر تشریف نہ لا سکے یہاں تک کہ وفات ہوگئی۔ فقط

یہاں انس نے یہ بیان کر دیا کہ رسول اللہ کا دوسری دفعہ باہر تشریف لانا حجرہ کے دروازہ ہی تک تھا جو تین روز کے بعد ہوا تھا ان تین دن میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے تھے جیسا کہ حضور انور کی پہلی دفعہ باہر تشریف لانے پر بھی جب آپ علی اور عباس کے کندھوں پر سہارا دے کے نکلے تھے۔ ابوبکر ہی

پڑھاتے رہے. یہ ساری باتیں صحیح میں اِس طرح ثابت ہیں گویا تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو. انس کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ تم نماز پڑھا دو وہ پڑھانے لگے بس یہ آخری نماز تھی جو مسلمانوں نے رسول اللہ کی زندگی میں پڑھی تھی اور رسول اللہ نے یہ اشارہ کیا تو نماز میں تھا یا نماز سے پہلے تھا. اس قصہ کی ابتدا میں رسول اللہ نے ابوبکر کے پاس کئی آدمی بھیجے تھے اور انہوں نے جاکے نماز پڑھانے کے لیے کہا تھا یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ کا پیغام پہنچانے والی عائشہ صدیقہ ہرگز نہ تھیں نہ انہوں نے اپنے بزرگ باپ سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے. جیسا کہ مفتری گمان کرتے ہیں.'' پس ان مفتریوں کا یہ کہنا کہ جب بلال نے اذان دی ہے تو عائشہ نے اُن سے کہہ دیا کہ ابوبکر کو امام بنالو بالکل غلط اور سفید جھوٹ ہے.''

عائشہ صدیقہؓ نے ابوبکر کو امام بنانے کو کبھی نہیں کہا اور نہ اس کے متعلق کوئی اور بات کہی نہ بلال نے اُن سے یہ بات سنی بلکہ بلال نے خود ہی حضور انور کو نماز کی خبر دی تھی کہ اسوقت جماعت تیار ہے. بلال وغیرہ جتنے آدمی اُس وقت حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سب سے یہ فرمادیا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھادیں گے اِس خطاب میں آپ نے عائشہ صدیقہ کی خصوصیت نہیں کی.۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا جب رسول اللہ کو کچھ افاقہ ہوا اور آپ نے اللہ اکبر کی آواز سنی تو پوچھا کہ لوگوں کو کون نماز پڑھا رہا ہے؟ حاضرین نے کہا ابوبکر فرمایا: ''مجھے باہر لے چلو'' یہ صریح جھوٹ اور حضور انور پر ایک بڑا بہتان ہے کیونکہ ان مستفیضہ نصوص سے جن کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے سے پہلے ابوبکر نے کئی روز نماز پڑھائی تھی جیسا کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے کے بعد بھی کئی روز نماز پڑھائی. اسکے علاوہ یہ متواتر معلوم ہو چکا کہ حضور انور کئی روز ایسے بیمار رہے کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھا سکے لہٰذا مفتریوں کو یہ بتانا چاہیے کہ ابوبکر کے سوا اور کون شخص تھا جو ان دونوں میں لوگوں کو نماز پڑھاتا رہا حالانکہ کہیں کسی نے یہ نقل نہیں کیا نہ کسی مردود سے مردود روایت میں ہم نے انکے کسی شخص کا نام دیکھا. جب یہ بات ہے تو اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ بس نماز پڑھانے والے ابوبکر ہی تھے اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ حضور انور کو اسکی اطلاع نہ ہوئی ہو یا مسلمانوں نے اس میں حضور سے اجازت نہ لی ہو کیونکہ ایسا ہونا عادتاً اور شرعاً ہر طرح ممتنع اور محال ہے پس یہ معلوم ہوا

کہ حضور کی اجازت اور رضامندی سے ہوا تھا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ فقط۔

اور جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے۔ اس کی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جنہیں صحیح رواتیوں کا پورا علم ہے اور جو درایت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اور جنہوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن۔ اور صحابہ کے آثار اور معاشرت میں غور کیا ہے۔ یقیناً اِس کا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا مل کے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی۔

ہم نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پر ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بناء نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر واقعہ ایسا بدیہی ثبوت دیا جائے گا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ الحمد اللہ کہ اس میں کامیابی ہوئی۔ کسی کی مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف کر سکے۔ اسکا توڑنا تو کجا!

عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے تحفہ وغیرہ کا جیسا اُنہوں نے جواد یا ہے مگر اِس کے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اسکی بین دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی۔ بدیہی بات کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے۔ ہر بات آنکھوں سے دکھادی پھر بھلا اِسکی تکذیب ہوش مند کیونکر کر سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنے اِس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا انہیں سچے سچے واقعات معلوم ہوگئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں۔ غرض اصلی اور سچے سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگئے۔ اِس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائے گا۔ ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے پرانے تعصّبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے دور ہونے لگے ہیں اگر حق پوچھئے تو شیعہ سنی دونوں کے لیے کتاب شہادت نے آب حیات کا کام کیا ہے۔ شروع شروع میں لوگ اس کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُن کی یہ بیزاری خواب وخیال ہوگئی ہے اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے خوش ہوتے ہیں۔

اَلحَمدُ لِلّٰہ تیسرا مقدمہ ختم ہوگیا۔